ماہنامہ
کرن
اکتوبر 2016
ماہنامہ کرن
OCTOBER 2016
Regd. No. SC-53
MONTHLY KIRAN
قیمت -/60 روپے
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
سپیشل بیوٹی گائیڈ

**زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری**

| | | |
|---|---|---|
| پاکستان (سالانہ) | 700 | روپے |
| ایشیا، افریقہ، یورپ | 6000 | روپے |
| امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا | 7000 | روپے |

## مستقل سلسلے




اکتوبر 2016

جلد 39 شمارہ 7

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی



Phone: 32721777, 32726617, 021-32922494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

# ادارئیہ

وقت ہر لمحے کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور اپنے ساتھ بہت کچھ بہائے لیے جا رہا ہے۔
قدرت کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک وقت کا گزر جانا بھی ہے۔ اگر وقت ٹھہر جاتے تو انسان آگے ہی نہ بڑھ پاتے۔ گزرتا وقت جہاں اپنے ساتھ رنج والم کے لمحات لے جاتا ہے، وہاں بہت سے زخم بھی مندمل کر دیتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان اپنے پیاروں کو کبھی بھول نہیں پاتا ہے۔ ان کی یادیں، ان کی باتیں جب جب یاد آتی ہیں، آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔
کچھ لوگ اتنے زندہ دل، دل پذیر اور جاذب شخصیت کے مالک ہوتے ہیں کہ دنیا سے رخصت ہو جائیں تب بھی دل انہیں بھلا نہیں پاتا ہے۔ محمود بابر فیصل ایسی ہی شخصیت تھے۔ آج دو عشروں سے زیادہ مدت گزرنے کے باوجود ان کی یادوں کے نقوش نہیں دھندلائے ہیں۔ ان کی شگفتہ اور پُر بہار شخصیت کو بھی ان کے دوست احباب اور ادارے کے لوگ یاد کرتے ہیں۔
قارئین کے روپ میں اپنے برجستہ جوابوں سے مسکراہٹوں کے پھول کھلانے والے محمود بابر فیصل 25۔ اکتوبر کو دنیا سے رخصت ہوئے لیکن ان کی یادیں آج بھی زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دائمی زندگی میں دائمی سکون عطا کرے۔ آمین۔
قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

## اس شمارے میں،

- بیاد محمود بابر فیصل،
آج بھی تم نظر آ گئے۔ رخ چوہدری،
- اداکار عمران اشرف سے شاہین رشید کی ملاقات،
- آواز کی دنیا سے۔ اس ماہ مہمان ہیں "یاسر عباس"
- اداکارہ "یمنیٰ زیدی" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"
- "من مور کھ کی بات نہ مانو"، آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "دل پنترل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "دست مسیحا"، نگہت سیما کے مکمل ناول کی آخری قسط،
- "روٹھے سحر"، بشریٰ سیال کا مکمل ناول،
- "سنگ پارس"، مہوش افتخار کے ناولٹ کی آخری قسط،
- "ساتول موڑ مہاراں" بنت سحر کا ناولٹ،
- "ہم نے تو بس عشق کیا"، شبینہ گل کا ناولٹ،
- عابدہ احمد، شہزادی کائنات، عبیرہ لطیف اور فوزیہ اشرف کے افسانے اور مستقل سلسلے،

**مفت،**

کرن کے اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب "نیچرل بیوٹی گائیڈ" مفت حاصل کریں۔

## دُعائے مغفرت

ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہمیں لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔

وہ مہربان ہستی جن کا وجود ہمارے لیے باعثِ رحمت و برکت اور جن کے قدموں تلے جنت تھی، رضائے الٰہی سے اس جہانِ فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ؕ

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے، انہیں ابدی زندگی میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

دکھ کی اس گھڑی میں جو دوست احباب شریکِ غم رہے، ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عامر محمود
ناصر ریاض
آذر ریاض
شگفتہ سلیمان

## حمد باری تعالیٰ

اے خدا میرے خدا تُو خالقِ کون و مکاں
ذرہ ذرہ کر رہا ہے تیری قدرت کا بیاں

کون سی شے ہے جو ہو پوشیدہ تجھ سے اے خدا
ہر جگہ تیری نظر ہے ہر جگہ تو ہے عیاں

ذہن میں جو بات آئی ہے وہ چھپ سکتی نہیں
جانتا ہے تُو سبھی کچھ، کچھ نہیں تجھ سے نہاں

اے خدا نظروں کی چوری بھی پکڑ لیتا ہے تُو
ہم گناہ گارِ شریعت بچ کے اب جائیں کہاں

بخش دیتا ہے اگر توفیقِ توبہ ہو نصیب
تیری ہی رحمت تلے آباد ہے سارا جہاں

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

مدینے کو جائیں یہ جی چاہتا ہے
مقدر بنائیں یہ جی چاہتا ہے

مدینے کے آقاؐ دو عالم کے مولا
تیرے پاس آئیں یہ جی چاہتا ہے

جہاں دونوں عالم ہیں محوِ تمنا
وہاں سر جھکائیں، یہ جی چاہتا ہے

محمدؐ کی باتیں، محمدؐ کی سیرت
سُنیں اور سنائیں یہ جی چاہتا ہے

درِ پاک کے سامنے دل کو تھامے
کریں ہم دُعائیں یہ جی چاہتا ہے

پہنچ جائیں بہزاد جب ہم مدینے
تو خود کو نہ پائیں یہ جی چاہتا ہے

(بہزاد لکھنوی)

بیادِ محمود بابر فیصل

# آج بھی تم نظر نہ آؤ گے

رُخ چوہدری

شیکسپیئر کے مطابق زندگی ایک اسٹیج ہے جس پر ہر انسان آتا ہے' اپنا کردار ادا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ اسٹیج پر کچھ لوگ نارمل سا کردار ادا کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں' مگر کچھ لوگ اپنا کردار اتنے اچھے انداز میں ادا کرتے ہیں' اتنی اچھی پرفارمنس دیتے ہیں' اپنی صلاحیتوں کو اتنے بھرپور انداز میں ادا کرتے ہیں کہ چلے جانے کے باوجود اپنی یادوں کے گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کو یاد کرنا نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ لوگ یاد رہ جاتے ہیں' اپنی سحر انگیز شخصیت کی وجہ سے' اپنی بہترین سوچ کی وجہ سے' اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یاد کا دیا بن جاتے ہیں۔

"کرن ڈائجسٹ" کا ادارہ ہو اور اکتوبر کا مہینہ ہو تو میرے اس مختصر سے تعارف میں جس ہمہ جہت پروقار سحر انگیز شخصیت کا پیکر نمایاں ہوتا ہے وہ ہیں "جناب محمود بابر فیصل"۔

میری کم نصیبی یہ کہ میں جب بطور رائٹر اس ادارے سے وابستہ ہوئی اس کے چند سال بعد ہی "بابر صاحب" چلے گئے۔ رائٹر بننے سے پہلے میں باقاعدہ تو نہیں' پھر بھی قاری تھی "کرن" کی۔ مجھے افسانوں ناولوں میں اس وقت نہ لکھنے میں دلچسپی تھی' نہ پڑھنے میں' مگر کرن میں جناب بابر صاحب کے خواتین قارئین کے سوالوں کے جوابات دیتے تھے۔ ان کے جوابات اتنے اچھے' پرمزاح ہوتے کہ میں باجی کی عدم موجودگی میں یہ "سلسلہ" ضرور پڑھا کرتی۔ سوال و جواب کے سلسلوں میں بابر صاحب بہت اچھے اور برجستہ جوابات دیا کرتے اور کسی نامناسب سوال پر قاری کو ڈانٹ بھی دیا کرتے اور ایسا اچھا پراثر اور نصیحت آمیز جواب دیتے کہ پڑھ کر دوسرے بھی سبق سیکھ لیتے۔ میں تب سے (رائٹر سے پہلے) بابر صاحب کی فین بنی۔

میں ان کو ذوالقرنین کے حوالے سے جانتی تھی' ان کے اس نام کو لڑکیاں جانے کیسے کیسے ادا کرتی تھیں اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں اس ادارے کی رائٹر بنی' جو کہ ہر رائٹر کا خواب ہوتا ہے کہ وہ اس ادارے کی رائٹر بنے تو اللہ تعالیٰ نے اب مجھے یہ اعزاز بخش دیا تھا کہ میں ملک کے واحد اچھے ڈائجسٹ نکالنے والے ادارے کی رائٹر بن گئی تھی۔

کافی دنوں تک میں نے کسی ایسی شخصیت کو نہیں دیکھا جن کا نام جناب محمود ریاض ہو یا کرن کے

# ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

## ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L - 5 / 79 ڈاکخانہ L.5 / 78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

جناب محمود بابر فیصل ہو پھر ایک روز اچانک جب اقبال بانو کے ساتھ افسانہ دے کر نکلی تو جناب بابر صاحب سامنے سے آرہے تھے اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سامنے موجود تھے' کچھ دیر کے لیے ہم بھی ان کی پرسنالٹی کے سحر میں کھو گئے۔ اقبال بانو چونکہ پہلے سے لکھ رہی تھیں اور بابر صاحب سے بات بھی تھی' اقبال بانو نے جھٹ سلام کیا۔ انہوں نے بھی رک کر سلام کا جواب دیا' حال احوال کا تبادلہ ہوا اور پھر بابر صاحب کرن کے آفس چلے گئے۔

تو میں نے آہستہ سے اقبال بانو سے پوچھا کہ کون ہیں' ان کی شکل تو "نہلا پہ دہلا" کے ذوالقرنین صاحب سے بہت مل رہی ہے۔ تو اقبال بانو ہنس پڑیں اور انہوں نے بتایا کہ یہ ہی ذوالقرنین ہیں' یہ ہی بابر صاحب ہیں۔ اور ادارہ کرن کے روح رواں ہیں۔ یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اتنی اچھی پرسنالٹی والا بندے کی سوچ بھی اتنی اچھی اور پاکیزہ کہ "خواتین" کا پرچا نکالتے تھے اور خواتین کی بے حد عزت کرتے' ان کی سوچ کی اچھائی کو میں نے ان کے سوال و جواب میں جانا تھا۔

جیسا کہ میں نے بتایا بابر صاحب بہت جلد چلے گئے۔ اس لیے میری ان سے زیادہ ملاقات نہیں رہی تھی' مگر ان کی اچھائی کا سحر اور باتوں کی خوشبو ادارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ہاں البتہ ایک ملاقات شاید میں کبھی نہ بھول سکوں' ایک دفعہ عید تھی' رمضان تھا' اس وقت کی ایڈیٹر کا اصرار تھا کہ میں عید نمبر کے لیے

ہلکا پھلکا سا افسانہ دوں' تو میں سدا کی ست ٹھہری' کہا روزے میں لکھا نہیں جاتا' اسی دوران بابر صاحب کے آفس آنے کا اعلان ہو گیا' سب الرٹ ہو گئے۔ ایڈیٹر اندر گئیں' صورت حال بیان کر آئیں' پھر مجھے کہا گیا کہ بابر صاحب تمہیں بلاتے ہیں۔ خوف زدہ دل کے ساتھ ان کے آفس میں گئی' بڑے مان سے انہوں نے ہمیں دیکھا حال احوال کے بعد ایڈیٹر سے کہنے لگے کہ

آپ تو کہہ رہی تھیں کہ رخ افسانہ نہیں دے رہی۔ مگر رخ تو تو ہمیں تین دن میں افسانہ دے رہی ہے۔ عید نمبر کے لیے۔ اس کے بعد انہوں نے ہاتھ بڑھا کر دیوار پر لگے کیلنڈر میں تین دن پر دائرہ لگا دیا اور میں گود میں ہاتھ رکھے پریشان دل کے ساتھ سوچتی رہ گئی۔ سر یہ... سر وہ... سر روزے سر... عید... اور پھر بابر صاحب کے لہجے میں جانے کیا تھا... ان کے خلوص میں' اصرار میں جانے کیا بات تھی کہ تیسرے دن افسانہ ان کی میز پر تھا۔ اور الحمدللہ وہ افسانہ کرن میں بہت مقبول ہوا۔

بابر صاحب بہت زندہ دل انسان تھے ہنستے ہنساتے رہتے' ہاں وہ حساس دل کے مالک بھی تھے' اپنے رائٹرز کے ساتھ ان کا رویہ بے حد مخلصانہ اور ہمدرد ہوا کرتا۔ ان کی شخصیت ایسی ہے کہ چند سطور میں اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ چند سطور میں اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں تحریر کر رہی ہوں' وہ ایک فرماں بردار بیٹے تھے اور یہ بات میں نے ایک چھوٹی سی ملاقات میں دیکھی کہ ہم ان کے پاس بیٹھے تھے ناول ڈسکس ہو رہا تھا۔ کسی نے بتایا کہ جناب محمد ریاض صاحب آئے ہیں۔ بابر صاحب ایک دم سیدھے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور جلدی سے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا۔

باوجود اس کے کہ ریاض صاحب اپنے آفس میں تھے' مگر بابر صاحب کا یہ احترام بتا گیا کہ وہ اپنے والد کی کتنی عزت کرتے ہیں۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ جن کے بارے میں کچھ لکھنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ بابر صاحب سے چند ایک ملاقات کا ذکر کر رہی ہوں تو وہی دور' وہی سین نظروں میں گھومنے لگے ہیں۔ اب اگر بابر صاحب کا ذکر ہو اور "کرن شام" کا تذکرہ نہ ہو' یہ ممکن نہیں' ان کی شخصیت باغ و بہار تھی۔ وہ سال میں ایک بار "کرن شام" ضرور منایا کرتے' جس میں سینئر' جونیئر رائٹرز شرکت کرتے۔ میرا شمار چونکہ اس وقت جونیئرز میں

ہوتا تھا۔ اس لیے خود کو اسی لیول پر رکھتی، لیکن استقبالیہ پر جب پہلی بار میں گئی تو۔ بابر صاحب نے جب کہا کہ "آؤ رخ چوہدری تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔" میں نے بے یقینی اور حیرت سے ان کو دیکھا۔ وہ ہر آنے والی رائٹرز کو کہہ رہے تھے۔ آؤ۔۔۔ آؤ تمہارا ہی انتظار کررہا تھا، تو معلوم ہوا کہ ان کا ہر مہمان ان کے لیے بے حد اہم اور معتبر ہے۔ وہ بہت اچھے مہمان نواز تھے کہ میری طرح ہر کوئی خود کو اہم سمجھنے لگتا۔ میرے لیے وہ بے حد محترم تھے۔

پھر اچانک کیا ہوا کہ ادارے سے اطلاع ملتی ہے فون آتا ہے کہ بابر صاحب بیمار ہیں۔ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں، ان کے لیے دعا کی جائے، ایک دم شاک سا لگتا ہے۔ ابھی چند دن قبل ہی تو ملاقات ہوئی تھی بالکل ٹھیک تھے۔ پھر کیا ہوا تھا۔ ان کے قارئین ان کے رائٹرز ان کے گھر والوں کی حالت ناقابل بیان تھی، سب مجسم دعا بن گئے تھے۔ ہر لمحہ، اللہ کے حضور بے شمار لوگوں کی بے شمار دعائیں پہنچ رہا تھا۔ لیکن حکم الٰہی آچکا تھا۔ ان کی عمر کی نقدی ختم ہوچکی تھی، جو کہ بہت کم تھی، پھر بھی دکھ کی انتہائی شدت کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ بابر صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اف کیا قیامت خیز خبر تھی، انہونی سی اتنی جلدی اتنی جوانی میں، کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ کون سی آنکھ تھی، جو اشکبار نہیں تھی کون تھا جس کو ان کے جانے کا دکھ نہیں تھا۔ اپنے ایک جملے سے محفل کو زعفران بنا دینے والا شخص سب کو رلا گیا تھا۔ ہر کوئی دکھی اور اداس تھا۔ ان کے والد ان کی والدہ، بہن، بھائی اف کس قدر ناقابل برداشت صدمہ تھا ان کے لیے، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، ہم جیسے لوگ بھی جن سے ان کا قلمی تعلق تھا، بے حد روئے تھے۔

موت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ مرنا تو ہر ذی روح کو ہے۔ مگر مر کر یوں دلوں میں یاد بن کر کسک بن کر اچھائی بن کر رہ جانا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اور بابر صاحب بھی ایسے خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو یاد کرنا نہیں پڑتا، بلکہ وہ ہمیشہ یادوں میں زندہ رہتے ہیں۔

بابر صاحب کی برسی کے موقع پر میرے یہ چند الفاظ نہ تو ان کی شخصیت کا احاطہ کرسکتے ہیں، نہ ہی اس دکھ کا اظہار کرسکتے ہیں، جو ان کی بے وقت کی موت کا ہوا، یہ چند الفاظ ان کی یاد میں خراج تحسین ہیں۔ اللہ تعالیٰ بابر صاحب کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

ڈوب جائے گا آج بھی خورشید
آج بھی تم نظر نہ آؤ گے
بیت جائے گی ہر شام
زندگی بھر ہمیں رولاؤ گے

☆ ☆

# عمران اشرف سے ملاقات

شاہین رشید

لڑکیوں کی شکل تو معصوم ہوتی ہی ہے۔ مگر لڑکوں کی نہیں لیکن آپ جن کا انٹرویو پڑھ رہے ہیں وہ نہایت ہی معصوم شکل کے ہیں۔ اس لیے انہیں کردار بھی ایسے ہی ملتے ہیں ۔۔۔ اپنی خوب صورت اداکاری سے ڈراموں میں جان ڈالنے والے فنکار عمران اشرف کو آج کل آپ متعدد ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں۔

★ ”کیا مصروفیات ہیں اور کیسی گزر رہی ہے۔ کیا آن ایئر ہے؟“

✻ ”الحمدللہ اچھی گزر رہی ہے ۔۔۔ اور مصروفیات تو ماشاءاللہ کافی ہیں اور آن ایئر تو ”دل لگی“ ہے۔ جس کے ڈائریکٹر ندیم بیگ ہیں یہ ایک میگا پروجیکٹ تھا جس کی شوٹ بھی فلم کے کیمرے سے ہوئی تھی۔ اور اس سیریل کے ذریعے ہمایوں سعید کی چھوٹی اسکرین پہ چار سال بعد واپسی ہوئی اور دو سال کے گیپ سے مہوش حیات کی واپسی ہوئی ۔۔۔ تو جناب بہت پسند کیا جارہا ہے یہ سیریل ۔۔۔ اس طرح سیریل ”جھوٹ“ آن ایئر ہے۔ یہ بھی ناظرین میں بے حد مقبول ہے۔“

★ ”ہمایوں سعید اور مہوش حیات اب ماشاءاللہ کافی بڑے نہیں ہوگئے؟“

✻ ”ایسا نہیں ہے ۔۔۔ ”دل لگی“ میں دونوں بہت اچھا پرفارم کر رہے ہیں اور اپنے کردار کے لحاظ سے بالکل فٹ ہیں۔ میرا ایک پروجیکٹ انڈر پروڈکشن ہے جس میں میرا لیڈ رول ہے ”عشق نچایا“ کے عنوان سے محسن طلعت اس کے ڈائریکٹر ہیں اور ظفر عمران رائٹر ۔۔۔ اس میں میرا رول بہت اچھا ہے اور جو سیریلز کچھ عرصہ پہلے ختم ہوئے ہیں ان میں ”ذکل رعنا“ آبرو وجود زن سے ہے اور میرے مہمان اور ایک دو پرانے سیریلز جو بہت زیادہ مقبول ہوئے تھے وہ آج کل ریپیٹ ہو رہے ہیں۔“

★ ”ماشاءاللہ کافی کام کر رہے ہیں ۔۔۔ اور شکل سے تو آپ کافی چھوٹے لگتے ہیں ۔۔۔ فیملی بیک گراونڈ کیا ہے؟“

✻ ”جی 11 ستمبر 1989ء میری تاریخ پیدائش ہے اور میرے کردار ایسے ہوتے ہیں کہ میں بڑا لگتا ہوں ۔۔۔ میرے والد صاحب بینکر تھے اب ریٹائر ہوگئے ہیں ۔۔۔ اسلام آباد پنجاب سے تعلق ہے ۔۔۔ اور میں ان باتوں کو نہیں مانتا کہ ہم کیا ہیں۔ پنجابی ہیں یا سندھی ہیں ۔۔۔ بس میں اپنے آپ کو پاکستانی کہلوانا پسند کرتا

ہوں۔۔۔ اور میری امی ہاؤس وائف ہیں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ یعنی تین بہنیں ہم دو بھائی اور میرا نمبر آخری ہے۔ تعلیمی لحاظ سے میں گریجویٹ ہوں۔۔۔ ایبٹ آباد سے ایف ایس سی کیا۔۔۔ بورڈنگ سے پھر ڈپلومہ کیا اور اب پلان ہے کہ آرٹ میں کچھ کروں اور ملک سے باہر جاؤں اور میڈیا سائنس میں کچھ کروں۔"

★ "اچھے بھلے تو اداکار ہیں۔۔۔ اور کیا چاہیے؟ ویسے کرنا کیا چاہتے تھے؟ کیا خواب تھے؟"

✳ "مجھے بہت اچھا بھلا ہوتا ہے۔۔۔ بہت آگے تک جانا ہے۔۔۔ خواب ہے میرا۔۔۔ میں اپنے اسکول کالج میں سب کو بڑے پراعتماد لہجے میں کہا کرتا تھا کہ میرا کوئی (مقصد) Aim نہیں ہے۔ لیکن یہ مجھے پتا تھا کہ میں نے کچھ نہ کچھ بن جانا ہے۔۔۔ میں نے یہ نہیں سوچا کہ مجھے پائلٹ بننا ہے۔ مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔ بس مجھے یہ تھا کہ مجھے کچھ نہ کچھ بننا ہے۔۔۔ اور دیکھ لیں کچھ نہ کچھ بن ہی گیا ہوں۔"

★ "اس فیلڈ میں آمد کیسے ہوئی؟"

✳ "اس طرح آمد ہوئی کہ کچھ سال پہلے بہ حیثیت چائلڈ اسٹار کے میں نے ایک ٹیلی فلم کی تھی، یہی کوئی دس بارہ سال پہلے۔۔۔ اسے خلیل الرحمٰن قمر صاحب نے لکھا تھا اور ڈائریکشن دی تھی دلاور ملک نے۔ فیصل قریشی تھے اس میں۔۔۔ میں نے اس میں کام کیا۔۔۔ سب کو میرا کام بہت اچھا لگا۔۔۔ پھر خلیل الرحمٰن قمر صاحب نے میرے لیے ایک سیریل لکھا "چاند پور کا چندو" مگر ہوا یہ کہ میں تعلیم کے لیے ایبٹ آباد کے ہوسٹل چلا گیا۔۔۔ اور جب انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا تو اس وقت "چندو" بڑا ہو چکا تھا۔۔۔ اور یوں وہ ملے میں نہیں کر سکا، پھر دس بارہ سال کے بعد دلاور ملک صاحب کا فون آیا کہ "تم کتنے بڑے ہو چکے ہو" تو میں نے کہا کہ۔ "اتنا بڑا کہ اب اس کے بعد بوڑھا ہی ہو گا" انہوں نے کہا کہ تم کراچی آؤ اور دوبارہ سے آڈیشن دو۔۔۔ میں کراچی آیا۔۔۔ میں نے آڈیشن دیا۔۔۔ اس وقت

تک ایکٹنگ بالکل بھول چکا تھا۔۔۔ آڈیشن ٹھیک ہو گیا اوکے بھی ہو گیا۔۔۔ ڈرامہ بھی مل گیا۔۔۔ مگر میری پرفارمنس ایسی تھی کہ دیکھنے والوں نے یقیناً" کہا ہو گا کہ اس کو کیوں لیا۔۔۔ مجھے اتنا خوف سوار تھا ناکامی کا کہ میں نے دعائیں مانگیں کہ کسی طرح سے یہ ڈرامہ ختم ہو جائے اور میں اسلام آباد چلا جاؤں۔۔۔ شوٹ کے دوران ہی ہمارے ایک بہت ہی مشہور اداکار اور ہوسٹ نے مجھے ایک بات کہی جو کہ بہت تلخ تھی جو کہ میں نے سن لی اور صبر کیا اور کچھ کہا نہیں۔۔۔ اللہ انہیں زندگی دے۔۔۔ اور شاید میں واقعی اچھا نہیں کر رہا تھا۔۔۔ لیکن اگر کوئی اور ہوتا تو شاید سہہ نہیں سکتا۔۔۔ اب آپ کا سوال کہ اس فیلڈ میں آیا کیسے تو۔۔۔ میں بچپن میں اپنے سٹی اسکول کا بیسٹ ڈیبیٹر تھا۔۔۔ اور اگرچہ میں ساتویں کا طالب علم تھا مگر یونیورسٹی کے مقابلوں میں بھی حصہ لیا کرتا تھا۔۔۔ فی البدیہہ تقاریر بھی بہت آرام سے کر لیا کرتا تھا۔۔۔ اردو ڈرامہ انگریزی ڈرامہ سب میں بہت ایکٹو تھا تو۔۔۔ کہیں یہ دلاور ملک صاحب نے دیکھ لیا تھا۔ ایک فیملی گیٹ ٹو گیدر میں۔۔۔ تو کہنے لگے کہ مجھے شاہ رخ خان کی نقل کر کے دکھاؤ۔۔۔ میں نے دکھا دی۔ انہوں نے میرے دو تین ٹیسٹ لیے اور کہا کہ بچے کو میرے پاس بھیج دیجیے گا۔۔۔ تو جناب میری سب سے پہلی ٹیلی فلم کا نام تھا "جب محبت نہیں ہوتی" اس میں عارفہ صدیقی اور نعمان اعجاز تھے اور میں نے ان کے بیٹے کا کردار ادا کیا تھا۔۔۔ اور پھر جب غائب ہوا تو پڑھائی میں اتنا مصروف ہو گیا کہ اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ درمیان میں والد صاحب نے اپنے بزنس میں بھی شامل کر لیا۔"

★ "راستے تو پہلے ہی کھل گئے تھے اور اب مزید کھل رہے ہیں؟"

✳ "جی اللہ کا بڑا کرم ہے اور دلچسپ بات بتاؤں کہ جس ٹیلی فلم میں میں نے کام کیا تھا اس کے مجھے صرف 500 روپے ملے تھے۔۔۔ وہ بھی بطور انعام۔۔۔ اور میں اتنا چھوٹا نہیں تھا کہ سمجھ نہ سکتا کہ 500 کتنے ہوتے ہیں۔۔۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ مجھے ٹالا گیا ہے۔"

★ "اور اب کیا صورت حال ہے؟"

✳ "الحمدللہ۔۔۔ اب تو سب سیٹ ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ واحد فیلڈ ہے کہ جس میں مجھے اچھائیاں زیادہ نظر آتی ہیں اور جہاں پیسا بھی ہے اور شہرت و عزت بھی۔۔۔ اور اب تو پڑھے لکھے اور اچھی فیملی کی لڑکیاں اور لڑکے آ رہے ہیں۔۔۔ اور الحمدللہ میرے گھر والوں نے مجھے بھی بالکل روکا ٹوکا نہیں بلکہ کہا کہ جو بننا چاہتے ہو بن جاؤ۔"

★ "تنقید کو کس انداز میں لیتے ہیں؟"

✳ "میری یہ عادت ہے کہ میں کسی کی چھوٹی سی کامیابی کی بھی اتنی تعریف کر دیتا ہوں کہ وہ اسے مزید اچھا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ اور تنقید بھی میں تعریف کے انداز میں کرتا ہوں۔۔۔ اور مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کوئی واقعی تعریف کر رہا ہے یا تنقید تو میں سن لیتا ہوں اور اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

★ "اب پاکستان میں فلمیں بننا شروع ہو گئی ہیں۔۔۔ کوئی آفر آئی؟"

✳ "نہیں جی۔۔۔ ابھی تک تو کوئی آفر نہیں آئی۔۔۔ اور مجھے فلم میں کام کرنے کا زیادہ شوق بھی نہیں ہے۔"

★ "لوگ تو سلور اسکرین تک جانا چاہتے ہیں؟"

✳ "وہ لوگ ہیں اور میں عمران ہوں۔۔۔"

★ "کیا Revival نہیں ہونا چاہیے تھا؟"

✳ "نہیں کیوں نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ بہت اچھا ہوا اور Revival تو بہت پہلے کا شروع ہو چکا ہے۔۔۔ کسی بھی چیز کا بدلنا یا Revival ہونا سوچ سے شروع ہوتا ہے اور سوچ تو بہت پہلے سے رہے تھے، اب سوچوں کو عملی جامہ پہنا دیا گیا ہے۔"

★ "کوئی سین جس نے جذباتی کر دیا ہو؟"

✳ "بالکل ہے "گل رعنا" سیریل میں ایک سین تھا جس میں میں گل رعنا سے فون پر بات کر رہا ہوں۔۔۔ اور سجل کو اپنی شادی پہ آنے کی دعوت دے رہا ہوتا ہوں

ـــ تو سوچا تو میں نے کچھ اور تھا ـــ مگر وہ روتے ہوئے اور جذباتی انداز میں ہو گیا ـــ اور اس سین میں کوئی بناوٹ نہیں تھی ـــ وہ "سچ" تھا۔"

★ "کس قسم کے سین میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے؟"

✻ "محنت تو میں اس سین میں بھی کرتا ہوں، جہاں مجھے خاموش رہنا ہوتا ہے تو مشکل تو ہر سین ہوتا ہے ـــ حقیقت کا رنگ دینے کے لیے محنت تو کرنی پڑتی ہے۔"

★ "سنا ہے کہ آپ ڈرامے بھی لکھ لیتے ہیں ـــ گویا خداداد صلاحیت ہے؟"

✻ "نہیں نہیں ہوا یہ کہ ـــ میں پھنس گیا ایک جگہ ـــ ایک سیریز چل رہی تھی "کتنی گرہیں باقی ہیں" اس کی پروڈیوسر نے کہا کہ عمران میں تھوڑی سی مصروف ہوں، تمہارا ایک دوست رائٹر ہے، میں نے تمہیں اور عائزہ کو کاسٹ کر لیا ہے۔ اپنے دوست سے جا کر کہانی لکھوالو ـــ

چونکہ انجلین ملک سے اچھی دوستی تھی ـــ تو میں نے حامی بھر لی ـــ پھر اپنے دوست کو فون کیا ـــ اس نے کہا کہ ـــ ہاں ہاں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ـــ اب میں انتظار کر رہا ہوں کہ اسکرپٹ دے ـــ مگر وہ غائب ـــ فون ہی نہ اٹھائے ـــ پھر ایک رائٹر اور آرٹسٹ ہیں یاسرہ رضوی وہ میرے اوپر والے فلور میں رہتی تھی ـــ میں اوپر گیا دروازے پر دستک دی ـــ اس سے بات کی، اس نے معذرت کی کہ میں تو بہت مصروف ہوں ـــ پھر جناب میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا تو میرا ایک کزن ہے عمر مجھ سے کہنے لگے تم خود لکھ لو ـــ میں نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا اور کہا کہ "پاگل ہو گئے ہو" اسکرپٹ لکھنا ہے ـــ اس نے کہا عمر کہ "بے عزت ہونے سے بہتر ہے کہ خود لکھ لو" ـــ میں نے کہا ٹھیک کہہ رہے ہو، پسند نہیں آئے گا تو منع کر دے گی ہم سے کم میرے سر سے تو بار اتر جائے گا ـــ میں اسکرپٹ ـــ لے کر گیا ـــ انجلین بیزی تھیں ـــ وہاں ایک

ڈائریکٹر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جو کسی اور کام سے آیا ہوا تھا وہ جیسے جیسے اسکرپٹ پڑھتا گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے پورا اسکرپٹ پڑھ کر کہنے لگا۔۔۔ اسے میں ڈائریکٹ کروں گا۔۔۔ اور وہ ڈرامہ کافی پسند کیا گیا۔ اس کا نام "دوڑ" تھا۔۔۔ اب آج کل ایک سیریل لکھ رہا ہوں۔ مگر چاہتا ہوں کہ پہلے اپنی اداکاری پہ توجہ دوں۔۔۔ کیونکہ ماشاء اللہ کافی کام ہے "کتنی گرہیں باقی ہیں" سیریز کے لیے "تحفہ" ڈرامہ بھی لکھا تھا۔"

★ "کون سے کردار کرنے کی خواہش ہے اور کسے کر کے پچھتائے؟"

✱ "سب کردار کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اندر بہت کچھ ہے دکھانے کو۔۔۔ اور ہاں ایک کردار کر کے پچھتایا۔۔۔ ایک ڈرامہ تھا "زندگی تیرے بنا" اس میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا اس کو مارنے کا سین تھا۔۔۔ میں نے بہت منع کیا کہ مجھ سے مت کروائیں۔۔۔ میں نے جب وہ کیا تو اس کے بعد میں بیمار ہو گیا۔۔۔ وہ اسکرپٹ بھی میں نے نہیں پڑھا تھا۔"

★ "ڈرامے میں فنکار کا اپنا عکس ہوتا ہے؟"

✱ "ہاں۔۔۔ اگر میں حقیقی دنیا میں اشعر ہوتا (ڈرامہ کا کردار) تو ایسا ہی اشعر ہوتا۔۔۔ ہم تو بس کردار نبھاتے ہیں۔"

★ "عشق کے بخار چڑھے؟"

✱ "ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔ ابھی اترے ہی کہاں ہیں۔"

★ "ڈرامہ وغیرہ دیکھتے ہیں۔۔۔ اور کون سے چینل پسند ہیں اور کس سے متاثر ہیں؟"

✱ "میرے گھر میں گزشتہ ایک سال سے ٹی وی نہیں ہے۔۔۔ اور آپ پوچھیں گی کہ کیوں۔۔۔ تو میرا کام ایسا ہے کہ کوئی بہت اچھی چیز ہوتی ہے تو کہیں اور جا کے دیکھ لیتا ہوں۔۔۔ اور میں کسی کے کام سے انسپائر نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں جو حقیقی کردار ہیں میں ان سے متاثر ہو کر اخذ کرتا ہوں۔"

★ "دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔۔۔ یا خود تجربہ کرتے ہیں؟"

✱ "سب سے سیکھتا ہوں۔۔۔ اپنے آپ سے بھی سیکھتا ہوں۔"

★ "لوگ مل کر کیا کہتے ہیں؟۔۔۔ پہچان لیتے ہیں؟"

✱ "بالکل پہچان لیتے ہیں اور مجھے لوگوں کی ایک بات بہت اچھی لگتی ہے کہ وہ ہمیشہ میری صلاحیتوں کو سراہتے ہیں۔۔۔ عام لوگ مل کر بے ساختہ کہتے ہیں آپ ٹی وی پہ آتے ہیں نا۔۔۔ اور 95 فیصد لوگ یہی کہتے ہیں کہ آپ بہت اچھا کام کرتے ہیں۔"

★ "ماڈلنگ کیوں نہیں کی؟"

✱ "ایکٹنگ میرا جنون ہے اور میں فی الحال اس پر توجہ دینا چاہتا ہوں۔"

★ "خواب دیکھتے ہیں؟"

✱ "خواب نیند والے تو بہت عجیب دیکھتا ہوں۔۔۔ میرے خواب اچھے نہیں ہوتے 'جاگنے والے خواب پہلے دیکھتا تھا مگر اب نہیں۔"

★ "کس کو بہت مس کرتے ہیں۔۔۔ مطلب یاد بھی کرتے ہیں؟"

✱ "جی۔۔۔ اپنے ایک کزن عمر زاہد کو جس کا کچھ ماہ قبل انتقال ہوا ہے۔۔۔ وہ میرا بہترین دوست بھی تھا۔۔۔ بہت بہت یاد آتا ہے۔ اللہ اسے جنت میں اعلا مقام دے (آمین) یہ وہی عمر زاہد ہے۔ جس نے مجھے لکھنے کا مشورہ دیا تھا اور میں لکھنے کی طرف راغب ہوا۔"

✡ ✡

## سرورق کی شخصیت

| | |
|---|---|
| ماڈل | رابعہ |
| میک اپ | روز بیوٹی پارلر |
| فوٹو گرافی | موسیٰ رضا |

میری بھی سنیے

# یمنیٰ زیدی

شاہین رشید

1 "میرا نام؟"
"یمنیٰ زیدی۔"

2 "پیار سے بلاتے ہیں؟"
"دوست اور امی یمنی کہتے ہیں۔ بابا مجھے سمو کہتے ہیں۔"

3 "میرا جنم دن، جنم سال؟"
"30 جولائی، 1989ء۔"

4 "فیملی ممبر؟"
"امی بابا۔۔۔۔ ہم تین بہنیں اور چھوٹا بھائی۔"

5 "تعلیم؟"
"انٹیریر ڈیزائننگ میں ماسٹرز ہوں۔"

6 "گھر میں بولی جانے والی زبان؟"
"اردو۔۔۔ ویسے تھوڑی تھوڑی پنجابی، کبھی انگریزی۔"

7 "غصے میں کون سی زبان بولتی ہیں؟"
قہقہہ۔۔۔۔ غصے میں کوئی زبان نہیں ہوتی۔"

8 "شادی؟"
"دیکھیں، جب اللہ کو منظور ہوا۔"

9 "کیا آن ایئر ہے آج کل؟"
"ذرا یاد کر" ایک بہترین سیریل ہے۔"

10 "انتظار رہتا ہے؟"
"کہ خاندان میں کوئی تقریب ہو اور میں جاؤں۔"

11 "آنے والے پروجیکٹ؟"
"دو سائن کیے ہیں۔ جلد ہی پاکستان آکر شوٹ میں حصہ لوں گی۔۔۔ کیا ہے، کیسے ہیں ابھی نہیں بتاؤں گی۔"

12 "مجھے خوشی ہوتی ہے؟"

"جب میں اپنے چھوٹے بھائی کو اچھے اچھے تحفے دیتی ہوں۔ ویسے بھی تحفہ دینا مجھے بہت پسند ہے۔"

13 "سیلف میڈ ہوں؟"

"جی ہاں۔۔۔ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے۔۔۔ کبھی بے کار نہیں بیٹھی، جب کالج میں تھی تو ٹیوشن پڑھاتی تھی اور ایک اسٹوڈنٹ کے تین ہزار لیتی تھی۔"

14 "میرا پسندیدہ پروفیشن؟"

"مجھے آرمی کے لوگ بہت پسند ہیں اس لیے یہ پروفیشن بھی پسند ہے۔۔۔ آرمی کے لوگوں میں بہت رکھ رکھاؤ، ڈیسنٹ اور دوسروں کے لیے عزت ہوتی ہے۔ ویسے ٹیچنگ بھی پسند ہے اور انٹیریر ڈیزائننگ جس میں ڈگری لی ہے۔"

15 "بے بھاؤ کی سناتی ہوں؟"

"جب کوئی بری نظر سے دیکھے کوئی تنگ کرے یا بدتمیزی کرے۔"

16 "میری ایکسٹرا اصلاحیت؟"

"میں نے مارشل آرٹ سیکھا ہوا ہے۔ جوڈو کراٹے کی ماہر ہوں۔"

17 "مجھے شوق ہے؟"

"پرائز بانڈ لینے کا کیونکہ اکثر اوقات انعام نکل بھی آتا ہے۔"

18 "دعا قبول ہوتی ہے؟"

"الحمدللہ۔۔۔ جس چیز کی خواہش کرتی ہوں مل جاتی ہے۔ جو دعا مانگتی ہوں اللہ قبول کرتا ہے۔"

19 "سکون ملتا ہے؟"

"اپنے گھر میں۔۔۔ اور گھر کے اس حصے میں جہاں پودے رکھے ہیں، پھول رکھے ہیں، عشق ہے پھولوں اور پودوں سے۔"

20 "اپنے بارے میں میری رائے؟"

"ایڈجسٹ کر لیتی ہوں ہر ماحول میں، اپنی رویے میں لچک رکھتی ہوں غلطی ہو جائے تو سوری بھی کر لیتی ہوں۔"

21 "لباس جو بہت پہنتی ہوں؟"

"شلوار قمیص۔۔۔ ایزی فیل کرتی ہوں۔"

22 "مستقل رہائش کے لیے میرا انتخاب؟"

"صرف اور صرف پاکستان۔۔۔ لیکن اب چونکہ فیملی کے زیادہ لوگ امریکہ میں ہیں تو مجھے بھی جانا پڑتا ہے۔"

23 "کب لگا کہ میں میچور ہو گئی ہوں؟"

"جب میں شوبز میں آئی۔۔۔ یہاں کا ماحول، لوگوں کے رویے دیکھ کر اور بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ بھی ملا۔ تو اب میری گفتگو میں بھی کافی میچوریٹی آ گئی ہے۔"

24 "سوتے وقت کیا چیزیں رکھنا نہیں بھولتی؟"

"پانی کی بوتل، اپنی ہیربینڈ، موبائل اور چارجر اور روز واٹر۔"

25 "کس تہوار کے لیے ایکسائیٹڈ ہوتی ہوں؟"

"ویلنٹائن ڈے۔۔۔ بہت ایکسائیٹڈ ہوتی ہوں۔ دیگر

تہواروں میں مجھے عید کے تہوار بہت زیادہ پسند ہیں۔"

26 "موبائل کے بارے میں تاثرات؟"

"بہترین چیز ہے۔ مگر اس وقت جب آپ گھر سے باہر ہوں۔ میں جب گھر میں ہوتی ہوں تو مجھے موبائل کی پروا بھی نہیں ہوتی پھر چاہے سروس آف ہو یا آن ... گھر کے باہر موبائل نہ ہو تو ٹینشن ہوتی ہے۔"

27 "خالی ہاتھ نہیں جانے دیتی؟"

"فقیر کو... چاہیے ہاتھ میں پانچ دس روپے ہی کیوں نہ ہوں دے دیتی ہوں۔"

28 "فریش ہوتی ہوں؟"

"صبح کے وقت اور پھر شام کے وقت۔"

29 "گھر آتے ہی دل چاہتا ہے؟"

"امی کے پاس بیٹھوں اور سارے دن کی روداد بتاؤں اور امی کے ہاتھ کا کھانا کھاؤں۔"

30 "تکلیف میں آواز دیتی ہوں؟"

"منہ سے امی کا ہی نام لیتی "امی" ہی نکلتا ہے۔ خدا سلامت رکھے میری امی جان کو۔"

31 "نیند کس حد تک پیاری ہے؟"

"نیند پیاری تو ہے... لیکن اگر کوئی مجھے کسی وجہ سے اٹھائے تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن اگر کوئی بلاوجہ اٹھائے تو بس مت پوچھیں کتنا غصہ آتا ہے۔"

32 "جھوٹ بولتی ہوں؟"

"تب جب اس کی بہت ضرورت ہو... بلاوجہ نہیں بولتی۔ کیونکہ جھوٹ بولنا بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

33 "مہنگی چیزیں خریدنے کا شوق ہے؟"

"نہیں کوئی خاص نہیں۔ شاید ایک بار مہنگا موبائل خریدا تھا۔ کیونکہ یہ ضرورت ہے۔"

34 "کیا دیکھنے کا شوق ہے؟"

ہنستے ہوئے... "آپ حیران ہوں گی یہ سن کر کہ مجھے لوگوں کے گھر دیکھنے کا بہت شوق ہے' ان کے رکھ رکھاؤ دیکھنے کا شوق ہے۔"

35 "ایک خواہش جس کی تکمیل چاہتی ہوں؟"

"کہ میرا اپنا ذاتی گھر ہو۔"

36 "لوگ مل کر بے ساختہ کہتے ہیں؟"

"ارے آپ کتنی کم عمر ہیں اور سادہ بھی... اور پھر ڈراموں کی تعریفیں۔"

37 "کیا اچھا پکا لیتی ہوں؟"

"تقریباً "سب ہی" مگر پھر بھی "آلو بینگن" "آلو گوبھی" سبزیاں پسند ہیں اس لیے شوق سے پکاتی ہوں۔"

38 "گھر میں کون میری بہت فکر کرتا ہے؟"

"سب ہی کرتے ہیں' مگر امی تو بہت زیادہ... ماں واقعی ماں ہوتی ہے۔ جسے سب سے زیادہ اولاد کی فکر ہوتی ہے۔"

39 "کیا جمع کرنا اچھا لگتا ہے؟"

"عجیب سی نیچر ہے میری۔ لوگوں کو "ڈائری" لکھنے کا شوق ہوتا ہے... مجھے ڈائریاں جمع کرنے کا شوق ہے۔"

40 "کیا چیزیں لے کر گھر سے نکلتی ہوں؟"

"اپنا چھوٹا والٹ' سیل فون اور دیگر ضروری چیزیں۔"

41 "گھر میں اچھا کھانا کون پکاتا ہے؟"
"صرف اور صرف میری امی۔۔۔ اور مجھے انہی کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند بھی آتا ہے۔"
42 "اردو ادب میں پسندیدہ شخصیت؟"
"مرزا اسد اللہ خان غالب۔"
43 "چھٹی کے دن دل چاہتا ہے؟"
"اپنے گھر والوں کے ساتھ کہیں کھانے پر یا گھومنے پھرنے نکل جاؤں گھر والوں کے ساتھ وقت گزارنا بہت اچھا لگتا ہے۔"
44 "کس کام میں بہت سست ہوں؟"
"ایس ایم ایس کے جواب دینے میں۔۔۔ سب کو بہت شکایت رہتی ہے مجھ سے۔"
45 "اکیلی ہوتی ہوں تو؟"
"تو بہت شغل کرتی ہوں' ہلہ گلہ۔۔۔ ڈانس' تیز میوزک بوریت بھی دور ہو جاتی ہے اور ڈانس کرنے کا شوق بھی۔"
46 "تحفے سنبھال کر رکھتی ہوں؟"
"نہیں جو استعمال کرنے والے ہوتے ہیں وہ استعمال کرتی ہوں۔ اگر کچھ سنبھال کر رکھتی ہوں تو وہ صرف اور صرف امی کی نصیحتیں ہیں جو میرے بہت کام آتی ہیں۔"
47 "انٹرنیٹ' فیس بک' انسٹاگرام' ٹوئیٹر سے دلچسپی؟"
"کوئی خاص نہیں۔۔۔ مگر چیک ضرور کرتی ہوں۔"
48 "لوگوں کی کون سی بات بہت بری لگتی ہے؟"
"کہ وہ جب غصے میں گالیاں دیتے ہیں تو مجھے ان پر بہت غصہ بھی آتا ہے اور ان کی یہ عادت بری بھی لگتی ہے۔"
49 "میری بری عادت؟"
"مجھے غصہ تیز بھی آتا ہے اور جلدی بھی آتا ہے۔"
50 "کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
"عجیب اتفاق ہے کہ کیڑوں سے ڈر نہیں لگتا۔ ورنہ ہم لڑکیوں کو تو بہت ڈر لگتا ہے۔"

51 "دکھ ہوتا ہے؟"
"ان لوگوں پر جن کے لیے آپ بہت کچھ کریں اور وہ ریٹرن میں شکریہ۔ بھی ادا نہ کریں تو بہت دکھ ہوتا ہے۔"
52 "شادی میں پسندیدہ رسمیں؟"
"مجھے رسمیں اچھی نہیں لگتیں۔ اس لیے اپنی شادی سادگی سے کرواؤں گی۔"
53 "مارننگ شو میں نظر نہیں آتی؟"
"کیونکہ مجھے مارننگ شو اچھے نہیں لگتے۔"
54 "خدا کی بہترین تخلیقات؟"
"پوری دنیا ہے۔۔۔ مگر پھر بھی پانی جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا' چاند۔۔۔ جب فل مون ہوتا ہے تو واہ واہ۔۔۔ کیا حسین لگتا ہے۔۔۔ اور آسمان۔۔۔ اس کی اونچائی دیکھ کر سوچتی ہوں کہ ہمیں تو ایک آسمان نظر آرہا ہے۔ سات آسمان کیسے ہوں گے۔"
55 "اگر شہرت ختم ہو گئی تو؟"
"تو کوئی بات نہیں۔۔۔ اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہو گی۔"
56 "نیند لانے کے لیے کیا کرتی ہوں؟"
ہنستے ہوئے۔۔۔ "کچھ بھی نہیں۔۔۔ بستر پر لیٹتے ہی نیند خود بخود ہی آجاتی ہے۔"
57 "شاعری سے لگاؤ ہے؟"
"ہے جی۔۔۔ اس لیے تو خود بھی شاعری کرتی ہوں اور ہاں صرف ڈائریاں جمع کرنے کا شوق نہیں' ڈائری لکھنے کا بھی شوق ہے۔"
58 "مہمانوں کی آمد؟"
"بہت اچھی لگتی ہے۔ وقت اچھا گزر جاتا ہے۔"
59 "بچت کی عادت؟"
"بالکل نہیں ہے۔ ہاتھ کافی کھلا ہے۔"
60 "کام کرنا چاہتی ہوں؟"
"ثانیہ سعید اور سویرا ندیم۔۔۔ اور بھی بہت سے ہیں۔"

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

# یاسر عباس

شاہین رشید

ہمارے ملک میں بہت باصلاحیت اور ہنر مند لوگ ہیں مگر افسوس کہ ان کی پرکھ کرنے والے بہت کم ہیں۔ لہٰذا انسان کو خود ہی بھاگ دوڑ کر کے اپنے آپ کو منوانا پڑتا ہے۔ آواز کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے لیے آپ یہ نہ سوچیں کہ یہ صرف ریڈیو تک ہی محدود رہتے ہیں۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ ریڈیو سے تعلق رکھنے والے عام لوگوں سے زیادہ قابل ہوتے ہیں اور بیک وقت کئی کام کر کے اپنے آواز کو منواتے ہیں۔ یاسر عباس کا تعلق بھی نہ صرف آپ کی دنیا سے ہے بلکہ یہ بنیادی طور پر بلکہ بائے پروفیشن "فیزیو تھراپسٹ" ہیں۔

★ "جی یاسر عباس کیا حال ہیں اور سارا دن کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں آپ کی؟"

✻ "جی۔۔۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ پروفیشنلی میں فیزیو تھراپسٹ ہوں۔۔۔ اور چونکہ لوگ اپنے گھروں میں مجھے بلاتے ہیں اس لیے کراچی کے مختلف علاقوں میں میرا جانا ہوتا ہے۔۔۔ تو پورا دن اسی طرح گزر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میں "آر جے" ہوں ریڈیو پاکستان کے ایف 101 کا۔ اس سے پہلے ایف ایم 93 میں تھا میں۔ اور ان دو کاموں کے علاوہ "وائس اوور" اور "ڈبنگ" بھی کرتا ہوں۔۔۔"

★ "ڈبنگ ڈراموں کی ہوتی ہے یا کمرشلز کی؟"

✻ "دونوں کی کرتا ہوں۔۔۔ میں نے ایک موبائل کمپنی "وائس موبائل" کے کمرشل میں ڈبنگ کی چونکہ میری مادری زبان پنجابی ہے، تو اس کے پنجابی ورژن میں میری آواز ہے۔۔۔ اس کے علاوہ ایرانی ڈراموں کی ڈبنگ میں میری آواز ہے۔۔۔ ترکش ڈراموں میں میری آواز ہے اور "ہالی وڈ" کی فلم میں میری آواز ہے۔۔۔ ہالی ووڈ فلم کی پوری سیریز بنی تھی اس میں میری آواز کی خدمات حاصل کی گئیں۔"

★ "فزیو تھراپسٹ میں آپ کی کیا فیلڈ ہے؟"

✻ "میں فیزیکل تھراپسٹ ہوں۔۔۔ جسمانی اعضاء میں جو نقائص پیدا ہو جاتے ہیں جیسے کسی کو فالج ہو جاتا ہے، لقوہ ہو گیا ہڈیوں کا ٹیڑھا پن ہو گیا۔ جیسے ٹانگ ٹوٹنے کے بعد آپریشن کے ذریعے راڈ ڈالتے ہیں تو ٹانگ سخت ہو جاتی ہے کے اس طرح کے جو جسمانی نقائص پیدا ہو جاتے ہیں اس کی فیزیو تھراپی کرنی پڑتی ہے اور میں اکا ماہر ہوں اور مریض کے گھر جا کر سروس

دیتا ہوں۔"

★ "کنٹ۔۔۔ کام تو مشکل ہوگا؟"

✳ "بے شک مشکل کام مگر مجھے اس فیلڈ میں سب سے اچھی بات جو لگتی ہے۔ وہ یہ کہ زرق کے ساتھ ساتھ جو دعائیں مجھے ملتی ہیں وہ میرے لیے ہیں۔ مریض خود اور ان سے وابستہ لوگ جب مجھے دعائیں دیتے ہیں تو اس کا تو کوئی نعم البدل ہے ہی نہیں۔"

★ "کس عمر کے مریضوں کی کرتے ہیں اور خواتین و حضرات دونوں کی کرتے ہیں؟"

✳ "الحمدللہ ہر عمر کی خواتین اور مردوں کی فیزیو تھراپی کرتا ہوں اور عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔۔۔ میں نے تو چار سے پانچ ماہ کی ایک بچی کی بھی تھراپی کی ہے اور یہ میری سب سے چھوٹی مریضہ تھی اور 80 سال کی بزرگ اماں کا بھی ٹریٹمنٹ میں نے کیا ہے' لڑکوں میں میرا سب سے چھوٹا مریض چار سے پانچ ماہ کا بچہ تھا۔"

★ "اچھا۔۔۔ اتنے چھوٹے بچوں کو کیا پرابلمز ہوتے ہیں؟"

✳ "ایک بیماری ہوتی ہے cercbal palsy یعنی Cp اور ایک بیماری ہوتی ہے Child Palsy Erbs۔۔۔ اب ان بیماریوں کی کیا ڈیٹیلز بتاؤں۔۔۔ بس اللہ تعالیٰ سب کو صحت و تندرستی کے ساتھ سلامت رکھے۔"

★ "کسی اسپتال سے منسلک ہیں یا فری لانس ہیں آپ؟"

✳ "فری لانس ہی سمجھیے کافی سارے اسپتال ہیں جن کے ساتھ میرا تعلق ہے اور میں "آن کال" رہتا ہوں۔ میرے کارڈز ہیں ان کے پاس تو جیسے ہی فیزیو تھراپی کے حوالے سے ان کے پاس مریض آتے ہیں جنہیں فیزیو تھراپسٹ گھر کے لیے چاہیے ہوتا ہے تو پھر وہ مجھے کال کرتے ہیں۔"

★ "اچھی پے منٹ ملتی ہے یا مریض دیکھ کر پے منٹ لیتے ہیں آپ؟"

✳ "جی ہر مریض کے لیے ڈیمانڈ علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے جیسے کوئی ڈیفنس میں رہتا ہے تو اس کا ریٹ الگ ہوگا کوئی گلستان جوہر میں ہے تو اس کا ریٹ الگ ہوگا۔ ایریا کے حساب سے لیتا ہوں۔"

★ "یعنی غریبوں کے لیے کچھ اور اور امیروں کے لیے کچھ اور؟"

✳ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہے بیماری کے مطابق ریٹ بندھے ہوتے ہیں اور پھر کون نزدیک کے ایریا میں ہے اور کون دور کے ایریا میں ہے۔ میرے لیے غریب امیر سب برابر ہیں۔ مگر بیماریاں سب کی مختلف کسی کو زیادہ ٹائم دینا پڑتا ہے تو کسی کو کم۔"

★ "تو اس کے لیے کیا پڑھنا پڑا آپ کو؟ اس فیلڈ میں کتنے سال ہوگئے؟"

✳ "میں نے سول اسپتال سے ڈپلومہ ان فیزیکل تھراپی کیا ہے' میڈم شمع نعیم کے زیر نگرانی' اس کے علاوہ میڈم رابعہ تحسین کے زیر نگرانی ڈیڑھ سال میں نے کام کیا۔ اس فیلڈ میں مجھے تقریباً" چھ سال ہوگئے ہیں۔"

★ "ٹھیک ہونے کا ٹائم پریڈ کتنا ہوتا ہے؟"

✳ "یہ کوئی مخصوص نہیں ہے بلکہ مریض کی ول پاور کتنی ہے کچھ مریض ہوتے ہیں جو درد سہہ نہیں

پاتے اور کچھ میں سہنے کی ہمت ہوتی ہے۔"

★ "کس میں ول پاور زیادہ ہوتی ہے۔ مردوں میں یا خواتین میں لڑکوں میں یا لڑکیوں میں یا پھر بچوں میں؟"

✱ "مردوں میں قوت ارادی زیادہ ہوتی ہے خواہ وہ لڑکے ہوں یا مرد ایک خاتون میں نے ایسی دیکھی تھی جن کو تقریباً "400 کے قریب شوگر تھی جس کی وجہ سے ان کی ٹانگوں میں کھچاؤ رہتا تھا۔۔۔ تو ان میں میں نے ول پاور دیکھی تھی۔ بڑی ہمت سے وہ اپنی فنریو تھراپی کراتی تھیں۔"

★ "ماشاء اللہ آپ کی فیلڈ بہترین ہے یہ آپ کا پروفیشن بھی ہے اور خدمت خلق بھی ۔۔۔ تو ان سارے کاموں سے ٹائم مل جاتا ہے کہ ریڈیو' ڈبنگ اور وائس اور کرتے ہو؟"

✱ "یہ میرا شوق ہے اور یہ ایسا شوق ہے کہ میں اپنی مصروفیات میں سے ضرور وقت نکال لیتا ہوں اور یہ شوق اس وقت کا ہے۔ جب میں فنریو تھراپسٹ نہیں تھا اور اپنے اس شوق کی خاطر بسوں کے دھکے کھاتا تھا اور بھوکا رہ کر بھی ریڈیو پہ ریکارڈنگ کروانے آتا تھا تو اب جب میں ریڈیو جاتا ہوں تو یہ ضرور سوچتا ہوں کہ یہاں میں نے کٹھن وقت بھی گزارا تھا اور اب اچھا وقت بھی گزار رہا ہوں۔"

★ "اب ماشاء اللہ آپ اپنی فیلڈ میں اور ریڈیو میں سیٹ ہیں تو آگے کیا کیا پلاننگ ہے؟"

✱ "سب سے پہلے بات یہ ہے کہ ریڈیو کے حوالے سے خواہ وہ وائس اوور ہو۔ ڈبنگ ہو یا ریڈیو پروگرام' میں ابھی سیکھنے کے مراحل میں ہوں اور ابھی میں اس لیول کا آرجے نہیں بن پایا کہ مجھے کچھ اور کام کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔۔۔ اور اگر ریڈیو سے میں یا اپنی آواز سے بہت اچھا کمانے بھی لگ گیا تو فنریو تھراپی کے ذریعے خدمت کا عمل تو جاری رکھوں گا ہی۔ والد صاحب ہمیشہ ایک بات کہتے ہیں کہ "بیٹا تھوڑا کھاؤ مگر ستھرا کھاؤ" تو بہت پلاننگز ہیں بس اللہ کامیاب کرے۔"

★ "بچپن سے کیا خواہش تھی کہ بڑے ہو کر کیا بننا ہے؟"

✱ "بچپن میں تو مکینک بننے کا شوق تھا۔ گھر کے کونے میں ایک مکینک بیٹھا کرتے تھے تو وہ مجھ سے پوچھتے تھے کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے تو میں کہتا تھا کہ "یار موٹر سائیکل صاف کروں گا"۔۔۔ ذرا سا بڑا ہوا اور ریڈیو کا شعور آیا تو دل چاہا کہ ریڈیو پروڈیوسر بنوں اور انٹرنیشنل لیول کے پروگرام پروڈیوس کروں۔۔۔ میرے کانوں میں بڑا سا ہیڈ فون ہو اور میں سب کو حکم جاری

کروں ۔۔۔ یہ لا دو' وہ لا دو' جیسا کہ پروڈیوسرز لوگ کرتے ہیں۔ میرے والد بھی چونکہ سینئر فنریو تھراپسٹ ہیں تو انہوں نے ایک بات کہی تھی کہ بیٹا ایم بی اے کر کے بھی اتنا نہیں کما سکو گے جتنا تم اس فیلڈ میں آٹھ گھنٹے کام کر کے کما لو گے ۔۔۔ تو مالی لحاظ سے تو یہ فیلڈ اسٹرونگ تھی ہی۔ لیکن خدمت کے حوالے سے تو بہت زیادہ اسٹرونگ ہے تو بس میں اس فیلڈ میں کھنچتا چلا گیا۔

★ "اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں؟"

* "جی ہم تین بہن بھائی ہیں۔ میرا نمبر دوسرا ہے۔ ایک بہن مجھ سے بڑی اور ایک چھوٹی ہے۔ والد کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ والدہ ہاؤس وائف ہیں اور بنیادی طور پر میرا تعلق ایک گلوکار گھرانے سے ہے میرے دادا مرحوم استاد شریف خان صاحب وہ معروف گلوکارہ "بلقیس خانم کے استاد تھے۔۔۔ اور میرا اس طرف آنے کا خیال اس لیے نہیں آیا کہ سوچا کہ اس فیلڈ میں جب ہاتھ ڈال دیا ہے تو یہی بہتر ہے' کیونکہ سنگیت کا نشہ ہے کہ یہ اگر پڑ جائے تو پھر بندہ کسی اور کام کرنے کے قابل رہتا نہیں ہے۔۔۔ اس لیے صرف گنگنا لیتا ہوں۔ باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ آپ نے تعلیم کا پوچھا تو ہارون گرامر اسکول سے میٹرک کیا۔ ایس ایم سائنس کالج سے انٹر اور سول اسپتال سے ڈپلومہ کیا۔ یکم اکتوبر میری تاریخ پیدائش ہے۔"

★ "ریڈیو میں آمد کیسے ہوئی؟"

* "والدین کے بعد میری زندگی میں تین ہستیاں ایسی آئی ہیں کہ میں اپنی جگہ ان کے پیروں میں سمجھتا ہوں۔ ان میں ایک پروفیسر زیب النساء صدیقی صاحبہ' سیمار رضا صاحبہ اور میڈم سعیدہ افضال صاحبہ ان میں پروفیسر زیب النساء صدیقی صاحبہ نے مجھے ریڈیو پہ متعارف کرایا انہوں نے مجھے اپنے شاگرد احتشام اکی کے پاس جو کہ ریڈیو میں ہوتے ہیں۔ انہوں نے مجھے سیمار رضا صاحبہ کے پاس بھیجا اور سیمار رضا باجی نے جس طرح دست شفقت رکھا اور جس طرح مجھے سکھایا میں کبھی بھلا نہیں سکتا سیمار رضا باجی اور پروفیسر زیب النساء صاحبہ کے احسانات' ان دونوں ہستیوں نے میرا بہت زیادہ ساتھ دیا۔۔۔ اب بتاؤں کہ پہنچا کیسے تو میں نعت خواں بھی ہوں اور میں نے انٹر کالجیٹ مقابلے میں پورے کراچی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔۔۔ تو جب میں میڈم زیب النساء کے پاس اپنا انعام لے کر پہنچا تو انہوں نے اعزازی طور پر میرے نام کی شیلڈ بنا کر دی تب ایک دن جب انہوں نے مجھے اپنے آفس بلایا تو میں نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا کہ میں آر جے بننا چاہتا ہوں۔ شوق اتنا تھا مجھے کہ ریڈیو سنتے سنتے رات کو سو جاتا تھا۔۔۔ تو خیر جب میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے مجھے احتشام کے پاس بھیجا' میری خوب تعریف کر کے۔۔۔ انہوں نے کہا کہ آ کر ملو۔ اور یوں پھر سیمار رضا کے پاس گیا۔۔۔ انہوں نے کہا پہلے ریڈیو میں کام کیا ہے۔۔۔ میں نے کہا کہ نہیں کیا' کہنے لگیں "تم کیا کر سکتے ہو" میں نے کہا "مجھ سے غزل پڑھوا لیں' گوا لیں ہے۔۔۔ انہوں نے کہا کہ "یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہاں بزم طلبہ کے حوالے سے پروگرام ہوتا ہے۔ اسے سنو' سمجھو اور پھر آؤ۔۔۔ میں نے پروگرام کو سمجھا اس کی روح کو سمجھا اور پھر پروگرام کیا اور یہاں اردو کے حوالے سے میری کافی اصلاح ہوئی پروگرام کی مہربانی کی۔۔۔ سلسلہ چلتا رہا اور مجھے اے کہنگوری سے نوازا گیا۔۔۔ میں ایف ایم 93 سے پروگرام کرنے لگا اور پنجابی میں کرتا تھا' کیونکہ میری مادری زبان پنجابی ہے۔۔۔ پھر میں ایف ایم 101 میں آ گیا اور یہاں بھی میری "اے کہنگوری" ہے۔"

★ "یہاں سے کون کون سے پروگرام کرتے ہیں؟"

* "یہاں سے ہفتے میں دو دن پروگرام کرتا ہوں۔۔۔ پیر کے دن "پنجابی لیج" اور ہفتے کے دن 1 سے 3 بجے تک 101 کلینک کرتا ہوں۔۔۔ اور 101 کے حوالے سے میں میڈم ربیعہ اکرم' انعم قاضی اور عادل حیدری صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے بہت گائیڈ کیا۔۔۔"

★ "ایف ایم 101 کلینک کیا ہے؟"

* "اپنے اس پروگرام میں کسی بھی شعبے کے ماہر ڈاکٹر کو مدعو کرتے ہیں اور لائیو پروگرام کرتے ہیں اور بیماریوں سے متعلق سوالات کرتے ہیں۔۔۔ اور بیماریوں کے سلسلے میں لوگ جس قسم کے توہمات کا شکار ہیں ان سے ان کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے اگر کسی

کو "لقوہ" ہو گیا ہے تو جی کبوتر کا خون لگالیں ٹھیک ہو جائیں گے فالج ہو جائے تو فلاں ٹوٹکا کرلیں۔ اس قسم کے توہم پرستی سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور پراپر علاج بتاتے ہیں تو تمام ایف ایم کے مقابلے میں ہمارا ایف ایم ایک کلیدی کام کر رہا ہے۔"

★ "ڈاکٹر آسانی سے آجاتے ہیں؟"

✻ "آسانی سے تو خیر نہیں آتے۔۔۔ لیکن پھر بھی ہماری ریکوسٹ پہ آ ہی جاتے ہیں۔۔۔ اور اپنی مصروفیات میں سے ہمیں ٹائم دیتے ہیں یہ ان کی اپنے مریضوں اور لوگوں سے محبت کا ثبوت ہے اور ہمارا یہ پروگرام بہت زیادہ مقبول ہے اور ہمیں بہت ساری دعائیں ملتی ہیں۔"

★ "اب کچھ نجی سوال ہو جائیں۔ شادی ہوئی؟ اور مزاج کے کیسے ہیں؟"

✻ "شادی نہیں ہوئی اور یقیناً" آپ کہیں گی کہ کیوں نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی میری بڑی بہن کی شادی نہیں ہوئی ان کی ہو جائے تو پھر ان شاء اللہ میری بھی ہو جائے گی' بلکہ والدین کی تو خواہش ہے کہ بٹی جائے تو بہو آجائے۔ اور مزاج میرا اچھا ہے کسی سے پوچھ لیں۔ اور میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ میرے دل میں دوسروں کے لیے بہت محبت ہے۔ کیونکہ اگر انسان کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہے تو کم سے کم محبت ہی دے دے۔"

★ "گھر جا کر کیا مصروفیات ہوتی ہیں۔ سارا دن کی تھکاوٹ کے بعد۔ بستر کا راستہ یا گھر والوں سے گپ شپ؟"

✻ "چونکہ گھر والوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقعہ نہیں ملتا تو میری کوشش ہوتی ہے کہ جب چھٹی ہو یا جب گھر آؤں تو ان کے ساتھ وقت گزاروں۔۔۔ لیکن میں اپنی زندگی میں ایک جیون ساتھی کی کمی بہت محسوس کرتا ہوں کہ میں سب سے باتیں کرتا ہوں تو مجھ سے بھی تو باتیں کرنے والا کوئی ہونا چاہیے۔۔۔ تو پھر میں اپنے دوستوں کو ضرور تنگ کرتا ہوں۔ جس میں لڑکیاں لڑکے دونوں ہی شامل ہیں۔۔۔ انہیں سے گپ شپ کر کے اپنا وقت گزارتا ہوں۔"

★ "گھر جاتے ہی اگر کوئی کہے کہ بازار سے یہ لا دو وہ لا دو تو اریٹیشن ہوتی ہے یا غصہ آتا ہے؟"

✻ "بہت زیادہ اریٹیشن ہوتی ہے۔۔۔ خاص طور پر جب بازار جانا پڑ جائے تو بہت غصہ بھی آتا ہے۔"

★ "اور کیا شغل ہیں۔۔۔ فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟"

✻ "فارغ ہو کر سب سے پہلے جو میرا دل کرتا ہے وہ یہ کہ میں اچھا سا کھانا کھاؤں۔ کیونکہ میں فوڈ لور Food Lover ہوں۔۔۔ اچھا کھانا کھا کر موڈ ایک دم فریش ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے گھومنا پھرنا بہت پسند ہے' مگر میری جاب ایسی ہے کہ گھومنے پھرنے کا زیادہ موقع نہیں ملتا۔۔۔ اور دو تین سال سے تو کراچی سے باہر نہیں جا سکا۔ ورنہ میں ہر سال لاہور یا مری ضرور جاتا تھا۔"

★ "سیاست سے لگاؤ ہے؟ کھیلوں۔۔۔؟"

✻ "مجھے سیاست سے لگاؤ نہیں ہے۔ لیکن کئی سیاست دان میرے مریض ہیں۔۔۔ کھیلوں سے بہت زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔ ہاں پاکستان انڈیا کا کرکٹ میچ ہو تو دیکھ لیتا ہوں۔"

★ "اور اب یہ آخری سوال کہ فیزیو تھراپی میں اس مقام تک آنے میں کس نے بہت ساتھ دیا؟"

✻ "میری بہت ہی قابل احترام' قابل عزت شخصیت میڈم ڈاکٹر سمیعہ افضال صاحبہ وہ جناح اسپتال میں کنسلٹنٹ فیزیو تھراپسٹ ہیں وہ میری ٹیچر بھی رہی ہیں۔۔۔ یا سر عباس کو فیزیو تھراپسٹ بنانے میں ان کا بہت ہاتھ ہے۔ انہوں نے میرے لیے بہت قربانیاں دی ہیں اور۔۔۔ مرتے دم تک میرے منہ سے ان کے لیے ہمیشہ دعائیں ہی نکلیں گی۔۔۔ اور میں بار بار کہوں گا کہ میں ان کا احسان مند ہوں۔"

✡ ✡

آسیہ مرزا

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی سے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنا لیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی حوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا اسے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا۔۔۔ (اب آگے پڑھیے)

## نویں قسط

ماضی کا دروازہ آپ شعوری کوشش کے باوجود بند نہیں کر پاتے۔ کوئی نہ کوئی در کھل ہی جاتا ہے۔
حوریہ کی رخصتی کے بعد مومنہ کو لگ رہا تھا وہ نئے سرے سے عذاب ناک لمحات سے گزرنے لگی ہے۔
وقت کی اتنی مسافت طے کرنے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے' پھر اسی جگہ جا کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ کچھ نہیں مٹا تھا' ہر منظر واضح ہو کر نگاہوں میں آٹھہرا تھا۔
کتنے خوف سے اس نے حوریہ کو رخصت کیا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے دل اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہا ہو۔
دیوار سے پشت لگا کر اس نے جلتی آنکھیں بند کر لیں۔
کتنے مان سے وہ بھی تو رخصت ہوئی تھی۔ عادل بھائی جس طرح حوریہ کے سر پر ہاتھ رکھے اسے خود سے لپٹائے لپٹائے گاڑی تک آئے تھے' ایسے ہی بہت سالوں پہلے یاور علی کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے وداع ہوئی تھی۔
جب حازم کی طرح عباد گیلانی نے بھی اسے یوں تھاما تھا گویا وہ بہت قیمتی سی شے ہو۔
"عباد... میری بچی کو سنبھال کر رکھنا۔ خدا کے بعد میں اسے تمہاری امان میں دیتا ہوں۔" یاور علی کو بہت مان تھا اپنے داماد پر۔
عورت زندہ ہی اس بھروسے پر ہوتی ہے کہ وہ چاہی جا رہی ہے۔ اسے بہت مان ہوتا ہے اپنے چاہنے والے پر۔
"آپ فکر نہ کریں انکل۔ یہ آج سے زیادہ کل مسکرائے گی۔" عباد کے لہجے میں چاہت کے دریا بہہ رہے تھے۔
مومنہ عباد کے مسحور کن پہلو میں خود کو جانے کیوں بہت محفوظ اور مسرور محسوس کر رہی تھی۔
چاہے جانے کا سرور ہی ایسا ہوتا ہے' آدمی خود کو دنیا کا سب سے قیمتی' انمول سا محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ اس کے ہمراہ بہت مان سے آئی تھی۔ مگر کس نے سوچا تھا کہ برے انسان کے اندر برا انسان ہی چھپا ہوتا ہے جب تک اسے کھو کر نہ لگے۔
"کب تک یونہی کھڑی رہو گی۔" یاور علی کے ہاتھ کا مہربان لمس وہ اپنے کندھے پر محسوس کرتے ہوئے خیالات کے صحرا سے باہر نکلی۔
"بدصورت یادیں اور دکھ دینے والے خیالات کو بھلا دینے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔ آؤ ادھر بیٹھو۔" یاور علی نے اسے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔
"یہ اذیت کا سفر ہے۔ کیا فائدہ ہر بار اسی اذیت سے دوچار ہونے کا۔ دل جلتا ہے' بھول جاؤ سب کچھ۔"
"بھول جانا شعوری عمل ہوتا تو میں اب تک بھول چکی ہوتی' مگر بدصورت یادوں کے نقوش اتنے گہرے ہوتے ہیں مدھم بھی نہیں ہوتے۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔ پھر اس تکلیف دہ احساس سے خود کو نکالتے ہوئے بولی۔
"حوریہ آج بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔"
"ہاں... حازم بھی بہت پیارا لگ رہا تھا۔ بہت پیاری جوڑی لگ رہی تھی۔ خدا نظر بد سے بچائے۔" یاور علی اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے اور اسٹک ایک طرف رکھ کر کرسی کی پشت پر لگ کر بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
"ہاں حازم بہت پیارا لگ رہا تھا۔"
"تم نے بہت درست فیصلہ کیا ہے مومنہ۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ میں بے حد خوش ہوں آج جانے کیوں برسوں بعد جیسے دل کو تھوڑا سا سکون ملا ہے۔"
"ایسا سکون تو آپ کو برسوں پہلے مجھے رخصت کرتے ہوئے بھی ہوا تھا۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر چپ رہی... وہ اپنے باپ کی بوڑھی آنکھوں میں پھیلی اس مسرت کو اداسی میں نہیں بدل سکتی تھی۔

"جذبات کو تم نے کبھی اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا۔ تمہاری ذات کے ٹھہراؤ نے تمہاری خوب صورتی میں ہمیشہ اضافہ کیا ہے۔" یاور علی کے لہجے میں اس کے لیے ستائش تھی۔ وہ حقیقتاً" پرسکون اور مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ مومنہ نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دبایا۔

"آپ خوش ہیں' میرے لیے اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہو سکتی۔" یاور علی اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر چند لمحے خاموشی کے بعد بولے۔

"دیکھو مومنہ' عباد کو معاف کرنا نہ کرنا تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ میں تمہیں دلائل دے کر قائل نہیں کروں گا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ عباد حقیقتاً" حوریہ کے لیے مخلص ہے وہ اپنے کیے پر پشیمان ہے۔ وہ حازم کو بے پناہ چاہتا ہے اور مجھے یقین ہے وہ حوریہ کے سر پر دست شفقت رکھے گا۔"

"ہاں اسے رکھنا ہی چاہیے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ پھر بات بدلتے ہوئی جلدی سے بولی۔

"آپ آرام کریں تھک گئے ہیں۔ میں بھی سونا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ نرم تھا مگر اس میں ایک طرح کی اجنبیت تھی وہ شاید عباد کے ذکر سے بچنا چاہ رہی تھی یا اس کا ذکر اسے بے زار کر رہا تھا۔ یاور علی فقط ہنکارا بھر کر رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

نئے دنوں کے نئے سفر میں دھیان رکھنا
خاموش چپ چاپ
کچھ نہ کہتی ان ساعتوں نے
سونپ ڈالے نئے تقاضے رفاقتوں کے
دھیان رکھنا
کہ اپنے حصے کے سب تقاضے نباہنے ہیں
ساتھ چلتے ہوئے سفر میں
ہر اک ڈگر پر چاہتوں کے گلاب لکھنا
ورق ورق اعتماد جس میں
حرف حرف میں ہو جاں نثاری
نئی خوشیاں' نئے مناظر
نئی مثالیں نئے حوالے
بس ایک ایسی ہی محبتوں کی کتاب لکھنا
نئے دنوں کے
نئے سفر میں

حوریہ کو اس دھچکے کے بعد اپنے اعصاب کو سنبھالنا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا جس شخص کا خوف اسے آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے ہے اور جس سے بچنے کے لیے وہ حازم کی پناہوں میں آئی تھی وہ یوں اس گھر میں اس کا استقبال کرے گا۔

وہ خود کو سنبھالنے کے باوجود سنبھل نہ پا رہی تھی۔ حازم کی وارفتہ نگاہوں کا اسے ہوش نہ تھا۔ اس کے تصور میں بس بابر کی آنکھیں۔۔۔ لبوں پر رینگتی کمینی مسکراہٹ ابھر ابھر کر اس کے اعصاب کو شل کر رہی تھی۔

حازم نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ بالکل ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے حوریہ! اتنی اپ سیٹ کیوں ہو رہی ہو۔ کوئی بات پریشان کر رہی ہے تمہیں۔" وہ اس کے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس نے پہلی بار سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا۔ جہاں ایک مہربان چاندنی چھٹکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے گھرے اندھیرے میں روشنی پھیلنا چاہ رہی ہو۔

"آر یو او کے حوریہ۔" حازم کو لگا وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ شاید وہ کسی اندرونی خلفشار کا شکار تھی۔ اس نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا تو وہ بے اختیار ہو گئی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ حازم کا چہرہ جیسے پانیوں میں تیرنے لگا۔ وہ کسی ٹوٹی شاخ کی طرح اس کے کندھے سے آلگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ کہنا چاہ رہی تھی مجھے ڈر لگ رہا ہے حازم۔ بہت ڈر میرے خوابوں کے خوش نما گلشن میں یکدم آگ بھڑک اٹھی ہے۔ حازم اس کے یوں رونے پر ششدر رہ گیا۔

سارا وقت وہ پرسکون اور مطمئن دکھائی دی تھی۔ دفعتاً" اسے اتنا ہراساں اور پریشان دیکھ کر اسے حقیقتاً" حیرت ہو رہی تھی۔

اچانک وہ اس سے الگ ہوئی اور اپنے اس بے اختیارانہ سرزد ہو جانے والے فعل پر شرمندہ سی نظر آنے لگی۔

"کیا بات تمہیں ٹینس کر رہی ہے۔ مجھ سے شیئر کرو حوریہ۔ دیکھو مجھ پر ٹرسٹ کرو۔" وہ نرمی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی آنکھوں سے پھیلنے والے آنسو پونچھنے لگا۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔"

"نہیں، نہیں تو۔" وہ نظریں چرا گئی۔ اور گھبرا کر چہرے کا رخ ذرا سا موڑ لیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے سوچا اسے اپنے اعصاب کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے۔ جانے حازم کیا سوچے گا۔

"شاید میں بہت زیادہ کنفیوژ ہو رہی ہوں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ حازم ایک خفیف سی سانس بھر کر مسکرایا اور نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"تھینکس گاڈ میں تو ڈر ہی گیا تھا" پھر اس کے کپڑوں پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر بولا۔

"تم ایزی ہو جاؤ شاید یہ کپڑے بھی تمہیں ڈسٹرب کر رہے ہوں گے۔" پھر ایک معنی خیز تبسم اس کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔

"مجھے بھی دیکھ دیکھ کر الجھن ہو رہی ہے۔ تم تک پہنچنے کے لیے اتنے کیل کانٹوں سے الجھنا پڑ رہا ہے۔" اس کا اشارہ لباس کے خوب صورت کام پر تھا۔

حوریہ اس کے جملے کا پس منظر جان کر سٹپٹا کر رہ گئی اور جلدی سے بیڈ سے اترنے لگی کہ شرارے کا کونا سائیڈ ٹیبل کی نوک میں پھنس گیا۔ وہ بوکھلا کر نکالنے کی غرض سے جھکی تو بھاری بھر کم دوپٹا پھسلنے لگا۔

بھاری بھر کم کپڑوں اور جیولری کے بوجھ کے ہمراہ اب شرم کا بوجھ بھی لد گیا تھا۔

یوں تو حازم کے لیے یہ بڑا دلچسپ منظر تھا اسے یکدم حوریہ اس ہرنی کی مانند لگی جو بدحواسی میں راستہ بھول کر کسی شکاری کے جال میں آپھنسی ہو۔

اپنی اس سوچ پر وہ خود ہی مسکرا دیا وہ اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا نرمی سے اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں یہیں ٹیرس میں ہوں۔ تم آرام سے چینج کر لو ایزی ہو جاؤ۔" اس کا لہجہ اپنائیت آمیز تھا یہ کہہ کر وہ اپنا سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا کر کمرے سے ملحقہ ٹیرس میں چلا گیا۔

حوریہ نے جیسے سکون کا ایک سانس لیا۔ اور سوچنے لگی کہ یہ شخص کس قدر مہربان ہے۔ ٹھنڈی چھاؤں کے

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

احساس سے بھرپور ؟ اسے حقیقتاً" تقویت ملی تھی۔ اس کا منتشر ذہن معمول پر آ رہا تھا ورنہ تو اسے لگ رہا تھا اس کے اعصاب چیخ کر رہ جائیں گے۔ اسے واقعی تعجب ہوا کہ وہ غیر محسوس طور پر سنبھل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ بھی عباد حد کرتے ہیں۔ شادیاں کون سی روز روز ہوتی ہیں۔ کتنے ارمان تھے میرے خاک میں ملا کر رکھ دیے آپ نے۔" عاظمہ کلائیوں سے سونے کے وزنی کنگن اتار اتار کر سنگھار میز پر پٹخنے جا رہی تھیں۔ گویا شوہر پر آیا غصہ ان پر اتر رہا تھا۔ عباد گیلانی اپنے جہازی سائز بیڈ پر چت لیٹے ہوئے تھے۔

"مجھے کتنی تصویریں بنوانی تھیں میرے (رشتے دار) Relative کیا سوچ رہے ہوں گے۔ دلہن کو کمرے میں روانہ کر دیا۔"

"اس کی حالت نہیں دیکھی تم نے۔ کس قدر نروس اور کنفیوژ تھی وہ۔"

"ہاں تو یہ کون سی انہونی ہے۔ ہوتا ہے ایسا تھکن کی وجہ سے ابھی جوس ووس پی لیتی تو سیٹ ہو جاتی۔"

عاظمہ اپنی جھلملاتی میکسی کے بٹن کھولتی باتھ روم میں جا گھسیں چند لمحے بعد شب خوابی کے لباس میں باہر آئیں اور سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے چھوڑ کر گئی تھیں۔

"دیکھا نہیں تھا میں اپنی شادی پر کس قدر نروس تھی۔ مگر فوٹو سیشن تو نہیں چھوڑ دیا تھا۔" چہرے پر کریم کا مساج کرتے ہوئے وہ بولیں تو عباد بے اختیار بغور اچکا کر رہ گئے۔

اس قدر فراٹے سے جھوٹ بولتے ہوئے وہ بالکل بھی نہ ہچکچائی تھیں۔

"ہر لڑکی پر یہ وقت آتا ہے۔"

"نہیں اس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب ہو رہی تھی۔ وہ حد سے زیادہ نروس تھی۔" عاظمہ نے ٹشو کی گولی سی بنا کر ڈسٹ بین میں پھینکتے ہوئے شوہر کو دیکھا۔ حوریہ کی حمایت کرتے ہوئے وہ اسے بے حد زہر لگا۔ پھر استہزائیہ مسکراہٹ سے بولیں۔

"ہاں ظاہر ہے کہاں فرش سے عرش پر یکدم پہنچ جانا۔ وہ اپنے ساتھ اپنا مڈل کلاس کمپلیکس ساتھ لائی ہو گی تو نروس تو ہو گی۔"

عباد اس پر ایک متاسفانہ نگاہ ڈال کر کروٹ بدل گئے گویا مزید اس سے الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ یوں بھی اس وقت ان کو اپنے دل پر ایک نادیدہ سا بوجھ لدا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ پوری کائنات سے کٹ کر اپنے خول میں بند ہو کر بس آنکھیں موند کر ایک خیال میں کھو جانا چاہتے تھے۔ ایسے میں عاظمہ کی موجودگی انہیں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔

وہ تو کسی نرم رو چہرے، میٹھی ٹھنڈی چھاؤں جیسی صورت اور لہجے میں گم ہو جانا چاہتے تھے۔ بے شک وہ وہ لہجہ اب بدل گیا تھا۔ ان کے لیے نرم نہیں سخت بے مہر ہو گیا تھا' آواز سرد ہو گئی تھی ہر جذبے سے عاری۔ مگر تصور پر کسی کا زور چلتا ہے۔ خیالات کو اڑنے سے کون روک سکتا ہے۔ جس طرح ابھرنے والے چاند کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔

"اونہہ محبوبہ کی بھتیجی کو لے آئے ہیں کلیجے میں ٹھنڈ تو پڑ گئی ہے۔ ہاں بھئی اب ہماری کون سی چلے گی۔ حازم پر تو شادی سے پہلے ہی قبضہ کر چکی ہے۔"

عاظمہ کی جلی کٹی بڑبڑاہٹ۔۔۔ بھی ان کے خوب صورت خیالات کا راستہ نہیں روک پا رہی تھی۔

وہ تو دنیا و مافیہا سے بے خبر آنکھیں موندے ماضی کے کسی خوش نما خیال میں گم تھے۔

عاطمہ نے انہیں دیکھا اور سوتا جان کر جھنجلا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

گیلانی ہاؤس میں معمول کی خاموشی چھا چکی تھی مہمان بھی جا چکے تھے۔

کچن میں کھٹر پٹر جاری تھی گویا ملازموں کا کھانے پینے کا شغل جاری تھا۔

بابر لابی کے کنارے والے صوفے پر بے ترتیب انداز میں لیٹا ہوا تھا کمر اور بازوؤں کے نیچے کشن دبائے پیر جوتوں سمیت کانچ کی ٹیبل پر ٹکائے۔ آنکھیں بند کیے بظاہر سویا ہوا دکھائی دے رہا تھا مگر درحقیقت اپنے اندر کے ابال کو دبا رہا تھا۔

اس حقیقت کو قبول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ عاطمہ اسے دیکھ کر اسی طرف چلی آئیں۔

"کیا بات ہے بابر۔ یہاں اس طرح ان ریلیکسڈ کیوں پڑے ہو۔" عاطمہ کی آواز پر اس نے اپنی بے تحاشا سرخ ہوتی آنکھیں کھول کر انہیں بس ایک نظر دیکھا پھر دوبارہ بند کر لیں۔

"نیند آ رہی ہے تو اپنے روم میں جا کر آرام سے سو جاؤ اس طرح....."

"پلیز مام۔" اب کہ وہ آنکھیں کھولے بنا ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روک گیا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ جھنجلاہٹ اور چڑچڑاہٹ تھی جیسے اسے عاطمہ کی مداخلت سخت گراں گزری ہو۔ وہ کچھ دیر یونہی پڑے رہنا چاہتا تھا۔

"تم نے کپڑے بھی چینج نہیں کیے۔"

"مائی فٹ۔" بابر شدید چڑچڑاہٹ پن سے صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ "ہر چیز میں آپ کو آبجیکشن (اعتراض) ہے۔" اس نے جھک کر تپائی سے اپنا موبائل اور سگریٹ کیس اٹھایا۔ اور عاطمہ کو کڑی نظروں سے دیکھا۔

اس لمحے اس کا چہرہ کسی تپے ہوئے تانبے کی مانند ہو رہا تھا۔ کھڑی ناک کے اردگرد لکیریں اتنی سرخ ہو رہی تھیں جیسے ابھی ان میں سے خون چھلک آئے گا۔ وہ ناگواری سے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ عاطمہ پہلے تو اس کے رویے پر حیران ہوئیں دوسرے پل سر جھٹک کر پلٹیں تو امیر علی پر نگاہ پڑی تو یکایک اپنی بے عزتی کا احساس سا ہوا۔

"تم کیا یہاں منہ اٹھائے کھڑے ہو۔"

"وہ جی چھوٹے صاحب سے چائے کا پوچھنے آیا تھا۔ انہوں نے بلایا تھا مجھے۔" امیر علی بڑے تحمل سے بنا جھجکے بولا وہ اب اس ماحول اور اس طرح کے رویوں بلکہ پھٹکار کا عادی ہو چکا تھا۔ ایک عرصے سے وہ لہجوں اور رویوں کی یہ کڑواہٹ پیتا ہوا آیا تھا۔

"ہاں تو جاؤ جا کر دے آؤ اسے چائے۔ میرے سر پر کیوں سوار ہو۔ مائی فٹ۔" وہ جلبلا کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کے چینل بے وجہ بدلنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

حازم ٹیرس میں رکھی آرام دہ کرسی پر بیٹھا سگریٹ کے دھیرے دھیرے کش لگا رہا تھا جب حوریہ کے ہاتھ کا گداز سا لمس اپنے کندھے پر محسوس کرکے چہرہ اوپر اٹھایا۔

"آئی ایم ساری۔ میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔" ہلکے گلابی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے کرتے اور ٹراؤزر میں ملبوس دوپٹا شانوں پر ڈالے دھلے دھلے چہرے کے ساتھ وہ شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

شفاف چہرے پر میک اپ کے کچھ مٹے مٹے نشانات تھے۔ بھوری آنکھوں کے کناروں پر سرخی جمی تھی۔

"ڈسٹرب تو خیر تم نے مجھے کر ہی دیا ہے پریشان نہیں کیا البتہ۔" اس نے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا

دی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے رکھی کرسی پر بٹھادیا۔ پھر ایک سانس یوں بھری جیسے تازہ ہوا کو پھیپھڑوں میں اتار دیا ہو۔

"مجھے تو پہلی بار پتا چلا کہ محبت اتنا پاورفل جذبہ ہے جو اچھے خاصے ہوش مندوں کو رات کو ستارے گننے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

حوریہ کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے بھی آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ آسمان کی سیاہ چادر پر ٹکے ستارے ننھے منے دمکتے ہیروں کی مانند دکھائی دے رہے تھے "معا" اسے حازم کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تو اس کی شرگمیں پلکیں بھاری ہونے لگیں۔

"تمہاری محبت بھی بڑی اچانک سے حملہ آور ہوئی ہے حوریہ۔ ابھی تک صرف محبتیں سمیٹ رہا تھا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں اچانک میں کسی کو اس طرح چاہنے لگوں گا۔ کوئی میری زندگی میں داخل ہونے سے پہلے میرے دل میں براجمان ہو جائے گا۔

پاپا نے جب تمہارا نام لیا تو مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا جیسے۔ ساحل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر پاؤں رکھتے ہی لہر کی ٹھنڈک رگوں میں اترنے لگتی ہے۔ بس کچھ ایسی ہی فیلنگس تھیں۔۔۔ پہلی رات تھی جب میری آنکھوں سے نیند غائب ہوئی۔ میں بے حد جھنجلایا الجھا مجھے انتہائی احمقانہ سا فعل لگا کہ پوری رات جاگ کر تمہارے بارے میں سوچتا رہوں۔۔۔ مگر ہر گزرتی رات یہی ہوتا رہا۔ اور مجھے اچھا لگنے لگا۔"

حازم نے رک کر اس کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں۔

"تم دل ہی دل میں ہنس رہی ہو گی کہ میرا جیسے میچور بندہ بھی ایسے دورے سے گزرا ہے' بالکل کالج بوائے کی طرح راتوں کو ستارے گنتا رہا ہے۔" وہ ہلکے سے ہنسا اور سگریٹ کا دھواں اس کے چہرے پر پھینکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ محبت میں آدمی ساری زندگی امیچور اور کالج بوائے کی طرح رہتا ہے۔۔۔ مجھے اچھا لگا یہ سب سننا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"سچ تو یہ ہے کہ یہ تو بڑا مسرور کر دینے والا احساس ہے کہ کوئی آپ کو چپکے چپکے چاہ رہا ہو۔ آپ کا تمنائی ہو۔ آپ کی ضرورت محسوس کر رہا ہو۔"

اس کی آواز دھیمی' جذبات سے بوجھل تھی۔ اس کی نظریں اپنی ہتھیلیوں پر جمی تھیں۔

حازم نے اس کے رخسار پر لرزتی گھنی پلکوں کے سائے کو دیکھا۔ پھر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔

"یہ اتنی اچھی اچھی باتیں سر جھکا کر کیوں کر رہی ہو۔ ادھر دیکھ کر کرو میری طرف۔" اس کے لہجے کی وارفتگی پر حوریہ کا سر مزید جھک گیا۔

✡ ✡ ✡

سانوں اک پل چین نہ آوے
او سجنا تیرے بنا
او سجنا تیرے بنا

سائیکل سوار اپنی بھونڈی آواز میں گنگناتا اس پر آواز کستا گزر گیا۔ وہ یونہی چھت کی منڈیر سے لگی کھڑی رہی۔ وہ ٹہل ٹہل کر بھی تھک گئی تھی سائیکل سوار پھر گزرا تو وہ وہاں سے ہٹ کر سیمنٹ کی کنی پر بیٹھ گئی۔

نیچے وہ جانا نہیں چاہتی تھی بتول آپا اپنے اہل و عیال کے ہمراہ براجمان تھیں۔ وہ سلام کر کے اوپر بھاگ آئی

تھی۔
نصیر ابا کے پاس بیٹھا ان کو یقیناً "شیشے میں اتارنے میں لگا ہوا تھا۔ اپنی کمائی کا رعب ڈال رہا تھا۔
"اب تو خیر سے تیسری دکان بھی چل پڑی ہے۔ ایک پلاٹ بھی لیا ہے سوچ رہا ہوں۔ اپنا مکان بنوالوں۔ کل کلاں بچے بڑے ہوں گے تو ضرورت تو پڑے گی نا۔"
"اونہہ سو گز کے پلاٹ پر گردن اکڑا رہا ہے۔" وہ جل کر زینے چڑھنے لگی۔
"تم گاڑی واڑی لینے کا سوچ رہے تھے۔ کیا ہوا پھر۔" ابا کی آواز پر وہ آخری زینے پر ذرا سا ٹھٹکی تھی۔
"ہاں ایک پسند بھی کرلی تھی مگر اس کا انجن کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا۔ سوچ رہا ہوں کہ نئی گاڑی لے لوں۔"
"نئی گاڑی۔" ابا کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ "وہ تو بہت مہنگی آئے گی۔"
"ہاں یہ تو ہے اور اس کے لیے مجھے سال دو سال انتظار کرنا پڑے گا۔"
"ہاں تو پھر چھوڑو۔ پرانی میں ہی دیکھ لو۔" ابا مفت میں مشورے دیے جا رہے تھے۔
"ہاں دیکھ تو رہا ہوں کوئی سستی اور اچھی مل جائے۔ بچے بھی پیچھے لگے ہوئے ہیں کہ ابا گاڑی لے لو۔ اماں کی بھی اب عمر ہو رہی ہے۔ بس اور رکشے میں دھکے نہیں کھا سکتیں۔"
"اونہہ۔" وہ باقی زینے بھی پھلانگ گئی۔
پرانی کھٹارا گاڑی
سو گز کا پلاٹ
اسٹیشنری کی دو کانیں۔ اب تیسری چل پڑی ہے ابا پر جتنا بھی رعب ڈال لو۔ میں تمہاری غلامی کرنے والی نہیں ہوں۔
پھر چھت کی دیوار سے نیچے جھانکتے ہوئے دل ہی دل میں سلگتے ہوئے سوچنے لگی۔
اسی چھت سے کود جاؤں گی۔ جس دن ابا نے تمہارے نام کرنا چاہا۔
"آپا۔" زبیر کی آواز پر وہ فرش پر بے مقصد مٹی سے لکیریں کھینچتے کھینچتے چونکی۔
زبیر زینے کے پاس کھڑا اسے پکار رہا تھا۔
"اماں بلا رہی ہیں آپ کو کھانا کھالو۔"
"بھوک نہیں ہے مجھے۔" اس کا لہجہ لٹھ مار نے والا تھا۔
"ہم کو تو لگی ہے نا۔"
"ہاں تو کھالو نا۔ کسی نے روکا ہے۔"
"اماں کہہ رہی ہے نواب زادی کو بولو۔ نیچے اترے اور آکر کھانا لگائے۔ مہمان انتظار کررہے ہیں۔" زبیر اماں کے الفاظ من و عن سنا کر پلٹ گیا۔
"کیا مصیبت ہے اب ان کی خاطر مدارتیں کرو۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوگئی۔
"کھانا بنا لیا کافی نہیں تھا کہ اب دسترخوان بھی میں ہی لگاؤں۔۔۔ پھر نوالے بنا بنا کر بھی کھلاؤں۔" وہ بھناتی ہوئی نیچے اتری۔ نیچے سب کی نشست برخاست بدل چکی تھی۔
ابا چارپائی پر لیٹے سگریٹ پھونک رہے تھے۔ نصیر اپنے دونوں بچوں کے ساتھ موبائل پر گیم کھیلنے میں مصروف تھا۔ جہاں آرا اور بتول آپا کمرے میں منہ دیے بیٹھی تھیں۔
وہ کوفت کے عالم میں کھانا چننے لگی۔
نصیر کی ایک واحد عادت اسے معقول لگتی تھی کہ وہ اسے گھورتا نہیں تھا۔ نہ ہی اس کے آگے پیچھے لگا رہتا یا

بہانے بہانے سے بات کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہاں کبھی نظر بچا کر دیکھ لیا الگ بات۔ مگر اس کی موجودگی میں اپنی نگاہوں کو بے لگام نہیں ہونے دیتا تھا۔

وہ کھانا لگا رہی تھی تب بھی وہ بچوں کے ساتھ مگن رہا۔ وہ دستر خوان لگا کر جہاں آرا کے کمرے میں آنے لگی مگر دروازے پر اپنا نام سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔ بتول آپا کہہ رہی تھیں۔

"ارے لڑکی ذات ہے ذرا ہاتھ ہولا رکھا کرو۔ یوں ہر وقت جھڑکیں نہ مارا کرو۔ ذرا پچکار کر بات کیا کرو۔"

"اونہہ پچکار کر وہ بھی اس سے تاکہ وہ سر پر چڑھ کر ناچنے لگے میرے۔ پہلے ہی کم ہے کہ اب نرمی سے اسے اپنے سر پر بھی بٹھالوں۔" جہاں آرا نا گواری سے بولیں۔ بتول آپا نے انہیں گھورا۔

"بیاہنا ہے یا نہیں اسے۔ ارے دھونس دھمکی سے تو بدک جائے گی۔"

"تو کون سی وہ مہارانی ابھی راضی ہے تمہاری بہو بننے کے لیے۔ ارے آپا تم بھی نا بس بہت بھولی ہو۔"

"ہاں تو جس طرح تم اس سے بات کرتی ہو اس طرح تو وہ کبھی راضی نہ ہو گی۔ بلکہ اور منہ پر چڑھ جائے۔ ارے اسے ذرا ماں بن کر اونچ نیچ سمجھاؤ۔"

"بات سنو آپا۔" جہاں آرا نے ان کی بات کاٹ دی۔ "وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے سو گنوں پوری ہے۔ نہ نیک پارسا بی بی ہے یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ منہ پر منوں کالک مل کر بیٹھی ہے یہ تو میں اچھی ہوں کہ ابھی اس کے ان کرتوتوں کا بھانڈہ نہیں پھوڑا۔ اس کے ابا کے سامنے۔ اور عزت سے اسے بیاہنے کا سوچ رہی ہوں۔ ہاں نہیں تو۔ اب نخرے بھی اٹھاؤ مہارانی کے۔" وہ مسہری سے مل کھا کر اٹھیں۔

"ارے کون کہہ رہا ہے نخرے اٹھانے کو مگر ہر وقت جو تم اس کے سر پر تلوار بنی لٹکتی رہتی ہو اس پر کہہ رہی ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میرے نصیر کو اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ میری بھی تو اپنی کوٹ پھنسی ہوئی ہے۔ یہ بھی تو دیکھو نا تم۔ عمر کا فرق شکل صورت کا اتنا فرق اور ساتھ میں دو بچے ایسے کیسے مان جائے گی۔"

"بس رہنے دو آپا۔ نصیر اب ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہے اور عمروں کے فرق سے کیا ہوتا ہے۔ مرد کی عمر کب دیکھی جاتی ہے۔ اچھا خاصا کما لیتا ہے اور کیا چاہیے ایک لڑکی کو۔" وہ غسل خانے میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگیں پھر تولیہ اٹھا کر منہ پونچھتے ہوئے مزید گویا ہوئیں۔

"یہ کم ہے کہ اس کے کارنامے کے بعد بھی نصیر اسے اپنانے کو تیار ہے۔ کہاں ڈھونڈیں گے اس کے ابا اپنی اس لاڈلی کے لیے کوئی شہزادہ۔ اونہہ۔"

"چلو خیر۔" بتول آپا آخر جہاں آرا کی زبان کے آگے ہار مانتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں پھر مسہری سے اترتے ہوئے چپلیں پہنتے ہوئے بولیں۔

"بس میں تو اپنے نصیر کا گھر آباد دیکھنا چاہتی ہوں۔" "اسے خوش و خرم دیکھنا چاہتی ہوں۔ فضا کو بیٹی بنا کر رکھوں گی تم کان کھول کر سن لو۔"

"اے آئے جو کرنا ہے کرنا سر پر تاج بنا کر بٹھالینا۔ میرے سر سے تو یہ بوجھ اٹھا کر لے جاؤ۔"

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔ پیار سے مناؤ چٹکی میں مان جائے گی۔"

"انکار تو اب وہ کر نہیں سکتی۔ ابھی اس کے ابا کے سامنے اس کا پردہ چاک کروں گی تو وہ خود ہی اسے بیاہنے میں ایک لمحہ نہیں لگائیں گے۔ میں تو کہتی ہوں آئی ہو تو آج ہی انگوٹھی پہنا کر جاؤ۔ تنویر سے بات کر لو۔"

"نہیں آج نہیں تم بات کر کے رکھنا۔ آتے جمعہ تک کوئی پروگرام رکھ لیں گے۔" بتول آپا اس کے ہمراہ کمرے سے باہر آنے لگیں۔ فضا کا دل سخت کبیدہ ہونے لگا۔ وہ سرعت سے وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرے میں جا گھسی۔

یہ واحد پناہ گاہ تھی جس میں وہ اپنے سارے آنسو بہا لیتی تھی۔

٭ ٭ ٭
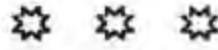
"میں نے تو بھئی حازم تمہاری ساس کو ناشتا لانے کو منع کر دیا ہے۔ بڑا ہی آکورڈ سا لگتا ہے اس طرح ناشتا لے کر آنا۔ کیا یہاں کمی ہے کسی چیز کی۔" عاطمہ ناشتے کی ٹیبل پر حازم کے بیٹھتے ہی بتانے لگیں۔ عباد گیلانی نے چونک کر دیکھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"تو ہمارے ہاں اتنے ہیوی ناشتا کون کرتا ہے۔"

"پھر بھی تمہیں منع نہیں کرنا چاہیے تھا جانے وہ لوگ کیا سوچیں گے۔ یہ ایک رسم ہے آجاتے تو اس طرح حوریہ سے مل بھی لیتے۔" عباد گیلانی کو عاطمہ کی یہ بات بہت ہی ناگوار سی گزری تھی۔

حوریہ کے ڈائننگ روم میں داخل ہونے پر وہ چپ سے رہ گئے تھے۔

"ارے بھئی۔ یہ سب پرانے وقتوں کی رسم و رواج ہیں زمانہ بدل گیا ہے اور ملنے کو ان کو آنے سے کون روک رہا ہے آجائیں یوں بھی۔ ہم نے کون سے دروازے بند کر رکھے ہیں۔" عاطمہ نے حوریہ پر ایک نگاہ ڈالی۔

سبز اور سفید کنٹراس کی کرتی ٹراؤزر میں بڑا سا ہم رنگ دوپٹا سلیقے سے سر پر جمائے۔ وہ نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ حازم کو تو لگا گویا ان کا ڈائننگ روم چمک اٹھا ہو۔ بے جان چیزوں میں بھی جان پڑ گئی ہو ہر شے جگمگا اٹھی ہو۔

اس نے اپنے ساتھ والی کرسی اس کے لیے دھکیلی وہ جھجکتی آ کر بیٹھ گئی عاطمہ اور عباد کو سلام کیا۔

عاطمہ کچھ خفیف سی ہو کر رہ گئیں۔ اس کوٹھی میں ایک دوسرے کو شاید سلام کرنے کا رواج نہ تھا۔ بہت زیادہ ہوا تو ہیلو اور ہائے ہو جاتا تھا۔ وہ بھی کم ہی توفیق ہوتی تھی۔

"آپ کیسی طبیعت ہے کیسا فیل کر رہی ہو۔" عباد گیلانی شفقت سے پوچھنے لگے۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"و۔۔۔ جی۔۔۔"

"ہو جاتا ہے ہو جاتا ہے تھکن کے باعث اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ تمہیں کوئی ایکسکیوز دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نرمی اور اپنائیت سے جلدی سے کہنے لگے۔ "یہ تمہارا اپنا گھر ہے اپنا ہی سمجھو۔ خود کو یہاں غیر مت سمجھنا۔ جو دل چاہے کرو۔" حوریہ فقط سر اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔

امیر علی مستعدی اور بڑی محبت سے اس کے آگے ناشتا چننے لگا۔ حازم کے پہلو میں بیٹھی یہ بچی انہیں ماضی کی وہی مومنہ لگی تھی۔ ایسی ہی پاکیزہ معصوم اور من موہنی سی۔ وہ دل ہی دل میں اسے ڈھیروں دعائیں دے رہا تھا۔

"امیر علی۔" بابر اپنے روم کے دروازے سے نکلتے ہوئے امیر علی کو خاصے غصے سے پکار رہا تھا۔ حوریہ کا ہاتھ یکدم چائے کے کپ پر لرز گیا۔

وہ ناشتے کی میز پر اسے نہ دیکھ کر قدرے پر سکون ہوئی تھی مگر پشت سے ابھرتی اس کی آواز اس کا سکون پل بھر میں غارت کر گئی۔

"پورا روم الٹا پڑا ہے اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ میرے اٹھنے سے پہلے اسے ٹھیک کر لیا کرو۔ سب اٹھا کر باہر پھینک دوں گا کسی دن۔"

"چھوٹے صاحب آپ سو رہے تھے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ابھی کیے دیتا ہوں۔"

"باقی ملازم مر گئے ہیں کیا کوٹھی کے۔ بھیجو کسی کو اور ٹھیک کراؤ روم میرا۔ وہ سلیپنگ گاؤن کی ڈوریاں باندھتا ڈائننگ روم کی طرف چلا آیا۔

"کیوں اتنا ایگریسو ہو رہے ہو بابر۔ تمہیں روم کی کیا فکر پڑ گئی۔ ہو جائے گی صفائی۔" اس کے نزدیک آنے پر عاطمہ نے سرزنش کی۔ "کچھ لحاظ کرلو گھر آئے گیسٹ کا۔" ان کا اشارہ حوریہ کی طرف تھا۔

"اوہ۔ تو اب مجھے اپنی روٹین بھی بدلنا پڑے گی بلکہ خود کو بھی بدلنا پڑے گا نئے مہمان کی آمد کی خوشی میں۔" بظاہر اس نے ہنس کر کہا تھا مگر اس کے لہجے میں چھپی تپش حوریہ کے علاوہ کوئی اور محسوس نہ کرسکا۔

وہ عین اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے گفٹس ہم کو بہت پسند آئے بابر۔" حازم اس سے کہنے لگا۔ "حوریہ بھی تھینک یو کہہ رہی تھی۔" یہ اضافی جملہ خالص اس کی اپنی طرف سے تھا۔

"مگر گفٹ میں نے لاکر میں رکھ دینے کو نہیں پہننے کو دیا ہے۔" اس نے بریڈ پر جیم لگاتے لگاتے حوریہ پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اس کی شفاف گردن بالکل خالی تھی ہاں البتہ اس کی کلائیوں میں حازم کے دیے کنگن جگمگا رہے تھے اور مخروطی سڈول انگلی میں حازم کے نام کی رنگ چمک رہی تھی۔ پتا نہیں اس کی کلائیوں سے یہ کنگن چمک رہے تھے یا بابر کو تو کچھ ایسا ہی لگا۔

"بھئی میں نے تو پہن لیا۔ دیکھو!" حازم اپنی کلائی میں بندھی رسٹ واچ کی طرف اشارہ کیا۔ عاطمہ نے بھی توصیفی نگاہ ڈالی۔

"واؤ زبردست!"

"حوریہ بھی پہن لیتی تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔" وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا پھر اس کی لرزتی پلکوں پر اچٹتی نگاہ ڈالی "مجھے لگتا میرے گفٹ کی قیمت وصول ہو گئی۔" حوریہ نے سر اور جھکا لیا تھا جائے جیسے سیال شے بھی اسے اپنے حلق میں اٹکتی محسوس ہونے لگی تھی۔

"ارے تم اسے حوریہ کیوں کہہ رہے ہو۔ بھابی کہو۔" عاطمہ نے اسے ٹوکا۔

"بھابی۔" اس نے ابرو اچکا کر عاطمہ کو دیکھا پھر یکدم یوں ہنس پڑا۔ جیسے کوئی مزاحیہ بات سن لی ہو۔

"کچھ غلط کہہ دیا کیا۔ کیوں حازم۔" جواباً حازم نے تو کندھے اچکا دیے۔

"کم آن مما۔ آپ اتنی بیک ورڈ کب سے ہو گئی ہیں۔" وہ سینڈوچ اٹھا کر کھاتے ہوئے اب بھی ہنس رہا تھا۔ "پاپا یہ مجھ سے کافی چھوٹی ہو گی۔" وہ عباد گیلانی سے مخاطب ہوا جو ناشتا کر چکے تھے اور چائے سے شغل کر رہے تھے۔

"لفظ بھابی کچھ بھاری بھرکم سا لگتا ہے۔ نو نو میں تو کم از کم اتنے فضول سے نام سے نہیں پکار سکتا۔"

"ٹھیک ہے نام لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں حوریہ کو کوئی آبجیکشن نہ ہو تو۔" عاطمہ نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے حوریہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ حوریہ نے ایک ہلکی سی سانس بھر کر عباد گیلانی کی طرف دیکھا۔

"عمر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے انکل۔ یہ فضول نام رشتوں کے تقدس اور احترام کے لیے ہوتے ہیں۔ اس سے احساس ہوتا ہے ان کے تقدس کا۔" وہ پہلی بار گویا ہوئی تھی۔ وہ بابر کی خصلت سے اچھی طرح واقف تھی کہ وہ محض اسے ستانے کے لیے اس طرح کی بات کر رہا تھا۔

"میں تمہاری اس بات سے ایگری کرتا ہوں۔" عباد گیلانی سراہنے والے انداز میں سرہلانے لگے۔ "بات تو دل کو لگ رہی ہے۔"

"مگر آئی ایم ناٹ ایگری۔" بابر نے سنڈوچ اٹھا کر بڑا سا نوالہ توڑتے ہوئے اطمینان سے کہا اور حوریہ کی طرف دیکھا۔ حوریہ کو اپنے پہلو سے ایک طلاطم لہراٹھتی محسوس ہوئی۔ ایک پل اس کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑی گرم گرم چائے پوری اس آدمی پر انڈیل دے اس کا منہ جلا دے۔

اسے اپنے اعصاب چٹختے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔
عاظمہ تو اس لاحاصل بحث پر منہ بنا کر میز سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ کر اپنے موبائل میں مصروف ہو گئی تھیں۔ جبکہ حازم حوریہ کی دلی کیفیت سے بے خبر تھا وہ بابر کی شرارتی طبیعت کا حصہ سمجھ کر خود بھی مزا لے رہا تھا۔ اس کے نزدیک یہ معصومانہ چھیڑ چھاڑ تھی جو عموماً گھروں کا حصہ ہوتی ہے۔
"میرے نزدیک تو یہ منافقت کی ایک شکل ہے کہ احترام ہو نہ ہو آپ فقط اس طرح کے موٹے موٹے لیبل لگا کر خواہ مخواہ کا تقدس پیدا کر رہے ہوں۔" بابر کا انداز ہنوز تھا۔
"بھئی تم میری وائف کو بلاوجہ تنگ کر رہے ہو۔" حازم نے اسے گھورا تو وہ کندھے اچکا کر ہنس دیا۔
"کیا آپ کے دل میں میرے لیے اس رشتے سے احترام نہیں ہے۔" حوریہ نے اپنے اعصاب کنٹرول کرتے ہوئے بظاہر دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے براہ راست بابر کی طرف دیکھا تھا۔ بابر لحہ بھر اس کی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھتا رہ گیا۔ دوسرے پل خفیف سا ہو کر سر ہلانے لگا۔
"کیوں نہیں وائے ناٹ میں تو محض ایک عام سی بات کر رہا تھا۔" بابر کے اعصاب ہلکے سے جھنجھنائے تھے۔
"اب تم میری بچی کو سکون سے ناشتا کرنے دو۔ یہ بحث بعد میں کرتے رہنا۔" عباد گیلانی اپنی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اسے ڈپٹنے لگے۔ پھر قدرے سنجیدگی سے حازم سے بولے۔
"حازم تم ناشتے سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں آنا۔" پھر پلٹتے پلٹتے بولے۔ "حوریہ کو بھی ساتھ لے آنا۔"
حازم ناشتا کر چکا تھا کرسی دھکیلتے ہوئے بولا۔
"جی میں آتا ہوں۔" عباد گیلانی کو امیر علی ان کے روم میں لے کر چلا گیا۔ حازم کو ٹیبل سے اٹھتے دیکھ کر حوریہ نے بھی جلدی جلدی چائے کا گھونٹ بھر کر اٹھ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔
حازم اپنے سیل فون کی طرف متوجہ تھا۔ جبکہ بابر حوریہ کی وحشت سے بخوبی آگاہ تھا اسے اٹھتے دیکھ کر اس کے لبوں کی تراش میں سے ایک بے مہری مسکراہٹ رینگ گئی۔
"میرا دیا ہوا گفٹ اگر تمہاری اس خوب صورت گردن میں سج جائے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔" اس کے اٹھنے سے پہلے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی جانب قدرے جھکا تھا۔
حوریہ نے اس کی طرف دیکھا۔ بھنوؤں کو ہلکی سی جنبش دے کر یوں مسکرایا گویا اس کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات رہے ہوں۔ حوریہ نے چہرے کا رخ دوسری طرف کر لیا۔ بابر ایک دو پل اسے دیکھتا رہا وہ صاف محسوس کر سکتا تھا وہ اپنے اندر غصے کے ابال کو دبا رہی تھی اس کے چہرے کے نازک حصوں میں یوں سرخی اتر رہی تھی گویا ابھی خون چھلک پڑے گا۔
"او کے..... بھابھی..... جان۔" وہ ہر لفظ پر زور دیتا ہوا بولا اور یکدم پلٹ کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔ حوریہ احساس بے بسی میں بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

حازم عباد گیلانی کے روم میں تھا جبکہ حوریہ اپنے اندر کے بھڑکتے الاؤ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ٹیرس میں بیٹھی تھی۔
"عجیب ہے یہ وقت بھی بلکہ بڑا ظالم۔ نت نئے تجربات ہماری جھولی میں ڈالتا چلا جاتا ہے۔
اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اب دن رات اسے اس طرح کے تلخ تجربات سے گزرنا پڑے گا۔
تقدیر نے بھی عجب ستم کیا تھا اس پر۔ ایک ہاتھ میں مہکتا پھول تھا تو دوسرے ہاتھ میں انگارہ پکڑا دیا تھا۔

تپش اتنی زیادہ تھی کہ اسے لگ رہا تھا وہ اس پھول سے مہک حاصل کر بھی پائے گی یا نہیں۔
اس نے کرسی کی پشت پر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اسی پل اسے تیز تیز ہارن کی آواز آئی۔ اس نے یونہی پارکنگ ایریا کی طرف جھانکا۔
چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا بابر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا دوسرے پل اس کی گاڑی پورٹیکو کے چمکتے فرش پر کسی پانی کی طرح پھسلتی باہر نکل گئی۔ اس نے گیٹ بند ہوتے دیکھا اور جیسے اپنے اندر بے نام سا سکون اترتا محسوس کرنے لگی۔
"ہاں بھئی کیا پروگرام ہے۔" وہ کمرے میں آئی تو حازم بھی آچکا تھا اور اسے دیکھتے ہی اس کی طرف چلا آیا وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال لپیٹ رہی تھی۔
"پاپا سے مل لوں میں بھی۔" وہ بالوں میں کلپ لگاتے ہوئے بولی۔
"اوں ہوں۔۔۔ ابھی رہنے دو۔ پاپا میڈیسن لے کر سو رہے ہیں۔" حازم نے اسے روک دیا پھر آگے بڑھ کر کلپ اس کے بالوں سے نکال دیا۔
کلپ کے ہٹتے ہی سارے لچکدار بال یوں شانوں پر پھسلے گویا ریشم کا کوئی تھان کھل گیا ہو۔
"کھلے رہنے دو۔ اچھے لگتے ہیں۔" ایک لٹ کو ہولے سے کھینچتے ہوئے بولا۔ پھر قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"تم نے ناشتا بھی ٹھیک طریقے سے نہیں کیا۔ شاید بابر کی شرارتوں پر پریشان ہو گئی تھیں۔" وہ فکر مندی سے بولا۔ پھر اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"اس کی شرارت کرنے کی عادت ہے۔ وہ مجھ سے ذرا مختلف مزاج کا ہے۔ ملازموں پر غصہ بھی کر لیتا ہے۔ مگر پھر ان کا خیال بھی کرتا ہے۔ وہ دل کا برا نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں بابر کے لیے شفقت تھی۔ حوریہ برا ماننے کی بجائے اسے عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔
"کتنا بڑا پن تھا اس کے اندر۔۔۔ وہ اسے ایسے درخت کی مانند محسوس ہوا جو اپنی چھاؤں ہر ایک کے لیے پھیلائے رکھتے ہیں۔ وہ اسی پل بابر کی ذات کو یکسر فراموش کر گئی۔ اسے بالکل بھی برا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ بابر کی تعریف کر رہا تھا اس کی طرف داری کر رہا تھا بلکہ اسے تو اچھا لگ رہا تھا اور یہ فخر محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کی بیوی ہے، جو حقیقتاً مسند دل پر دیوتا بنا کر بٹھانے کے قابل ہے۔
وہ ظاہری طور پر ہی خوب صورت نہیں تھا اس کا باطن اس سے کہیں زیادہ دلکش اور خوب صورت تھا۔ شاید اس کے باطن کی یہ پاکیزگی ہی اس کے ظاہر کو اور خوب صورت بنائے ہوئے تھی۔ وہ از خود رفتہ سی اس کے نزدیک آکر بیٹھ گئی۔
"ہاں بھئی تو پھر کیا موڈ ہو رہا ہے۔ مما کی طرف چلنا ہے یا شام کو۔" وہ اپنے خیالات سے چونکی اور سر کو خفیف سی جنبش دے کر سر ہلا دیا۔
"جانا تو ہے جیسی آپ کی مرضی ابھی چلیں یا شام کو۔"
"میرا خیال ہے تمہیں مام کے پاس چھوڑ کر میں ذرا آفس کا چکر لگا آتا ہوں۔ بہت دنوں سے ادھر بھی گیا نہیں ہوں۔" وہ اپنا پروگرام بتانے لگا۔ حوریہ کا چہرہ میکے جانے کے نام سے چمک اٹھا۔
"اوکے! میں تیار ہو جاتی ہوں اور ممی سے بھی کہہ دیتی ہوں جانے کا۔" وہ اٹھنے لگی۔
"ایسے ہی قاتل لگ رہی ہو۔ اب کیا جان لو گی۔ تیار ہو کر۔" حازم نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ "دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ یونہی بیٹھا رہوں۔ تمہارے پاس۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا۔ حوریہ شرما کر اسے دھکیل کر جلدی سے اٹھ گئی۔

"خاطر جمع رکھیے جناب۔" حازم کندھے اچکا کر ہنس دیا۔
"بھاگ کر تو تم جا سکتی نہیں، ہو کوٹھی میں ہر جگہ میرے پہرے ہیں۔" وہ چھیڑنے لگا۔
"پہروں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم تو یوں ہی آپ کے اسیر ہو گئے ہیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔
حازم کے ہونٹ بے اختیار سیٹی کے انداز میں سکڑے تھے۔
"اتنی خوب صورت بات اتنی دور کھڑے ہو کر کیوں کر رہی ہو۔" حازم یہ کہہ کر بیڈ سے اٹھنے لگا تو وہ اس کا ارادہ جان کر جلدی سے وہاں سے بھاگ لی۔۔۔ حازم بھرپور انداز میں ہنسا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے عاطمہ کے کمرے میں آکر انہیں بتایا کہ وہ حازم کے ساتھ اپنی امی کے گھر جا رہی ہے ایک طرح سے ان کی اجازت طلب کی تھی۔
اپنے کٹے ہوئے بالوں کو بلو ڈرائی کرتے ہوئے عاطمہ نے خاصی حیرت سے حوریہ کو دیکھا تھا۔
اس کوٹھی میں آج تک کوئی کسی کی اجازت کا محتاج نہ تھا کب کون جا رہا ہے آ رہا ہے۔ یہ کچھ انہونی سی تھی۔
"ہوں جاؤ۔" وہ اپنی حیرت سمیٹ کر دھیرے سے سر ہلا کر رہ گئیں۔ حوریہ کمرے سے نکل گئی کسی باد صبا کے جھونکے کی مانند عاطمہ کتنی دیر یونہی دروازے کی طرف کرسی کا رخ کیے بیٹھی رہ گئیں۔
"کیا تھا اس لڑکی میں۔۔۔ وہ نظر انداز نہ کر پائی تھیں۔۔۔ اس کا معصومانہ انداز۔۔۔ یا اپنائیت آمیز لہجہ یا چاند کی طرح چمکتا خوب صورت سراپا۔
مگر دوسرے پل وہ سر جھٹک کر اپنی سوچ کی نفی کرتے ہوئے بڑبڑائیں۔
اونہہ۔۔۔ مومنہ کی طرح جال میں پھانس نے کے سارے گر آتے ہیں محترمہ کو وہ تنی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ ڈرائر پھیرنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہو گیا ہے تمہیں نیک بخت۔۔۔ کہاں فضا اور کہاں نصیر۔" ابا سگریٹ کا ٹوٹا آخری کش لگا کر بیسن میں پھینک کر واپس مسہری پر آکر بیٹھ گئے۔
"عمر کا فرق دیکھا ہے تم نے اور پھر وہ شادی والا۔۔۔ دو بچوں کا باپ کیسی باتیں کرتی ہو تم بھی۔" ابا کو جہاں آرا کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔
"ارے میری بیٹی تو شہزادیوں جیسی ہے۔"
جہاں آرا نے سبزی کاٹتے ابا کو خاصی استہزائیہ آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔
"بھئی بتول کو منع کر دو۔ یہ ممکن نہیں ہے لاکھ نصیر اچھا ہے پر۔ کوئی جوڑ بھی تو ہو۔" ابا مسہری پر لیٹ گئے۔ پھر خیال آنے پر بولے۔
"زبیر کہاں ہے۔ اسے کہو میری بائیک میں ڈیزل ڈلوا کر آئے۔ ختم ہو گیا ہے۔"
"آتا ہے۔ بھیجا ہے اسے میں نے ذرا بازار تک۔ آپ بس سکون سے بیٹھے رہیے۔"
"تم سکون سے بیٹھنے دو تب نا۔" ابا نے۔ "روز ایک نئی بحث نکال کر بیٹھ جاتی ہو۔ اب فضا کی شادی تمہارے سر پر سوار ہو گئی ہے۔"
"شادی کی عمر ہے تو شادی کی فکر ہی ہو گی نا۔ عمر بھر بٹھا کر رکھنا ہے کیا۔"
"پر نصیر کی کیا بحث لگا دی تم نے۔" جہاں آرا طبیعت کے خلاف بے حد تحمل کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ سبزیاں

کاٹ کر دھونے لگیں پھر جالی میں ڈال کر دوپٹے کے کونے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ابا کی مسہری کے سامنے رکھے موڑھے پر آکر بیٹھ گئیں۔
"اول تو نصیر میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ بلکہ آج کل کے لڑکوں سے تو اچھا ہی ہے کماؤ پوت ہے۔ اپنا ذاتی مکان ہے۔ نہ بگڑا ہوا ہے نہ آوارہ۔"
"اب اس عمر میں کیا آوارگی کرے گا۔" ابا چھیڑنے کی غرض سے بیچ میں بولے تھے جہاں آرا تنک گئیں۔
"اب ایسی عمر بڑی بھی نہیں ہے کہ آوارگی نہ ہو پائے۔"
ابا اپنی ہی کہی بات پر محظوظ ہو کر مسکرا رہے تھے پھر بیوی کو زیادہ خفا ہوتے دیکھ کر بولے۔
"چلو ٹھیک ہے پر... فضا اور اس کا کوئی جوڑ تو نہ ہوا نا۔"
"فضا راضی ہے تو آپ کو کیا اعتراض ہے۔" جہاں آرا نے آخری تیر کمان سے نکال ہی لیا تھا۔ ابا کا منہ کھلا رہ گیا۔
"جی ہاں۔ پوچھ لیجیے خود اس سے۔"
"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا اس کا۔"
"فضا... فضا ادھر آؤ ذرا۔"
"ارے رے کیا کر رہی ہو۔ اب میرے سامنے اس سے پوچھو گی۔" ابا انہیں چلاتے دیکھ کر جلدی سے ٹوک گئے۔
"بس سن لیں آپ! آتے جمعہ بتول آپا اسے انگوٹھی پہنانے آرہی ہیں۔" جہاں آرا موڑھے سے خاصے برے تیوروں سے اٹھی تھیں۔ "اسی میں آپ کی عافیت ہے اتنا سمجھ لیں۔"
"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا۔" ابا یکدم برافروختہ نظر آنے لگے۔
"دماغ میرا نہیں آپ کی بیٹی کا خراب ہو چکا ہے۔ اب اسے ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔" پھر کسی ناگن کی طرح بل کھا کر ابا کی مسہری کے پاس جھکتے ہوئے بولیں۔
"اب جو بات چھپی ہے۔ وہ کھل جائے یہی اچھا ہے۔ بے وجہ میں بری بنتی ہوں۔ میں تو اب تک چپ تھی تو اس گھر کی عزت کے لیے۔ نورے صاحب آپ کو اپنی عزت کی چادر میں بیٹی رخصت نہیں کرنی تو میں کیا کر سکتی ہوں میں تو۔"
"اماں۔" فضا یکدم وحشت زدہ سی کمرے سے باہر نکلی تھی۔ بہت دیر سے وہ یہ سب باتیں سن رہی تھی۔ اس پل اسے لگا اماں کے منہ سے نکلا لفظ اسے عمر بھر کے لیے ایک اندھی کھائی میں دھکیل دے گا۔ یہ سفاک حقیقت ابا پر آشکار ہو گئی تو وہ اس تاریک کھائی سے کبھی نہ نکل پائے گی۔
"بس اماں۔ چپ کر جاؤ۔ جو کرنا ہے خاموشی سے کر ڈالو۔
میں راضی ہوں ابا۔ یہ میری مرضی سے ہو رہا ہے۔" وہ پست آواز میں کہتی پلٹ کر کمرے میں چلی آئی۔
نہ طوفان آیا نہ آندھی آئی... مگر فضا کے دل پر ایسی ویرانی تباہی اتر آئی جیسے کسی اپنے کی میت کے اٹھ جانے کے بعد دالان میں بکھر جاتی ہے خوف ناک' وحشت ناک ناقابل برداشت ویرانی۔
وہ مسہری پر تھکے ہوئے انداز میں گر گئی۔
ابا یہی سمجھ رہے ہوں گے نا کہ نصیر پر اس کا دل آگیا ہے۔ وہ اسے پسند کرنے لگی ہے۔
چلو اتنی بے عزتی قابل برداشت تھی۔
اس نے اپنے بکھرے اعصاب کو بالکل سنبھالنے کی کوشش نہیں کی اور چت لیٹ کر آنکھیں بند کر گئی۔

✡ ✡ ✡

بابر پر عجیب وحشت سوار تھی' بہت کچھ کر سکنے کی خواہش اور کچھ نہ کر سکنے کی بے بسی اسے اندر ہی اندر مارے جا رہی تھی۔ گھر سے نکل کر وہ کتنی دیر بے مقصد سڑکوں پر گاڑی بھگاتا رہا۔ پھر سی ویو کی ٹھنڈی ریت پر چلتا رہا مگر اس کے اندر بھڑکتے الاؤ کو یہ موجیں بھی ٹھنڈا نہ کر پا رہی تھیں۔

بظاہر اس نے حوریہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں جوڑا تھا مگر اب ہر گزرتا لمحہ یہ احساس دلا رہا تھا کہ ہر تعلق اسی سے جڑا ہے۔ نفرت کا۔ بے زاری کا۔ دشمنی کا۔

اسے شدت سے وہ طمانچہ یاد آ رہا تھا جو اس کی روح پر تپک رہا تھا۔ وہ فراموش بھی کر دیتا۔ وقت کی دھول میں وہ احساس دھول بھی ہو جاتا مگر۔ اب حوریہ جس رشتے کے ساتھ اس کوٹھی میں براجمان ہو چکی تھی وہ احساس شدت سے پھر واضح ہو کر آج پھر تپکنے لگا تھا۔

''بہت پارسائی پر مان ہے تمہیں۔ بہت عزت اور تقدس کے حوالے دیتی رہی ہو۔ اب تم بھی دیکھنا۔ کیسے تمہاری عزت کی چادر کو پھاڑتا ہوں کیسے حازم کے سامنے تمہیں رسوا کرتا ہوں۔ تم نے ایک برے انسان کو چھیڑا ہے۔''

اس نے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر پھاڑ بناتی لہروں پر نظریں جما دیں۔

''سمندر بڑا خوف ناک ہوتا ہے حوریہ حازم اس کی موجوں پر کھیلا نہیں کرتے۔ یہ لپٹ گئیں تو پیروں سے زمین کھینچ کر لے جاتی ہیں۔ اس کے باہم جڑے ہوئے ہونٹوں کے درمیان ایک بھنچی بھنچی سانس خارج ہو گئی۔ اس نے پیروں سے لپٹا پانی زور سے اڑایا۔

نفرت اور غصے کی تند و تیز لہریں اس کے وجود کے اندر سے اٹھ رہی تھیں اور اسے بری طرح کاٹ رہی تھیں۔ اس لیے کہ نفرت کا شعلہ جس دل سے اٹھتا ہے پہلے اس دل کو ہی بھسم کرتا ہے۔ بعد میں دوسروں کو لپیٹ میں لیتا ہے۔ وہ بھی بھسم ہو رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

یاور علی کے گھر میں حازم کا استقبال بالکل نئے اکلوتے داماد کی طرح ہی کیا گیا تھا۔ رقیہ بھابھی اور عادل بھائی اس کے آگے پیچھے بچھے جا رہے تھے۔ رقیہ بھابھی کا تو بس نہیں چل رہا تھا وہ ان دونوں کے لیے زمین پر ستارے بچھا دیں۔

حوریہ کا مہکتا سنورا ہوا سراپا ان کے دل میں ٹھنڈک بھر گیا تھا۔ بیٹی کو ہنستا ہوا میکے میں آتے دیکھ کر ہر ماں کی طرح ان کے اندر بھی آسودگی اتر گئی تھی۔

حازم' مومنہ اور یاور علی کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ رقیہ بھابھی نے رات کے کھانے پر رکنے پر اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اور حوریہ ڈنر کسی ریسٹورنٹ میں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

''چلو جیسی تمہاری مرضی۔'' وہ زیادہ اصرار نہ کر پائیں شادی کا دوسرا دن تھا دونوں کا۔ وہ یقیناً" حوریہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

رقیہ بھابھی حازم کے جانے کے بعد بیٹی کی خاطر مدارت کے لیے کچن میں جا گھسی تھیں۔ جبکہ حوریہ مومنہ کے ہمراہ یاور علی کے روم میں آ کر بیٹھی تھی۔ یاور علی مسجد گئے تھے۔ حوریہ اطمینان سے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''تم خوش تو ہو نا۔'' مومنہ کی جانچتی نظریں اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"حازم بہت اچھے ہیں پھپھو۔ میرے اندازے سے کہیں زیادہ اچھے۔" وہ بے اختیار ان کے کندھے پر سر ڈال گئی "اتنے اچھے کے میرے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں ہیں جس سے میں بیان کرسکوں۔"

"اور باقی سب۔" پتا نہیں مومنہ اپنی تسلی چاہ رہی تھی۔ حوریہ نے کندھے سے سر نہیں اٹھایا۔ وہ ان کی نگاہوں کی اس گہرائی سے جیسے نظریں چرانا چاہ رہی تھی۔

"ہوں باقی سب کو تو ابھی ٹھیک سے جانا نہیں ہے۔"

"میرا مطلب ہے کہ بی ہیور۔ کیسا رہا سب کا تمہارے ساتھ۔" حوریہ نے سر اٹھا کر ایک نظر انہیں دیکھا پھر نظریں اپنی کلائیوں میں پڑے کنگن پر جمادیں اور اسی کنگن سے کھیلتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"عباد انکل بہت اچھے ہیں۔ بہت خیال رکھنے والے۔" پھر کسی خیال کے تحت ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایسا لگتا ہے پھپھو۔ جیسے وہ حقیقتاً" بہت پشیمان ہیں اور اپنے رویوں سے اس پشیمانی کو شاید کم کرنا چاہتے ہیں۔"

"صرف ایک دن بلکہ چند گھنٹوں میں تم نے جاننے کا دعوا کردیا۔" مومنہ پھیکے انداز میں ہنس دیں۔ "نہیں حوریہ جاننا تو صدیوں کا عمل ہے۔ ایک پل میں جان لینا آسان ہوتا تو دھوکا فریب۔ یوں جھولی میں کب آتے۔"

"مگر پھپھو۔ کسی کو جاننے کے لیے کبھی کبھی ایک لمحہ بھی بہت ہوتا ہے۔ اور کچھ لوگ تو بالکل اس کتاب کی طرح ہوتے ہیں جس کے سرورق سے ہی اندر کا حال بھی پتا چل جاتا ہے۔"

"ہاں۔ شاید تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ اور کبھی کبھی تو ساری عمر بیت جاتی ہے اور آگاہی نہیں ہوپاتی۔" ایک افسردہ سی سانس مومنہ کے سینے سے خارج ہوگئی۔

"ارے چھوڑیں۔ ہم بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھیں یہ کنگن حازم نے مجھے دیے ہیں اور یہ رنگ بھی۔" وہ مومنہ کے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر پھر جلدی سے بات بدلتے ہوئے بولی اور اپنی دونوں کلائیاں مومنہ کے سامنے کردیں۔

"اچھے ہیں نا۔"

"بہت اچھے اور تمہاری کلائیوں میں آکر اور بھی خوب صورت لگنے لگے ہیں۔" مومنہ نے بڑی محبت سے اس کی کلائی کو تھاما۔

"وہ بھی اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔" وہ شرما کر حازم کی بابت بولی۔

مومنہ نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ تھی۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں بڑی آسودہ سی چمک تھی۔ یکدم مومنہ کے دل کو کوئی احساس کاٹنے لگا۔

حوریہ زندگی میں کبھی بھی خود کو محبت کے حوالے مت کرنا۔ یہ سمندر ہے۔ کبھی تو اس کی لہریں بہت بلندی پر لے جائیں گی اور کبھی بپھر گئیں تو۔ کسی بھی چٹان پر لاکر پٹخ دیں گی۔

محبت میں ٹوٹنا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔ انسان پھر کبھی جڑ نہیں پاتا۔

"پھپھو کیا سوچ رہی ہیں۔" حوریہ نے ان کے کندھے کو چھوا تو وہ ایک خفیف سی سانس بھر کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولیں۔

"کچھ نہیں۔" پھر بیڈ سے اترتے ہوئے بولیں۔ "تم بیٹھو میں چائے لے کر آتی ہوں۔ ابا جان بھی مسجد سے آتے ہوں گے۔"

مومنہ کمرے سے نکل گئی۔ جبکہ حوریہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر اپنے کنگنوں سے کھیلنے لگی۔

☆ ☆ ☆

فضا ادھر ادھر دیکھے بنا بس دھیرے دھیرے بھاگتے ہوئے چل رہی تھی۔ اس کے ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ اسے خود نہیں معلوم تھا۔ وہ کہاں جا رہی ہے اس کی منزل کیا ہے۔ نامعلوم راستے تھے۔ ہر طرف مدھم اندھیرا تھا جو ہر لمحہ بڑھ رہا تھا۔

گاڑیوں کا شور اور تیز لائیٹس کبھی کبھی اس کی بینائی کو کاٹ جاتیں۔ وہ آنکھیں موند لیتی پھر کھول دیتی۔ یکدم اسے لگا وہ چکرا کر گر جائے گی۔ مگر وہ گری نہیں۔ بلکہ ششدر کھڑی تھی۔

بابر ہاں وہ بابر تھا۔ کسی شہزادے کی آن بان سے۔ اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اس کی جانب قدم اٹھا رہا تھا۔

ہاں وہ اسی طرف آ رہا تھا بالکل اس کی طرف..... وہ اپنی جگہ دم بخود کھڑی تھی۔

"فضا۔ کہاں گم ہو گئی تھیں تم۔ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔" بابر اس کے بے حد نزدیک چلا آیا۔ اور اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے فضا میں تمہارے بنا بالکل ادھورا ہوں۔" بابر کہہ رہا تھا اور فضا کی سماعتیں بھی بصارتوں کا روپ دھارے ہوئے تھیں۔ وہ اپنی جگہ مجسّمے کی طرح کھڑی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد　صائمہ اکرام　عُشنا کوثر سردار　اشفاق احمد
نمرہ احمد　سعدیہ عابد　نبیلہ عزیز　نسیم حجازی
فرحت اشتیاق　عفت سحر طاہر　فائزہ افتخار　عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو　تنزیلہ ریاض　نبیلہ ابر راجہ　ہاشم ندیم
نگہت سیما　فائزہ افتخار　آمنہ ریاض　مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ　سباس گُل　عنیزہ سید　مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ　رُخسانہ نگار عدنان　اقراء صغیر احمد　علیم ُالحق
رفعت سراج　اُمِ مریم　نایاب جیلانی　ایماءے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

عیرہ لطیف

"اب تو زندگی میں اس حماقت پر ہنسی آتی ہے' جب کوئی بھی رومانٹک سین پڑھ کر اور کسی بھی مووی کا رومانٹک سین دیکھ کر جذبات میں ہلچل مچ جایا کرتی تھی۔ کنوارے جذبات کسی ساتھی کی آرزو کرنے لگتے۔ مگر اب شادی کے دس سال بعد کوئی ایسا سین دیکھ کر یا پڑھ کر دل کرتا ہے ڈائریکٹر کی گردن اور رائٹر کا قلم مروڑ دیں۔ بھلا ایسے جذبات کہاں سے لائے ہیں؟ اب تو دل کرتا ہے خود میاں کی اپنے ہاتھوں سے دوسری شادی کروا کر کہیں' جاؤ میاں اس کے ساتھ عیش کرو' ہمیں بخشو۔ ہم اپنے بچوں کے ساتھ ہی بہت خوش ہیں۔" ناہید نے ایک لمبی سانس لے کر روانی سے اپنے جذبات بیان کیے۔ فریدہ نے حق دق اس کی شکل دیکھی اور دل تھام کر بولی۔

"استغفر اللہ! تم خود اپنے میاں کی شادی کر سکتی ہو؟"

"ہاں تو اور کیا؟" ناہید نے اکڑ کر کہا۔ "تم خود سوچو یہ کوئی زندگی ہے' صبح اٹھو' ناشتا بناؤ' بچوں کو ٹفن دے کر اسکول روانہ کرو' سارا دن مشین کی طرح کام کرو۔ کھانا' روٹی' صفائیاں' دھلائیاں' شام کو شوہر کی خدمت میں کھانا پیش کرو' رات کو شوہر کا موڈ ہو تو اپنا آپ پیش کرو اور پھر صبح کو وہی روٹین۔ میں تو تنگ آگئی ہوں۔" ناہید نے افسردہ شکل بنا کر کہا۔

"یار تمہارا قصور نہیں ہے۔ تم بھی ہر ہاؤس وائف کی طرح ایک طرح کی لگی بندھی روٹین سے تنگ آگئی ہو۔ لائف میں کچھ نیا چاہتی ہو' اپنے شوہر کی بھرپور توجہ چاہتی ہو' سراہنا اور چاہے جانا چاہتی ہو' اور یہ سب تمہاری زندگی سے مفقود ہے۔" فریدہ نے تجزیہ پیش کیا۔

"یار بس میرا دل کرتا ہے کوئی میرا بھی خیال رکھے' جیسے میں سب کا خیال کرتی ہوں۔ بچوں کا' شوہر کا' امی (ساس) کا۔ کوئی تو میرے جذبات کو سمجھے' خیالات کو پڑھے' میری اپنی کوئی زندگی نہیں ہے۔" ناہید کی آواز بھرا گئی۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے' عورت کی اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ ہی تو زندگی ہوتی ہے۔" فریدہ حیران پریشان ہو کر بولی۔

"اونہہ شوہر! ان کو تو یہ بھی نہیں پتا ہوتا آج میں نے کون سا سوٹ پہنا ہے' منہ دھلا ہے یا گندہ ہے' بال بنائے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے تو کبھی مجھے غور سے دیکھا ہی نہیں۔" ناہید کے آنسو روانی سے جاری ہوئے تو فریدہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

"تم بھی عارف بھائی کے سامنے سر جھاڑ منہ پھاڑ رہتی ہو' کبھی ان کے آنے سے پہلے ہاتھ منہ دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر میک اپ کر کے بن ٹھن کر رہا کرو' تاکہ وہ بھی تم پر توجہ دیں؟"

"یہ بھی کیا تھا' پہلے تو بچے جینا عاجز کر دیتے ہیں۔ امی کہاں جانا ہے۔ ہمیں بھی نئے کپڑے پہنا دو؟ انہیں مشکل سے ٹالو تو صاحب بہادر آکر فرماتے ہیں۔ کہیں جانا ہے؟ نفی میں سر ہلاؤ تو پوچھتے ہیں' پھر کوئی آیا تھا کیا؟ اگر میں کہہ دوں کہ میں آپ کے لیے تیار ہوئی ہوں' تو ایسے دیکھتے ہیں جیسے میں پاگل ہوں۔" ناہید جل کر بولی۔ فریدہ کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

"مہینے میں ایک دفعہ ایسے کرو گی تو یہی ہو گا' روز تیار

ہوا کرو تو بچے بھی پریشان نہ کریں اور میاں بھی خوش۔" فریدہ نے مشورہ دیا۔

"رہنے دو تم' پھر کون سا وہ مجھ پر فریفتہ ہو جائیں گے یا میرے قصیدے پڑھیں گے۔" ناہید نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔ "اچھا۔ میں چلتی ہوں' جا کر ابھی کھانا بنانا ہے۔"

ناہید اور فریدہ دونوں پڑوسنیں اور بہت اچھی سہیلیاں تھیں۔ اسکول کے دنوں میں بھی اکٹھی تھیں۔ شادی کے بعد گھر بھی ایک ہی کالونی میں ساتھ ساتھ بن گئے تو پرانی دوستی پھر تازہ ہو گئی۔ ناہید بہت خوب صورت تو نہیں تھی' مگر اچھی قدو قامت کے ساتھ قبول صورت' قدرے فربہی مائل تھی۔ اپنے بچوں' شوہر اور ساس کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہی تھی۔ سسرال والوں سے تعلقات بھی خوش گوار تھے۔

بس شوہر سے ہمیشہ گلے شکوے رہتے تھے۔ تو فریدہ کے ساتھ دل ہلکا کرنے آجاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن صبح ہی صبح ناشتے کے فوراً" بعد بچوں کو اسکول روانہ کرنے کے بعد ناہید دوڑی آئی۔ فریدہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"خیریت... ؟ اتنی صبح صبح؟" ابرو اچکا کر استفسار کیا۔

"ہائے فریدہ! میں کیا بتاؤں' میں تو ساری رات نہیں سوئی' رات کو عارف کے فون پر کسی لڑکی کا فون آیا تھا۔ بات کرتے کرتے باہر چلے گئے۔ میں نے پوچھا تو بولے کوئی دوست تھا۔" ناہید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"خود ہی تو کہتی تھی میرا دل کرتا ہے عارف کی دوسری شادی کروادوں تو اب لڑکی کا اتا پتا معلوم کرلینا تھا؟" فریدہ نے ہنسی دبائی تو ناہید بگڑ گئی۔

"اچھا وہ تو مذاق کی باتیں تھیں' میں سچ میں ایسا تھوڑی کرسکتی ہوں۔ اب میں کیا کروں؟ کیسے معلوم کروں؟ کون ہے؟ عارف کے ساتھ کب سے رابطہ ہے؟ کیا چکر ہے؟" ناہید پریشانی سے بولی۔

"اچھا ہے نا! تمہاری لائف میں اچھا چینج آجائے گا۔ میں تو کہتی ہوں لگے ہاتھوں عارف بھائی کی شادی کروا ہی دو' آنے والی تمہاری ذمہ داریاں بھی بانٹ لے گی۔" فریدہ نے قہقہہ دباتے ہوئے کہا۔

"عارف سے پہلے دل کرتا ہے تمہارا گلا دبادوں۔" ناہید جل کر بولی تو فریدہ کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا۔

"یار عارف بھائی کے آفس میں ساتھ کام کرنے والی کوئی کولیگ ہوگی۔" فریدہ نے کہا۔

"پھر میرے سامنے بات کرنے میں کیا حرج تھا؟" ناہید کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"ویسے تمہیں کیسے پتا چلا کہ فون پر لڑکی ہی تھی' عارف بھائی کا کوئی دوست بھی ہوسکتا ہے۔" فریدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"عارف باتھ روم میں تھے' تو مسلسل فون بج رہا تھا' میں نے اٹھالیا۔ لڑکی کی آواز سن کر جلدی سے بند کردیا' تب ہی عارف آگئے' فون دوبارہ بجا تو وہ موبائل اٹھا کر باہر نکل گئے۔"

"آج جب عارف بھائی آئیں تو تم ڈائریکٹ پوچھ لینا کہ لڑکی کون تھی' اگر تو انہوں نے چھپالیا تو سمجھ لینا کوئی چکر ہے' اگر بتادیا تو سمجھ لینا کہ کوئی چکر نہیں۔" فریدہ نے مشورہ دیا۔ تو ناہید نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سرہلادیا۔

☆ ☆ ☆

شام کو عارف آفس سے آئے تو ناہید نک سک سے تیار خوشبوؤں میں لپٹی گھوم رہی تھی۔ "خیر ہے' آج سورج کہاں سے نکلا ہے۔" عارف نے چھیڑا۔

"کیوں... میں گھر میں تیار بھی نہیں ہوسکتی ہوں۔" ناہید نے تنک کر کہا۔

"ہوا کریں جناب! روز ہوا کریں' ہم تو یہی چاہتے ہیں' مگر اس رنگ اور پرنٹ میں تم کچھ زیادہ موٹی لگ رہی ہو۔" عارف نے کہا اور کپڑے بدلنے اندر بڑھ گیا۔ ناہید لاؤنج میں لگے قد آدم آئینے کے سامنے جائزہ لینے لگی' "اب اتنی بھی موٹی نہیں لگ رہی ہوں' اب جناب کا چکر چل رہا ہے تو میں موٹی لگنا شروع ہوگئی ہوں' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ رات کو ناہید نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"عارف...!"

"کیا ہے؟" عارف نے موبائل پر انگلی گھماتے ہوئے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"وہ کل فون پر... لڑکی کون تھی؟" ناہید نے متجسس لہجے میں اٹکتے ہوئے پوچھا۔ تو عارف نے چونک کر رک کر ناہید کی شکل دیکھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" عارف نے حیرانگی سے پوچھا۔

"جب آپ بات کرتے ہوئے پاس سے گزرے تھے تو لڑکی کی آواز آئی تھی۔" ناہید نے فراٹے سے

جھوٹ بولا۔

"دیکھو ناہید! تم سارا دن اتنا کام کرتی ہو' تھک جاتی ہو۔" عارف نے شرارت سے کہا۔ ناہید الرٹ ہو کر بیٹھی۔

"پھر۔۔؟" غصے سے پوچھا۔

"کوئی تمہاری ذمہ داریاں بانٹنے والی ہونی چاہیے نا۔" عارف نے لگاوٹ سے ہاتھ تھاما۔ ناہید نے غصے سے ہاتھ کھینچا۔

"تو میرا شک درست نکلا۔" بھرائے ہوئے لہجے میں بولی موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک آئے۔

"کیسا شک؟" عارف نے ہنسی دبا کر پوچھا۔

"تم دوسری شادی کرنا چاہتے ہو۔" ناہید نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ عارف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ ڈائن آئی تو میں اس گھر میں ایک دن نہیں رہوں گی۔" ناہید چلا کر بولی۔

"نہ رہنا' مجھے اور بچوں کو تو آنے والی نے سنبھال لینا ہے۔" عارف نے کندھے اچکائے۔

"تمہیں میرے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ناہید کی آنکھیں ابل آئیں۔ آواز پھٹ گئی۔

"مجھے کیا فرق پڑے گا' فرق تو تمہیں پڑے گا جب بچوں کے بغیر رہنا پڑے گا' بھائیوں کے گھر دو وقت کی روٹی کے لیے' بھابھیوں کی خدمت کرنا پڑے گی۔" عارف نے بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ناہید بھپر کر اٹھی' سائیڈ ٹیبل پر پڑی فروٹ باسکٹ میں سے چھری نکالی۔ عارف حفظ ماتقدم کے طور پر ڈر کر پیچھے ہوا۔

"کیا فائدہ ایسی زندگی کا جس سے کسی کو کوئی سروکار نہ ہو۔" ناہید کے آنسو روانی سے بہنے لگے اور چھری کلائی پر رکھ لی۔ "خدا حافظ عارف' میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔" اس سے پیشتر ناہید غم اور غصے کی شدت سے چھری کلائی پر پھیرتی عارف سرعت سے اٹھا اور بجلی کی تیزی سے اس کا چھری والا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور چھری چھین لی۔

"چھوڑ دو مجھے' زندہ نہیں رہنا تمہارے بغیر' بچوں کے بغیر۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عارف بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"یار کس بے وقوف عورت سے واسطہ پڑا ہے۔" ناہید نے ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھی۔ "یار چار بچوں کے ابا اور ایک خونخوار بیوی کے ہوتے ہوئے کس کا دماغ خراب ہے۔ جو مجھ سے شادی کرے گی۔" عارف مسکرا کر بولا۔

"پھر وہ۔۔" ناہید ہکلائی۔

"وہ ہماری نئی کولیگ مس رمشا تھیں۔ ان کے بھی دو بچے ہیں اور ایک عدد ہینڈسم شوہر ہے۔ اس کا میاں خود اسے آفس چھوڑنے آتا ہے۔ دونوں میاں' بیوی بہت اچھے اور نائس ہیں۔ ان کی ایک فائل کا مسئلہ تھا جو مجھ سے ڈسکس کرنا تھا۔ دوسرے وہ پچھلے ایک ماہ سے اسی کالونی میں شفٹ ہوگئے ہیں' تو ان سے میں نے کام والی کا کہا تھا۔ تم پر کام کا بوجھ زیادہ ہے نا۔ تو وہ کہہ رہی تھیں عارف بھائی چار پانچ دنوں تک میڈ بھابھی کی طرف بھیج دوں گی۔ وہ خود بھی تم سے ملنے آئیں گی۔" عارف نے تفصیل سے بتایا۔ تو ناہید نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ عارف۔"

"اف موٹی بیوی کے پاس موٹا دماغ نہ ہو۔" عارف نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھری۔ تو ناہید نے پاس پڑا موٹا تکیہ کھینچ کر مارا۔ جو عارف نے کیچ کرلیا اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

☆ ☆

مکمل ناول

بشریٰ سیال

"حبا میں یہ برابر میں کپڑے دینے جا رہی ہوں سلائی ہوگئے ہیں۔ دودھ والا آئے تو دودھ لے لینا اور سالن چڑھایا ہوا ہے اس میں چمچہ ہلاتی رہنا جل نہ جائے۔" امی ہدایت کرکے چلی گئیں۔

"جی اچھا امی!" امی کے جانے کے بعد وہ کچن میں آگئی اور برابر سالن میں چمچہ ہلاتی رہی۔ ڈور بیل بجی۔

"لگتا ہے دودھ والا آگیا۔" دودھ کا برتن اٹھاکر وہ دروازے پر آئی۔ دروازہ کھول کر اس نے برتن آگے کردیا۔

"نہیں... آئس کریم۔" وہ حیران ہوکر برتن میں پڑے آئس کریم پیک کو دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو کزن۔" ابھی وہ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ حاشر سائیڈ سے نکل کر سامنے آیا۔

"او خدا حاشر تم... میں پریشان ہوگئی کہ یہ آئس کریم کہاں سے آئی۔" اس کو ساتھ لے کر وہ اندر آگئی۔

"کیسویں صدی ہے یار، تم نے خواہش کی اور آئس کریم حاضر۔" حبا نے آئس کریم فریج میں رکھی اور چولہے کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔

"حاشر کے بچے، سالن جل گیا۔ اب میری شامت پکی ہے امی سے۔ سارا قصور تمہارا ہے تم نے مجھے باتوں میں لگایا اور سالن جل گیا۔" اس نے گھبرا کر کافی سارا پانی سالن میں ڈال دیا۔ "اووا... ف یہ کیا بن گیا؟"

وہ ہونق بنی کبھی سالن اور کبھی پاس کھڑے حاشر کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاہاہا..." حاشر کا تو ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا۔ ڈور بیل بجی تھی وہ باہر دیکھنے چلا گیا۔

"آپا سالن جل گیا ہے۔ امی برابر میں گئی ہیں۔ پلیز جلدی بتائیں کیا کروں؟" وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور تیز تیز بولنے لگی۔

"شاباش ہے لڑکی... نہ سلام نہ دعا نہ کھانا پوچھا نہ پانی۔ ڈائریکٹ اپنے کارنامے سنانے شروع کردیے۔" حاشر نے سرزنش کی۔

"آپا مجھے امی سے ڈانٹ پڑے گی۔ پلیز جلدی سے بتائیں اب کیا کروں اس کا۔" ردائے سحر نے سالن کے اوپر سے ڈھکن ہٹایا تو بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی۔

"امی نے پہلے بھی کچھ کہا ہے کہ اب کہیں گی تم فکر مت کرو میں سنبھال لوں گی۔" وہ تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"میں باہر سے کچھ لے آتا ہوں۔" حاشر نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

"تمہارا بہت شکریہ۔ پہلے ہی تمہاری غلطی کی وجہ سے یہ سب ہوا تم کوئی ضرورت نہیں ہے اس احسان کی۔" غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی وہ اندر چلی گئی اور روم لاکڈ کرکے بیٹھ گئی۔

حاشر نے ایک آخری نظر کمرے کے بند دروازے پر ڈالی اور کھانا لینے چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

لان برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف رنگوں اور نور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو چار سو پھیل رہی تھی۔ "سجل ولا" اس وقت بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ کیوں نہ بنتا شہر کے سب سے بڑے بزنس مین حسن علی کے اکلوتے بیٹے محمد تہامی

حسن کی منگنی ہو رہی تھی۔ "سجل" اپنے ماں' باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ دولت کی ریل پیل' حد سے زیادہ پیار محبت' اس پر مستزاد حسن کی دولت نے اسے حد درجہ مغرور بنا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی کو کوئی اہمیت نہ دیتی تھی۔ مگر تہامی کو دل و جان سے چاہتی تھی۔
آرکسٹرا پر دھیمے سروں میں میوزک چل رہا تھا۔ تہامی بالکل خاموش بیٹھا تھا۔
"یار تہامی اتنے چپ کیوں ہو؟" اس کا کزن اس کے پاس آیا تھا۔
"ہوں۔" وہ کسی گہرے خیال سے چونکا۔ "بس ذرا سا سر میں درد ہے۔" اسٹیج پر اس وقت صرف وہ دونوں ہی تھے۔

"چائے یا کافی لوگے؟" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"نو تھینکس۔ اٹس او کے یار' آئی ایم آل رائٹ ڈونٹ وری۔"

"تجل آگئی۔" اسد کی نظر سامنے پڑی۔ اسی وقت اس نے بھی ادھر دیکھا پنک ڈریس میں شہر کے مہنگے ترین پارلر سے تیار ہو کر وہ بلاشبہ بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔

"ہیلو!" اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے' دلکشی سے مسکرا کر بے تکلفی سے بولی۔

"ہائے!" وہ بدقت تمام مسکرایا۔ منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو رنگ پہنائے۔ ہر طرف خوب شور ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد تیز میوزک چلا ساتھ ہی ڈانس شروع ہو گیا۔

"تہامی تم بھی آؤنا...." تجل اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج سے نیچے اترنے لگی۔

"نہیں پلیز' مجھے یہ سب نہیں آتا۔" اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"میرا خیال ہے تم بھی یہاں بیٹھو' ہم باتیں کرتے ہیں۔" دراصل وہ اسے ڈانس کرنے سے منع کرنا چاہتا تھا۔ مگر سیدھے الفاظ میں کہنا بھی مناسب نہ لگا تھا۔

"ارے نہیں' اتنا اچھا ٹائم میں مس نہیں کر سکتی۔" وہ اسٹیج سے نیچے اتر گئی اور سامنے سے آتے جبی کا ہاتھ تھام کر ڈانس کرنے لگے۔ تہامی کو بہت برا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہاں کسی کے پاس وقت نہ تھا کہ اچھے یا برے کے متعلق سوچے۔ اس کی بہن زویا بھی اس کے سامنے ڈانس کر رہی تھی۔ اس کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ موبائل فون کان کو لگا کر وہ قدرے پرسکون گوشے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

"یہاں کیوں آگئے؟" تجل فوراً اس کے پیچھے آئی تھی۔

"ایک دوست کی کال تھی۔" اس نے موبائل آف کر کے کوٹ کی جیب میں ڈالا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" اس نے ایک ادا سے پوچھا تھا۔

"ہوں! اچھی۔" اس نے بمشکل ایک لفظ بولا۔

"اونہہ! صرف اچھی؟" وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

"آؤ' ادھر چلتے ہیں۔" اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے وہ چل پڑا' وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ اس نے تہامی کے بگڑے موڈ کو محسوس نہ کیا تھا۔

✲ ✲ ✲

"آپا آپ کا انٹرویو کیسا رہا۔" رات کو پڑھتے ہوئے اچانک حبا کو خیال آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"جیسا ہمیشہ ہوتا ہے۔" اس نے کتاب پر نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔

"مطلب فنٹاسٹک۔" حبا پرجوش ہو کر بولی۔

"کوئی فائدہ نہیں.... اور ویسے بھی انٹرویو کچھ عجیب سا تھا ایسے سوالات کر رہے تھے جیسے انہیں سیکرٹری نہیں پروفیسر اپائنٹ کرنا ہے۔" اس نے کتاب کا صفحہ پلٹا۔ "صاف پتا چل رہا تھا کہ فارملٹی پوری کر رہے ہیں۔" وہ مایوس کن لہجے میں بولی۔

"میری آپا بہت ذہین اور اچھی ہیں' مجھے یقین ہے یہ جاب ضرور آپا کو ملے گی۔" وہ پرامید تھی۔

"اونہہ اچھی!" وہ تلخی سے مسکرائی۔ "مائی ڈیئر سسٹر ——— کم از کم سیکرٹری کی جاب ذہانت کی بنیاد پر نہیں ملتی' میں نے تو صرف تمہارے کہنے پر انٹرویو دیا ورنہ...."

"کیا ہے آپا ہر وقت مایوسی کی باتیں اچھی نہیں ہوتیں' آپ اتنی اچھی ہیں۔" حبا برا مانتے ہوئے بولی۔

"اس دنیا میں کسی کو کسی کے اندر کی اچھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس دنیا کو صرف ایک خوب صورت اور چمکتا دمکتا چہرہ اٹریکٹ کرتا ہے۔ حالات کی تلخی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے آپا' دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے اور پھر آپ کسی سے کم تھوڑی ہیں۔ اتنی تو...."

"فار گاڈ سیک حبا۔" ردائے سحر نے اسے مزید بولنے سے روک دیا "ایسی باتیں کر کے مجھے بے وقوف مت بنایا کرو، تمہارے ایسے کہنے سے حقیقت ہرگز نہیں بدلے گی۔" وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھی۔

"آپا۔" حبا بھاگ کر اس کے گلے لگ گئی۔ وہ بہن کی مسکراہٹ میں چھپے درد کو خوب جانتی تھی۔ "کسی نے کچھ کہا ہے آپ کو؟ بتائیں مجھے کس نے کہا؟ میں جان سے ماردوں گی اسے۔" ایک دم اس سے الگ ہو کر اس کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے پیالے میں لے کر بولی۔

"لوگوں کے رویے جتاتے ہیں۔ آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔ سیات کرنے کا انداز باور کروادیتا ہے کہ میں بدصورت ہوں۔ میں بھولنا بھی چاہوں تو اپنی زندگی کے اس بھیانک ترین وقت کو نہیں بھول سکتی جو دلخراش یادیں میرے چہرے پر چھوڑ گیا۔ جس نے مجھے دنیا کی نظروں میں قابل رحم اور قابل نفرت بنادیا ہے۔ میرے چہرے کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یقیناً کراہیت کا احساس ابھرتا ہوگا مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ میں بھی جذبات رکھتی ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل ہے۔" اس نے کتاب بند کر کے سائڈ پر رکھ دی۔ حبا خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے تو دل بھر آیا۔

"یا اللہ! تو بڑا رحیم و کریم ہے۔ تو بہت نوازنے والا ہے۔ تو نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر عطا کیا ہے۔ میرے اللہ میری دعا سن لے 'وہ جو خیال ہے' احساس ہے' آواز ہے اسے مجسم صورت میں میرے سامنے لے آ اس آزمائش کو ختم کردے اب۔۔۔ میرے مالک اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا مجھے؟" کئی ساعتیں گزر گئیں اسے اپنے رب سے فریاد کرتے التجا کرتے ہوئے۔ جائے نماز تہ کر کے رکھنے کے بعد اس نے قرآن پاک پڑھا اور اپنی ماما کو ثواب بخشا۔ قرآن پاک پڑھ کر اس نے الماری میں سے اپنی ماما کی تصویر نکالی' محبت اور عقیدت سے اسے چوما سینے سے لگایا۔

"کیوں چلی گئیں آپ مجھے چھوڑ کر؟ کتنا اکیلا ہوں میں ماما۔ میں ہر روز آپ کو یاد کرتا ہوں۔" آنکھیں موندے اپنے اردگرد سے بے نیاز بیٹھا تھا۔ سب گھر والے کسی دعوت میں گئے تھے۔ وہ اس وقت اکیلا بیٹھا تھا۔ موبائل فون نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے شائستگی سے سلام کیا۔

"تہامی ڈنر کرلیا تم نے؟" دوسری طرف تجل تھی۔

"ہوں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"اوہ نو۔" وہ مایوس ہوئی "اتنی جلدی' ابھی تو دس بجے ہیں۔ چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔ میں آرہی ہوں تمہیں پک کرنے۔" وہ پروگرام ترتیب دیتے ہوئے بولی۔

"سوری تجل۔ میں سونے لگا ہوں' صبح بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے مجھے آفس جلدی جانا ہے' ان شاء اللہ پھر کبھی پروگرام بناتے ہیں۔" اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"میں نے ابھی کہا تو مطلب ابھی چلنا ہے۔ میں انکار نہیں سنتی یو نو ویری ویل۔" وہ نخوت سے بولی۔

"سوری میں اس وقت کہیں نہیں جاسکتا۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے لائن کاٹ دی۔ "سلی گرل ہر وقت ایک ہی موڈ میں رہتی ہے۔" وہ سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

روٹھی ہو تم ہم کو کیسے مناؤں حبا
بولو ناں بولو ناں۔۔۔

حاشر جب سے آیا تھا اس کی منتیں کررہا تھا مگر وہ تھی کہ مان کرنہ دے رہی تھی۔

"مجھے بات نہیں کرنی ہے تم سے' اندر جا کر بیٹھو۔" وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

"مان جاؤ نہ یار' غلطی ہوگئی آئندہ کبھی تمہارا مذاق

"نہیں اڑاؤں گا' نہ ہی تم کو کبھی ستاؤں گا۔" کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے' لہک لہک کر گاتے ہوئے وہ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

"اندر آکر چائے پی لو۔" وہ ٹرے اٹھا کر اندر آگئی۔

"حاشر بیٹا! تمہاری امی کیسی ہیں؟" حاشر ان کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی کپڑے سلائی کر رہی تھیں۔ ردائے سحر پاس بیٹھی قمیص کی ترپائی کر رہی تھی۔

"امی ٹھیک ہیں آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔" حبا نے اسے چائے کا کپ تھما دیا۔ امی اور ردائے سحر کو کپ تھما کر وہ خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام! بھابھی سے کہنا میں چکر لگاؤں گی کسی دن۔" انہوں نے کپ لبوں کو لگایا۔

"حاشر چائے کیسی بنی ہے؟" اس سے رہا نہ گیا تو پوچھ بیٹھی۔

"لوبھی کے سالن سے بہت اچھی ہے۔" اس کی رگ شرارت ایک بار پھر پھڑکی تھی۔ حبا حیرت کے مارے آنکھیں پھاڑ کر اسے چائے پیتے دیکھ رہی تھی۔ ڈور بیل بجی تھی۔ حاشر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ حبا کچن میں جاکر برتن دھونے لگی۔

"ویسے چائے واقعی بہت مزے دار تھی' اگر نمک کے بجائے چینی ڈالی ہوتی۔" اسے پتا ہی نہ چلا وہ کب اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"مانتے ہو نا پھر مجھے۔۔۔؟" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ حاشر نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی اور اندر چلا گیا۔ وہ بھی برتن دھو کر اندر آگئی۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو بڑا غفور و رحیم ہے مجھے تیری رحمت پر پورا یقین تھا۔" امی بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ جبکہ ردائے سحر سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

"امی کیا بات ہے۔۔۔" کس بات پر شکر ادا ہو رہا ہے؟" حبا ان کے پاس آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"سحر کو جاب مل گئی۔" تب ہی حبا کی نظر اس کے ہاتھ میں موجود لفافے پر پڑی۔

"واؤ۔ ونڈر فل۔" وہ خوشی سے بھاگ کر بہن کے گلے سے لگ گئی۔ "آپا میں کہتی تھی نا یہ جاب آپ کو ضرور ملے گی' دیکھا مل گئی نا۔"

خوشی سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ جبکہ ردائے سحر خاموش بیٹھی تھی۔

"آپا آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی بہن خوشیاں ملنے پر یوں ہی خاموش ہو جاتی ہے۔

"یہ کوئی اتنی خوشی کی بات نہیں ہے۔ پھر جاب بھی کوئی اتنی اچھی نہیں ہے سیکرٹری کی جاب ہے' سو طرح کے مسائل ہوں گے۔" وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"مائی گاڈ! آپا بجائے اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کے آپ ناشکری کر رہی ہیں۔ ہر چیز کے نیگٹو پوائنٹ کو دیکھنا کیا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ایسے تو انسان کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔"

"تجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ ساری دنیا کی نظر میں ذلیل کروا دیا' میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ ہر روز جیتی' ہر روز مرتی ہوں۔ میری وجہ سے میرے بابا اس دنیا سے چلے گئے۔ اس بات پر شکر ادا کروں اس کا۔" وہ خاموش بیٹھی تھی۔ مگر اس کے اندر کی شکست و ریخت حاشر کو اس کے چہرے پر صاف نظر آرہی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہو گا ان شاء اللہ تم اللہ پر بھروسا رکھو۔۔۔ وہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔"

"جی امی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

☼ ☼ ☼

آج آفس میں اس کا پہلا دن تھا حبا نے اس کا سب سے اچھا والا سوٹ نکال کر پریس کیا اور پھر اسے تیار ہونے میں مدد دی۔

آفس میں داخل ہوتے ہی اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ لاکھ دل کو سمجھایا مگر اختیار سے باہر تھا۔ آتے جاتے لوگوں کو دیکھ کر اسے وحشت ہونے لگی۔

"مس میرے ساتھ آئیے۔" یہ ظفر صاحب تھے۔ پچاس کے لگ بھگ عمر' چہرے سے وہ ایک شریف اور مہذب انسان لگ رہے تھے۔ وہ اسے اس کی سیٹ تک لے گئے۔ "سر بہت اچھے انسان ہیں۔ ورکرز کی بہت ریسپیکٹ کرتے ہیں۔ مگر کام میں کوتاہی برداشت نہیں کرتے۔ آپ کو یہ سب اس لیے بتارہا ہوں تاکہ آپ کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔ آپ احتیاط سے کام کریں۔"

"شکریہ سر۔" وہ مشکل سے بول پائی۔ اسے آئے ہوئے آدھا گھنٹا ہوگیا تھا۔ یہ ٹائم اس نے گھڑی دیکھ دیکھ کر گزارا تھا۔ اچانک اس کے سامنے میز پر پڑے انٹرکام کی بیل بجی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان کو لگایا۔

"مس ردائے سحر اندر آئیے۔" اتنا کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دو منٹ بیٹھی وہ کچھ سوچتی رہی اور پھر آفس میں آگئی۔

"بیٹھیے۔" باس وہی شخص تھا جس نے انٹرویو لیا تھا اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کسی فائل کو دیکھ رہا تھا۔ ردائے سحر کرسی پر بیٹھ گئی اور میز کی سطح کو گھورنے لگی۔

"یہ پکڑیں۔" تہامی نے رائٹنگ پیڈ اس کی طرف بڑھایا۔ اور ساتھ میں پین پکڑایا۔ اس نے دونوں چیزیں پکڑلیں۔ تہامی اسے ڈکٹیشن دینے لگا وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔

"لائیے دکھائیے۔" کافی دیر کے بعد اس نے رائٹنگ پیڈ واپس لے کر دیکھا۔ اس نے تمام پوائنٹس بہت اچھے طریقے سے اور صاف ستھرے لکھے تھے۔ تہامی خوش ہوا تھا۔

"مس سحر آپ کو کسی قسم کا کوئی پرابلم ہو' آفس کا کوئی بھی مسئلہ آپ بتا سکتی ہیں مجھے۔" وہ سامنے دھری فائل کو دوبارہ دیکھنے لگا۔

"تھینک یو سر۔" تہامی نے ایک فائل اس کے حوالے کردی۔ اسی وقت اس کے نمبر پر کال آنے لگی۔ سحر فائل اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"السلام علیکم!" اس نے کال پک کر کے فون کان کو لگایا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتے رہو بیٹا۔" ہمیشہ کی طرح انہوں نے دعا دی۔

"آہ۔۔۔" تہامی نے ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے چیئر کی بیک سے پشت ٹکائی اور ایزی ہو کر بیٹھ گیا "جی تو رہا ہوں خالہ جان' ماما کے بغیر آپ کے بغیر۔" اس کے لہجے سے جھلکتے احساس محرومی کو محسوس کرتے وہ پل بھر کو خاموش ہو گئیں۔ "آپ کیسی ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں بیٹا! اللہ پاک کا بڑا کرم ہے۔"

"ڈیڈی نے میری منگنی کردی ہے۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے بتایا۔ لہجے سے اداسی عیاں تھی۔

"ماشاء اللہ بہت مبارک ہو بیٹا! اللہ پاک ڈھیروں خوشیاں دے۔" انہوں نے صدق دل سے دعا دی۔ "کہاں ہوئی منگنی آپ کی؟" نا چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھیں۔

"میرے تایا کی بیٹی ہے۔ تحمل۔۔۔ والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ میری اسٹیپ مدر کی بھانجی ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"آپ کے والد صاحب نے آپ سے رائے لی تھی اس رشتے کے بارے میں؟" وہ مزید گویا ہوئیں۔

"نہیں۔" وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔

"ہاں' اسے رائے لینے' پوچھنے کی عادت نہیں' وہ تو بس اپنا فیصلہ سنانے کا عادی ہے۔ اور پھر ان دونوں بہنوں نے بھی خوب پکی پلاننگ کی ہوگی۔" وہ سوچ کر رہ گئیں۔

"آپ چپ کیوں ہوگئیں؟" آج ان کا رویہ اس کے لیے ناقابل فہم تھا۔

"کچھ نہیں بیٹا!" ان سے کوئی بات نہ بن سکی۔

"میں نے آپ کو بہت مس کیا منگنی کے دوران کیا آپ میری شادی میں بھی شرکت نہیں کریں گی؟" آخر کار وہ اسی بات پر آگیا۔ جس کا انہیں خدشہ تھا۔

"ہر بار یہ مطالبہ بہت ضروری ہوتا ہے تمامی؟۔۔۔ آپ یہ چاہتے ہو کہ میں آپ سے فون پر بات کرنا بھی چھوڑ دوں؟" وہ پیار بھری خفگی سے بولیں۔

"ایسا کبھی نہ کیجیے گا۔" وہ تڑپ کر بولا۔

آپ صرف ایک بار مجھ سے مل لیں۔ پلیز! میں دوبارہ ملنے کی ضد نہیں کروں گا۔" وہ کسی ضدی بچے کی طرح لگ رہا تھا۔

"میری مجبوری کو سمجھو بیٹا۔" کافی دیر بات کرنے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا۔ تمامی نے اب کئی گھنٹے خالہ جان سے گفتگو ہو جانے کی خوشی کے نشے میں گم رہنا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی' لنچ کا ٹائم تھا۔ وہ آفس سے باہر آگیا۔ سب لوگ لنچ میں مصروف تھے' کچھ لوگ آفس سے باہر لنچ کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔

وہ لنچ کے بعد واپس آیا تو سحر کو اسی طرح فائل میں گم پایا۔ وہ ارد گرد سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھی۔ ایک نگاہ اس پر ڈال کر وہ اندر آگیا۔

شام کو آفس سے واپسی پر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا جب ممی کی آواز سن کر رک گیا۔

"تکمل سے کوئی جھگڑا ہوا ہے تمہارا؟" ان کے سوال پر اس نے حیرانگی سے ان کی جانب دیکھا۔

"ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا ممی۔" ان کا رویہ اس کے لیے ناقابل فہم تھا۔

"تم جانتے ہو نا تکمل اکلوتی اور لاڈلی بیٹی ہے والدین کی۔ اسے کبھی کسی نے کچھ نہیں کہا' تم بھی احتیاط سے کام لیا کرو۔ جانتے ہو کروڑوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث ہے۔" وہ نخوت سے بولیں۔

"ممی مجھے کسی کی جائیداد سے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ اللہ کا دیا بہت ہے میرے پاس۔" ان کی بات اسے سخت بری محسوس ہوئی تھی۔

"خیر آئندہ اس کے ساتھ بحث مت کرنا' جو کہے مان لینا۔" وہ تحکم بھرے لہجے میں بولیں۔

"جی بہتر۔" وہ اپنے بیڈ روم میں آگیا تھا۔ آج تک اس نے کبھی ان سے اونچی آواز میں بھی بات نہ کی تھی مگر اس طرح سے تکمل کو اس کے سر پر سوار کرنا اسے برا محسوس ہوا تھا۔

"ممی ویسے تمامی آپ کی ہر بات مان لیتا ہے۔ کبھی انکار یا بحث نہیں کی۔" زویا جو وہیں بیٹھی تھی تمامی کے جانے کے بعد بولی۔

"اپنی ماں جیسا گھنا ہے' بولتا نہیں ہے' کچھ بھی کہہ لو۔" وہ بولیں تو حقارت ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنا کام پوری دل جمعی سے کرتی تھی۔ آفس ورکرز میں سے کبھی کسی نے اسے مخاطب نہ کیا تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی سے بات کرتی تھی۔ آج اس نے تمامی کے ساتھ سائٹ کے وزٹ پر جانا تھا۔ تین بجے وہ لوگ تمامی کی گاڑی میں روانہ ہوئے تھے۔ وہ خاموشی سے بیٹھی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹے کا وزٹ تھا۔ وہ مسلسل اس کے ساتھ تھی۔ لوکیشن پر اور ورکرز بھی تھے۔ وہ ان کی ساتھ ڈسکشن کر رہا تھا۔ شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے سیاہ سن گلاسز آنکھوں پر لگائے وہ انہیں سمجھا رہا تھا۔ وہ بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔

"کچھ لوگوں کو زندگی میں وہ سب مل جاتا ہے جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ بنا مانگے بنا روئے' خوشیاں کامیابیاں' دولت' گاڑیاں اور دنیا کی ہر چیز ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ کچھ ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ تمام عمر ایک چھوٹی سی خواہش کے حصول کے لیے روتے اور تڑپتے ہیں۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ جیسے دینے والا ان کی طرف دیکھتا ہی نہیں' ان پر نظر ڈالتا ہی نہیں۔" اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کرتے ہوئے تمامی نے اس کی طرف دیکھا تھا اس سے نظریں ملتے ہی روائے سحر نے زاویہ نظر بدل لیا تھا۔

"مس سحر کیسا لگا یہ وزٹ؟" وہ واپس آرہے تھے جب تمامی نے اچانک سوال کیا۔

"ٹھیک تھا سر۔" وہ بولی تو بے زاریت اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"اگر کام شوق اور لگن سے کیا جائے تو انسان اسے انجوائے کرتا ہے' اور وائز بوجھ محسوس ہوتا ہے۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولا۔

"آپ جیسوں کو مزا آیا ہوگا کام کرنے میں اور کیوں نہ آئے؟ جب لاکھوں کروڑوں ہر وقت بینک میں پڑا ہو اور ہر مہینے اس میں اضافہ ہو رہا ہو' پیسے خرچ کرتے ہوئے کبھی یہ خیال نہ آتا ہو کہ ابھی گھر کی یہ ضرورت پوری کرنا باقی ہے اور وہ' آپ جیسوں کو تو نوکری میں مزا ہی آئے گا نا۔ رعب ہی تو جھاڑنا ہے آپ نے۔" وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ اسی وقت اس کے نمبر پر کال آنے لگی۔

"حبا' امی سے کہو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' میں بس گھر پہنچ رہی ہوں۔" وہ آہستہ آواز میں بولی' مگر تہامی کو صاف سنائی دے رہا تھا۔ وہ بغور سن رہا تھا۔

"سر' آپ مجھے یہیں اتار دیں پلیز' یہاں سے میرا گھر قریب ہی ہے' لیکن آفس سے گھر جاتے ہوئے میں بہت لیٹ ہو جاؤں گی۔" نا چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا' حبا نے بتایا تھا کہ امی پریشان ہو رہی ہیں۔

"اوکے۔" اس نے گاڑی سڑک کے سائیڈ پر روک دی اور سحر کے اترتے ہی زن سے گاڑی اڑا لے گیا۔ اس نے متاسف نظروں سے دور جاتی گاڑی کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر سامنے سے آتی بس میں سوار ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"تجل آپ دوپہر میں ریڈی رہنا ہم لنچ پر چلیں گے۔" تہامی نے اسے میسج بھیجا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ لنچ ٹائم میں وہ تجل کے گھر پہنچ گیا۔

"السلام علیکم آنٹی!" لاؤنج میں تجل کی ماما سے اس کی مڈھ بھیڑ ہو گئی۔

"ہائے بیٹا! کیسے ہو؟" وہ شاید کہیں جا رہی تھیں نک سک سے تیار وہ ایک جوان بیٹی کی ماں ہرگز نہیں لگ رہی تھیں۔

"فائن۔" وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آنٹی تجل کو بلا دیں' ہم نے لنچ پر جانا ہے میں آفس سے آیا ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔

"بھئی تجل تو آپ سے ناراض ہے۔ ہماری بیٹی بہت نازو نعم میں پلی ہے' خیال رکھا کرو' ہم نے اسے کبھی اداس نہیں ہونے دیا۔" وہ اٹھ کر اندر چلی گئیں' مگر تہامی کا موڈ خاصا خراب ہو گیا تھا۔

"ہیلو!" تجل آئی تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ بلیو جینز کے اوپر بلیک شرٹ جو گھٹنوں سے کچھ اوپر تھی' بال کیچر میں جکڑے ہوئے تھے کچھ لٹیں چہرے پر آوارہ گھوم رہی تھیں۔ اس کی سفید رنگت کچھ زرد سی محسوس ہو رہی تھی۔

"تجل' آر یو اوکے؟" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے ڈیئرز مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے' انجوائے یور سیلف۔" ماما ہاتھ ہلا کر چلی گئیں۔

"آ گیا' تمہیں میرا خیال۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں تجل' مجھے تمہارا خیال ہے ہمیشہ سے۔"

"نہیں ہے تمہیں میرا خیال۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "جب تم مجھے اگنور کرتے ہو نا' مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا' اپنے آپ سے بھی نفرت محسوس ہوتی ہے۔" وہ اداسی سے بولی۔

"آئی ایم سوری' آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" اسے کہتے ہی بنی۔ اس دن انہوں نے بہت سا اچھا وقت ساتھ گزارا۔

☆ ☆ ☆

اتوار کا دن تھا۔ وہ اور حبا بازار جا رہی تھیں۔ کل ہی اسے سیلری ملی تھی۔ گھر کا کچھ ضروری سامان خریدنے کے بعد وہ دونوں جا رہی تھیں کہ حبا اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک دکان میں گھس گئی۔

"کیا کر رہی ہو حبا اتنی بڑی دکان ہے۔ ہمارا اس میں کیا کام؟" وہ اسے واپس کھینچتے ہوئے بولی۔

"آپا دیکھیں تو سہی کیسی ورائٹی ہے' نئی شاپ بنی ہے یہ اور میری فرینڈ فجر بتا رہی تھی کہ زبردست کلیکشن ہے۔ آئیں تو ایک دفعہ۔" حبا کے کان پر جوں تک نا رینگی' وہ بڑے مزے سے شاپ میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

"آپ یہ دیکھیں یہ قمیص کتنی پیاری ہے۔" وہ خفا خفا سی ایک سائیڈ پر کھڑی تھی۔ جب حبا اسے کھینچ کر لے گئی اور شرٹ دکھانے لگی۔ "پیاری ہے نا؟" میں یہ لے لوں؟ کالج میں فنکشن ہوگا تو پہن کر جاؤں گی۔" پنک کلر کی قمیص واقعی بہت پیاری تھی اور یہ کلر حبا کا فیورٹ تھا۔

"کیا قیمت ہے اس کی؟" چاروناچار اسے دکان دار سے پوچھنا پڑا۔

"تھری تھاؤزنڈز کی" قیمت سن کر سحر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے اپنا پرس کھول کر دیکھا اس میں ایک سو روپے تھے۔

"حبا تم کچھ اور دیکھ لو۔" اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کاش اللہ پاک اوپر سے پیسے پھینک دیں۔" ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے وہ شرارت سے گویا ہوئی تو سحر کا دل کٹنے لگا۔

"تم دو ہزار کی رینج میں دیکھ لو کوئی۔" وہ دونوں وہاں سے مڑیں تو سحر نے دیکھا کہ سامنے تہامی کھڑا تھا۔ دکان دار خوشامدانہ انداز میں کپڑے اس کے سامنے سجا رہا تھا۔ جبکہ وہ ہر نئے سوٹ کو اتنی تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سحر کا دل چاہا وہ وہاں سے فوراً بھاگ جائے۔ مگر حبا اب دوسری سائیڈ پر شرٹس دیکھ رہی تھی۔

"حبا ہم پھر کبھی لے لیں گے۔ آؤ ابھی گھر چلتے ہیں پلیز ضد مت کرنا۔ میرے سر میں درد ہے۔" اب کی بار حبا نے واقعی ضد نہیں کی تھی اور اس کے ساتھ باہر کی جانب چل دی۔

"ایکسکیوزمی میم۔" وہ باہر نکل رہی تھیں جب سیلزمین ان کے پاس آیا۔ وہ دونوں رک گئیں۔

"یہ اپنا سوٹ تو لیتی جائیں۔ اس نے شاپر آگے بڑھایا۔

"سوٹ؟" دونوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مگر ہم نے تو کچھ نہیں خریدا۔" سحر کو بولنا پڑا۔

"آپ کے کزن پے منٹ کر کے گئے ہیں۔ آپ یہ پکڑ لیں۔"

"کزن؟" حبا حیران تھی۔ سحر سب کچھ سمجھ چکی تھی۔ اس نے شاپر پکڑا اور باہر آ گئی۔

"آپا یہ کون سے کزن تھے ہمارے؟ کہیں حاشر تو نہیں تھا۔ میرا خیال ہے واقعی غیبی مدد آئی ہے۔" وہ ہنسنے لگی مگر ردائے سحر کا غصے سے برا حال تھا۔ اس نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

"سمجھتا کیا ہے 'اپنے آپ کو' ہوگا بہت دولت مند' مگر میں ان لڑکیوں میں سے ہرگز نہیں ہوں جنہیں یہ اپنی دولت سے امپریس کرتا ہے... مگر وہ مجھے کیوں امپریس کرنے کی کوشش کرے گا' میری کیا اوقات اس کی نظروں میں۔" طرح طرح کے سوالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے گھر آنے تک اس کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا۔

"حبا امی کو مت بتانا اس شرٹ کے پیسے ہم نے نہیں دیے۔" اس نے اسے سمجھا دیا تھا۔ کیونکہ امی بہت سمجھ دار اور جہاندیدہ خاتون تھیں' وہ بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتیں اور یہ ردائے سحر کو گوارا نہ تھا۔

"منہ ہاتھ دھو لو' میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" ان دونوں سے کہہ کر امی کچن میں چلی گئیں۔

"امی میری شرٹ تو دیکھ لیں پہلے' کتنی پیاری ہے۔" حبا بھاگ کر شاپر اٹھا لائی۔ سحر صحن میں لگے ہینڈ پمپ سے منہ ہاتھ دھونے لگی۔

"امی کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں نا' بازار جاتے ہوئے جو چیز چاہتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ جس چیز پہ ہاتھ رکھتے ہیں وہ ان کی ہو جاتی ہے۔"

وہ اداسی سے بولی۔
"آپا قسمت بازاروں میں نہیں ملتی، خوشیاں دکانوں پر نہیں بکتیں۔" امی سے پہلے حبا بول اٹھی۔
"بیٹا روز قیامت انسان کی ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ کپڑا، جوتا، روپیہ، پیسا، گاڑی بنگلہ... تب بہت مشکل ہوگی۔" امی اسے نرم انداز میں سمجھاتے ہوئے بولیں۔ اس نے دوبارہ کوئی بات نہ کی۔

✲ ✲ ✲

آج عدالت میں اس کی پیشی تھی۔ فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ وہ امی اور حاشر کے ساتھ عدالت میں پہنچی تھی۔ اپنے سامنے اس درندے کو دیکھ کر اس کے پرانے زخم تازہ ہوگئے تھے۔ جبکہ اس کی نگاہوں میں تمسخر تھا۔ عدالت لگی، جج بیٹھا، وکیل آئے، ثبوت پیش کیے گئے۔ کمرہ عدالت میں موت کا سناٹا تھا۔ ملزم سر اٹھا کر کھڑا تھا، مگر جس پر ظلم ہوا وہ سر جھکائے فیصلے کی منتظر تھی۔
"تمام ثبوتوں اور گواہوں کے بیانات کے بعد یہ عدالت..." سحر کا دل زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ "ملزم ماجد امین حیدر کو باعزت بری کرتی ہے۔" اس نے تیزی سے جھکا ہوا سر اٹھایا۔
"نہیں۔" اس کے لب کسی بے بس، قیدی پرندے کی مانند پھڑپھڑائے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ اٹھ کر بھاگی تھی۔
"نہیں جج صاحب، آپ ایسا نہیں کرسکتے۔ اس نے میری زندگی برباد کی ہے اسے سزا ملنی چاہیے۔ اسے مت چھوڑیں، اس کی وجہ سے میرے ابا..." اس کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔
"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا جب کہ وہ استہزائیہ انداز میں جیت کے نشے سے سرشار اسے دیکھ رہا تھا۔ حاشر نے اس کو پکڑ کر ساتھ لگایا اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گیا۔ آج ردائے سحر کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئی تھیں۔
"میں نہیں مانتی اس فیصلے کو حاشر، اسے سزا ملنی چاہیے انہوں نے اسے کیوں چھوڑا؟" ارد گرد سے بے نیاز وہ رو رہی تھی۔ حاشر نے اسے گاڑی میں بٹھایا، امی بھی آکر بیٹھ گئیں۔ اس نے امی کی گود میں سر رکھ دیا۔
"بس میری بچی، صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔" انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"اللہ ہم جیسے کمزوروں کا ساتھ نہیں دیتا، کیوں وہ میری بے بسی کا تماشا دیکھتا رہا، کیوں ظالم باعزت بری ہوگیا۔"
"ایسا نہیں کہتے بیٹا۔" امی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ حاشر نے گاڑی آگے بڑھائی۔

✲ ✲ ✲

"ظفر صاحب دو دن ہوگئے مس سحر آفس نہیں آئیں، نہ ہی انہوں نے غیر حاضری کی وجہ بتائی، حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی۔" درحقیقتاً اسے اس بات کی فکر تھی کہ وہ پیسوں والی بات کو ہائی لائٹ نہ کر گئی ہو۔
"جی سر، کال کرکے معلوم کرلیتے ہیں۔" ظفر صاحب نے حل پیش کیا۔
"پرسوں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہے۔ ان کے ذمے بہت سارے کام ہیں۔" وہ فائل کھولتے ہوئے بولا۔ ظفر صاحب نے ردائے سحر کا نمبر ملایا۔
"آپا بیمار ہیں، وہ ابھی آفس نہیں آسکتیں۔" حبا نے بغیر کسی لحاظ کے صاف کہہ دیا۔
"لیکن پرسوں بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے، سر کہہ رہے ہیں کہ مس سحر کل لازمی آفس آئیں۔" ظفر صاحب نے کہا۔
"اگر آپا کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو آئیں گی ورنہ نہیں، آپ اپنے سر کو بتادیں۔" کہتے کے ساتھ ہی اس نے کھٹک سے فون بند کردیا۔ ظفر صاحب نے ریسیور کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

"کیا کہا مس سحر نے؟" اس نے فائل پر نظریں جماتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"سر وہ خود تو نہیں تھیں۔ کوئی اور لڑکی تھی وہ کہہ رہی تھی آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ٹھیک ہوگئی تو آئیں گی ورنہ نہیں۔"

"واٹ!" وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا "یہ کیا طریقہ ہے۔ جاب کرنے کے کچھ رولز ہوتے ہیں۔" اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ سحر جان بوجھ کر آفس نہیں آئی۔ ظفر صاحب مودبانہ انداز سے کھڑے تھے۔ دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ردائے سحر کے موبائل پر پھر سے کال آنے لگی۔

"ہیلو!" حبا کال ریسیو کرکے کمرے سے باہر آگئی۔

"حسن گروپ آف انڈسٹریز کا مالک تہامی حسن بات کر رہا ہوں۔" اس نے بارعب انداز میں اپنا تعارف کروایا۔

"اچھا پھر؟" حبا ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی۔

"مس ردائے سحر سے بات کروائیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"سوری سر، میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے سو بات نہیں ہو سکتی۔"

"اوکے جب وہ بات کرنے کے قابل ہو جائیں تو ان سے کہیے گا کہ آفس کانٹیکٹ کریں۔"

"کون تھا؟" امی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حسن گروپ آف انڈسٹریز کے مالک تہامی حسن یعنی کہ آپا کے باس۔" امی نے چونک کر حبا کو دیکھا۔ وہ اٹھ کر اندر جا چکی تھی۔

"الٰہی یہ کیسی آزمائش ہے کہ میں اسے..." آنسو ان کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ انہوں نے جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں مبادا حبا نہ دیکھ لے بہت کچھ انہیں یاد آرہا تھا۔ بہت سی بھولی بسری یادیں ذہن کے تاریک گوشے میں پھر سے روشن ہونے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج کافی دنوں کے بعد وہ کلب آئی تھی۔ بلیو جینز کے اوپر سرخ ٹاپ جس کے گی آستین ندارد... اس کے سفید بازو بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ گاڑی پارکنگ میں پارک کی اور کلب میں داخل ہوگئی۔ ایک ساتھ کئی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

"یہ کون ہے؟" رضوان نے پاس کھڑے رضا کو اشارہ کیا۔ "کیا غضب ڈھا رہی ہے۔" ہاتھ میں کولڈ ڈرنک تھامے رضوان ہال کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

"ارے اس کو چھوڑو۔" اس کے کہنے پر پاس کھڑے باقی لڑکوں نے بھی ادھر دیکھا تھا جہاں تجل جا رہی تھی۔

"بھابھی ہے اپنی۔ تہامی کی فیانسی ہے۔" اس نے گویا بم پھوڑا تھا۔

"نہیں؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"ڈونٹ ٹیل می یار!" رضوان کو یقین نہ آیا۔ "وہ خاصا شریف بندہ ہے جبکہ یہ لڑکی..." اس نے تجل کی طرف دیکھا تھا جو کسی لڑکے کا ہاتھ تھام کر ڈانس فلور پر جا رہی تھی۔

"ان بلیوایبل! تہامی نے اس کے ساتھ منگنی کیسے کرلی؟ آئی مین وہ تو کافی معقول بندہ ہے۔" کامران نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"یہ بھی اچھی لڑکی ہے بس ذرا والدین کے لاڈ پیار نے تھوڑا خود سر بنا دیا ہے اسے۔" رضا کو ان سب کی باتیں بری محسوس ہو رہی تھیں۔

"ایک منٹ میں ابھی آیا۔" رضوان کچھ سوچ کر تجل کی طرف بڑھا۔

"نہیں یار! تو اس کے پاس نہیں جائے گا۔ میں نے بتایا نا کہ یہ تہامی کی فیانسی ہے تو کیا مطلب بنتا ہے اس کے پاس جانے کا؟" رضا نے اس کا بازو پکڑا۔

"یہاں پر کوئی کسی کو کسی سے بات کرنے سے منع نہیں کر سکتا اور پھر تمہیں اتنی فکر ہے تو پہلے جا کر اس بندر کو وہاں سے ہٹاؤ جو اس کے ساتھ چپک کر کھڑا ہے۔" اس نے تجل کے ساتھ کھڑے جمی کی طرف اشارہ کیا۔ رضوان اسے ہاتھ ہلا کر سامنے کی طرف چل

پڑا۔

"ہیلو!" وہ سجل کے پاس جا کھڑا ہوا اور ہاتھ آگے بڑھایا جسے اس نے تھام لیا۔

"ہائے!" اس نے ابرو چڑھائے۔ "سوری آپ کون؟ میں نے یہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" سجل دوستانہ مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولی۔

"میں یہاں اکثر آتا ہوں۔ آپ کو میں نے بھی پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔" سجل نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"کیا میں ڈانس میں آپ لوگوں کو جوائن کر سکتا ہوں؟" اس نے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

"شیور!" سجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کچھ ہی دیر میں وہ تینوں ڈانس کرنے لگے رضا کا غصے سے برا حال تھا۔ اس کی رگیں تن گئیں اپنے پاس کھڑے دوستوں کو نظر انداز کرتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔

"ایڈیٹ تمہاری کو بتاؤں گا۔" وہ گاڑی نکال کر روڈ پر آ گیا۔

☼ ☼ ☼

"پھپھو سحر کی طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ برآمدے میں بیٹھیں کپڑے سلائی کر رہی تھیں جب حاشر آیا تھا۔

"بخار تو کچھ کم ہے مگر بولتی نہیں ہے۔ چپ لگ گئی ہے اسے۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"ظاہر ہے اتنا بڑا ظلم اور پھر ناانصافی۔۔۔ ہمارے ملک کی عدالتیں بھی اب ظالم کا ہی ساتھ دیتی ہیں۔۔۔ اللہ اس ظالم کو ضرور سزا دے گا۔" وہ اٹھ کر اندر آ گیا کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ حاشر نے آگے بڑھ کر پردے ہٹائے۔

"سحر کیسی طبیعت ہے اب؟" وہ بیڈ کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا روائے سحر چھت کی کڑیوں کو گھور رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" اس کے چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔

"بہت کمزور ہو گئی ہو تم' میرا خیال ہے آفس چھوڑ دو میں ہوں نا تم لوگوں کے لیے۔۔۔"

"حاشر پلیز۔" وہ احتجاجاً بولی "میں تمہارے خلوص کی قدر کرتی ہوں مگر پلیز دوبارہ یہ بات مت کرنا میں خفا ہو جاؤں گی تم سے۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"اس کا مطلب ہے تم مجھے اپنا بھائی نہیں سمجھتیں۔" وہ پیار بھری خفگی سے بولا۔

"ایموشنل بلیک میلنگ مت کرو۔ تم مجھے سگے بھائیوں کی طرح عزیز ہو مگر میں تمہاری یہ بات نہیں مان سکتی۔" وہ اپنی بات سے نہیں ہٹ رہی تھی۔ حاشر جانتا تھا وہ کبھی نہیں مانے گی۔ کافی دیر اس کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

"حاشر" وہ باہر جا رہا تھا جب اس کے آواز دینے پر رک گیا۔

"مجھے کچھ پیسے چاہئیں' تمہارے پاس ہوں گے؟ میں۔۔۔ میں اگلے مہینے لوٹا دوں گی۔" اس نے بدقت تمام بات مکمل کی۔

"ضرور کیوں نہیں۔۔۔ کتنے چاہئیں؟" وہ واپس آ کر بیٹھ گیا۔

"تین ہزار" اس نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ حاشر نے پیسے نکال کر اس کے تکیے کے پاس رکھ دیے۔

"امی اور حبا سے ان پیسوں کی بات مت کرنا۔" حاشر اس کے پاس سے اٹھ کر دروازے تک گیا پھر اچانک مڑا۔

"فریش ہو کر باہر آ جاؤ' میں چائے بناتا ہوں مل کر پئیں گے۔" وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

آج طبیعت قدرے بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ آفس سے مزید چھٹی کرنا مناسب نہ تھا اس لیے وہ

آفس آگئی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی جب دس منٹ بعد تہامی اندر داخل ہوا۔
"مس سحر ذرا اندر آئیے۔" اس کی توقع کے عین مطابق اسے فوراً" اندر بلوالیا تھا۔
"السلام علیکم سر!" اس نے سلام کیا' تہامی نے دیکھا کہ وہ بہت کمزور دکھائی دے رہی ہے۔
"مس سحر کیا آپ جاب کے رولز سے واقف نہیں ہیں کیا؟ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اگر آپ کو چھٹی کرنی ہے تو آفس میں انفارم کرنا ضروری ہوتا ہے۔" لہجے کو حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے بولا۔
"سوری سر' آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ واپس جانے کے لیے مڑی پھر اچانک کچھ یاد آجانے پر پلٹ آئی۔
"سر یہ آپ کے پیسے۔" اس نے تین ہزار روپے اس کے سامنے میز کی سطح پر رکھے۔
"یہ کیا ہے؟" وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بولا۔
"آپ کے پیسے۔"
"میرے کون سے پیسے؟" سحر ایک دم سے کنفیوز ہوگئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ پیسے سر نے نہ دیے ہوں۔ مگر اگلے ہی لمحے یہ خیال بھی ذہن میں آیا کہ اس وقت ان کے علاوہ وہاں اس کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔
"سر اس دن کپڑوں کی دکان پر۔" اس نے پل بھر کا توقف کیا۔
"آپ کا بہت شکریہ سر آپ ضرورت کے وقت کام آئے' مگر اس کی کوئی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ میری چھوٹی بہن بالکل بچوں جیسی ہے۔"
"او آئی سی۔" تہامی کو لگا اب مزید انکار کرنا بے کار ہے۔
"آپ کی چھوٹی بہن' میری بھی تو بہنوں جیسی ہے کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر ایک شرٹ میں اسے لے دوں۔" وہ فائل کھولتے ہوئے بولا۔ پیسے اٹھا کر اس نے اس کے سامنے کردیے تھے۔
"سوری سر' یہ میں نہیں لے سکتی' آپ کا بہت شکریہ۔" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ مڑی۔
"رکیں مس۔" اس کے پکارنے پر سحر کو رکنا پڑا۔
"میں دی ہوئی چیزیں واپس نہیں لیا کرتا' آپ اٹھائیں یہ پیسے۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔
"سوری سر میری انا اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ میں کسی اجنبی سے کچھ لوں۔ میں یہ پیسے نہیں لے سکتی' آپ رکھنا نہیں چاہتے تو کسی ضرورت مند کو دے دیجئے گا۔ مگر میں کسی کا احسان نہیں لیتی۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تیزی سے مڑی اور باہر نکل گئی۔ تہامی حیران و ششدر سا بند دروازے کو گھورتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

تہامی اپنے ایک دوست سے مل کر ہوٹل سے باہر نکل رہا تھا۔ کہ سامنے نظر اٹھتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔
"سجل۔" شاپنگ سینٹر سے نکلتی ہوئی وہ یقیناً سجل ہی تھی۔ سیاہ جینز پر سبز رنگ کی ٹی شرٹ اس نے پہن رکھی تھی۔ جس کی آستینیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس کے ساتھ وہ لڑکا بھی تھا۔ تہامی کا خون کھولنے لگا تھا۔ ایک دم تو اس کے جی میں آئی کہ سجل کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ کر یہاں سے لے جائے۔ مگر اگلے لمحے کچھ سوچ کر وہ گاڑی میں بیٹھا اور اسے زناٹے سے اڑا کرلے گیا۔
کیا مجھے ممی سے بات کرنی چاہیے؟ وہ پرسوچ انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔
"آؤ بیٹا! تم سے بات کرنی تھی مجھے۔" ممی اسے پکار بیٹھیں۔
"جی ممی!" وہ تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔
"سجل کا برتھ ڈے ہے کل' بہت بڑی پارٹی ہے اس کے گھر' تم نے اس کے لیے گفٹ لے لیا؟" آخر میں وہ سوال کرنے لگیں۔
"اسے گفٹ دینے کے لیے بھی ہے نا۔" وہ سوچ کر رہ گیا۔ ان سے بات کرنے کی اس کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ جانتا تھا کوئی اس کی اس بات کو نہیں سمجھے گا۔

"او کے ممی! میں لے لوں گا۔" وہ اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھا۔ پھر اچانک کچھ یاد آنے پر رکا اور رخ موڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"زویا کہاں ہے؟"

"اپنی فرینڈ کی طرف گئی ہے شاید۔" انہیں حیرت ہوئی تھی، آج سے پہلے اس نے کبھی بہن کے متعلق سوال نہ کیا تھا۔

"شاید۔" اس نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹکا اور واپس مڑ گیا۔ جبکہ وہ اس کی پشت کو گھور کر رہ گئیں۔ آج اس کا رویہ ان کے لیے ناقابل فہم تھا۔ اس کے سوال پر وہ حیران ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج کا دن بہت خاص تھا۔ ردائے سحر تھوڑی سی گھبرائی ہوئی تھی، کیونکہ کمپنی کی تمام برانچز کے ڈائریکٹرز کے ساتھ تہامی کی میٹنگ تھی۔ اس میٹنگ میں ردائے سحر بطور خاص تہامی کے ساتھ جا رہی تھی۔ تہامی نے اسے اچھی طرح سے بریف کر دیا تھا کہ میٹنگ کس طرح کی ہے، اسے کس طرح سے اٹینڈ کرنی ہے کیا کچھ نوٹ کرنا ہے۔

"سمجھ آ گئی آپ کو؟" وہ اسے ساتھ لے کر پارکنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"جی سر!" وہ مختصراً بولی۔

"گڈ، کونفیڈنشلی وہاں بیٹھیے گا، وہاں موجود سب لوگ میرے ایمپلائز ہیں کسی سے ڈرنے یا دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ گاڑی کو سڑک پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"جی بہتر سر!" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح کی میٹنگ ہے جس کے لیے اسے اتنا خبردار کیا جا رہا ہے۔ گاڑی کو پارکنگ میں کھڑا کر کے وہ اسے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگا۔ یہ کسی ہوٹل کی عمارت تھی۔

جب وہ لوگ ہال میں پہنچے تو سب لوگ تہامی کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔

"بیٹھیں پلیز۔" ٹیبل کے دونوں سائیڈز پر رکھی چیئرز پر کافی لوگ بیٹھے تھے میٹنگ شروع ہو چکی تھی۔ سب باری باری اپنی کمپنیز کے متعلق بات کر رہے تھے۔

"جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ بہت جلد ہم سی ویو پر ایک ہوٹل تعمیر کروا رہے ہیں۔ اس پروجیکٹ پر بہت تیزی سے کام ہو رہا ہے، میں اس کا چارج مسٹر رضا کو سونپ رہا ہوں۔" رضا اس کا دوست تھا اور تہامی اس پر بہت اعتبار بھی کرتا تھا۔

"تھینک یو سر!" رضا بہت خوش ہوا تھا۔ ان سب کے مسائل اور رائے کو ردائے سحر نوٹ کر رہی تھی۔ اردگرد سے بے نیاز ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اپنے کام میں مگن تھی اور یہی بے نیازی آج اس کے لیے طوفان ثابت ہوئی لکھتے ہوئے اچانک اس نے سر اوپر اٹھایا۔ اس کا ہاتھ لگنے سے ساتھ بیٹھے رضا کے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس چھلک گیا اس کے کپڑوں کو بھگوتا ہوا زمین بوس ہوا اور چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"وہ! مس یہ کیا کر دیا آپ نے۔" رضا گھبرا گیا۔

"حد ہوتی ہے بد تمیزی کی۔" وہ اچھل کر کھڑا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری سر!" ردائے سحر بھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے سہمی ہوئی نظروں سے فوراً تہامی کو دیکھا، وہ لب بھینچے خاموش بیٹھا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین بائے سوری، حد ہو گئی آپ کو مینرز نہیں ہیں بیٹھنے کے؟ جاہل۔" اس کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ آخری لفظ زیر لب بڑبڑایا مگر تہامی سن چکا تھا۔

"سر۔" اس نے بولنے کے لیے لب کھولے۔

"او جسٹ شٹ اپ۔" اس کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ وہ نفرت اور حقارت سے بولا۔

"اسٹاپ اٹ مسٹر رضا اٹس اینف۔" تہامی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور غصے سے دھاڑا۔ "آپ بہت بول چکے اس سے آگے ایک لفظ بھی مت بولنا۔" اس کے چہرے پر اس وقت جو غیض و غضب ردائے سحر کو نظر آیا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تہامی بھیجے۔"

"چلیں مس سحر۔" وہ میز سے موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھا کر باہر کی جانب بڑھا وہ بھی تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آنے لگی۔

چلتے چلتے وہ ایک دم رک گیا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ ستون کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ لب کپکپا رہے تھے۔ بند آنکھوں میں سے آنسو موتیوں کی طرح گر رہے تھے۔

"مس سحر!" وہ تیر کی سی تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔ اسے شانوں سے تھام کر ہولے سے ہلایا "آر یو اوکے؟" اس کے پکارنے پر جیسے وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے حزن و ملال نے تہامی کو نظریں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ریلیکس!" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے گاڑی تک لایا تھا۔ فرنٹ ڈور کھولا کر اسے بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ اس کے رونے سے تہامی بہت ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

"پلیز چپ ہو جائیں سحر میں اسے اس سب کی بہت سخت سزا دوں گا' میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔" وہ اسے پرسکون کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر وہ چپ نہ ہو رہی تھی۔

"پانی پی لیں۔" اس نے بوتل کھول کر اسے تھمائی۔ جسے چپ چاپ اس نے تھام لیا اور لبوں سے لگالیا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" وہ بولی تو اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ تہامی اس کے رونے کے دوران مسلسل اس کا بغور جائزہ لیتا رہا تھا بہت اچھے طریقے سے دوپٹا اوڑھے سادہ سے لباس میں چہرے پر چھائی معصومیت اور پاکیزگی کے ساتھ بلاشبہ وہ پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ صرف بائیں گال پر کان کے قریب وہ نشان تھا۔ مگر اس کے باوجود تہامی کو وہ بہت اچھی بہت پاکیزہ لگی۔

"گھر کا ایڈریس بتائیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ بولا۔

"مس سحر!" گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی۔ وہ اترنے لگی تو تہامی پکار بیٹھا وہ بولی کچھ نہیں بس مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔" تہامی کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ وہ نادم نظر آ رہا تھا۔

"آپ کا تو کوئی قصور نہیں سر!" اس نے آج پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اس کی آنکھیں اور ناک کا اگلا حصہ سرخ ہو رہا تھا۔ "اور شاید قصور تو کسی کا بھی نہیں ہے سر۔" ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری تھی۔ وہ اتر کر سامنے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ مگر تہامی چند ثانیے وہیں کھڑا رہا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہیں کھڑا رہے۔ کچھ دیر وہ اس کے گھر کے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ پھر گاڑی آگے بڑھا لی۔

✿ ✿ ✿

”حد ہوگئی لاپروائی کی دیکھی آپ نے صاحبزادے کی حرکت ' کیک کٹنے والا ہے اور اس کا کوئی اتا پتا ہی نہیں۔“ ممی کی بار بار تاکید کے باوجود بھی وہ نہیں پہنچا تھا۔

”آجائے گا' آج بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے اس کی' ابھی بس پہنچنے والا ہوگا۔“ وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے۔

”مگر مجھے نہیں لگتا کہ تہامی آئے گا۔“ زویا ان کے پاس آکر بولی۔

”کیوں' تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے؟“ ممی جو پہلے ہی متفکر تھیں' مزید پریشان ہوگئیں۔

”کیونکہ کل جب آپ اسے تجل کے برتھ ڈے کا بتا رہی تھیں تو اس کے چہرے پر بہت بے زاریت تھی۔“ اس نے ان کی پریشانی میں اضافہ کیا۔

”اگر وہ نہ آیا تو بہت مسئلہ ہو جائے گا' تجل بہت خفا ہوگی۔“ وہ سامنے سے آتی تجل کو دیکھ کر آہستہ آواز میں بولیں۔

”آنٹی' تہامی ابھی تک نہیں آیا' میری کال بھی ریسیو نہیں کر رہا۔ ویٹس ناٹ فیئر۔“ سیاہ رنگ کی ساڑھی میں اس کی سفید رنگت بہت کھل رہی تھی۔ وہ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

”آجائے گا' میٹنگ تھی اس کی' بس پہنچنے والا ہے۔“ اس سے زیادہ وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

”واٹ! وہ آج بھی میٹنگ میں بیٹھا ہے؟ اس کے لیے میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔“ وہ تیزی سے واپس مڑی تھی۔ ممی نے پریشان ہو کر زویا کی طرف دیکھا' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے اور ہاتھ میں پکڑے موبائل کو کان سے لگا کر سائیڈ پر جا کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ امی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس نے شکر ادا کیا۔ حبا کہیں نظر نہ آئی' اس نے جلدی سے لباس تبدیل کیا' منہ ہاتھ اچھی طرح دھونے سے رونے کے آثار اور واضح ہوگئے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک چادر تان کر سو گئی۔

”ہیں' آپا!... آپ کب آئیں؟“ حبا کمرے میں آئی تو اسے یوں لیٹے ہوئے دیکھ کر حیران ہونے لگی۔

”آپا' آپ نے کھانا کھایا نہ چائے پی' عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی۔ ابھی سے سونے لگیں' سب ٹھیک ہے۔“ حبا نے اس کے منہ سے چادر ہٹائی۔

”آپ روئی ہیں؟“ سحر کی سوجی آنکھیں اور سرخ ناک اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔

”امی سے کچھ کہنا ایسی کوئی بات نہیں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ فریش نظر آنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

”ہرگز نہیں' آپ کو مجھے بتانا ہوگا کہ کس نے آپ کو کچھ کہا ہے۔“

”حبا کسی نے کچھ نہیں کہا' بس میرا دل بھر آیا' رستے میں آتے ہوئے مجھے ابا کی یاد آگئی۔ تم نے دیکھا جس شخص کی وجہ سے ابا نے دنیا سے منہ موڑ لیا وہ عدالت سے باعزت بری ہوگیا۔“

”آپا اسے اللہ ضرور سزا دے گا اس نے جو ہمارے ساتھ کیا کبھی خوش نہیں رہ پائے گا۔“ وہ یقین بھرے لہجے میں بولی۔

”اس دن کورٹ میں نکلتے ہوئے مجھے کہتا ہے۔ دیکھوں گا جس دن شہزادہ گلفام تمہیں بیاہنے آیا۔“

”آپا آپ بھی کس کی باتوں کو لے کر بیٹھ گئیں' اسے وقت خود سب کچھ بتا دے گا۔ آپ اٹھ جائیں میں کھانا گرم کرتی ہوں۔“ سحر اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

”بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔ سچ میں۔“ وہ چادر دوبارہ منہ پر ڈالتے ہوئے بولی۔

”بالکل بھی نہیں۔ آپ کو پتا ہے نا میں آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتی۔“ حبا نے چادر اس کے چہرے سے ہٹا دی۔

کھانا کھانے کے بعد حبا اس کے لیے چائے بنانے

چلی گئی۔ امی نماز پڑھ کر اس کے پاس آئی تھیں۔

"سحر بچے!" وہ اس کی سوجی آنکھیں اور سرخ ناک دیکھ کر گھبرا اٹھیں۔ "کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟" وہ اس کے سامنے آکر بیٹھ گئیں اور اس کی ٹھوڑی کو چھو کر چہرا اونچا کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

"جی امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی۔

"باس۔۔۔ نے کچھ کہا ہے؟" ان کا خدشہ زبان کی نوک پر آہی گیا تھا۔

"ارے۔۔۔ نہیں امی۔ باس بھلا کیوں کچھ کہیں گے۔ وہ اچھے انسان ہیں۔ بس مجھے ابا کی بہت یاد آرہی ہے آج۔" انہیں پریشان دیکھ کر وہ شرمندہ ہونے لگی۔

"تمہیں پتا ہے نا تمہارے ابا تمہاری آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس طرح سے رو کر ان کی روح کو تکلیف مت دیا کرو۔" وہ اس کو پیار کر کے اٹھ گئی تھیں۔

"تہامی حسن کبھی بھی میری بچی کو کوئی تکلیف نہ دینا اسے کچھ مت کہنا۔ وہ تو پہلے ہی ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہے۔ اسے تمہارے آفس میں جاب کرنے سے اس لیے منع نہ کرپائی کہ میرے دل کو اطمینان رہے گا کہ وہ باعزت نوکری کر رہی ہے۔ پھر اس بہانے شاید کبھی تم سے ملاقات ہو جائے۔" رات کو سونے کے لیے لیٹتے ہوئے انہیں طرح طرح کے خیالات ستا رہے تھے۔ بہت سے سوال ذہن میں ابھر رہے تھے مگر ابھی ان کا جواب ملنا ممکن نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

موبائل کو آف کر کے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالنے کے بعد وہ بلا مقصد سڑکوں پر گھومتا رہا۔ اسے رضا پر بے حد غصہ تھا۔ کئی گھنٹے ادھر ادھر پھرنے کے بعد وہ گھر آگیا تھا۔ اپنے بیڈ روم میں قدم رکھتے ہوئے اس کی حالت عجیب سی تھی۔ چینج کرنے کے بعد وہ نماز پڑھ کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ مگر جیسے ہی آنکھیں بند کرتا چشم تصور میں بند آنکھوں سے ٹوٹ کر گرتے موتی، کپکپاتا جسم اور بھینچے لب اسے جھنجھوڑتے اور وہ جلدی سے آنکھیں کھول دیتا۔

"آپ کا تو کوئی قصور نہیں ہے سر اور شاید قصور تو کسی کا بھی نہیں ہے۔" اس کے کانوں میں سرگوشی ابھری۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بہت غلط کیا تم نے رضا میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

شاید قصور تو کسی کا بھی نہیں ہے۔ اس بات سے تمہاری کیا مراد ہے۔ وہ بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اسے آج ردائے سحر سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

تمام رات اسی طرح کٹی تھی۔ صبح وہ تیار ہو کر آفس کے لیے نکل رہا تھا جب ممی سے سامنا ہو گیا۔ "وہ سلام کر کے نکل رہا تھا جب وہ غصے سے کاٹ دار لہجے میں بولیں۔

"رات سجل کے گھر کیوں نہیں آئے؟ ہمیں کتنی شرمندگی اٹھانا پڑی، تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا کچھ احساس ہے کہ نہیں۔" وہ درشتی سے بولیں۔

"سوری ممی، میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، موڈ نہیں ہو رہا تھا کسی قسم کے ہنگامے میں جانے کا۔" وہ بات کو طول نہیں دینا چاہتا تھا۔

"مگر سجل تو تم سے بہت ناراض ہے، سب مہمانوں میں اس کی انسلٹ ہوئی ہے تمہارے نا جانے سے۔" وہ تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولیں۔

"میں سوری کرلوں گا۔" ان کا جواب سنے بغیر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ وہ تلملا کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"آپا میرا ٹیسٹ نہ ہوتا تو میں آج چھٹی کر لیتی کالج سے۔" حبا اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پیشانی چومتے

ہوئے بولی۔

"نہیں گڑیا، تمہیں اپنی پڑھائی کا حرج نہیں کرنا چاہیے' امی ہیں نا میرے پاس۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر بولی۔

"سحر بیٹا اٹھو یہ یخنی پی لو' پھر دوا کھا لینا' بخار سے آرام ہو جائے گا۔" امی اس کے پاس بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگیں۔

"امی میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے منہ بنایا۔

"ایسے ٹھیک کیسے ہو گی بیٹا۔ چلو شاباش اٹھو۔" انہوں نے زبردستی اسے یخنی پلائی اور پھر دوا کھلا کر کام کرنے لگیں۔ کاموں سے فارغ ہو کر کپڑے لے کر بیٹھ گئیں۔

"سحر بیٹا' میں یہ سامنے والوں کے کپڑے دینے جا رہی ہوں' ابھی آجاؤں گی۔" امی اس کے پاس آئیں۔ سحر سو رہی تھی۔ امی باہر سے تالا لگا کر چلی گئیں۔ نیند میں اسے فون کی بیل سنائی دی۔

"ہیلو!" اس نے دیکھے بغیر فون کان کو لگایا۔ نقاہت کے باعث وہ انتہائی نحیف آواز میں بولی۔

"مس سحر آپ آج آفس کیوں نہیں آئیں۔" آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں اور موبائل فون کان سے ہٹا کر اس کی اسکرین کو گھورنے لگی۔ اگلے لمحے اس نے کال کاٹ دی اور موبائل تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ دوبارہ فون آنے لگا۔

"السلام علیکم سر!" طوعاً" کرہاً" اس نے اٹینڈ کیا۔

"وعلیکم السلام! مس آفس کیوں نہیں آئیں آپ؟" وہ پارعب لہجے میں بولا۔

"سر میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' ٹمپریچر ہے مجھے۔"

"بچوں کی طرح بہانے مت بنائیں۔ اینی وے۔۔۔"

"سوری سر! میں مزید یہ جاب نہیں کر سکتی۔" بالآخر اسے بتانا پڑا۔

"مگر آپ اس طرح ہمیں انفارم کیے بغیر کیسے ریزائن کر سکتی ہیں۔ مس ہر کام کا ایک پروپر طریقہ ہوتا ہے۔" اس کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

"سر میں ریزگنیشن لیٹر بھجوا دوں گی۔" وہ جان چھڑاتے ہوئے بولی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے' آپ ابھی جاب چھوڑ نہیں سکتی ہیں۔ کیونکہ ہمیں جوائن کرتے وقت آپ نے ایک ایگریمنٹ پر سائن کیے تھے کہ جاب چھوڑنے سے تین ماہ پہلے آپ ہمیں انفارم کریں گی۔ دوسری صورت میں کمپنی آپ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتی ہے۔" اس نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

"مگر سر۔۔۔"

"دیکھیے محترمہ! جس کی وجہ سے آپ آفس چھوڑ رہی ہیں۔ میں نے اسے آفس سے نکال دیا ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"سر میں کسی کی وجہ سے نہیں چھوڑ رہی جاب۔"

"زندگی اسی کا نام ہے' مشکلات سے گھبرا کر میدان چھوڑ کر بھاگا نہیں کرتے۔" وہ پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"مگر سر۔۔۔!" وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔

"تو اگر مگر' کل آپ آفس آرہی ہیں۔ یہاں بہت زیادہ کام آپ کا منتظر ہے۔ گڈ بائے۔" اس کی سنے بغیر اس نے لائن کاٹ دی۔ موبائل فون ایک طرف رکھ کر وہ آنکھیں موند کر لیٹی رہی۔ آج اسے ابا کی بہت یاد آرہی تھی۔

"ابا زندگی بہت عجیب ہو گئی ہے آپ کے بعد کچھ بھی تو پہلے جیسا نہیں رہا میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں' آپ کے بغیر خود کو بہت اکیلا محسوس کرتی ہوں۔ آپ نے کیوں اتنا پیار دیا۔ ابا آپ کے بعد سب خواہش' آرزوئیں مر گئی ہیں۔" خیالوں میں ہی ان سے باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ نیند میں اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو۔

"سحر بیٹا اٹھو۔" امی شاید عجلت میں تھیں۔

"جی۔۔۔ امی۔" اس نے آنکھیں کھول کر ان کی

طرف دیکھا۔

"بیٹا کچھ لوگ آرہے ہیں تمہیں دیکھنے' اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو اور۔۔۔"

"امی پلیز۔۔۔" اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔

"میں کئی بار کہہ چکی ہوں مجھے شادی نہیں کرنی' پھر آپ۔۔۔"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے' وہ لوگ کچھ دیر تک آتے ہوں گے' مجھے مایوس مت کرنا۔"

بس جلدی سے تیار ہوجاؤ' میں چائے کا انتظام کر لوں۔ وہ باہر نکل گئیں اس نے منہ ہاتھ دھویا اور شیشے کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دائیں گال کو آہستہ سے چھوا تھا۔

"نہیں۔۔۔" وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔ "اس شکل کو کون پسند کرے گا۔" وہ خوف زدہ ہوکر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

صحن میں کچھ لوگوں کے بولنے کی آواز ابھری تھی۔ امی نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھادیا اور خود کچن میں چلی گئیں۔

"آپا۔" حبا کالج سے آئی تھی اور سیدھے اس کے کمرے میں آگئی۔ "صفیہ خالہ رشتہ لے کر آئی ہیں۔ لڑکے کا باپ تو کافی گریس فل پرسنالٹی کا مالک ہے۔ یقیناً۔۔۔"

حبا تم کچن میں جاکر امی کی ہیلپ کرواؤ۔" وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے' مگر آپ تھوڑا سا تیار ہوجائیں۔" کہتے کے ساتھ ہی وہ چھپاک سے باہر نکل گئی۔

"امی' ویسے لڑکا کرتا کیا ہے؟" وہ امی کے پاس کھڑی مسلسل بول رہی تھی۔

"کپڑے کی دوکان ہے' اچھا اور نیک شریف ہے۔" امی نے پلیٹ میں بسکٹ رکھتے ہوئے بتایا۔

"لڑکے کا باپ تو کافی ہینڈسم ہے' کیا لڑکا بھی ایسا ہی ہے؟" وہ شرارت سے گویا ہوئی۔

"یہ لڑکے کا باپ نہیں ہے' اسی کے لیے تو رشتہ لائی ہے صفیہ۔"

"امی!" حبا پر تو گویا ساتوں آسمان گر پڑے تھے۔

"بیوی مرگئی ہے' تین بچے ہیں۔" امی ایسے بول رہی تھیں جیسے بہت ہی عام اور نارمل بات ہو۔

"آپ سے بعد میں بات کروں گی۔" وہ تیزی سے مڑی اور کچن سے باہر نکل گئی۔

"حبا' رکو تو۔۔۔" مگر وہ ان سنی کرکے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"صفیہ خالہ شرم نہیں آتی آپ کو' اس بڈھے رنڈوے کا رشتہ لائی ہیں آپ میری آپا کے لیے۔" حبا کا مارے غصے کے برا حال تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے' تمہارے اس گھر میں بھلا کسی شہزادے کا رشتہ آئے گا؟" صفیہ خالہ غصے سے ترخ کر بولیں۔

"قسمتیں لکھنے والا گھر نہیں دیکھا کرتا خالہ' اور پھر آپ کے حمید صاحب اتنے اچھے ہیں تو آپ انہیں اپنا داماد بنالیں۔ میری آپا۔۔۔"

"حبا!" امی نے بازو پکڑ کر اسے باہر کی طرف دھکیلا۔

"صفیہ میں معذرت چاہتی ہوں۔" وہ شرمندہ نظر آرہی تھیں۔

"تمہاری لڑکی کو کوئی تمیز نہیں' اٹھو حمید بیٹا' ناحق تمہیں زحمت دی۔ میرا بھی وقت برباد کیا۔ حمید کو رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔ تم لوگوں کی بدقسمتی ہے۔" وہ اٹھ کر ان کے پاس سے گزرتے ہوئے حبا کو گھور کر کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھیں۔

"آپ کو ہماری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پلیز۔۔۔" وہ ان کے پیچھے دروازے تک آئی "دوبارہ یہاں نظر مت آنا۔" وہ دروازہ بند کرکے پلٹی تو کمرے کے دروازے میں کھڑی روائے سحر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

وہ کسی بے جان مورتی کی طرح کھڑی تھی۔ امی گرنے کے انداز میں برآمدے کے تخت پر بیٹھی تھیں۔

"امی!" وہ بھاگ کر ان کے قریب آئی۔

"آپ لوگوں کو اللہ پر یقین نہیں ہے' مگر مجھے ہے۔ امی آپ آپا کے لیے پریشان مت ہوں' آپ دیکھنا بہت اچھی جگہ آپا کا رشتہ ہوگا۔" کسی خیال کے زیر

اثر وہ سوچتے ہوئے بولی۔

☼ ☼ ☼

"بہت مصروف ہو گئے ہو بیٹا' اب تو ہفتوں بات نہیں کرتے۔" نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ ان کے لبوں پر آہی گیا تھا۔

"مصروف نہیں' پریشان ہوں۔" وہ افسردہ لہجے میں بولا۔

"پریشان ہوں تمہارے دشمن' کیا ہوا میرے بچے کو' کسی نے کچھ کہا؟" وہ بے چین ہوا ٹھیں۔

"ڈیڈی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا خالہ جان۔" وہ تمہید باندھنے لگا۔

"کیا ہوا بچے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟" وہ متفکر ہوئیں۔

"ڈیڈی نے زبردستی میری منگنی کروادی۔ نہ پوچھا' نہ ہی رائے لی۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"اوہ! یہ تو واقعی زیادتی ہے۔" انہوں نے پل بھر کا توقف کیا "لیکن بیٹا والدین کبھی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔" انہیں فوراً" احساس ہوا کہ ایسی بات انہیں نہیں کہنی چاہیے تھی۔

"کبھی کبھی والدین کے فیصلے اولاد کے لیے وبال جان بھی بن جاتے ہیں خالہ جان میں بہت پریشان ہوں۔ آج ماما بہت یاد آرہی ہیں۔ کاش وہ زندہ ہوتیں۔" اس کی باتیں انہیں احساس جرم میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"تہامی بیٹا دروازے پر دستک ہو رہی ہے میں پھر بات کروں گی۔" انہوں نے جلدی سے فون بند کیا تھا۔

"اوکے!" اس نے چیئر کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔ دروازہ ناک ہوا' اس نے آنکھیں کھولیں اور فوراً" سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوری یار!" رضا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"اس دن میں اوور ری ایکٹ کر گیا تھا۔۔۔ دراصل۔"

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے سامنے دوبارہ آنے کی' میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ درشتی سے دو ٹوک لہجے میں بولا۔

"تم ابھی تک خفا ہو؟" رضا نے آگے بڑھ کر ٹیبل پر دھرے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے دبایا۔

"میں کیوں خفا ہونے لگا؟" اس نے سامنے پڑی فائل اٹھالی اور اسے دیکھنے لگا۔

"تہامی میں شرمندہ ہوں۔ تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔" رضا اس کے بدلے تیور دیکھ کر گھبرا گیا۔

"مجھ سے کیوں معافی مانگتے ہو۔ معافی مانگنا ہے تو اس سے مانگو جسے تم نے بے عزت کیا اتنے لوگوں کے سامنے۔" اس نے انٹرکام اٹھایا۔

"مس سحر اندر آئیں۔" وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ دونوں نے ایک ساتھ اس کی جانب دیکھا تھا۔ "مسٹر رضا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" تہامی کے کہنے پر اس نے رضا کی طرف دیکھا تھا۔

"آئی ایم سوری مس۔۔۔ اس دن میں نے جو کیا بہت غلط کیا' مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے۔"

"لفظوں کے دانت نہیں ہوتے' مگر یہ کاٹتے بہت بری طرح سے ہیں۔ کاش مسٹر رضا آپ کو اندازہ ہو کہ آپ نے کتنا غلط کیا میرے ساتھ۔" وہ اس کی جانب دیکھ کر سوچنے لگی۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔" وہ لجاجت سے بولا۔

"اٹس اوکے۔۔۔ میں نے معاف کیا۔" تہامی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر وہ باہر نکل گئی۔

"اب تو تم ناراضی ختم کرو۔" رضا بیٹھ گیا۔

"سوری مسٹر رضا ہم مزید آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ آپ ظفر صاحب سے مل کر اپنا تمام حساب کلیئر کرلیں۔" اس کی بات پر رضا کو جھٹکا لگا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو' میں نے تمہارے کہنے پر اس سے معافی بھی مانگ لی۔ اب پھر۔"

"جو معافی کسی دوسرے کے کہنے پر مانگی جاتی ہے وہ معافی نہیں ہوتی' اینڈ سیکنڈلی مس سحر نے معاف کیا

ہے آپ کو میں نے نہیں۔" اس نے اٹھی لہجے پر رضا حیران رہ گیا۔

"اس معمولی سیکریٹری کی خاطر تم مجھے۔۔"

"شٹ اپ مسٹر رضا' میں اس سے آگے ایک لفظ نہیں سنوں گا۔ تم جاسکتے ہو۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور باہر کی طرف اشارہ کیا۔

"ایک دو ٹکے کی سیکرٹری کی خاطر تم اپنی برسوں پرانی دوستی کو یوں ٹھوکر مار رہے ہو۔" رضا کو آفس کی طرف سے ملا ہوا فرنشڈ اپارٹمنٹ 'گاڑی اور سیلری ہاتھ سے نکلتا ہوا نظر آیا تو غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ دراصل وہ ایک لالچی انسان تھا۔

"تمہیں لڑکیوں کی عزت کرنا نہیں آتا' مجھے تمہاری اس سوچ کا پہلے اندازہ ہوتا تو کبھی تمہیں اپائنٹ نہ کرتا۔"

"اونہہ! عزت!" اس نے تمسخرانہ انداز سے سر جھٹکا "تم جتنے عزت دار ہو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری منگیتر کلبوں' پارکوں اور ہوٹلوں میں سرعام تمہاری عزت نیلام کر رہی ہے۔ اس وقت تمہاری غیرت کہاں ہوتی ہے؟" اس کے لبوں پر دوڑتی طنزیہ مسکراہٹ اسے زہر سے بھی بری لگ رہی تھی۔

گیٹ آؤٹ آف مائی سائیٹ۔" اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اسے باہر جانے کے لیے اشارہ کیا۔

"جا رہا ہوں۔" وہ جاتے جاتے مڑا "کبھی اپنی منگیتر کے کرتوت دیکھنے ہوں تو کلب آجانا۔" اس کی جانب سے رخ پھیرے وہ لب بھینچے کھڑا تھا۔ احساس توہین سے اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کے آفس سے نکلا تو اس کی نظر ردائے سحر پر پڑ گئی۔

"تمہاری وجہ سے اس نے مجھے آفس سے نکال دیا' برسوں پرانی دوستی کو لمحوں میں ختم کر دیا۔" اس کے پاس آکر وہ درشتی سے بولا۔ ردائے سحر نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں گاڑ دیں۔ "چھوڑوں گا نہیں کسی کو بھی۔" تلملاتا ہوا وہ باہر کی جانب چل دیا۔ سر جھٹک کر وہ دوبارہ اپنا کام کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

کالج سے واپسی پر حبا ماموں کی طرف آگئی تھی۔ ممانی جان اسے کچن میں کھڑا کر کے نماز پڑھنے گئی تھیں۔ اس نے بہت احتیاط سے دال کو بھونا اور پھر پاس ہی فریج میں سے بوتل نکال کر دال میں۔۔۔ پانی ڈال دیا۔

"سوں" کی آواز کے ساتھ ہنڈیا میں سے شعلے اٹھنے لگے اس نے گھبرا کر ڈھکن اوپر رکھ دیا۔ کافی دیر بعد اٹھایا تو سب ٹھیک معلوم ہوا اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"الٰہی خیر' آج ہمارے کچن کی شامت آئی ہوئی ہے۔" اسے پتا نہ چلا کب حاشر اس کے پیچھے آکر کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم!" اس نے سنجیدگی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" حاشر نے بغور اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا "یار تم حبا ہو یا اس کی ہم شکل" مسکراہٹ دبا کر وہ شریر لہجے میں بولا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے اس لیے یہاں آئی ہوں۔" وہ لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے محتاط انداز میں باہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"حاشر بیٹا آگئے تم؟" ممانی جان کے آجانے سے وہ خاموش ہو گئی۔

"تم دونوں بیٹھو میں کھانا لگاتی ہوں۔" انہوں نے دال چاول بنائے تھے جو کہ حاشر بہت شوق سے کھاتا تھا۔

"آر یو اوکے حبا؟" باہر نکل کر اس نے فوراً پوچھا۔ حبا کی خاموشی سے اسے تشویش ہوئی۔ وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

چاولوں کے دو چمچ لینے کے بعد حاشر کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"امی چاول میٹھے کیوں لگ رہے ہیں؟ آئی مین کیا سالن میں چینی ڈالی ہے؟" اس کے استفسار کرنے پر حبا نے فوراً ممانی کی طرف دیکھا تھا۔

"حبا کچن میں سیون اپ پڑی ہے' بیٹا وہ تو اٹھا لاؤ۔" ممانی نے حاشر کو گھورتے ہوئے حبا سے کہا۔ وہ کچن میں آگئی۔ "مائی گاڈ! اب کیا کروں۔" سیون اپ کو پانی سمجھ کر اس نے سالن میں ڈال دیا تھا۔

"امی وہ تو رات میں نے پی لی تھی۔" اسے منہ لٹکا کر واپس آتے دیکھ کر حاشر ساری بات سمجھ گیا۔

"تھینکس!" اس نے نظروں میں اس کا شکریہ ادا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد حاشر اسے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔

"ویسے کہتے ہیں شوہر کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر جاتا ہے' یار تمہارا کیا بنے گا اور پھر' تمہارے شوہر کا معدہ تو خراب ہو جائے گا' کبھی چائے میں نمک اور کبھی سالن میں سیون اپ" اس کے ہاتھ اس کی ایک اور غلطی لگ گئی تھی اب اس نے اسے خوب ستانا تھا۔

"ہیلو!" اسے ہنوز خاموش دیکھ کر حاشر نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"کیا بات ہے کزن؟ اوری تھنگ از او کے؟"

"حاشر کبھی کبھی ہم کتنے بے بس ہو جاتے ہیں نا' تقدیر اور قسمت ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑ لیتی ہے' جن سے ہم بہت پیار کرتے ہیں جن کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی ہمیں گوارا نہیں ہوتا' ہمارے سامنے وہ ٹوٹ کر بکھر رہے ہوتے ہیں اور ہم اتنے بے بس اور مجبور ہوتے ہیں کہ ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔" اتنی لمبی تمہید پر حاشر نے صرف گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"حاشر میں آج تم سے کچھ مانگنے لگی ہوں۔ بولو دو گے؟" اس نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا تھا۔

"ڈونٹ بی سلی حبا ہاتھ پیچھے ہٹاؤ۔ صرف یہ بتاؤ کیا چاہیے پیسے؟"

"پیسے؟" وہ ہنس دی "پیسے دینا مشکل نہیں ہے حاشر۔ کسی کو اعتبار' مان اور بھروسا دینا' کسی ٹوٹے دل کو مزید ٹوٹنے سے بچانا' کسی ڈوبتے کو دیکھ کر خود کو خطرے میں ڈال کر اسے بچانا مشکل ہے حاشر۔" وہ ازحد سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے تم سمجھ نہیں آرہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ الجھا۔

"مجھے تم پر بہت اعتبار اور مان ہے۔ خیال رکھنا میرا مان نہ ٹوٹے" وہ پل بھر کو رکی "تم آپا سے شادی کر لو۔" گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تمہارا مذاق بالکل پسند نہیں آیا' یہ بہت فضول ہے۔" وہ خفگی سے بولا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔ مذاق میں نہیں کہہ رہی۔"

"اگر تم سنجیدہ ہو تو ہوش میں نہیں ہو۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ تمہاری جرات کیسے ہوئی؟" وہ رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"امی آپا کے لیے اچھے رشتے کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی ہیں اور آپا کے رشتے آتے ہی نہیں' اب ایک رشتہ آیا تو تین بچوں کے باپ کا۔ حاشر میں آپا سے بہت محبت کرتی ہوں۔" اس کی آواز بھیگنے لگی۔

"ہم جیسے گھرانوں میں ایسے ہی رشتے آتے ہیں۔"

"اور جو محبت میں تم سے کرتا ہوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا "اور پھر میں سحر کو اپنی سگی بہن کی طرح سمجھتا ہوں۔ اس کے لیے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"شادی ہو جائے تو خیالات بھی بدل جاتے ہیں۔ پھر سحر آپا اتنی اچھی ہیں۔"

"اسٹاپ اٹ حبا!" وہ سختی سے اسے ٹوک گیا "کیا تمہیں میری محبت کی کوئی پروا نہیں ہے؟"

"محبت کرتے ہو تو ثبوت دو۔ میں دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی آپا سے کرتی ہوں۔ تم نے میری بات نہ مانی تو زندگی بھر میری شکل نہ دیکھ پاؤ گے۔"

"میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے حبا۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"حاشر صاحب آپ ہمارے گھر میں تب ہی قدم رکھنا جب آپا کے لیے رشتہ لے کر آؤ گے ورنہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر

اس نے بے خوفی سے کہا اور گاڑی سے اتر گئی۔ حاشر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ لائٹ آف کر کے ابھی سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دھم سے بیڈ پر گرا ہے۔

"واٹ نان سینس!" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے سامنے تجل کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"یہی تو میں تم سے پوچھنے آئی ہوں کہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم میری برتھ ڈے پارٹی میں کیوں نہیں آئے؟" وہ لاڈ سے بولی۔

"محترمہ رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ تم ابھی تک گھر سے باہر ہو؟" اس کے سوال کو قصداً نظرانداز کرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"گھر سے باہر نہیں ہوں گھر میں بیٹھی ہوں۔" اس نے گویا تصحیح کی۔

"اچھی لڑکیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔ تم اب بچی نہیں ہو۔ سمجھو اس بات کو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"او، ہیلو۔ مسٹر تہامی حسن مجھ پر پابندی مام اینڈ ڈیڈ نہیں لگا سکے تو تم کون ہوتے ہو۔" وہ نخوت سے بولی۔

"اسی بات کا تو رونا ہے کہ تم کو آج تک کسی نے کچھ کہا ہی نہیں۔" وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"تو تم چاہتے ہو کہ مجھ پر پابندی لگائی جائے؟ ایسا میں کیا غلط کر رہی ہوں جو تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔" وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔

"تم آئندہ کلب مت جانا۔" وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس سے نرمی کا تاثر غائب تھا۔

"اور جمی سے نہیں ملو گی۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وارن کرنے کے انداز میں بولا تو پل بھر کو تو وہ چپ ہو گئی مگر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا۔ اور زور زور سے ہنسنے لگی۔

"وہ کم آن یار!" اب وہ اس کے سامنے کھڑی تھی "تم جمی سے جیلس ہو، وہ تو میرا فرینڈ ہے، جسٹ فرینڈ۔" وہ اس کی بات کو ہنسی میں اڑا دینا چاہتی تھی۔

"دوبارہ تم جمی سے ملیں یا کلب گئیں تو میں بہت برا کروں گا، پھر شکوہ نہ کرنا۔" اس کی بات تجل کو سلگا گئی۔

"دھمکی دے رہے ہو؟" وہ بے خوفی سے بولی۔

"تم جو مرضی سمجھو۔" اس نے اپنے شانے پر دھرا اس کا ہاتھ جھٹکا "اور پلیز دوبارہ اس ٹائم کبھی بھی میرے روم میں مت آنا۔ اور آنے سے پہلے ڈور ناک کرنا نہ بھولنا۔" اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ تہامی ہے، وہ تہامی جس کی نرم طبیعت کا چرچا تھا، جو ہمیشہ نرمی سے مسکرا کر بات کرتا تھا وہ ہمدرد اور مہربان مسکراہٹ اس وقت اس کے چہرے سے غائب تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"امی نماز پڑھ رہی تھیں۔ حبا نے ان کا موبائل اٹھایا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

"ہیلو!" حاشر نے جلد ہی کال ریسیو کر لی تھی۔

"کیسے ہو؟" اس نے محتاط نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"فائن!" اس کی ناراض آواز حبا کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"حاشر کیا سوچا پھر تم نے؟" اس نے پوچھا۔

"سوری حبا میں اس معاملے میں خود کو مجبور پاتا ہوں۔ میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"حاشر میں نے پہلی دفعہ تم سے کچھ مانگا ہے کیا مجھے خالی ہاتھ لوٹاؤ گے؟" اسے امید کا دیا ٹمٹماتا محسوس ہوا۔

"پہلی بار میں ہی تم مجھ سے میرا سب کچھ مانگ رہی ہو۔ تمہیں اندازہ بھی ہے حبا کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ

اسے کسی دھوکے یا اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔
"یہ سب اتنا آسان نہیں۔ دلوں کے سودے زبردستی طے نہیں ہوتے۔"
"میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ پھر حاشر تمہارا میرا ایسا کیا رشتہ ہے نکاح نا منگنی، پھر کس لیے تم ہچکچا رہے ہو؟"
"دلوں کے رشتے کاغذوں اور انگوٹھیوں کے محتاج نہیں ہوتے حبا! دل میں جب کوئی بس جاتا ہے تو پھر اسے نکال کر کسی دوسرے کو اس کی جگہ دینا ناممکن ہے حبا۔" وہ اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔
"کاش تم میری بات مان لو۔ آپا کی زندگی میں بھی خوشیاں آجائیں امی کو بھی سکون ہو جائے" اس نے سرد آہ بھری۔
"حبا جو اللہ انسان کو پیدا کرتا ہے اس کے اچھے سبب بھی بناتا ہے تم فکر نہ کرو۔"
"تم نے میرا بہت دل توڑا ہے۔ میں تم سے بات نہیں کروں گی۔" اس نے فون بند کر دیا اور باہر آگئی۔
"حبا مجھے پانی دینا" امی کی آواز آئی۔
"اچھا امی!" وہ کچن میں آگئی۔ اس کا دل بھرا رہا تھا۔ وہ سمجھتی تھی حاشر اس کی بات ضرور مانے گا مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سحر آج پھر لیٹ ہو گئی ہے۔" پانی پی کر انہوں نے گلاس اسے تھمایا تھا۔
"جی امی! بہت ٹف جاب ہے آپا کی۔ اتنا تھک جاتی ہیں۔" وہ گلاس کچن میں رکھ آئی۔
"اللہ اس کا اچھا سبب بنا دے۔ میں بھی سکون سے مر سکوں گی۔"
"امی!" حبا نے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیا "ایسی باتیں مت کریں۔" اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔
"تمہارے ابو زندہ ہوتے تو ایسے حالات نہ ہوتے۔ حبا میں سحر کے لیے بہت پریشان ہوں۔ کون بیاہے گا اسے۔ لوگ بہو ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو پہلی ڈیمانڈ یہی کرتے ہیں کہ لڑکی چاند سی ہو۔" ان کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔
"امی آپ فکر مت کریں۔ ان شاء اللہ آپا کی شادی بہت اچھی جگہ پر ہو گی۔" اس نے امید دلاتے ہوئے کہا۔ "آپا بہت پیاری ہیں کسی سے کم نہیں۔"
"حبا... سحر بہت حساس ہے۔" ان کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہونے لگے "اس نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ مزید برداشت نہیں کر پائے گی۔" وہ تیز تیز سانس لینے لگیں۔
"امی!" حبا نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ وہ ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔
"امی کیا ہوا آپ کو؟" حبا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھیں۔
اس نے موبائل اٹھایا اور حاشر کا نمبر ملانے لگی۔ کئی بار ٹرائی کیا مگر نمبر بند جا رہا تھا۔
"کیا کروں۔" اس نے ردائے سحر کا نمبر ملایا۔ وہ بھی بند جا رہا تھا۔
"الٰہی میری امی کو بچا لینا۔" اس نے ان کے ہاتھ پکڑ کر رگڑنا شروع کر دیا۔ پانی لا کر اس نے ان کے چہرے پر چھینٹے مارے مگر وہ اسی طرح بے سدھ پڑی تھیں۔ ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا۔ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی تو وہ نیچے اترنے لگی کہ اچانک سامنے سے حبا بھاگ کر گاڑی کے پاس آئی اور کھڑکی میں جھکی۔
"آ... پا... امی کو پتا نہیں کیا ہو گیا۔ میں نے حاشر کو فون کیا اس کا نمبر بند ہے۔" پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان وہ بدحواسی سے بولی تو ردائے سحر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور تقریباً بھاگتے ہوئے اندر گئی۔
آفس میں دیر ہونے کی وجہ سے آج وہ سر کے ساتھ آئی تھی۔

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"کیا مجھے اندر جانا چاہیے؟" ابھی وہ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ حبا واپس آئی۔

"س... سر... آپا کہہ رہی ہیں آپ امی کو... ہسپتال لے جائیں۔" اسے کہہ کر وہ فوراً واپس مڑ گئی تھی۔

"امی... امی اٹھیں پلیز۔" روائے سحر انہیں آوازیں دینے کے ساتھ ہلا رہی تھی۔ مگر وہ بے سدھ پڑی تھیں۔

"کیا ہوا ہے انہیں۔" تہامی کی آواز پر وہ تیزی سے مڑی تھی۔

"سر پلیز انہیں... ہسپتال پہنچا دیں پلیز۔" اس کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔ تہامی نے جھک کر انہیں اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور باہر کی سمت چل دیا۔ وہ دونوں بھی ساتھ ہو لیں۔

سحر' امی کا سر اپنی گود میں رکھے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی' جبکہ حبا تہامی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"میں ابھی آتا ہوں۔" ایک پرائیویٹ ہسپتال کے سامنے گاڑی روک کر وہ تیر کی سی تیزی سے اندر گیا تھا۔ واپسی میں اس کے ساتھ اسٹریچر اور وارڈ بوائز تھے۔

تہامی اور حبا اسٹریچر کے ساتھ اندر چلے گئے تھے۔ جبکہ وہ بے حس و حرکت وہیں کھڑی تھی۔

وہ اردگرد سے بے نیاز تھی۔ اسے کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سجھائی۔ ذہن میں اس وقت تھا تو صرف یہ کہ امی بھی ابا کی طرح انہیں چھوڑ کر جانے لگی ہیں۔

"مس سحر..." کافی دیر گزرنے کے بعد تہامی وہاں آیا تھا۔ اسے سحر کی حالت ٹھیک نہیں لگی تھی۔

"مس سحر آر یو او کے؟" اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں وحشت ناچ رہی تھی۔

"امی!" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

"چلی گئیں؟" اس نے خوف زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" تہامی نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں... نہیں ہوں گی ٹھیک۔" وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ "وہ ٹھیک نہیں ہوں گی... وہ بھی چلی جائیں گی' جیسے ابا چلے گئے' جیسے..." وہ ہانپنے لگی۔ "سب ختم ہو گیا۔ میرے ہاتھ خالی ہو گئے... میرا سب کچھ ختم ہو گیا... اسے کہو اور کتنا آزمائے گا مجھے؟ اب بس کر دے' مجھ میں اور ہمت نہیں ہے' میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ دھاڑیں مار کر رو رہی تھی۔ تہامی کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"مس سحر پلیز..."

"مجھ سے سب کچھ لے لو... بس میری امی کی زندگی دے دو... مجھے تم سے کبھی کوئی گلہ' شکوہ نہیں ہو گا۔ میں سب غم بھلا دوں گی۔" وہ آنسوؤں کے درمیان بول رہی تھی۔

"سحر اٹھیں اندر چلیں۔" اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"نہیں۔ پہلے اس سے کہیں میری امی کو ٹھیک کرے۔" وہ کسی ضدی بچے کی طرح بولی۔

"او کے! وہ کہہ رہا ہے آپ کی امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے بہلانے کے انداز میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی جانب بڑھا۔

"آپا!" حبا' آئی سی یو کے باہر کھڑی تھی۔ "کیا حالت بنالی آپ نے؟" وہ تڑپ کر اس کے گلے لگی۔

"حبا... امی!" اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا تھا۔ بمشکل الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ حبا نے اسے خود سے الگ کیا۔

"آپا' آپ دیکھنا ان شاء اللہ امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے بہن کے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو محبت سے احتیاط کے ساتھ ہتھیلیوں سے صاف کیا۔

"نہیں... نہیں ٹھیک ہوں گی۔ تمہیں یاد ہے ابا..." آنسو پھر بہنے لگے تھے۔

"آپا ایسا مت سوچیں' اللہ تعالیٰ انسان کے گمان کے قریب ہوتا ہے۔ جیسا ہم اس کے بارے میں سوچتے ہیں ویسا وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے۔" اس نے

ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔ تہامی نے ایک نظر اس چھوٹی سی لڑکی پر ڈالی تھی جو کس قدر معصومیت سے بڑی بہن کو سمجھا رہی تھی۔ اس سے ہوتی اس کی نظریں ردائے سحر پر ٹھہر گئی تھیں۔

وقت بہت سستی سے گزر رہا تھا۔ ہر ہر لمحہ ایک صدی کے برابر محسوس ہو رہا تھا۔ تہامی سامنے دیوار کو ٹیک لگائے' دونوں بازو سینے پر لپیٹے کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ان دونوں کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟ اگر میں آج سحر کے ساتھ نہ آتا تو..." اس سے آگے سوچ کر اسے جھرجھری آگئی۔

"پیشنٹ کے ساتھ کون ہے؟" اندر سے ڈاکٹر نکلا تھا۔

"جی میں۔" تہامی تیر کی سی تیزی سے ڈاکٹر کے قریب آیا تھا۔ "ہم تینوں ہیں ان کے ساتھ۔" اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ جو دم سادھے ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھیں۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔" ڈاکٹر اسے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"میں ابھی آتا ہوں۔ آپ لوگ یہیں بیٹھیں۔" انہیں وہیں چھوڑ کر وہ ڈاکٹر کے پاس آفس میں آگیا تھا۔

"آپ کے مریض کی حالت کافی سیریس ہے۔ دراصل ان کی ہارٹ بیٹ اسٹیبل نہیں ہے۔ کبھی بہت زیادہ اور کبھی بہت کم ہو جاتی ہے۔" ڈاکٹر تفصیل بتانے لگا۔

"تو اس کا کیا علاج ہے؟"

"دیکھیں ان کے ہارٹ میں پیس میکر ڈالنا پڑے گا۔ یہ ایک طرح کی مصنوعی بیٹری ہوتی ہے۔ جو دھڑکن کو کنٹرول کرتی ہے۔" ڈاکٹر کی باتوں سے وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر مزید گویا ہوا۔

"تو کیا ہارٹ کی سرجری ہو گی؟"

"آپ فیصلہ کر کے بتا دیں سرجری کرنی ہے یا نہیں؟"

"ٹھیک ہے، میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ کیا سرجری کرنا بہت ضروری ہے؟" اس نے آخری امید کے طور پر سوال کیا۔

"جی۔ آپ آپریشن کے چارجز پیسے جمع کروا دیں۔ ڈیڑھ لاکھ کا پیس میکر اور آپریشن کا ساٹھ ہزار ہو گا۔"

ڈاکٹر پر ایک نظر ڈال کر وہ باہر نکلا تو حبا اور سحر دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" اسے ان دونوں پر بہت ترس آیا۔ دلی ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"آپریشن کے چارجز تو بہت زیادہ ہیں۔ ہم امی کو کسی گورنمنٹ کے ہسپتال لے جاتے ہیں۔" حبا نے تہامی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ پیسوں کی فکر مت کریں۔" اس نے ایک نظر ان دونوں پر ڈالی۔

"حبا حاشر کو فون کرو۔ وہ فوراً آجائے۔" سحر نے کچھ سوچتے ہوئے حبا سے کہا۔

"آپا شام جب امی کی طبیعت خراب ہوئی میں نے حاشر کو بہت کالز کی تھیں۔ اس نے ریسیو نہیں کی۔" وہ پھر سے آئی سی یو کے باہر آکر کھڑی ہو گئی تھیں۔ کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ رات اپنے پر پھیلا رہی تھی۔

"آپا میں نماز پڑھ آؤں ذرا۔" حبا نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"سر آپ' آپا کا خیال رکھیے گا پلیز..." وہ نماز پڑھنے چلی گئی۔

"بیٹھ جائیں آپ۔" تہامی اس کے قریب آیا تھا۔ وہ کسی بے جان مورتی کی طرح کھڑی تھی۔ اس کے کان موت کی چاپ سن رہے تھے۔

تہامی نے ہسپتال کے تمام اخراجات ادا کر دیے تھے۔ سحر نے بارہا حبا سے کہا تھا کہ حاشر کو کال کر کے بلا لے' مگر اس کا ایک ہی جواب تھا "حاشر کا نمبر آف ہے" آج رات امی کا آپریشن تھا۔ ان کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ ڈاکٹرز نے ان سے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔

"امی!" وہ دونوں بھاگ کر ان کے پاس آئی تھیں۔ سحر نے ان کی پیشانی چومی حبا ان کے دونوں ہاتھوں کو بار بار آنکھوں سے لگائی تھی۔ "آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ اس بستر پر لیٹی ہوئی آپ اچھی نہیں لگ رہیں۔" حبا نے ان کے گال پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"میری بچیو!" وہ نحیف اور آہستہ آواز میں بول رہی تھیں "اللہ تم دونوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔" ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"حبا! حاشر نہیں آیا؟" انہوں نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"امی اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ بات نہیں ہوئی اس سے۔" حبا فوراً بولی۔

"مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے روتے ہوئے سحر کو دیکھتے ہوئے کہا "اسے میرا پیغام دے دینا کہ سحر کی شادی اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ اپنے گھر کی نہ ہوئی تو مجھے قبر۔۔۔"

"امی! پلیز۔۔۔" سحر نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ دروازے میں تہامی کھڑا تھا۔ وہ رشک سے ان ماں بیٹیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس پل اسے ماما کی یاد شدت سے آئی تھی۔ جیسے جیسے آپریشن کا وقت قریب آ رہا تھا ان کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"سر آپ گھر چلے جائیں' ریسٹ کر لیں' آپ بہت تھک گئے ہوں گے۔" کل شام سے وہ ان کے ساتھ تھا۔ نہ ہی کچھ کھایا تھا اور نہ سویا تھا۔

"آپ تو مجھے سر مت کہیں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"تو پھر کیا کہوں؟" حبا معصومیت سے بولی۔

"بھائی۔۔۔!" بے اختیاری میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"بھائی۔۔۔ تہامی بھائی!" حبا نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔ کتنا خوش گوار احساس تھا۔

"تو سسٹر مجھے ابھی ریسٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ کھانے کو لے آؤں؟" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"آپا سے پوچھتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی۔

"وہ تو یقیناً" منع کر دیں گی۔ میں لے آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی۔ وہ چائے اور بسکٹ کے ساتھ سینڈوچ لایا تھا۔

"آپا پلیز تھوڑی سی چائے ہی پی لیں۔ سر کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔" حبا نے کپ اسے تھمانا چاہا۔

"جب تک امی ٹھیک نہیں ہو جاتیں میرے حلق سے کچھ نہیں اترے گا۔" اس نے بے بسی سے حبا کو جواب دیا۔

حبا نے چائے کے ساتھ دو بسکٹ کھائے اور اٹھ کر بہن کے پاس جا بیٹھی۔

"حبا! پلیز حاشر کو فون کرو۔ مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے۔ اسے بلا لو یہاں۔" اس کا دل انجانے اندیشوں سے کانپ رہا تھا۔

"آپا ہمارے ساتھ تہامی بھائی ہیں نا' حاشر کو بلانا ضروری نہیں ہے۔" اس نے ایک بار پھر انکار کیا۔

"حبا تہامی صاحب میرے پاس ہیں۔ وہ ہمارے کچھ نہیں لگتے۔"

"آپا رشتے تو احساس کے ہوتے ہیں۔ اگر احساس مر جائے تو اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں اور احساس' خلوص اور موت سے پرائے بھی اپنے ہو جاتے ہیں۔ تہامی بھائی نے جو ہمارے لیے کیا ہے وہ کوئی اپنا سگا رشتے دار بھی کم ہی کرتا ہے۔"

"پھر بھی تم حاشر کو بلاؤ' مجھے اس کے آنے سے تسلی ہو جائے گی۔" اس کی بار بار کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر حبا نے تہامی سے موبائل فون مانگ کر حاشر کو کال کی تھی۔ جلدی میں آتے ہوئے انہوں نے اپنا موبائل تو اٹھایا ہی نہیں تھا۔

"ہیلو!" جلد ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"حاشر!" حبا نے فون سحر کو پکڑا دیا تھا۔ "حاشر تم فوراً" ہمارے پاس آ جاؤ۔ امی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" آنسوؤں کو پیتے ہوئے وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"س۔۔۔ سحر' تم لوگ کدھر ہو؟ میں رات سے بہت پریشان ہوں۔ کہاں چلے گئے تم لوگ اچانک؟" وہ متفکر لہجے میں بولا۔ تہامی نے اسے ہسپتال کا بتایا

تھا۔ اگلے پندرہ بیس منٹ میں وہ ہاسپٹل پہنچ گیا۔

"سحر!" وہ ان کے پاس آیا تھا۔ "کیا ہوا پھپھو کو اچانک؟"

"اچانک نہیں ہے کافی دونوں سے طبیعت خراب ہو رہی تھی ان کی۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں آپریشن کرنا ہے۔"

"کیا؟" آپریشن کا سن کر وہ پریشان ہوا تھا مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال لیا۔

"یہ کون ہیں؟" اس نے پاس کھڑے تہامی کی طرف ابرو سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرے باس ہیں۔ یہی امی کو یہاں لے کر آئے ہیں۔" اس نے مختصرا" بتایا۔

اس نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"آپ کا بہت شکریہ۔ جو کام میری ذمہ داری تھا وہ آپ نے کیا۔ لیکن اب میں آگیا ہوں' آپ گھر جا کر آرام کریں۔" وہ مشکور تھا کہ مشکل میں تہامی نے ان کا ساتھ دیا۔

"آپ کی اب یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ناحق آپا نے آپ کو زحمت دی۔" حبا کے لہجے میں طنز کی گہری کاٹ محسوس کرتے ہوئے وہ پل بھر کو خاموش رہ گیا۔

"سر آپ پلیز اب گھر چلے جائیں۔ حاشر ہمارے پاس ہے' اب کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔" تہامی نے محسوس کیا تھا کہ حاشر کے آنے سے وہ کچھ حد تک مطمئن اور پراعتماد نظر آنے لگی۔

"اوکے! میں چلتا ہوں' لیکن اگر میری ضرورت محسوس ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا۔" اس نے ایک نظر ان سب پر ڈالی اور چل دیا۔

"تہامی بھائی!" حبا کی آواز سن کر وہ رک پڑا اور مڑ کر دیکھا۔ "ہم تمام زندگی آپ کا یہ احسان نہیں اتار سکیں گے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو..." احساس تشکر سے اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"میری دعا اور خواہش ہے دنیا میں کسی کی ماں کو کچھ نہ ہو' میں نے کوئی احسان نہیں کیا' اپنا فرض پورا کیا ہے۔" ردائے سحر سر جھکائے کھڑی تھی' جبکہ حاشر مسلسل تہامی کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے حبا کے سر پر ہاتھ رکھا اور واپس مڑ گیا۔

"آپا میں گھر جا رہی ہوں' امی کے کپڑے لے آتی ہوں اور محلے کے کچھ لوگوں کو گھر پر بلوا کر درود تنجینا پڑھواتی ہوں۔" اس نے ردائے سحر سے کہا۔

"کیسے جاؤ گی گھر؟"

"تہامی بھائی کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔" اس نے جھٹ سے کہا۔

"نہیں حبا۔" اس نے فورا" ٹوکا "ان کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ میرے باس ہیں۔ اس سے زیادہ ان کا ہم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔" پہلے ہی اسے تہامی کا احسان لینا اچھا محسوس نہ ہو رہا تھا۔

"آپا!" حبا کو دکھ ہوا تھا۔ "وہ کل سے ہمارے ساتھ خوار ہو رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کھڑے ہو کر رات گزاری۔ آپ کہہ رہی ہیں..."

"انہوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی کی ہے' ترس کھایا ہے ہم پر۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کے ساتھ فری ہو جائیں۔" اس نے فورا" ٹوکا۔

"حاشر تم حبا کو گھر چھوڑ آؤ۔" اس نے خاموش کھڑے حاشر سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آجاؤ حبا۔" اسے کہہ کر وہ چل پڑا۔ وقت ایسا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جانے سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔

"تم فکر مت کرو حبا پھپھو بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد حاشر گویا ہوا۔ مگر جواب ندارد۔ "کل تم سے بات کرنے کے بعد میرا موبائل آف ہو گیا تھا پھر..."

"میں نے آپ سے کوئی وضاحت نہیں مانگی۔ میں آپ کو اچھی طرح جان گئی ہوں۔ آپا نے آپ کو بلایا ہے میں نے تو منع کیا تھا اور اب آپا ہی نے آپ کے ساتھ بھیجا ہے۔ ورنہ میں کبھی نہ آتی۔" اس کے الفاظ نشتروں کی طرح حاشر کے وجود میں پیوست ہو گئے تھے۔

"اپنی محبت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اگر تم

اپنے اور میرے راستے جدا کرنے کی بات کروں گی تو وہ میں نہیں مان سکتا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"آپ محبت مجھ سے نہیں اپنے آپ سے کرتے ہیں۔ محبت کرنے والوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف دینا جانتے ہیں، مانگتے کچھ بھی نہیں۔ مگر آپ کو صرف اپنی خواہشوں سے پیار ہے۔ مجھے آپ پر بہت مان تھا۔ جو ختم ہو گیا۔ اب بھی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ میری پرابلمز صرف میری ہیں۔ مجھے پتا ہے۔" ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈال کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جس کا مطلب تھا کہ وہ مزید بات نہیں کرنا چاہتی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ اندر آیا۔ لاؤنج میں ممی ڈیڈی بیٹھے تھے۔ وہ سلام کر کے آگے بڑھنے لگا۔

"برخوردار کہاں تھے رات بھر؟ میں نے فون کیا آپ نے ریسیو نہیں کیا۔" ڈیڈی کے سوال پر وہ رک گیا۔

"ایک دوست کی والدہ بیمار تھیں، میں اس کے ساتھ ہسپتال میں تھا۔" اس کا شکن آلود لباس، تھکن زدہ چہرہ اور رتجگے کے باعث سرخ آنکھیں اس کی بات کی تصدیق کر رہی تھیں۔

"کون سا دوست؟ رضا کو تو تم نے آفس سے نکال دیا ہے۔" ان کی بات پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"وہ آیا تھا آپ کے پاس؟"

"مجھے افسوس ہے بیٹا کہ ایک سیکریٹری کی وجہ سے تم نے اپنے اتنے گہرے دوست کو آفس سے نکال دیا۔"

"ڈیڈی ریسپیکٹ (عزت) انسان کی، کی جاتی ہے۔ اس کے عہدے کی نہیں اور میں کبھی اپنے کسی ورکر کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ کسی دوسرے ورکر کی انسلٹ کرے اور وہ بھی کسی لڑکی کی۔" وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ نفیسہ بیگم نے اس کی انداز میں سرکشی محسوس کی۔

اپنے کمرے میں آ کر کچھ دیر وہ بیڈ پر بیٹھا رہا، پھر فریش ہو کر چینج کر کے وہ ریسٹ کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

"وہ ٹھیک نہیں ہوں گی۔ وہ بھی چلی جائیں گی، جیسے ابا چلے گئے۔۔۔ سب ختم ہو گیا۔۔۔ میرے ہاتھ خالی ہو گئے۔۔۔ اسے کہو اور کتنا آزمائے گا مجھے۔۔۔ مجھ میں اور ہمت نہیں ہے۔۔۔" اس کے ارد گرد آوازیں ابھرنے لگیں۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

"حبا اس سے کہنا سحر کی شادی کی ذمہ داری اس کی ہے۔" ایک اور آواز ابھری۔

"تمامی صاحب میرے پاس ہیں۔ وہ ہمارے کچھ نہیں لگتے۔" وہ چھت کی کڑیوں کو گھور رہا تھا۔

"بھائی!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "کتنا پیارا ہے یہ لفظ۔ کتنی عزت تھی تمہاری نظروں میں میرے لیے۔ لحوں میں تم نے مجھے اتنا امیر کر دیا۔ تم نے مجھے بھائی کہا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ موبائل پر میسج آیا تھا۔ اس نے چیک کیا۔

"دوسروں کو اخلاقیات کا درس دینے والے مولوی صاحب، ذرا کلب میں آ کر دیکھو تمہاری منگیتر کس طرح تمہاری عزت میں اضافہ کر رہی ہے۔" میسج پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر آ گیا۔

"اب کدھر جا رہے ہو؟" اسے عجلت میں نکلتے دیکھ کر ڈیڈی بولے۔

"ایک ضروری کام ہے ابھی آتا ہوں۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

"ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔ میں کہتی ہوں اب اس کی شادی کا سوچیں۔" ممی ڈیڈی سے مخاطب ہوئیں۔

وہ آندھی طوفان کی طرح کلب تک پہنچا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی اسے رضا نظر آیا تھا۔ "آؤ میرے دوست، آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں سب کچھ۔" اسے دیکھ کر رضا خباثت سے بولا۔ اسے نظر انداز

کر کے وہ آگے بڑھا۔ اس کی نظریں سامنے اٹھیں۔ قدم تھم گئے اور سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ بلیو جینز جو کہ گھٹنوں سے تھوڑی ہی نیچے تھی۔ سفید پنڈلیاں نظر آرہی تھیں۔ سرخ ٹاپ کے بازو ندارد تھے اور گلا... جمی کے ساتھ ڈانس کرتی ہوئی وہ کہیں سے بھی کسی شریف گھرانے کی بیٹی نہ لگ رہی تھی۔

"تمہیں منع کیا تھا میں نے۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے دبوچا۔

"تم؟" اسے یوں اچانک سامنے دیکھ کر وہ کچھ بوکھلا گئی۔

"دل تو کر رہا ہے تمہیں شوٹ کر دوں ابھی اسی وقت۔" اس کے لہجے میں حقارت تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو چھوڑو اسے۔" جمی آگے آیا۔

"شٹ اپ' اپنی اوقات میں رہو۔" اسے کھینچتا ہوا وہ باہر آگیا۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیلا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ تک آگیا۔

"تم اچھا نہیں کر رہے' میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔" اس کی سخت گرفت کے باعث ابھی تک اس کا ہاتھ درد کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ سہلاتے ہوئے بولی۔

اس نے سجل کو لا کر ممی' ڈیڈی کے سامنے صوفے پر دھکیلا تھا۔

"ڈیڈی ایسی لڑکیوں کی عزت کرتے ہیں؟ ابھی آپ مجھے یہی کہہ رہے تھے ناکہ سیکرٹری کی خاطر رضا کو چھوڑ دیا... ڈیڈی لڑکی عزت دار اور شریف ہو تو خود بخود اس کی عزت کرنے کو دل کرتا ہے۔ کلب میں ڈانس کرتی ہوئی لڑکی کو میں کبھی لائف پارٹنر نہیں بنا سکتا۔ سوری۔" اس کی بات نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔

"ہوش میں تو ہو؟" ممی نے آگے بڑھ کر سجل کو ساتھ لگایا۔

"آپ آج کچھ نہیں بولیں گی۔" اس نے انہیں وارن کیا "اور ڈیڈی" اب اس کا رخ ان کی طرف تھا۔ "میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ اور اگر آپ نے فورس (مجبور) کیا تو..." بات ادھوری چھوڑ کر وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

٭ ٭ ٭

"اللہ نے معجزہ کیا ہے یہ تو عالیہ۔" امی کو آپریشن تھیٹر سے واپس بھیج دیا گیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ ہارٹ اسٹیبل ہے۔ آپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔" حبا کا کہنا تھا کہ یہ درود تنجینا کی برکات کا کمال ہے۔

ماموں کی پوری فیملی آئی ہوئی تھی۔ حبا کھانا بنا رہی تھی۔ سحر کئی راتیں جاگنے کی وجہ سے کافی کمزور ہو گئی تھی۔ حبا نے اسے میڈیسن دے کر سلا دیا تھا۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" آواز سن کر پل بھر کو اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ رک گئے۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ کام کرنے لگی۔

"آفس سے سیدھا یہاں آرہا ہوں۔ سر میں کچھ درد ہو رہا ہے۔" کوکنگ رینج کو ٹیک لگا کر وہ اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"آپ اندر جائیں' میں چائے بنا کر دے جاتی ہوں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ بولی۔

"آپ!" وہ زیر لب مسکرایا۔ "اتنی عزت مت دو مجھے۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھی۔ "آخر تمہاری ناراضی کیسے ختم ہوگی؟"

"میں ناراض نہیں ہوں۔ آپ میری فکر مت کریں۔"

"کھانا تم بنا رہی ہو' آج تو معدے بے چارے کی خیر نہیں۔" اس نے ہنڈیا سے ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔

"آپ کے لیے نہیں بنا رہی۔ جن کے لیے بنا رہی ہوں وہ کھا لیں گے۔" اس کا اشارہ ماموں اور ممانی کی طرف تھا۔ "اور پلیز جائیں یہاں سے' ڈسٹرب مت کریں مجھے۔" اس کے اتنے سخت اور چبھتے الفاظ سیدھے اس کے دل میں پیوست ہوئے تھے۔

"کچھ چیزیں جب ہمارے پاس ہوتی ہیں نا تو ہمیں ان کی قدر نہیں ہوتی' مگر ان کو کھو دینے کے بعد ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنی اہم اور قیمتی تھیں ہمارے لیے' پھر چاہ کر بھی ہم انہیں واپس نہیں لا سکتے۔" وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور اس کے چہرے

کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا "تم مجھے کھو دو گی اور تب تمہیں احساس ہو گا کہ تم نے اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا اور یاد رکھو میں اگر چلا گیا تو واپس نہیں آؤں گا۔" گمبھیر لہجے میں کہہ کر وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ حبا نے تیزی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ باہر نکل گیا۔ اس نے چائے بنائی اور کپ لے کر اندر آ گئی۔ وہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

"حاشر بیٹا' کھانا کھا کر جاتے۔" امی نے اسے روکنا چاہا۔

"پھپھو جان کسی ضروری کام سے جانا ہے۔ آپ فکر مت کریں میں کھانا کھا لوں گا۔"

"پر چائے تو پی لو۔" حبا نے فوراً" کپ آگے بڑھایا۔

"اس وقت جلدی میں ہوں پھپھو۔ شکریہ!" وہ باہر نکلا تو حبا اس کے پیچھے آئی۔

"حاشر چائے پی لیں پلیز!"

"بہت شکریہ!" اس کے جانے کے بعد چند ثانیے وہ وہیں کھڑی رہی پھر دوبارہ کچن میں آ گئی۔ اسے اپنے رویے پر افسوس ہوا تھا۔ سب کو کھانا دے کر وہ اپنے اور سحر کے مشترکہ کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے ایک نظر سکون سے سوئی ہوئی سحر پر ڈالی اور خود بھی لیٹ گئی۔

"کیا واقعی حاشر مجھ سے خفا ہو گیا ہے؟" وہ بار بار بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔

"حبا کیا ہوا ہے؟" سحر عصر کے وقت اٹھی تھی۔ اسے کچھ پریشان دیکھا تو پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں آپا... بس ایگزیمز قریب ہیں تو اس لیے تھوڑی ٹینشن ہے۔" وہ بات بنا گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ٹینشن لینے کی۔ ان شاء اللہ بہت اچھے پیپر ہوں گے تمہارے۔" وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی۔ رات کے ایک بجے کا وقت تھا جب حبا سحر کا موبائل لے کر کچن میں آ گئی تھی۔

"ہیلو!" حاشر نے کال فوراً" ریسیو کر لی تھی۔ نیند میں ڈوبی اس کی آواز حبا کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

"سحر ا ور ی تھینگ از او کے؟ پھپھو جان ٹھیک ہیں؟" اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے اس نے بولنے کا حوصلہ کر لیا۔

"امی ٹھیک ہیں۔ پلیز فون بند نہ کرنا۔" وہ جانتی تھی اس کی آواز پہچان کر وہ فوراً" کال ڈسکنکٹ کر دے گا۔

"تم ناراض ہو مجھ سے؟" اس نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" اس کے سرد اور سپاٹ لہجے پر اس کا دل بھر آیا۔ "حاشر ایسے مت کرو میرے ساتھ۔" وہ رو دی۔

"کیا کر رہا ہوں میں تمہارے ساتھ؟" اس نے سوال کر ڈالا۔

"مجھ سے ناراض مت ہونا کبھی' حاشر میں کسی کو بھی ناراض کر کے سو نہیں سکتی۔ میں بہت بے چینی اور تکلیف محسوس کر رہی ہوں۔" اس کے لہجے کا بھیگا پن وہ صاف محسوس کر رہا تھا۔

"نہیں ہوں میں تم سے ناراض۔" اس نے لمبی سانس فضا کے سپرد کی۔

"اب سو جاؤ میں واقعی ناراض نہیں ہوں۔"

"صبح آؤ گے؟" وہ ہر طرح سے یقین دہانی چاہتی تھی۔

"ان شاء اللہ!" اسے کہنا پڑا۔ اب وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ دل سے جیسے کوئی بھاری بوجھ سرک گیا تھا۔ واپس کمرے میں آ کر وہ سو گئی۔

☆ ☆ ☆

آج ایک ہفتے کے بعد وہ آفس آئی تھی۔ تہامی ابھی آفس میں نہیں آیا تھا۔ وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"السلام علیکم سر!" جیسے ہی وہ آفس میں داخل ہوا اس نے اسے سلام کیا اور اس کے روم میں آ گئی۔

"How is your mother now

"اب آپ کی امی کیسی ہیں؟" اس نے لیپ ٹاپ بیگ سے نکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"الحمدللہ بہت بہتر ہیں۔" وہ بیگ میں سے کچھ نکال رہی تھی۔ تہامی نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"سر یہ آپ کے پیسے۔" اس نے ایک لفافہ میز پر رکھا "آپریشن نہیں ہوا تھا تو یہ اس کے پیسے واپس مل گئے تھے۔ باقی جتنے پیسے آپ نے خرچ کیے ہر ماہ میری سیلری میں سے deduct (کاٹ) کرلیں۔" اس نے کرسی کی بیک سے ٹیک لگالی اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"سر آپ کا بہت بڑا احسان ہے ہم پر ہم چاہ کر بھی آپ کا یہ احسان نہیں اتار سکتے۔ مگر۔۔۔" قصداً" جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ اسے دیکھنے لگی۔

"مس سحر خلوص کی کوئی بھی قیمت نہیں ہوتی نہ ہی یہ ادھار ملتا ہے جو آپ مجھے لوٹانے آگئی ہیں۔ آپ ہر دفعہ میرے خلوص کی قیمت کیوں لگانے آجاتی ہیں؟ یہ آپ میری توہین کر رہی ہیں۔" وہ واقعی ہرٹ ہوا تھا۔

"ایسا نہیں ہے سر۔۔۔ مگر اتنی بڑی رقم۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"چلیں یہ پیسے میں رکھ لیتا ہوں۔ یہ تو خرچ ہی نہیں ہوئے۔ مگر جو خرچ ہوگئے وہ میں واپس نہیں لوں گا۔" اس نے لفافہ اٹھالیا۔

"تھینک یو سر!"

"رہی بات احسان کی تو۔" اس نے پل بھر کا توقف کیا تھا۔ "آپ چاہیں تو اس کا بدلہ دے سکتی ہیں۔" وہ اس کے حیران چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"مگر وہ کیسے سر؟" وہ الجھی۔

"وقت آنے پر بتادوں گا۔ ڈونٹ وری۔" اس کے پراسرار اور پرتجسس لہجے پر چند لمحے وہ غور کرتی رہی مگر پھر سر جھٹک کر واپس مڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

آج اسے تہامی کے ساتھ میٹنگ پر جانا تھا۔ وہ کچھ نروس تھی۔ اس نے تہامی سے پوچھا بھی تھا کہ اس کا جانا ضروری ہے؟"

"آف کورس مس۔" وہ قطعیت سے بولا۔

جس وقت وہ لوگ آفس سے نکلے شام کے چھ بج رہے تھے۔ رات نے اپنے پر پھیلانے شروع کردیے تھے۔ اچھا خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

"سر واپسی کب تک ہوگی؟" آسمان پر منڈلاتے بادلوں کو دیکھ کر وہ پریشان ہوا ٹھی تھی۔ موسم کے تیور اسے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔" اس نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی کی خاموش فضا سے روائے سحر کو وحشت ہو رہی تھی۔

"یہ موسم کیسا لگتا ہے آپ کو؟" دائیں سائیڈ پر ٹرن لیتے ہوئے اس نے اچانک سوال کیا تھا۔

"جی؟" اسے شاید تہامی سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ اس کے سوال دہرانے پر چند ثانیے حیرت میں مبتلا رہی "پتا نہیں سر کبھی غور نہیں کیا۔" وہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

"چلیں پہلے غور نہیں کیا تو اب کرلیں۔" وہ فریش موڈ میں بشاشت سے بولا۔ روائے سحر نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"سر ہم کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟" اس کے سوال کو قصداً" نظرانداز کرکے وہ سختی سے بولی۔

"اس کے موڈ کی خوشگواریت کو بھانپتے ہوئے وہ الجھتی چلی گئی۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ جلد ہی وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک کافی بڑا ہال تھا۔ مگر یہ کیا وہاں ایک چھوٹی ٹیبل اور دو چیئرز پڑی تھیں۔

"بیٹھیں!" اس کو اشارہ کرکے وہ بیٹھ گیا۔

"مگر سر!" وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ ابھی وہ کھڑی ہی تھی کہ ویٹر ایک خوب صورت کیک میز پر رکھ کر چلا گیا۔

کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مصداق وہ حیرت اور غم

غصے کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو کر کبھی میز پر دھرے کیک اور کبھی تہامی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیک پر بہت خوب صورتی کے ساتھ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ردائے سحر" لکھا ہوا تھا۔

"یہ سب کیا ہے سر؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کیک پر لگی موم بتی کو جلاتے ہوئے اس نے چونک کر ردائے سحر کو دیکھا تھا۔

"پلیز مس سحر آپ بیٹھیں تو سہی، مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" اس نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

"آپ نے بہت غلط سمجھا مجھے سر، مگر یہ آپ کی بھول ہے، ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ آپ نے انسلٹ کی ہے میری۔"

"پلیز سحر، میرا کوئی غلط مقصد نہیں تھا۔ آپ بیٹھ جائیں، میں ساری بات کلیئر کرتا ہوں۔" اسے اسی ردعمل کی توقع تھی۔

"مجھے کوئی بات نہیں سننی، میں واپس جانا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنا پرس اٹھایا تھا۔

"پلیز سحر ایسا مت کریں۔ میری بات تو سن لیں۔" وہ گھبرا اٹھا۔

"میں سب سمجھ گئی تہامی صاحب! غلطی میری ہے۔ میں بھول گئی تھی کہ مرد احسان کر کے بھولتا نہیں ہے۔ اس کا بدلہ عورت سے ضرور مانگتا ہے اور آج میں نے یہ سیکھ لیا ہے، کتنے بھی مشکل حالات کیوں نہ ہوں، کبھی کسی اجنبی مرد کا احسان نہیں لینا چاہیے۔" تالیوں کی آواز نے ان دونوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔

"خوب... بہت خوب... تو یہ ہے تمہاری سو کالڈ شرافت۔ دوسروں کو اخلاقیات کا لیکچر دینے والا خود یہاں..."

"سجل تم یہاں سے جاؤ، میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تو یہ ہے تمہارا اصلی چہرہ، مجھ پر الزام لگانے والے، مجھے، میرے کردار پر کیچڑ اچھالنے والے کا حقیقی روپ یہ ہے۔ میں تمہارا یہ روپ سب پر ڈس کلوز کروں گی۔ تم نے اس معمولی سی لڑکی..."

"بس سجل!" وہ دھاڑا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہنا۔ میں مزید کچھ نہیں سنوں گا۔" اس کی رگیں تن گئیں۔

"تم نے سوچا بھی کیسے کہ تم مجھے ٹھکرا کر اس مڈل کلاس اوڈنری (عام سی) لڑکی کو اپناؤ گے۔" اب وہ ردائے سحر کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے غصے سے بھرپور ایک کاٹ دار نظر تہامی کی سمت اچھالی اور تیزی سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھی۔

"میں تمہیں وارن کر رہا ہوں، کبھی بھی میرے اور اس کے بیچ مت آنا۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" تہامی نے انگلی اٹھا کر اسے کہا۔

"چچ چچ چچ..." وہ تمسخرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگی۔ "یہ ہے تمہاری چوائس۔ اس لڑکی کے لیے تم نے مجھے..."

"وہ ایک شریف لڑکی ہے۔ سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی۔ جسے دیکھ کر ایک شریف اور نیک بہن، بیٹی کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ وہ نہایت پاکیزہ ہے اس کی عزت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تم کیا جانو کیا ہے وہ۔" وہ تیز تیز بولنے لگا۔

"حیا آنکھوں میں ہونے چاہیے۔" اپنی طرف سے اس نے بڑی بات کی تھی۔

"قرآن پاک کی سورت نور میں عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ کہیں نہیں لکھا کہ آنکھوں میں حیا لے کر اور بیہودہ لباس پہن کر بے غیرتی کا اشتہار بن کر پھرے۔ کم از کم میں ایسی شرافت کو نہیں مانتا۔" جو کچھ وہ کہہ رہا تھا سجل کو کچھ بھی سمجھ نہ آ رہا تھا۔

"تم جیسے مردوں کا مسئلہ پتا ہے کیا ہے۔ عورت کا کانفیڈنس اس کی پروگریس تم لوگوں سے برداشت نہیں ہوتی۔" وہ بل بے کر کے اس کی بات ان سنی کرتا ہوا چلا گیا۔ وہ ہاتھ ملتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

تہامی نے ہوٹل سے باہر نکل کر ادھر ادھر نگاہ

دوڑائی۔ اسے روائے سحر کہیں نظر نہ آئی وہ تیزی سے پارکنگ کی طرف گیا۔ "ابھی زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ گاڑی روڈ پر ڈالتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ بارش بھی زور پکڑ چکی تھی۔ ونڈ اسکرین پر مسلسل وائپرز چل رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر سامنے پڑی تھی۔

"مس سحر آیئے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔" اس نے گاڑی اس کے قریب روکی۔

"بہت شکریہ آپ کا۔" اس نے ناگواری سے کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

"دیکھیں سحر اس وقت آپ کو کوئی سواری نہیں ملے گی۔" وہ گاڑی میں سے نکل کر اس کے قریب آیا۔

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چلی جاؤں گی۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔

"اوکے! جب آپ کو کوئی سواری مل گئی تو میں بھی چلا جاؤں گا۔" وہ بھی گاڑی لے کر اس کے ساتھ ساتھ آنے لگا۔

بارش بہت تیز ہو گئی تھی۔ اس کے موبائل پر کال آنے لگی تھی۔ "یقیناً" حبا ہو گی۔" اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ دل میں عجیب سا خوف تھا۔ تہامی کی گاڑی دیکھ کر اسے یک گونہ سکون کا احساس ہوا تھا۔

"بارش بہت تیز ہو گئی اور اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ آپ کی امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ ضد چھوڑ دیں' آجائیں میرے ساتھ۔" وہ ایک بار پھر اس کے قریب آیا تھا۔ دونوں بارش میں بھیگ رہے تھے۔ اس نے ایک نظر تہامی پر ڈالی اور گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔

"دیکھیں مس سحر میرا مقصد۔۔۔"

"پلیز سر! میں انتہائی مجبوری کی حالت میں آپ کی گاڑی میں بیٹھی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ آپ مجھے ڈسٹرب نہیں کریں گے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ چند ثانیے کو وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

"آپ ایک سمجھ دار لڑکی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں آپ سے کیا کہنا چاہتا ہوں۔" اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے دوبارہ یہ موقع اسے نہیں ملے گا۔ جو کہنا ہے ابھی کہہ دے۔

"سر مجھے کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا احسان ہو گا' مجھے گھر ڈراپ کردیں۔" وہ زچ ہوئی۔

"آپ مجھے سمجھ ہی نہیں سکیں۔" سرد آہ بھری۔

"بارش تیز ہو رہی ہے سر۔۔۔ پلیز گاڑی چلائیں۔" اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"کاش یہ شاعرانہ خواہش حقیقت کا روپ دھار سکے۔ وقت تھم جائے' یہ موسم' یہ منظر یہیں ٹھہر جائے۔ تم اسی طرح میرے ساتھ بیٹھی رہو۔" ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈال کر وہ سیدھا ہوا اور گاڑی اسٹارٹ کرلی۔ بھلا وقت کو کون قید کر سکا ہے' ہوا کو کون پلو سے باندھ سکا ہے۔

"سحر!" گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی تو اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وہ نیچے اترنے لگی' جب اس کے پکارنے پر مڑ کر دیکھا۔ "یہ آپ کا گفٹ" اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں سے ایک مخملی کیس نکال کر اس کی گود میں رکھ دیا تھا۔ جسے بہت اچھے انداز سے دینا چاہتا تھا' مگر اس کا موقع نہ ملا۔

"مگر سر میں یہ نہیں لے سکتی۔" اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"اگر آپ نے میرا گفٹ قبول نہ کیا تو میں ابھی اسی وقت آپ کے گھر میں جا کر آپ کی والدہ سے۔۔۔"

"سر پلیز!" وہ کانپ اٹھی۔ "ایسا کچھ بھی مت کیجیے گا۔" اس نے وہ کیس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مچلتے سرکش جذبوں سے گھبرا کر اس نے فوراً" دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔

اس نے اندر آ کر چادر اتاری۔ حبا نے اس کے کپڑے استری کر کے رکھے ہوئے تھے۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے آگئی۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" حاشر نے اسے گفٹ دیا۔

"تھینک یو!" اس نے کیک کاٹا۔ امی نے اسے ڈھیروں دعائیں دے کر اس کی پیشانی چومی۔

"یہ آپ کا گفٹ۔" حبا نے اس کو پیکٹ پکڑایا۔

"آپ کے پسندیدہ واصف علی واصف کی کتاب ہے۔"

"گڑیا تھینک یو۔ مگر اس کی کوئی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ تمہارا پیار اور دعائیں ہی میرے لیے سب سے قیمتی گفٹ ہے۔" اس نے کیک کاٹ کر سب سے پہلے حبا کو کھلایا تھا اور پھر پیار سے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

رات کو امی اور حبا کے سونے کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے وہ مخملی کیس نکالا تو دھک سے رہ گئی۔

"ڈائمنڈ رنگ' یہ شخص پاگل تو نہیں۔ ہر طرح سے مکمل ہے' پھر مجھ جیسی لڑکی میں اسے کیا نظر آیا۔" اس نے رنگ اپنی کتابوں کی الماری میں کتابوں کے پیچھے چھپا دیا۔

☆ ☆ ☆

"تہامی!" اتوار کا دن تھا اور سب ناشتے کی میز پر بیٹھے تھے۔

"جی ڈیڈی!" اس نے جوس کا خالی گلاس میز پر رکھا۔

"اگلے مہینے تمہاری اور تجل کی شادی ہے۔ تم تیاری کر لو۔" ہمیشہ کی طرح انہوں نے حکم صادر کیا۔

"آئی ایم سوری ڈیڈی' ایسا پاسبل (ممکن) نہیں ہے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

"وہ تمہارے تایا کی بیٹی ہے' تمہاری ممی کی بھانجی ہے۔"

"ڈیڈی میری سیٹسفیکشن (اطمینان) کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ میری کزن ہے۔ مجھے ایک شریف' باکردار اور باحیا لڑکی سے شادی کرنی ہے' ناکہ کلبوں میں ناچنے والی' مردوں کے گلے کا ہار بننے والی لڑکی سے۔" اس نے بے خوفی سے کہہ دیا۔

"شریف اور باحیا۔" انہوں نے اس کے الفاظ دہرائے۔ "جو لڑکی گھر والوں سے چوری چھپے تمہارے ساتھ ہوٹلنگ کرتی ہے' رات دیر تک تمہارے ساتھ لانگ ڈرائیو کرے' وہ شریف ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔

"ڈیڈی وہ ایک بہت شریف لڑکی ہے۔ ان فیکٹ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ میں اسے ہوٹل لے کر جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم میٹنگ میں جا رہے ہیں۔" اس پر الزام وہ ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا۔

"میں تو تمہیں آزاد خیال ایک سمجھ دار اور لبرل انسان سمجھتا تھا۔ مگر تم نے تجل کے معاملے میں بہت تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے۔"

"ڈیڈی میں لبرل ہوں' بے غیرت نہیں۔" اس نے وضاحت کی۔

"خوب بہت خوب۔ اب ہمیں سبق پڑھاؤ گے۔ میں تو پہلے ہی آپ کو کہتی تھی یہ لڑکا ہماری ناک کٹوائے گا۔ مگر آپ کو یقین تھا کہ میرا بیٹا بہت فرماں بردار ہے۔ دیکھ لی فرماں برداری۔" ممی نے جلتی پر تیل ڈالنے کی کوشش کی۔

"ڈیڈی کا حکم سر آنکھوں پر' بٹ سوری ممی میں تجل سے تو شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے پھر سے انکار کیا۔

"تمہارا ٹیسٹ (ذوق) یہ ہو گا کہ ایک سیکرٹری کو تجل پر ترجیح دو گے۔ آئی کانٹ بلیو دس۔ اوف۔۔۔!" انہوں نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

"آخر کو ایک مڈل کلاس عورت کے بیٹے جو ٹھہرے۔" آج یہ بات ان کی زبان پر آ ہی گئی تھی۔

"بس ممی! اِنف!" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈیڈی نے چونک کر اسے دیکھا۔ شدت ضبط سے اس کا سفید رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

"آپ دوبارہ میری ماما کے لیے ایک لفظ بھی نہیں بولیں گی۔ ورنہ میں سب کچھ بھلا دوں گا۔ میری ماما الحمدللہ بہت شریف اور نیک خاتون تھیں۔ ان کے دودھ کا اثر ہے کہ میں نے آپ کی ہر زیادتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مگر میں اپنی ماما کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔"

اس نے شکوہ کناں نظروں سے خاموش کھڑے ڈیڈی کو دیکھا اور ان سب کو حیران چھوڑ کر اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ آج تک اس نے ان دونوں سے کبھی اختلاف نہیں کیا تھا۔ اونچی آواز میں بات کرنا تو دور کی بات۔ "کون ہے، جو اسے بغاوت پر اکسا رہا ہے؟" وہ پر سوچ نظروں سے اس کی پشت کو گھور کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼ ☼

"سحر آفس نہیں جانا؟" وہ کسلمندی سے بستر پر پڑی تھی' امی نے آکر جگایا۔ "امی میں نے آفس چھوڑ دیا ہے۔ کوئی اور جاب تلاش کروں گی۔" وہ نیم دراز ہوگئی۔

"کیوں بیٹا' جاب کیوں چھوڑی؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟" امی کو تشویش ہونے لگی تھی۔

"امی ٹائم کا بہت مسئلہ تھا اور پھر یہ کوئی اتنی اچھی جاب نہیں ہے۔ آپ فکر مت کریں' میں جلد ہی کوئی اور جاب تلاش کرلوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے لمبے اور گھنے سیاہ بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنانے لگی۔

"چلو' تم فکر مت کرو' اچھا ہے میں تو خود گھبرا جاتی تھی اتنی دیر سے تم واپس آتی تھیں۔ پھر اتنا تھک جاتی تھیں۔ چلو اٹھو فریش ہو جاؤ' پھر مل کر ناشتا کرتے ہیں۔" امی کی طبیعت کافی بہتر ہوگئی تھی۔ اسپتال میں جب ڈاکٹروں نے انہیں آپریشن تھیٹر سے واپس روم میں شفٹ کیا تھا تو وہ سجدے میں گر گئی تھی۔ رو' رو کر اس سے معافیاں مانگیں اور شکر ادا کیا۔ وہ فریش ہو کر آئی تو موبائل پر کال آنے لگی۔

"آخر کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟" اسے سو فیصد یقین ہونے لگا کہ یہ شخص آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

"اگر آپ کال ریسیو نہیں کریں گی تو میں آپ کے گھر آجاؤں گا۔" اس کا میسج پڑھ کر روائے سحر کی روح فنا ہوگئی۔ اس نے سیل فون آف کیا اور ناشتا کرنے باہر آگئی۔ اس نے اپنا اور امی کا ناشتا بنایا اور ان دونوں نے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کیا۔

"امی! میں سی وی ڈراپ کرتی ہوں کچھ جگہوں پر۔ ان شاء اللہ جلد ہی کوئی اچھا سبب بن جائے گا۔" وہ چادر اوڑھ کر باہر آئی۔

"ابھی کچھ دن آرام کرلو۔ اتنا بھی ضروری نہیں۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"امی جاب کون سا فوراً مل جائے گی۔ ٹائم لگتا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا!" وہ پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟" وہ ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"دراصل آج شام کچھ لوگ تمہیں دیکھنے آئیں گے۔ لڑکا اچھا کماتا ہے' شریف ہے' لیکن۔" اس لیکن پر آکر ہمیشہ ان کی زبان کو تالے لگ جاتے تھے اور اس لیکن سے ہی اس کی بد قسمتی شروع ہوتی تھی۔

"لیکن؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے ماں کے چہرے کو دیکھا۔

"وہ ایک ٹانگ سے معذور ہے۔" اپنی آواز انہیں کسی گہرے کنویں میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ٹھیک ہے امی! میں جلدی آجاؤں گی' آپ فکر مت کریں۔" اس نے نرمی سے ان کے ہاتھ دبائے اور سعادت مندی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔ وہ بے حس و حرکت اپنی جگہ پر بیٹھی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

سارا دن مختلف جگہوں پر سی وی دینے کے بعد وہ تھکی ہاری گھر پہنچی تو گھر کے باہر تہامی حسن کی گاڑی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"مائی گاڈ!" اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ "اگر اس نے واقعی امی سے کوئی الٹی سیدھی بات کہہ دی تو۔۔۔" وہ سیدھی کمرے میں آئی' چادر اتار کر دوپٹا اوڑھا اور فریش ہونے چلی گئی۔

"آپا! تہامی بھائی آئے ہیں۔" وہ باہر نکلی تو حیا کو اپنا

منتظر پایا۔

"تم جاؤ' میں آتی ہوں۔" بادل ناخواستہ اسے وہاں آنا پڑا۔ ورنہ امی خواہ مخواہ اس سے سوال کرتیں۔

"السلام علیکم سر!" اس نے انتہائی مجبوری سے سلام کیا۔ تہامی امی اور حبا کے ساتھ بیٹھا بے تکلفی سے گفتگو کرتے ہوئے چائے پی رہا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا' جبکہ ردائے سحر کے بگڑے تیور امی نے بطور خاص نوٹ کیے تھے۔

"آپا چائے لاتی ہوں آپ کے لیے۔" حبا نے کہا اور اٹھ کر کچن میں آگئی۔ امی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔

"امی ساتھ والی آنٹی آئی ہیں' کچھ کپڑے لے کر' آپ کو بلا رہی ہیں۔" حبا نے اندر آکر اطلاع دی اور بولیں۔ "آپ اب کپڑے نہیں سئیں گی۔ آئیں میں بات کرتی ہوں آنٹی سے۔ کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔" حبا ان کے ساتھ باہر نکل گئی۔ ردائے سحر سر جھکائے بیٹھی ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"تو بالآخر آپ نے آفس چھوڑ دیا۔" اس نے وہ بات کہہ ہی دی' جس سے وہ بچنا چاہ رہی تھی۔

"جی سر!" اس نے سر ہلانے پر کیا۔

"بہت برا ہوں میں؟" اس نے سادگی سے سوال کیا۔

"میں نے ایسا کب کہا سر؟" اس نے تیر کی سی تیزی سے سر اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر مجھ سے فرار کے راستے کیوں ڈھونڈ رہی ہیں۔" اس کے سوال پر پل بھر کو وہ خاموش رہ گئی۔

"ایسا نہیں ہے۔" اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ کا لہجہ آپ کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا' ایسا لگتا ہے مجھ سے نہیں آپ تو اپنے آپ سے بھی فرار حاصل کرنا چاہتی ہیں۔" وہ بس ایک خاموش نظر اس پر ڈال کر رہ گئی۔

"لیں آپا چائے۔" حبا کے اندر آنے سے دونوں محتاط ہو گئے۔ "بہت پیارے سوٹ ہیں جو آنٹی لائی ہیں۔" حبا پرجوش انداز میں کہہ کر باہر نکل گئی۔

"آپ کی بہن کتنی فل آف لائف ہے۔ کتنی اسٹرونگ ہے۔ ہر چیز کے اچھے سب پہلوؤں کو دیکھتی ہے۔ آپ اتنی ان سکیور کیوں رہتی ہیں؟ کس بات کا خوف ہے آپ کے اندر؟" بہت بار کی سوچی گئی بات اس کی زبان پر آہی گئی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے سر' آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔" وہ سامنے دیوار پر لگے کیلنڈر کو دیکھ رہی تھی۔

"یہی تو جاننا چاہتا ہوں' وہ کیا چیز ہے جو آپ کو میری طرف دیکھنے سے روکتی ہے۔ میرے اتنے خلوص سے بڑھائے گئے' ہاتھ کو کس بے رخی سے جھٹکا ہے آپ نے۔" اس نے اچانک ہی بات کا رخ بدلا تھا۔

"آپ اس موضوع پر بات نہ ہی کریں تو بہتر ہوگا۔" اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگالیا۔

"مگر میں یہاں صرف اسی موضوع پر بات کرنے آیا ہوں۔" وہ بالکل بھی مرعوب نہ ہوا۔

"یہ لاحاصل بحث ہے۔ اگر آپ میری بات نہیں مانیں گی تو مجبوراً مجھے آپ کی امی سے بات کرنی پڑے گی۔"

"پلیز سر!" اس نے محتاط نظروں سے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے دبا دبا احتجاج کیا۔ "ایسا کبھی مت کیجیے گا۔" وہ اسے باز رکھنا چاہتی تھی۔ جانتی تھی اگر اس نے امی سے بات کرلی تو مسئلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر ماں کی طرح وہ بھی اسے اچھے گھر میں بیاہنے کی خواہش رکھتی تھیں۔

"آپ میری بات پر غور کیجیے گا۔" امی کو آتے دیکھ کر اس نے بات مختصر کردی۔ جبکہ ردائے سحر نے اس کی بات ان سنی کردی۔

"آنٹی کپڑے واپس کردیے؟" امی آکر بیٹھیں تو تہامی نے ان سے پوچھا۔ جواب میں وہ مسکرا دیں۔

"نہیں' مجھ سے پہلے ہی حبا نے کہہ دیا امی اب

سلائی نہیں کریں گی۔ پھر میں کیا کہتی۔"

"بہت اچھا کیا حبا نے اب آپ کو ایسا کوئی بھی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس سے آپ کی صحت متاثر ہو۔ حبا کا گریجویشن مکمل ہو جائے تو یہ میرا آفس جوائن کر سکتی ہے۔"

"سچ تہامی بھائی؟" حبا بہت ایکسائٹڈ ہو گئی تھی۔ جبکہ روائے سحر پہلو بدل کر رہ گئی۔

"یس۔" وہ خوش دلی سے مسکرایا۔ کچھ ہی دیر میں وہ چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد حبا اس کی باتیں دیر تک امی سے کرتی رہی۔

"امی! تہامی بھائی بہت اچھے ہیں۔ ان کے آنے سے مجھے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اپنے بھائی ہیں۔ کتنے سوفٹ اسپوکن اور کائنڈ ہارٹڈ ہیں۔ ہیں نا آپا؟" اب وہ روائے سحر کی طرف مڑی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور چائے کے برتن اٹھا کر باہر کی طرف چل دی۔ امی پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

رات کا آخری پہر تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ ٹیرس پر نکل آیا۔ ہوا چل رہی تھی۔ لان میں پتوں کی سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ریلنگ پر ہاتھ جمائے وہ آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اپنا موبائل اس نے کل سے آف کر رکھا تھا۔ وہ اس وقت ڈیڈی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"روائے سحر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے، میں جتنا تمہارے قریب آنے کی کوشش کرتا ہوں، تم اتنا ہی مجھ سے دور ہونے کی کوشش کرتی ہو۔ ایسا کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ؟" وہ جتنا سوچتا، اتنا ہی الجھتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی سرا ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ امی سے بات کرنے سے تم نے منع کر دیا ہے۔ حبا ابھی چھوٹی ہے۔ اس سے بات کرنا ٹھیک نہیں اور پھر روائے سحر اسے ڈانٹ دے گی۔ خالہ جان سے بات کروں۔ ان سے کہتا ہوں کہ میرا پرپوزل لے کر روائے سحر کے گھر جائیں۔ مگر کیا خالہ جان مان جائیں گی۔ اب نئے اندیشے سر اٹھا رہے تھے۔ چلو کم از کم مجھے کوئی اچھا مشورہ ہی دے دیں گی۔ اب اسے تھوڑا اطمینان ہوا تھا۔ وہ واپس بیڈ روم میں آ گیا اور ٹی وی آن کر لیا، اس میں بھی دل نہ لگا تو کچن میں آ گیا اور کافی بنانے لگا۔ وہ کپ کافی بنا کر کپوں میں ڈال کر ٹیبل پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ڈیڈی کا گھر چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس بات کا بہت دکھ ہوا تھا کہ ممی نے اس کی ماما کے لیے غلط الفاظ بولے تھے اور ڈیڈی خاموش رہے تھے۔ کافی کے کپ وہیں چھوڑ کر وہ واپس بیڈ روم میں آ گیا۔

☆ ☆ ☆

کافی دن گزر گئے تھے۔ تہامی ان کے گھر نہیں آیا تھا۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔ ایک دو جگہ سے انٹرویو کے لیے کال بھی آئی تھی۔ اسے کچھ خاص امید تو نہ تھی مگر انٹرویو دے آئی تھی۔

"سحر آج وہ لوگ تمہیں دیکھنے آئیں گے۔" وہ ابھی ابھی ناول لے کر بیٹھی تھی، جب امی نے آ کر اسے کہا۔

"جی بہتر!" اس نے خود کو نارمل رکھنے کی حتی المقدور سعی کی۔

"لڑکے کی پھوپھی کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ لوگ پہلے نہ آ سکے۔" اسے ان سب باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خاموشی سے سنتی رہی۔ "حبا کو سمجھا دینا کوئی گڑبڑ نہ کرے۔" وہ باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

"آپ فکر مت کریں۔" وہ بولی۔

"اگر تہامی کو پتا چل گیا کہ میرا رشتہ طے ہو رہا ہے تو...." اس نے ناول بند کر کے ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔ شام کو وہ لوگ آئے تو روائے سحر تیار ہو گئی۔ امی کچن میں تھیں۔ حبا کمرے میں آئی۔

"آپا! امی کہہ رہی ہیں دس منٹ بعد آپ ڈرائنگ روم میں آ جائیں۔"

"چلو میں آتی ہوں۔" اس نے ٹھنڈی سانس لے

کر کہا۔

امی کہہ دیا ہے میں نے آپا کو۔۔۔ وہ کچن میں آ کر امی کے ساتھ چائے کے برتن سیٹ کروانے لگ گئی تھی۔

"میں مہمانوں کے پاس جا رہی ہوں' چائے لے آؤ تم۔۔۔" امی اسے ہدایات کر کے چلی گئیں۔

"السلام علیکم!" وہ چائے لے کر ڈرائنگ روم میں آئی جہاں تین مہمان' جن میں دو خواتین اور ایک مرد تھا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے ادب سے سلام کیا۔ وہ سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"یہ میری چھوٹی بیٹی ہے۔ گریجویشن کر رہی ہے۔" امی نے اس کا تعارف کروایا۔ ڈور بیل بجی تھی۔ حبا چائے سرو کر رہی تھی۔

"امی میں آپا کو لے کر آتی ہوں۔" اسے مہمانوں کے پاس بیٹھنے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ فوراً" باہر نکل آئی۔

"آپ!" اس نے دروازہ کھولا اور سامنے تہامی حسن کو دیکھ کر اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔

"کیا ہوا حبا؟" وہ گھبرا اٹھا۔ "آنٹی تو ٹھیک ہیں نا؟" وہ اندر آیا۔

"جی!" اس نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

"آپا کو دیکھنے کچھ لوگ آئے ہیں اور۔۔۔" تہامی حسن کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

"اور۔۔۔" وہ سر جھکائے ہونٹ کاٹتی حبا کو دیکھ رہا تھا۔

"لڑکا ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ میں امی کو روک لیتی اگر آپا مجھے منع نہ کرتیں۔ پتا نہیں کیوں وہ خود کو اذیت دے رہی ہیں۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے سامنے رو دی تھی۔ کمرے سے نکل کر باہر آئی تو سامنے صحن کے بیچوں بیچ کھڑے تہامی حسن کو دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"کیا سمجھتی ہیں آپ خود کو۔۔۔" وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ "سب کو دکھ دے کر آپ کیسے خوش رہیں گی۔" وہ غم و غصے کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو رہا تھا۔

"پلیز آہستہ بولیں' اندر مہمان بیٹھے ہیں۔" اس نے خوف زدہ ہو کر ڈرائنگ روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

"آپ کے یہ مہمان مجھے دوبارہ یہاں نظر نہ آئیں۔" تحکم بھرے لہجے میں کہہ کر وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ ردائے سحر اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہ رہی تھی۔ مہمان چلے گئے تھے۔ انہیں ردائے سحر پسند آئی تھی۔ امی نے ان سے کچھ وقت مانگ تھا۔

"تہامی کو تم نے بلایا تھا؟" رات کو حبا اپنی کتابیں لے کر بیٹھی تو وہ اس کے پاس آئی۔

"میں کیوں بلاؤں گی۔" اس نے کتاب کھولی۔

"تو پھر وہ یہاں کیوں آئے؟" اس نے کتاب حبا کے ہاتھ سے پکڑ کر بند کرتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ واقعی نہیں جانتیں کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟" اس نے بہن کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کیا لگتا ہے آپا کہ وہ یہاں مجھ سے اور امی سے ملنے آتے ہیں یا میرے ہاتھ کی بدذائقہ چائے پینے۔ آپا وہ یہاں آپ کے لیے آئے ہیں' آپ کی محبت۔۔۔"

"حبا!" سحر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دروازے کی سمت دیکھا۔ "امی کے سامنے ایسا کچھ مت کہنا۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے امی کو کچھ معلوم نہیں۔ ان فیکٹ امی کو تہامی بھائی بہت اچھے لگتے ہیں۔ آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ ان کے آنے سے امی کے چہرے پر کیسی رونق آ جاتی ہے۔" وہ تو سمجھی تھی کسی کو کچھ معلوم نہیں' مگر یہاں تو سب کو خبر ہو گئی تھی۔

"حبا ان کا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ دوبارہ مجھ سے ان کے متعلق بات نہ کرنا۔ میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔" وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔

"قسمت مہربان ہو رہی ہے تو کیوں ٹھکرا رہی ہیں خوشیوں کو۔" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ حبا تاسف

سے سنبھالا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کو ایک بہت بڑی نیوز دینے والا ہوں۔" آج اس کی آواز بہت فریش تھی۔

"اچھا' وہ کیا بچے؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"خالہ جان میں نے منگنی توڑ دی ہے اور۔۔۔"

"اور۔۔۔" وہ متجسس ہوئیں۔

"اور جس لڑکی کو پسند کرتا ہوں اس کو پرپوز کر دیا ہے۔ مگر وہ اتنی آسانی سے ماننے والی نہیں ہے۔ اس لیے اب میں رشتہ لے کر اس کی والدہ کے پاس جا رہا ہوں۔"

"رشتہ لے کر خود۔۔۔؟" وہ حیران ہوئیں۔

"ڈیڈی اس رشتے کے لیے کبھی نہیں مانیں گے۔ آپ بھی تو اپنی ضد نہیں چھوڑتیں۔ آپ ہی میرا رشتہ لے کر چلی جائیں اس کی ماں کے پاس۔۔۔" آج ایک مرتبہ پھر وہ اسی بات کو لے بیٹھا تھا۔ انجانے میں اس نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"بیٹا ہوتی ہیں کچھ مصلحتیں جو ہمیں مجبور کر دیتی ہیں۔ وقت آنے پر میں ضرور ملوں گی آپ سے۔۔۔" ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ سوائے تسلی دینے کے کچھ نہ کہہ سکیں۔ "مگر وہ لڑکی کون ہے؟" ان کا شک درست ثابت ہوا تھا۔

"ایسی کون سی مصلحت ہے جو آپ کو آپ کے اکلوتے بھانجے سے نہیں ملنے دیتی۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا اپنی اکلوتی مرحومہ بہن کی آخری نشانی کو دیکھنے کے لیے؟ خالہ جان بس کر دیں پلیز' میں بہت اکیلا ہوں' میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں' مجھے مت روکیں۔" اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ ان کے سوال کو نظرانداز کر گیا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں اسی لڑکی سے آپ کی شادی ہو گی۔ میں ہر حال میں اسے مناؤں گی۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

"ٹھیک ہے خالہ جان! مگر دیکھ لیں' کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ دیر نہ ہو جائے۔" وہ بہت پریشان تھا۔

"ان شاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ بیٹا دروازے پر دستک ہو رہی' میں پھر بات کروں گی۔" انہوں نے فون آف کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

امی اور حبا محلے میں میلاد پر گئی تھیں۔ اس کا سر درد کر رہا تھا' اس لیے وہ گھر پر ہی رک گئی اور ویسے بھی وہ کب کہیں جاتی تھی۔ وہ اپنے لیے چائے بنا کر برآمدے میں آکر بیٹھی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔

"لگتا ہے امی آگئیں۔" خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے وہ دروازے تک آئی۔ بے خیالی میں ہی دروازہ کھول دیا۔

"آپ!" تہامی کو سامنے دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"اندر نہیں آنے دیں گی؟" اسے ہنوز دروازے میں ایستادہ دیکھ کر وہ کہہ گیا۔

"امی گھر پر نہیں ہیں۔ آپ بعد میں آئیں۔" وہ تیزی سے دروازہ بند کرنے لگی تہامی نے پاؤں اندر پھنسا دیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" دروازہ دھکیل کر وہ اندر آگیا۔ برآمدے میں آکر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ پریشانی کے عالم میں پاس کھڑی تھی۔

"بیٹھ جائیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

"آپ بات کریں۔ میں سن رہی ہوں۔" اس نے آف موڈ کے ساتھ کہا۔

"اس معذور شخص کے ساتھ شادی کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ بہت مظلوم ہیں۔ آپ پر زندگی بھر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے ہیں۔۔۔ آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں اور پھر ساری زندگی کاتب تقدیر کو مورد الزام ٹھہراتے رہتے ہیں۔" وہ غصے میں آگیا تھا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ ٹینشن نہ لیں۔"

"آپ کا ذاتی معاملہ کسی کی ذات کو تہس نہس کر رہا ہے۔ آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"پلیز آپ اس وقت جائیں امی آئیں تو پھر آئیے گا۔" وہ خوف زدہ ہو گئی تھی اس کے تیور دیکھ کر۔

"واقعی! مجھے اب آپ کی امی کے آنے پر ہی بات کرنی پڑے گی۔ آپ کو منانے کی بہت کوشش کر لی میں نے اب مجھ سے شکوہ مت کیجیے گا۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ کو آپ جیسی کوئی بہت اچھی لڑکی مل جائے گی۔ آپ پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" اب وہ منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے تخت پر پڑا چائے کا مگ اٹھا لیا۔

"یہ۔۔ یہ رہنے دیں۔" اس نے مگ اس کے ہاتھ سے پکڑنا چاہا۔

"اس میں کیا زہر ہے؟" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"اس میں چینی ہے' آپ تو۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ لب کاٹنے لگی۔

"امیزنگ۔" وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ "اور کیا کچھ یاد ہے میرے متعلق؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تہامی بہت سکون سے اس کی چائے پی رہا تھا۔

"امی کو دیر ہو جائے شاید تو آپ۔۔۔"

"دھکے دے کر بھی نکالو تو نہیں جاؤں گا آج آنٹی سے بات کر کے ہی جاؤں گا۔" وہ سکون سے بیٹھا تھا۔ آدھ گھنٹا' ایک گھنٹا۔۔۔ ڈیڑھ اور اب دو گھنٹے گزر گئے۔

"جا رہا ہوں روائے سحر' مگر جلد آؤں گا آنٹی کے پاس۔" فی الحال تو اس نے اسی بات میں عافیت جانی کہ وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بیس منٹ بعد امی اور حبا آ گئیں۔

"اتنی دیر کیوں کر دی آنے میں؟" انہیں دیکھتے ہی وہ بول اٹھی۔

"تہامی بھائی آئے تھے؟" حبا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"ان کے پرفیوم کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے لمبی سانس لی۔

"چپ ہو جاؤ' امی کو مت بتانا۔" اس نے لجاجت سے کہا۔

☆ ☆ ☆

دروازے پر وقفے وقفے سے دو تین مرتبہ دستک ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئیں۔

"السلام علیکم!" انہوں نے دروازہ کھولا تو سامنے تہامی کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" اس نے اجازت طلب کی۔

"ضرور بیٹا۔" انہوں نے ایک سائیڈ پر ہو کر اسے اندر آنے کے لیے رستہ دیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا برآمدے تک آیا اور تخت کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی رہتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اللہ کا کرم ہے' بس اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے طبیعت' کچھ عمر کا بھی تقاضا ہے۔" وہ ہولے سے مسکرائیں "آپ بیٹھو' میں چائے بنا لوں۔" وہ اٹھنے لگیں۔

"نہیں آنٹی' اس کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل میں آپ سے بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" سر جھکائے الفاظ کو ترتیب دیتے ہوئے وہ کچھ کنفیوز سا انہیں بہت پیارا لگا۔

"کہو بیٹا' میں سن رہی ہوں۔" وہ ہمہ تن گوش تھیں۔

"مس روائے سحر کہاں ہیں؟" اس نے ارد گرد

طائرانہ نگاہ ڈالی۔

"وہ گھر پر نہیں ہے' آپ بات کرو۔"

"آپ کو بتایا تھا میری ماما اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ڈیڈی نے میری منگنی تایا کی بیٹی سے کر دی تھی۔ وہ بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ جیسی لڑکی سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں وہ اس سے بالکل مختلف ہے اور۔۔۔" وہ جھجکتے ہوئے خاموش ہو گیا "جیسی لڑکی کو میں لائف پارٹنر بنانا چاہتا ہوں مس روائے سحر بالکل ویسی ہیں اور۔۔۔ آپ سے مل کر مجھے یقین ہو گیا کہ میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔" انہوں نے بے یقینی میں شہزادے جیسے لڑکے کو دیکھا تھا۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین نہ آرہا تھا "کیا آپ کو میری بات بری لگی ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ حیران تھیں۔ وقت نے کیسا بدلہ لیا تھا حسن اور نفیسہ سے۔

"بالکل بھی نہیں۔" وہ شفقت سے بولیں "لیکن بیٹے رشتے اس طرح طے نہیں ہوتے' آپ اپنے والد صاحب کو لے کر آئیں۔۔۔" بات کے اختتام پر انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھا جہاں کچھ مایوسی نظر آرہی تھی۔

"میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے ڈیڈی کبھی بھی اس رشتے کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن میری ایک خالہ ہیں' وہ میرے لیے میری ماما کی طرح ہی ہیں۔ بہت جلد وہ آپ سے ملیں گی۔" اس نے کچھ پل توقف کیا۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ "مجھے خالی ہاتھ نالوٹائیے گا' امید کی کوئی کرن' اس کا کوئی جگنو مجھے دکھا دیں' میں آپ کو بھی مایوس نہیں کروں گا۔ آپ چاہیں تو میں اپنا ذاتی بنگلہ' ایک فیکٹری روائے سحر کے نام لکھنے کو تیار ہوں۔ اس کے علاوہ اگر آپ کی کوئی شرائط ہوں تو۔۔۔" اس کی جلد بازی پر وہ دل ہی دل میں ہنس دیں۔

"مجھے بچیوں اور ان کے ماموں سے بھی مشورہ کرنے دو۔"

"آپ مجھے اپنی ماں جیسی لگتی ہیں۔ آپ سے مل کر یہاں آکر مجھے' بہت عجیب سا سکون محسوس ہوتا ہے۔ میری خوش نصیبی ہو گی اگر آپ مجھے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کا فرد بنا لیں۔" وہ سعادت مندی سے سر جھکا کر بولا۔

"بس بیٹا دعا کرنا' اللہ سب خیر رکھے۔ میں بات کر کے' مشورہ کر کے آپ کو بتاؤں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔ "میں چائے بنا لوں۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پلیز آنٹی آپ ان تکلفات میں مت پڑیں۔ بہت شکریہ آنٹی میں دوبارہ آؤں گا۔" اس کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھی رہیں۔ بہت کچھ انہیں یاد آرہا تھا۔ بہت سی باتیں۔ بیتے دنوں کی راکھ کو چھیڑنے سے یادوں کی چنگاری نکل آئی تھی۔ بہت سے زخم تازہ ہونے لگے تھے۔

روائے سحر آئی تو انہیں تخت پر بیٹھا دیکھ کر خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"یہ تہامی کیسا لگتا ہے تمہیں؟" ان کے سوال پر اسے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ اس نے فوراً" ان کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے امی؟" اس کی گھبراہٹ ان سے مخفی نہ تھی۔

"مجھے تو بہت ہی شریف اور سعادت مند بچہ لگا ہے۔ دراصل آج صبح تمہارے جانے کے بعد وہ یہاں آیا تھا۔" ان کے بتانے پر اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑے وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا پرپوزل لے کر۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ اس کے تاثرات نوٹ کرنے لگیں۔

"ہرگز نہیں امی۔ ایسا کبھی بھی مت سوچیے گا۔ آپ کو انہیں فوراً" انکار کر دینا چاہیے تھا۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"مگر کیوں بیٹا' اتنی دعاؤں کے بعد ایسا رشتہ آیا ہے۔ میں ہرگز انکار نہیں کروں گی۔ تمہارے ماموں سے مشورہ کر کے میں اسے ہاں کہہ دوں گی۔" انہوں

نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ کوئی فائل دیکھنے میں محو تھا۔ آفس کا دروازہ کھلا' اس نے غیر ارادی نظر اٹھائی اور خوشی و حیرت کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "مس سحر" آپ" چہرے پر ہمیشہ کی طرح نرم اور دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے' میری امی اور بہن سے؟" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئی تھی۔

"صرف آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور کچھ نہیں۔" وہ سادگی سے بولا۔

"ایسا کیا گھول کر پلایا ہے آپ نے میری امی کو کہ وہ آپ کے خلاف ایک لفظ سننے کو تیار نہیں ہیں۔ میری وہ ماں جس نے آج تک مجھے ڈانٹا نہیں تھا آج آپ کی وجہ سے مجھے یہ کہہ دیا کہ اگر اس رشتے سے انکار کیا تو وہ عمر بھر مجھ سے بات نہ کریں گی۔"

"ایسا کہا انہوں نے؟" یہ احساس ہی اس کے لیے نہایت خوش کن تھا کہ کوئی اس کے حق میں لڑ رہا ہے۔ اس کی پروا کر رہا ہے۔

"آپ جیسے امیر زادوں کے لیے ایسی بات دل لگی ہوتی ہے' مگر ہمارے جیسوں کے پاس سوائے عزت کے کچھ نہیں ہوتا۔ میں ایک نہایت غریب مجبور اور کمزور لڑکی ہوں۔ پلیز آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔" اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔

"آپ کو ایسا لگتا ہے میرے پاس سب کچھ ہے۔" اس نے آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ "میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو بہت غریب ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے آپ کتنی امیر ہیں۔ آپ کے پاس آپ کی ماں ہے۔

محبت اگر دو طرفہ ہو مزا دیتی ہے اور اگر یکطرفہ ہو تو سزا بن جاتی ہے۔ میری آپ سے محبت یکطرفہ ہے۔ پھر بدقسمت کون ہوا؟ میں یا آپ؟" اس نے ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی۔

"میرے ڈیڈی کو میری کوئی پروا نہیں ہے' وہ میری اسٹیپ مدر اور سسٹر کے ساتھ ایک کمپلیٹ لائف گزار رہے ہیں۔ میرا شاندار گھر میرے لیے ہاسٹل سے زیادہ کچھ نہیں۔۔۔ بدقسمت میں ہوا یا۔۔۔؟" اب کی بار اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

ردائے سحر پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ تہامی نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ سر؟" وہ خوف زدہ ہو گئی۔ "دروازہ کھولیں۔"

"آپ میری بات مان لو میں دروازہ کھول دوں گا۔" وہ ضد پر اتر آیا۔

"آفس کے لوگ کیا کہیں گے پلیز دروازہ کھول دیں۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"ہر کسی کی پروا ہے۔ اگر نہیں ہے تو صرف میری نہیں۔" وہ سکون سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ ہوش میں نہیں ہیں۔" وہ اس کے پاس آئی تھی۔

"پلیز سر دروازہ کھول دیں۔ لوگ کیا سوچیں گے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"Do you know the sentence which kills millions dreams every day" (آپ کو پتا ہے وہ جملہ کیا ہے؟ جو ہر روز لاکھوں خواب توڑتا ہے "لوگ کیا سوچیں گے؟") اس کے خوف زدہ چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ "لوگوں کی اتنی پروا مت کیا کریں۔" وہ ناصحانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔

"سر مجھے کچھ نہیں سننا' بس دروازہ کھول دیں۔" اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ تہامی نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اس کا سانس بحال ہوا۔

"میں ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور پھر اس کے بعد پچھتاتا نہیں ہوں۔"

"سر پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ زچ ہو گئی۔

"آپ سمجھانے کی کوشش کریں تو میں سمجھ جاؤں گا۔ مگر بات پتا ہے کیا ہے؟" وہ پل بھر کو رکا۔ "آپ کے پاس سمجھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ ان فیکٹ آپ خود بھی نہیں جانتیں کہ آپ انکار کیوں کر رہی ہیں۔ آپ کو خود کو بھی نہیں معلوم کہ آپ کیا چاہتی ہیں۔ آپ گھر جائیں، خود کو ریلیکس کر کے موڈ فریش کرنے کے بعد سوچیں بلکہ اپنے دل سے پوچھیں کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ اگر جواب انکار میں آتا ہے تو وجہ جاننے کی کوشش کریں اور مجھے بھی بتائیں۔" اس نے مشورہ دے ڈالا۔

"میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔"

"مگر اپنی امی کو جواب دہ ہیں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"ان کی آپ فکر مت کریں، وہ میری ماں ہیں میں انہیں سنبھال لوں گی۔" وہ زچ ہوئی۔

"اگر آپ انہیں سنبھال سکتی ہیں تو یہاں کیوں آئی ہیں؟" اس ساری سچویشن سے وہ لطف اٹھا رہا تھا۔

"بس آپ میرے گھر نہیں آئیں گے، امی اور حبا سے نہیں ملیں گے۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"آپ امی اور حبا سے کہیں مجھے گھر آنے سے منع کر دیں تو میں نہیں آؤں گا۔" اس کی چالاکی پر ردائے سحر بل کھا کر رہ گئی۔

"آپ کو کیا مل رہا ہے یہ سب کر کے؟" وہ روہانسی ہوئی۔

"مجھے یقین ہے کچھ نا کچھ ضرور ملے گا۔ جذبے سچے ہوں تو خدا بھی ساتھ دیتا ہے۔"

"تو آپ میری بات نہیں مانیں گے؟" اس نے آخری بار پوچھا۔ "ہرگز نہیں۔"

وہ واپس مڑی اور باہر نکل گئی۔

"میں اتنا آگے آچکا ہوں کہ میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" وہ فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"سر حسن صاحب آئے ہیں۔" انٹر کام پر اسے اطلاع دی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" وہ احتراماً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو۔" اس کے سلام کا جواب دے کر وہ صوفے پر جا بیٹھے۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے۔ "تو مکمل بائیکاٹ ہو گیا ہمارے ساتھ۔" بالآخر انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"نہیں ڈیڈی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا "آپ کافی پییں گے یا۔" اس نے انٹر کام پر آرڈر دینے کے لیے ریسیور اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میری عمر بھر کی کمائی داؤ پر لگی ہے۔ میرا بیٹا مجھ سے چھن رہا ہے۔ کچھ نہیں کھانا پینا۔" تہامی حسن نے غور کیا وہ واقعی بہت پریشان تھے۔

"کوئی آپ سے کچھ نہیں چھین رہا ڈیڈی۔ میں صرف اور صرف آپ کا بیٹا ہوں۔" وہ دھیرے دھیرے چلتا ان کے پاس آیا ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کے شانے پر رکھا۔

"تمہارا اس لڑکی سے کوئی جوڑ نہیں ہے، وہ ایک مڈل کلاس لڑکی ہے۔ تمہارے ساتھ کیسے سروائیو کرے گی؟" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"میری ماما بھی تو مڈل کلاس سے بی لونگ کرتی تھیں نا، تو کیا آپ کو کبھی پرابلم ہوئی تھی؟ ڈیڈی کلاس ڈفرنس میٹر نہیں کرتا۔ انسان کی اچھائی یا برائی کا معیار کلاس نہیں اس کا کردار اور اخلاق ہے۔ اس لحاظ سے وہ بہت امیر ہے۔"

"بعض اوقات جلد بازی میں کیے گئے فیصلے عمر بھر کا روگ بن جاتے ہیں۔" ان کے لہجے میں چھپے کرب کو وہ محسوس نہ کر سکا۔

"میں کبھی نہیں پچھتاؤں گا ڈیڈی۔" چند ثانیے اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کر چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

"یہ تہامی کدھر ہے آج کل؟ کچھ خبر ہے اس کی۔" کھانے کی میز پر نفیسہ بیگم نے سوال کر ڈالا۔

"آپ کو کب سے اتنی فکر ہونے لگی اس کی؟" وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں بولے۔

"تمہی کو تہامی کی فکر نہیں ہو رہی ہے ڈیڈی، اس

ان کم کی فکر ہے جو وہ کماتا ہے۔" زویا شرارت سے بولی۔

"زویا!" انھوں نے اسے گھورا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں ممی۔" وہ ذرا بھی ان کے گھورنے سے مرعوب نہ ہوئی۔

"ڈیڈی مجھے کنسرٹ میں جانا ہے، سب فرینڈز جا رہے ہیں۔" اس نے لاڈ سے ان کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور جاؤ بیٹا۔" انھوں نے محبت پاش نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔

"مجھے پیسے چاہییے۔" وہ اصل بات پر آگئی۔

"لو بیٹا۔" انھوں نے ایک لاکھ کا چیک لکھ کر اسے تھمایا۔ وہ اٹھ کر اندر بھاگ گئی۔

"آپ نے بتایا نہیں تہامی کا پتا چلا کہاں ہے؟" وہ ایک مرتبہ پھر اس کے متعلق استفسار کرنے لگیں۔

"اپنے بنگلے میں ہے آج کل۔ سخت ناراض ہے مجھ سے۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ اس کی ماں کے متعلق کچھ کہو۔"

"کچھ غلط نہیں کہا تھا میں نے۔ پھر کیا میں اس کی ماں نہیں ہوں۔ اس نے اتنا مائنڈ کیا میری بات کو۔" انھوں نے دکھی نظر آنے کی ایکٹنگ کی۔ "میرا بھی تو دل ٹوٹا ہے۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں آپ کو اس کی کتنی پروا ہے۔ کبھی تم نے اسے بیٹا نہیں سمجھا۔ بس میرے سامنے یہ ایکٹنگ نہ کرو۔" انھوں نے بغیر کسی لحاظ کے انہیں ٹوک دیا۔

"آپ میری محبت پر شک مت کریں۔" وہ برا مان گئیں۔

"اونہہ کون سی محبت؟" انھوں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "خیر معلوم کروالیا ہے میں نے اس کی بغاوت کا سبب۔"

"کون ہے؟ کس کے کہنے پر وہ یہ سب کررہا ہے۔" وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولیں۔

"بتادوں گا۔ انتظار کرو ابھی۔" وہ اٹھ گئے تھے۔

نفیسہ بیگم جانتی تھیں اب وہ کچھ نہیں بتائیں گے اس لیے خاموش ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

حبا کے بی۔ اے کے ایگزیمز ہو گئے تھے۔ ردائے سحر کو اسکول میں جاب مل گئی تھی۔ امی نے دوبارہ اس سے تہامی کے موضوع پر بات نہیں کی تھی۔ مگر ان کی خاموشی اسے بہت محسوس ہو رہی تھی۔

ردائے سحر کو یقین تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے شکر ادا کیا تھا کہ تہامی نے بھی دوبارہ کوئی بات نہ کی تھی نہ ہی ان کے گھر آیا تھا۔

امی کو بخار تھا۔ حبا ان کا سر دبا رہی تھی۔ ڈور بیل کی آواز سن کر وہ دروازے پر گئی تھی۔

"السلام علیکم تہامی بھائی!" اس کے انداز سے ہمیشہ والی شوخی و شرارت مفقود تھی۔

"میں اندر آجاؤں؟" سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ بولا۔

"ضرور۔" اس نے اسے اندر آنے کے لیے رستہ دیا تھا۔ "امی کو بخار ہے آپ ان کے پاس چلے جائیں۔"

وہ کمرے میں گیا۔ امی آنکھیں موندے بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ اس نے آہستگی سے سلام کیا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ اس کو دیکھ کر ان کے چہرے کی رونق بحال ہونے لگی۔

"کہاں تھے اتنے دنوں سے؟ آئے کیوں نہیں؟" وہ کمزور آواز میں بولیں۔ انھوں نے دیکھا تہامی پہلے سے کافی کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی، آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے۔ اس کی خوب صورتی ماند پڑ رہی تھی۔

"آپ نے مجھے مس کیا؟" وہ زخمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے پوچھنے لگا۔

"بہت زیادہ، میں نے آپ کا بہت انتظار کیا بیٹا۔" ان کی آنکھوں میں چمکتے موتی وہ صاف دیکھ سکتا تھا۔

"میں آپ سے یہ کہنے آیا تھا کہ میں یہ ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ آپ پلیز روائے سحر سے میری وجہ سے خفا مت ہوں۔ میں تو ہوں ہی بد قسمت ماں نے اتنی جلدی ساتھ چھوڑ دیا' ڈیڈی بھی میرے نہیں رہے' جسے چاہا اسے بھی نہ پا سکا.... اور میری خالہ...." وہ سر جھکائے بیٹھا جانے کس سوچ میں گم تھا۔

"آپ کی خالہ کو کیا ہوا؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے جیب میں سے موبائل نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اسی وقت حبا بھی وہاں آئی تھی۔

اس نے فون کان کو لگایا۔ امی نے گھبرائی نظروں سے اسے دیکھا۔ ٹیبل پر پڑا ان کا موبائل بپ دینے لگا۔ تہامی نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور انہیں پکڑانے لگا کہ اس کی نظر اسکرین پر پڑ گئی۔

"میرا نمبر؟" اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آگیا۔ وہ کبھی سامنے بیٹھی اس ہستی کو دیکھتا اور کبھی موبائل کی اسکرین کو۔

"خالہ جان!" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔ "آپ...." وہ ملنے کی بھی ہمت خود میں نہ پاتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں میں بولنے کی ہمت نہ تھی۔ تہامی کی دکھ سے بری حالت تھی۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ جبکہ انہیں یوں اچانک بات کھلنے کی امید نہ تھی۔

"خالہ جان آپ بھی.... ان بلیوایبل۔" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے۔

"ساری دنیا مجھے چھوڑ سکتی ہے۔ دھوکا دے سکتی ہے۔ آپ کیسے کر سکتی ہیں میرے ساتھ ایسا۔ ایسی کون سی مصلحت تھی خالہ جان جو آپ کو مجھ سے ملنے سے روکتی رہی؟ میں تنہا روتا' تڑپتا رہا' خالہ جان میں آپ کا بھانجا تھا' آپ کی بہن کا بیٹا تھا۔ ایسی کیا مجبوری تھی کہ جس کے سامنے آپ کی محبت ہار جاتی تھی۔ کیسے اتنا ضبط اور برداشت کیا آپ نے؟" اس کی آواز بھرا گئی۔ حیران پریشان حبا سامنے کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ سب سچ ہے۔

"اگر میں تم سے ملتی تو سب کچھ ختم ہو جاتا۔ بیٹا میں نے تمہارے فائدے کے لیے ایسا کیا۔" دونوں رو رہے تھے۔ ایک کے آنسوؤں میں شرمندگی تھی تو دوسرے کے تنہائی' دوری اور اپنوں کی بے رخی و بے اعتنائی کا دکھ۔

"کس کا ڈر تھا آپ کو؟ ڈیڈی کا؟" وہ اٹھ کر ان کے پاؤں کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ "خالہ جان میں ساری دنیا کو چھوڑ دیتا آپ کے لیے۔ آپ مجھے بتاتی تو سہی کہ بات کیا ہے؟" اس کے آنسو ان کے پاؤں پر گر رہے تھے۔ احساس ندامت سے وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہی تھیں۔

"میں اول روز سے جانتی ہوں کہ آپ تہامی حسن میری مرحومہ بہن کے بیٹے ہو۔ میں نے تو اپنی بہن سے کیا وعدہ نبھایا۔ اس نے مرتے دم مجھ سے وعدہ لیا تھا۔" اسی وقت سحر بھی اسکول سے آگئی تھی جو بت بنی حبا کے پاس کھڑی تھی۔

"یہ سب...." اس نے اندر اشارہ کیا تو حبا نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میں کبھی بھی یہ بات تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ تم اپنے باپ سے بدگمان ہو۔" انہوں نے برستی آنکھوں سے اس کو دیکھا جو دم سادھے بیٹھا تھا۔

"تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو طلاق دے دی تھی۔ اس وقت وہ امید سے تھی۔" تہامی کو ایسا لگا جیسے ساتوں آسمان اس پر ایک ساتھ گرے ہوں۔ "وہ تمہیں تمہاری ماں سے چھین کر لے گیا تھا۔ وہ بہت روئی' بہت تڑپی۔ تب ہی اسے یہ خوش خبری ملی' اس نے یہ بات حسن سے چھپائی۔ کیونکہ وہ دوسرا بچہ بھی اس سے چھین لیتا۔ یہ تو طے تھا کہ اس نے تمہاری ماں کو ساتھ نہیں رکھنا تھا۔ کیونکہ وہ نفیسہ سے شادی کر چکا تھا۔

تمہاری ماں ایک بیٹی کو جنم دے کر چل بسی۔ جاتے ہوئے اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اس بچی کو کبھی اس کے باپ کے حوالے نہیں کروں گی۔" وہ خاموش ہو

گئیں۔

"بچی؟ میری بہن.... میری ماما کی بیٹی۔" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ "کہاں ہے میری بہن خالہ جان؟" وہ تڑپنے لگا۔

"حبا تمہاری بہن ہے۔" بمشکل الفاظ ان کے منہ سے ادا ہوئے تھے۔

"کیا؟" وہ حیرت سے لب نیم وا کیے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر میں تم سے ملنے لگتی تو پھر تمہارا باپ حبا کو مجھ سے چھین کر لے جاتا، میں اسے نفیسہ جیسی عورت کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔" آج اس راز سے بھی پردہ اٹھ گیا تھا۔ وہ ان کے پاؤں پر سر رکھے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"آپا!" حبا نے بے یقین نگاہوں سے بہن کو دیکھا تھا۔ لمحوں میں رشتے بدل گئے تھے۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"حبا کو اپنے پاس رکھنے کے لیے اسے سوتیلی ماں کے سائے سے بچانے کے لیے آپ نے مجھے قربان کر دیا۔ آپ کو مجھ پر ذرا رحم نہیں آیا خالہ جان.... میں تمام عمر اپنوں کی محبت کے لیے ترستا رہا، اگر زندگی نے یہ موقع دے دیا وقت نے مجھے آپ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تو مجھے گلے سے کیوں نہ لگایا، آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا۔" وہ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

"ایسا نہیں ہے، مجھے تم سحر اور حبا سے زیادہ پیارے ہو۔ ہمیشہ تمہاری زیادہ فکر کی ہے۔ ان دونوں سے پہلے تمہارے لیے دعا مانگتی ہوں۔ تمہارے پل پل کی خبر رکھی ہے۔ اب بھی.... اب بھی میں نے سحر کو تمہاری وجہ سے ڈانٹا ہے۔ تم سے شادی کے لیے اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگانا چاہا۔

"کیوں کیا یہ سب.... کیوں ہوا ایسا.... کاش.... کاش آپ کو.... ڈیڈی کو اندازہ ہو کہ مجھ پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے آپ سب نے.... مجھے اتنا اکیلا کر دیا۔" وہ اٹھ کر ان سے دور جا کھڑا ہوا تھا۔

"بھائی!" حبا رو رہی تھی، اس کے دکھ پر یا شاید اپنے دکھ پر۔ اسے کچھ سمجھ نا آ رہا تھا۔ وہ آنسو بہائے چلی جا رہی تھی۔

"میں اب اور اپنی بہن سے دور نہیں رہ سکتا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔ وہ مجھے مایوس نہیں کرے گی۔ آپ بھی اسے میرے ساتھ جانے سے مت روکیے گا۔" اس نے چہرہ صاف کیا۔

"نہیں میں اسے نہیں روکوں گی۔ پر مجھے معاف کر دو میرے بچے" انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور ان کے ہاتھ تھام کر چومنے لگا۔

"ایسا کہہ کر مجھے گناہ گار مت کریں۔" اس نے انگلیوں کی پوروں سے ان کے آنسو پونچھے۔ "مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔" اس کی فراخ دلی پر ان کا دل اور بھر آیا۔ وہ مڑا تو نظریں دروازے کی جانب اٹھ گئیں، حبا کو دیکھ کر اس کا دل ایک مرتبہ پھر بھر آیا۔

"حبا.... گڑیا۔" وہ بھاگ کر اس کے قریب آیا اور اپنی باہوں کے حصار میں لے کر اس کا سر چومنے لگا۔

"بھائی!" وہ دونوں رو رہے تھے۔ مگر نہ کوئی شکوہ تھا نہ گلہ۔ صرف دکھ تھا اتنے سالوں کی جدائی کا۔ اور ایک خوشی تھی اب مل جانے کی۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھائی، ایسا کیوں ہوا؟" وہ سسک رہی تھی۔

"بس میری جان! تہامی نے اسے خود سے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھے ڈور بیل کی آواز سن کر روانئے سحر دروازے پر گئی۔ "میری گڑیا اب میرے ساتھ رہے گی۔" اس نے حبا کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ دونوں کچھ ہنستی اور روتی کیفیت میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"تہامی!" گرج دار آواز پر اس نے سامنے دیکھا۔ ڈیڈی کو دیکھ کر اسے سمجھ آ گئی کہ خالہ جان اتنے سال اس سے دور کیوں رہیں۔

"کیا کر رہے ہو یہاں؟" وہ بارعب آواز میں بولے۔

"اپنوں سے بچھڑی روح کو آج قرار آیا ہے۔ میرے بے چین دل کو آج سکون ملا ہے۔ مگر میں آپ

سے کوئی گلہ' کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہتا۔ بہتر ہو گا آپ بھی یہاں کوئی بات نہ کریں۔" اس نے ایک نظر پریشان ہوتی حبا پر ڈالی۔

"تم چلو میرے ساتھ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا۔

"اب تو ساری دنیا مل کر بھی مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکتی۔" اس کی آنکھوں کی سرکشی وہ صاف محسوس کر رہے تھے۔

"تم نبیل سے شادی مت کرو' میں تمہیں مجبور نہیں کرتا مگر یہاں۔۔۔" انہوں نے نخوت سے اس چھوٹے سے گھر پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"بات صرف شادی کی نہیں ہے ڈیڈی۔ بات بہت بڑھ گئی ہے۔ بہت سے حساب ہیں جو آپ کو چکانے ہیں۔" اس نے حبا کی طرف دیکھا جو ڈیڈی کی طرف دیکھ کر مسلسل رو رہی تھی۔

"میری ماما کو ڈائیورس دے دی' مجھے ان سے چھین لیا اور مجھے یہ کہتے رہے کہ تمہاری ماما کی ڈیتھ ہو گئی تھی اس لیے میں نے دوسری شادی کی۔ آپ نے کیسے میری ماما کی جگہ کسی اور کو دی' انہیں دھکے دے کر گھر سے نکالا ایسی حالت میں۔۔۔ جب وہ۔۔۔" اس نے ایک مرتبہ پھر حبا کی طرف دیکھا تھا۔ "جب وہ ایکسپیکٹ کر رہی تھیں۔"

"یہ میری بہن' اتنے سال مجھ سے دور رہی' آپ سے دور رہی۔ اسے کس بات کی سزا ملی؟ بتائیں؟" اس نے حبا کا ہاتھ پکڑ کر اسے ان کے سامنے لا کھڑا کیا۔

وہ ششدر رہ گئے۔ واقعی وہ ان کی بیٹی تھی۔ اس کی شکل اپنی ماں سے بہت ملتی تھی۔

"میری بیٹی۔" وہ دو قدم آگے آئے۔ امی اٹھ کر دروازے میں آکر کھڑی تھیں۔

"نہیں۔۔۔" حبا پیچھے ہٹ گئی۔ "نہیں ہوں میں آپ کی بیٹی۔" وہ بھاگ کر اندر چلی گئی اور کمرہ بند کر لیا۔

"بیٹا دروازہ کھولو' ایک دفعہ میری بات سن لو۔" وہ دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ "بیٹا مجھے آپ کی مما نے آپ کے متعلق بتایا ہی نہیں تھا ورنہ۔۔۔"

"ورنہ آپ مجھے بھی تہامی بھائی کی طرح ان سے چھین کر لے جاتے۔"

"میں جانتا ہوں میری بیٹی نے زندگی محرومیوں میں گزاری ہے۔ مگر اب میں آپ کو ہر وہ چیز لے کر دوں گا جس پر آپ ہاتھ رکھو گی۔"

"چیزوں کا نقصان پورا ہو جاتا ہے۔ وہ بازار سے مل جاتی ہیں وقت واپس نہیں آتا میرا وقت واپس لا دیں' میں آپ کو معاف کر دوں گی۔" انہوں نے بہت کوشش کی مگر حبا نے دروازہ نہ کھولا۔

"تہامی بیٹا!" وہ اس کے پاس آئے' "اسے کہو باہر آ کر میری بات سن لے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولے۔

"وہ شاکڈ ہے' ابھی بات نہیں سنے گی۔" وہ کچھ دیر کھڑے بند دروازے کو دیکھتے رہے اور پھر چلے گئے۔

"گڑیا دروازہ کھولو ڈیڈی چلے گئے۔" تہامی نے کہا' تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔

"امی!" وہ بھاگ کر سامنے کھڑی اپنی ماں کے گلے لگ گئی "میری امی آپ ہیں۔ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا' آپ کہہ دیں آپ ہی میری امی ہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"تم میری بیٹی ہو حبا میری جان میں نے کبھی تم میں اور سحر میں کوئی فرق کیا؟ بتاؤ مجھے۔" اسے خود سے الگ کر کے اس کا چہرا اپنے دوپٹے سے صاف کیا۔

"آپا!" اچانک اس کی نظر ردائے سحر پر پڑی۔ وہ بھاگ کر اس کے گلے جا لگی۔

"آپ میری آپا ہیں' میری بہن ہیں۔۔۔ ہیں نا؟" اس نے برستی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل میں تمہاری بہن ہوں۔ تم خود ہی تو کہا کرتی ہو کہ رشتے احساس سے بنتے ہیں۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تمہیں جنم دینے والی تمہاری ماں فوراً" اس دنیا سے چلی گئی تو امی نے تمہیں پالا تم تو ابا کی بہت لاڈلی تھیں۔" اسے ساتھ لگا کر پیار سے کہتے ہوئے ردائے

سحر خود بھی رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تیرے نکموں میرے مائے
اس دنیا دے تلکن ویہڑے
جدوی ڈگیا آپے اٹھیا
بسم اللہ دی واج نہ آئی
ناں کیڑی دا آٹا ڈلھیا

اپنے بیڈ روم کی کھڑکی کھولے کھڑا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ آج کے دن میں اس پر کیسے کیسے انکشافات ہوئے تھے جس نے اس کی ہستی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"تہامی!" آواز سن کر وہ چونکا ضرور لیکن مڑا نا ہی اس کے وجود میں جنبش ہوئی۔ وہ کسی بے جان بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا تھا۔

"میں اس قابل تو نہیں کہ مجھے معاف کیا جائے' لیکن اگر ہو سکے تو معاف کر دینا کیونکہ ......" ان کی آواز بھاری ہونے لگی "تمہاری ماں کا دل بہت بڑا تھا حیا کا دل بھی بہت بڑا ہے ...... اور میں جانتا ہوں تمہارا دل بھی بہت بڑا ہے۔" ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی وہ صاف محسوس کر سکتا تھا۔ وہ آہستگی سے مڑا تھا۔

"یوں سر جھکا کر مت کھڑے ہوں ڈیڈی ......" اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ ان کے شانوں پر رکھے تھے۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے اپنے قد سے اونچے بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔ "آپ نے کیوں کیا ان کے ساتھ ایسا ...... کیا قصور تھا ان کا؟ یہ کہ وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی تھیں؟ تو ...... ڈیڈی آپ شادی نہ کرتے ان سے۔" تہامی نے دکھ سے بات کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اذیت کی ایک داستان رقم تھی۔

"وہ میرے بابا کے دوست کی بیٹی تھی۔ یہ شادی بابا کی مرضی سے ہوئی تھی۔ میں اس پر رضامند نہ تھا۔ شادی کو جیسے جیسے زیادہ وقت گزرتا گیا میرا احساس زیاں بڑھتا گیا۔ بالآخر میری زندگی میں نفیسہ آ گئی۔ میں نے تمہاری ماں کو ڈائیورس دے کر نفیسہ سے شادی کر لی۔ کچھ وقت بہتر گزرا مگر پھر سے میں بے سکون ہو گیا۔ پچھتاوے مجھے ستانے لگے۔ نفیسہ کی فطرت نے مجھ پر ثابت کر دیا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کر دی۔ اس کا تمہارے ساتھ رویہ بھی مجھ سے مخفی نہ تھا۔ آخر کار ایک سال گزرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمہیں تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آتا ہوں۔ وہاں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ تمہاری خالہ نے میری بہت انسلٹ کی۔ مجھے کہا کہ دوبارہ اپنی شکل نہ دکھانا۔" وہ خاموش ہو گئے۔ تہامی بغور ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اب کبھی تمہیں ان سے ملنے نہ دوں گا۔ مگر تمہاری ماں کی جوان موت کا دکھ مجھے ہمیشہ رہا ...... میں جانتا ہوں تم نے زندگی محرومیوں کے سائے میں گزاری ہے۔ حیا ہم سے دور رہی مگر اسے بہت محبت ملی ہے۔ اس نے کوئی دکھ نہیں دیکھا۔ تمہارے تمام دکھوں کی وجہ میں ہوں۔ مجھے جو چاہو سزا دو۔ مگر یوں خود کو مجھ سے دور مت کرو۔"

"نہیں ڈیڈی!" وہ ان کے گلے لگ گیا تھا۔ "میں آپ سے خفا نہیں ہوں' نہ ہی آپ سے دور رہ سکتا ہوں۔ ماما کے دکھ مجھے مرتے دم تک چین نہ لینے دیں گے۔ مگر میں آپ کو معاف کرتا ہوں دل سے معاف کرتا ہوں۔" ان سے الگ ہو کر وہ ایک مرتبہ پھر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا۔

"میں آپا کے پاس جاؤں گا' تمہارے اور سحر کے رشتے کے لیے ان سے بات کروں گا۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت دے دو۔ ابھی ان کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا۔" وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آن کھڑے ہوئے تھے۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی تھی۔ "میں انتظار کروں گا۔" ایک زخمی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھر کر فوراً "معدوم ہو گئی تھی۔ وہ چند ثانیے اسے دیکھتے رہے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اس سے دور ہوتے چلے گئے۔ وہ

خاموشی سے کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

اس نے کال کر کے حبا کو تیار ہونے کے لیے کہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس کے دروازے پر اسے پک کرنے پہنچ گیا تھا۔

"اپنی آپا کو بھی ساتھ لے لیتیں۔" اسے اکیلے آتا دیکھ کر وہ بولا۔

"وہ بزی ہیں۔" تہامی نے اسے ڈھیروں شاپنگ کروائی تھی۔ پھر اس کو لے کر ایک ریسٹورنٹ میں آ گیا تھا۔

"تمہاری آپا ویسے بہت نک چڑھی ہے۔ بہت مغرور اور ظالم ہے۔" آرڈر بک دیکھتے ہوئے وہ اسے چھیڑنے لگا۔

"تہامی بھائی میں ناراض ہو جاؤں گی۔ آپا میری جان ہیں۔ خبردار انہیں کچھ کہا۔" وہ شرارت سے دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"اچھا! آپا جان ہیں تو میں کیا کہوں؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ دل ـ" وہ جھٹ سے بولی۔ دونوں ہنس دیے۔

"آپا ایسی تھیں نہیں۔ بس بہت برا حادثہ ہوا ان کے ساتھ۔ اس کے بعد تھوڑی ریزرو ہو گئی ہیں۔" آرڈر سرو ہو گیا تھا ان دونوں نے کھانا اسٹارٹ کر دیا۔

"کیا حادثہ؟" آج اسے موقع مل گیا تھا پوچھنے کا۔

"آپا کے لیے رشتہ آیا تھا۔ ابا کے دور پرے کے رشتہ دار تھے۔ ماجد بہت آوارہ اور لفنگا تھا۔ ابا نے انکار کر دیا۔ اس نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا۔ ایک دن کال کی۔ آپا نے ریسیو کی تو کہنے لگا کہ اپنے گھر والوں کو میرے رشتے کے لیے مناؤ۔ آپا نے کہا میں کیسے منا سکتی ہوں؟

اس نے بہت کوشش کی مگر ابا اس رشتے کے لیے نہ مانے۔ پھر ایک مرتبہ رمضان میں وہ ہمارے گھر آیا۔ ابا سے اور امی سے بہت معافیاں مانگیں۔ ابا نے معاف کر دیا۔ کہنے لگا کہ رات آپ کے گھر رہوں گا صبح چلا جاؤں گا۔ ابا نے اجازت دے دی۔ مگر میں اور آپا اس کے سامنے نہیں گئیں۔ سحری کے ٹائم اس نے سب کے ساتھ مل کر سحری بھی کھائی۔ اس نے چائے میں نشہ ملا دیا۔ سب بے ہوش ہو گئے۔ آپا نماز پڑھ کر قرآن پاک لے کر بیٹھی تھیں۔ ان کی چائے میں اس نے نشہ نہیں ملایا تھا۔ آپا کی نظر اچانک دروازے کی طرف گئی تو خوف زدہ ہو گئیں۔ جلدی سے اٹھیں۔ مگر اس نے آپا کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا۔ چہرہ تو زیادہ نہیں جلا مگر بائیں گال پر کچھ تیزاب پڑا اور کچھ آپا کے کندھے پر مگر آپا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ بہت بدصورت ہو گئی ہیں۔

تیزاب پھینک کر وہ بھاگ گیا۔ آپا کی چیخوں کی آواز نے سارے گھر کو دہلا دیا۔ ابا نے آپا کی آواز سنی تو کچھ کچھ ہوش میں آئے اور بھاگتے ہوئے کمرے میں آکر دیکھا۔ آپا زور زور سے چلا رہی تھیں۔ اچانک ابا کی نظر فرش پر پڑی بوتل پر گئی تو وہ سب سمجھ گئے۔" اتنا کہہ کر حبا خاموش ہو گئی۔

"تو آپ لوگوں نے ماجد پر کیس نہیں کیا؟" تہامی کا دل دکھ سے کٹنے لگا۔

"کیس کیا تھا۔ عدالت نے اسے باعزت بری کر دیا۔ آپا کی تکلیف ابا کی زندگی کا روگ بن گئی۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا۔"

"اتنا ظلم۔" وہ بولنے کے قابل نہ رہا تھا۔

"اس نے عدالت سے نکلتے ہوئے آپا کو کہا دیکھوں گا جس دن کوئی شہزادہ آئے گا تمہیں بیاہنے۔"

"شہزادہ تو آ گیا ہے اسے بیاہنے' اب اگر وہ مانے تو۔" تہامی کی سنجیدگی سے کہنے پر اسے ہنسی آ گئی۔

"آپا کو منانا میرا کام ہے۔ آپ فکر مت کریں۔" وہ اسے امید دلاتے ہوئے بولی۔

"خالہ جان کو تو اس نے انکار کر دیا۔ اب میرا کیس تم نے لڑنا ہے۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ واپسی پر انہوں نے روائے سحر اور امی کے لیے بھی کھانا پیک کروا لیا تھا۔

"آپا! ہم دونوں کے لیے بھی چائے بنادیں۔" اسے کچن میں کھڑا دیکھ کر حبا نے باہر سے آواز لگائی۔

"حاشر آیا ہوا ہے۔ کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" سحر کے بتانے پر وہ بھاگ کر اندر گئی۔

"آپ اب تک مجھ سے ناراض ہیں؟" تہامی اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"میں تو آپ سے ناراض نہیں ہوں۔" اس نے سالن میں چمچہ ہلایا۔

"آپ ناراض ہیں' میں جانتا ہوں۔" اس کی موجودگی سے وہ ڈسٹرب ہو رہی تھی۔

"اگر ناراض نہیں ہیں تو میری بات مان لیں۔ آخر کیا برائی ہے مجھ میں؟"

"برائی آپ میں نہیں ہے تہامی۔" وہ مڑی تھی۔ "آپ کو سمجھ کیوں نہیں آرہی۔ میرا اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ کیا میرے ساتھ چلتے ہوئے آپ اچھے لگیں گے؟" آخر وہ بات اس کی نوک زبان پر آہی گئی تھی جو وہ کہنا نہیں چاہتی تھی۔

"سحر!" اس کی بات سے اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ "میرے لیے آپ بہت خوب صورت ہیں۔ اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہیں۔ میرے نزدیک آپ کی انر بیوٹی (اندر کی خوب صورتی) بہت اہم ہے۔ اگر آپ کو میرا ساتھ قبول ہے تو وہ رنگ جو بر تھ ڈے پر دیا تھا وہ پہن لیں۔۔۔ ورنہ میں یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا دوبارہ۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں باہر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"جب سے تمہارا بھائی آیا ہے تم مجھے اگنور کر رہی ہو۔" حاشر اس روز آیا تو شکوہ کرنے لگا۔

"خبردار میرے بھائی سے مقابلہ نہ کرنا۔ وہ اس دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہیں۔" وہ اسے چھیڑ کر مزا لے رہی تھی۔

"اور حاشر میرا بھائی ہے حبا تم بھی اسے کچھ مت کہو۔" سحر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اچھا! آپا آپ نے پارٹی بدل لی؟" وہ مصنوعی خفگی سے اسے گھورنے لگی۔

"تم نے بھی تو ایسا ہی کیا ہے۔ جب سے تمہیں اپنا بھائی ملا ہے تم نے مجھ سے باتیں شیئر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بھول گئیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اب تم آرام سے ان کے ساتھ کھانا کھانے چلی جاتی ہو۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ میں کون سا سگی بہن ہوں۔ کزن ہوں اور وہ تمہاری بھائی ہیں۔" آخر کار شکوہ اس کے منہ سے نکل ہی گیا تھا۔ حبا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔

"آپا!" اس کے پاس الفاظ نہ تھے۔ "آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتیں میں اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار آپ سے کرتی ہوں؟ آپ میری آپا' میری بہن اور بیسٹ فرینڈ ہیں۔ اس کے علاوہ تو کوئی بات میرے ذہن میں ہے ہی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں دکھ کے سائے ہلکورے لے رہے تھے۔ "اور یہی بات میں نے تہامی بھائی کو بھی بتائی ہے کہ آپا۔۔۔" اچانک وہ چپ ہو گئی۔

"خیر آپ کو کچھ بھی کہنے یا بتانے کا کیا فائدہ آپا' آپ کو محبت پر یقین ہی نہیں ہے۔" وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

"میں نے ایسا نہیں کہا حبا۔" اس نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" اچانک تہامی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے آنے پر روائے سحر پہلو بدل کر رہ گئی۔ اب وہ اکثر یہاں پایا جاتا تھا۔

"چائے چل رہی ہے؟" اس نے سب پر نظر ڈالی اور بیٹھ گیا۔

"فی الحال تو حبا کی زبان چل رہی ہے اور بڑے فراٹے سے چل رہی ہے۔" حاشر کے سنجیدگی سے کہنے پر حبا نے اسے گھورا۔

"حاشر تم بیچ میں مت بولو۔" وہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔

"حبا بیٹے ایسے بات نہیں کرتے۔" امی کمرے میں

داخل ہوئیں تو تہامی نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

"غصے میں تمہاری شکل بہت ڈراؤنی لگتی ہے۔" وہ ابھی بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"اس نے شکایتی انداز میں تہامی کی طرف دیکھا۔

"تہامی بھائی۔"

"نہ بھئی حاشر' میری بہن بہت پیاری ہے۔ ایسے تو مت کہو۔" اس نے حبا کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑ کر چائے پینا شروع کر دی۔

"میں تو تم کو لینے آیا تھا۔ آؤٹنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"انہیں بھائی میں نے نہیں جانا کہیں بھی۔" اس نے فوراً" خاموش بیٹھی ردائے سحر کو دیکھا تھا۔

"حبا میرا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔ بات کو مت بڑھاؤ۔ معاف کر دو آئندہ تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔" ردائے سحر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ حبا نے رونا شروع کر دیا۔

"ہوا کیا ہے؟" تہامی بے چین ہوا تھا۔

"آپا کو لگتا ہے کہ آپ کے آنے سے میں انہیں اگنور کر رہی ہوں۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھ سے آپا کی ناراضی برداشت نہیں ہوتی اس نے گال بے دردی سے رگڑے۔

"حبا اٹھو۔" اس نے حبا کا ہاتھ پکڑا اور کچن میں آ گیا۔ ردائے سحر برتن دھو رہی تھی۔

"آپ ہماری گڑیا سے کیوں ناراض ہیں سحر؟" اس کی آواز سن کر ردائے سحر مڑی' ان دونوں کو دیکھ کر اس نے ایک مرتبہ پھر رخ موڑ لیا۔

"آپا مجھے معاف کر دیں۔" وہ ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ تہامی نے اسے اشارہ کیا۔ وہ اس کے گلے لگ گئی۔

"ڈونٹ بی سلی حبا' میں کیا تم سے خفا ہو سکتی ہوں؟" اسے الگ کرتے ہوئے اس نے اس کے گال پر پیار کیا۔

"آپ مجھ سے بات نہیں کر رہی تھیں تو مجھے ایسا لگ رہا تھا' میرا سانس بند ہو جائے گا۔" وہ پیار سے اس کو دوبارہ لپٹ گئی تھی۔

"میں خفا نہیں ہوں' چلو اب برتن دھونے دو۔" حبا اندر چلی گئی۔

"تو پھر کیا سوچا آپ نے؟" تہامی اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کس بارے میں؟" اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"آپ اپنے فادر کو بھیجیں امی کے پاس۔" چاروناچار اس نے کہہ دیا۔

"اور اگر وہ نہ آئے تو۔۔۔؟"

"تو پھر میری طرف سے انکار ہے۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"محبت کو ٹھکرانے والے بہت پچھتاتے ہیں ردائے سحر' آپ بار بار میرے جذبوں کی توہین کرتی ہیں۔ آپ اتنی کٹھور کیوں ہیں؟" اس کے لہجے کا کرب وہ محسوس کر سکتی تھی۔

"میں ایک عزت دار لڑکی ہوں۔ میری انا اور غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ لوگ میرے متعلق باتیں بنائیں۔ میں نے اب تک بہت کچھ سہا ہے تہامی' میں مزید کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔"

"میں آپ کو مزید دکھوں سے بچانا چاہتا ہوں۔ آپ میرا یقین کریں۔" اس کا لہجہ اس کی آنکھیں سب کچھ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔

"زندگی کبھی کبھی انسان کو اس مقام پر لے آتی ہے۔ جہاں اس کی مرضی اور اللہ کی رضا مختلف ہو جاتی ہے اور یہ بہت تکلیف دہ بات ہوتی ہے۔ میں نے اس اذیت میں بہت سال گزارے ہیں۔ شاید میں اس کے بارے میں برا گمان رکھنے لگی تھی۔ مگر اب میں نے اس کی رضا کو اپنی مرضی بنا لیا ہے۔ میں ہر حال میں خوش ہوں۔۔۔ مگر آپ کو اپنے ڈیڈی کو منانا ہو گا' ان کے بغیر۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر دوبارہ اپنا

کام کرنا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"یا اللہ مجھے معاف کر دے۔ میں بھٹک گئی تھی۔ میں کم عقل تھی۔ تیری حکمت کو نہ سمجھ سکی۔ انجانے میں تجھ سے نا معلوم کتنے گلے اور شکوے کیے۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ تو میرے ہر پلان' ہر خواہش کو الٹا کر دیتا ہے۔ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا۔ تو نے تو مجھے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا ہے۔ میں ناچیز اس قابل کہاں تھی۔ مجھے معاف فرما دے۔" وہ سجدے میں پڑی اس سے معافیاں مانگ رہی تھی۔ آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ اس کے دل سے صرف ایک ہی صدا بلند ہو رہی تھی۔ آج شام تہامی کے ڈیڈی اس کا پرپوزل لے کر آئے تھے۔ امی کو تو یقین ہی نہ آرہا تھا۔ روائے سحر بھی بہت خوش تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ خزاں کا موسم گزر گیا۔ آنے والا وقت بہار کی نوید دے رہا ہے۔

ڈیڈی نے حبا کو ہاتھ جوڑ کر منانا چاہا تو وہ ان کے سینے سے جا لگی۔

"میں نے آپ کو دل سے معاف کیا ڈیڈی۔ میں کبھی اپنے باپ کو ڈس اون نہیں کر سکتی۔ میری امی نے ایسی تربیت نہیں کی۔" اس نے ان کا ڈھیروں مان بڑھا دیا تھا۔ سب بہت خوش تھے اور سب کو دیکھ کر روائے سحر خوش تھی۔

"اگر روز قیامت ایسا ممکن ہوا تو میں ماما اور آپ کی صلح کروا دوں گی۔" اس نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ ہنس دیے تھے۔ حبا کو گریس فل اور اسمارٹ سے ڈیڈی بہت اچھے لگنے لگے تھے۔

"آپا میں نے ڈیڈی کو معاف کر کے اچھا کیا نا؟" وہ رات سونے سے پہلے اس سے پوچھنے لگی۔

"بالکل اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" حبا کو تسلی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"تہامی بھائی آفس سے جلدی آجایئے گا۔" وہ

فائلوں میں سر دیے بیٹھا تھا جب حبا کی چھٹی دفعہ کال آئی تھی۔

"خیریت ہے نا؟ آج کوئی خاص کام ہے۔" اس نے کلائی پر بندھی واچ کو سامنے کرتے ہوئے ٹائم دیکھا۔

"یس مجھے کچھ کام ہے۔ آپ نے جلدی آنا ہے' بس میں نے کہہ دیا۔" وہ لاڈ سے بولی تو تہامی ہنس دیا۔

"اوکے باس! میں جلدی آجاؤں گا۔" فون بند کر کے وہ کچن میں آگئی۔

"آپا آپ تیار ہو جائیں' بھائی بس آتے ہوں گے۔" وہ بھاگ بھاگ کر سب کچھ سیٹ کر رہی تھی۔ امی اور سحر اسے خوش دیکھ کر بہت خوش تھیں۔

"حاشر مارکیٹ سے تمام سامان لے آیا تھا۔ جو حبا نے اسے کہا تھا۔

"پوری چڑیل لگ رہی ہو۔" اس کے بال کھینچتے ہوئے بولا۔

"اور تم جن۔" اس نے لمحے بھر کے لیے بھی ادھار نہ رکھا۔ جواب میں حاشر ہنس دیا۔ کچھ ہی دیر میں ماموں اور ممانی آگئے تھے۔ حبا نے ساری تیاری مکمل کر رکھی تھی۔ ڈور بیل بجی تھی۔ حاشر باہر دیکھنے گیا۔ تہامی نے کمرے میں قدم رکھا۔ اندر اندھیرا تھا۔

May you have many more...
May you have many more

کمرے میں ایک شور اٹھا تھا۔ اس کے لیے یہ سب ایک سہانے خواب کی طرح تھا۔ اس نے اگلا قدم آگے بڑھایا تو اس پر پھولوں کی بارش ہو گئی۔ سحر نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ حبا نے فوگ اسپرے سے کمرے کو نہلا دیا۔

"سرپرائز۔" حبا اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ پنک کلر کی فراک میں وہ بالکل گڑیا لگ رہی تھی۔

"آئی ایم اسپیچ لیس تھینکس۔" وہ مسکراتے ہوئے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپا ادھر ہیں۔" اس نے آگے ہو کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ناٹی گرل۔" اس نے حبا کے سر پر چپت رسید کی اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"تہامی بھائی!" حبا نے چھری اس کے ہاتھ میں تھما دی اور اسے جا کر ٹیبل کے پاس کیک کے سامنے کھڑا کر دیا۔

"ڈیڈی کے بغیر ہی کیک کاٹ لو گے؟" آواز سن کر اس نے چونک کر سامنے دیکھا تھا۔ سب کی نظریں ادھر اٹھی تھیں۔

"ڈیڈی آپ؟" انہیں سامنے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ کیک کاٹتے ہوئے ایک طرف حبا اور دوسری طرف ڈیڈی کھڑے تھے۔ ڈیڈی نے سب سے پہلے گلے لگا کر اسے مبارک باد دی تھی۔ سب نے اسے تحائف دیے تھے۔

"اس خوشی کے موقع پر میں ایک اور فریضہ بھی سر انجام دینا چاہتا ہوں۔" ڈیڈی نے کوٹ کی جیب میں سے دو انگوٹھیاں نکالی تھیں۔

"آپا کو انگوٹھی میں پہناؤں گی۔" حبا نے ان سے رنگ پکڑ لیا اور روائے سحر کو پہنا دیا۔ جبکہ تہامی کو رنگ امی نے پہنایا تھا۔ سب کو کیک' چائے اور دیگر لوازمات حبا سرو کر رہی تھی۔ روائے سحر سب کے درمیان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

"آپ نے مجھے گفٹ نہیں دیا۔" وہ الماری میں سر دیے کھڑی تھی جب تہامی اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"مبارک ہو!" آواز سن کر وہ مڑی تھی۔

"آپ کو بھی مبارک ہو۔" اس نے بنا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"اچھا کس بات کی؟" اس نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی سالگرہ کی۔" اس نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"مگر میں نے تو منگنی کی مبارک باد دی ہے۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"مگر میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ جھینپ گئی۔
"آپ نے تو ہمیں سالگرہ کا گفٹ ہی نہیں دیا۔" اس کا وہاں سے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔
"دراصل۔۔۔ آپ کی حیثیت کے مطابق کوئی چیز میں خرید نہیں سکتی تھی۔ اس لیے۔۔۔"
"کیا ہے میری حیثیت؟" وہ برا مان گیا "آپ خلوص سے ایک پھول دے دیں وہی بہترین گفٹ ہے۔ اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں۔۔۔" وہ پل بھر کو رکا۔ "چیزیں مہنگی یا سستی نہیں ہوتیں۔ ان سے جڑے جذبات انہیں قیمتی بناتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی عام سی چیز کسی خاص شخص کے دینے سے انمول ہو جاتی ہے۔" اس نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔
"اوکے! گفٹ ادھار رہا۔" وہ اسے وہاں سے ہٹانا چاہتی تھی۔
"مجھے یقین تھا آپ یہیں پائے جائیں گے۔" حبا انہیں ڈھونڈتی ہوئی وہاں آگئی تھی۔
"وہ میں تو۔۔۔" ردائے سحر نے بولنے کے لیے لب کھولے۔
"مجھے سحر نے بلایا تھا۔" تہامی نے سنجیدگی سے جھوٹ بولا۔
"حبا غلط کہہ رہے ہیں۔" ردائے سحر روہانسی ہونے لگی۔
"مجھے پتا ہے اپنی آپا کا۔۔۔" حبا نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں بازو ڈال لیے۔
"بہت چالاک ہو تم دونوں۔" وہ منہ بنا کر باہر کی جانب بڑھا پیچھے وہ دونوں ہنس دیں۔
"آپا آپ خوش ہیں نا؟" حبا نے اس کے تمتماتے چہرے کو دیکھ کر کہا۔
"بہت زیادہ۔ ابا ہمیشہ مجھے خوش دیکھنا چاہتے تھے اور میں اب کبھی بھی اداس نہیں ہونا چاہتی۔" حبا نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر پیار کیا تھا۔ ان کے اجڑے اور ویران گلشن میں ایک مرتبہ پھر بہار آگئی تھی۔

تہامی آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ ردائے سحر اس کے لیے کافی لے کر آئی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑا وہ بال بنا رہا تھا کبھی کبھی اسے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ اتنا ڈیشنگ اور مکمل مرد اس کا شوہر ہے۔ وہ بے خیالی میں اسے دیکھے گئی۔
"اب بس بھی کرو یار، نظر لگاؤ گی کیا؟" آئینے سے نظریں ہٹا کر وہ شریر لہجے میں بولا تو سحر مسکرا دی۔
"یہ کافی۔۔۔" اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ وہ پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔ اچانک اس کا رخ اس کی جانب کر دیا اور اسپرے کرنا شروع کر دیا۔
"کیا کر رہے ہیں آپ 'اب بس کریں۔" اس نے دونوں ہاتھ آگے کر کے ہنستے ہوئے روکنا چاہا۔ اس کی ہنسی نے اسے فریش کر دیا تھا۔ پرفیوم واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔
"میری ٹائی ٹھیک کر دو۔" رخ اس کی جانب کیے اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

# ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

## ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر:03225494228

ای میل ایڈریس ہےabbasnadeem283@gmail.com

"ٹھیک تو ہے' آپ بھی نا بالکل بچوں جیسے ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کی پہلے سے درست ٹائی کو پھر سے ٹھیک کیا تھا۔

"شوہر کے چھوٹے چھوٹے کام کرنے سے محبت بڑھتی ہے لڑکی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اور اگر شوہر پہلے سے ہی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو تو لڑکی کو کیا ضرورت ہے۔ خود کو کھپانے کی۔" وہ اس سے بھی زیادہ غیر سنجیدہ ہو رہی تھی۔

"دیٹس ناٹ فیئر۔" اس نے پیار بھری خفگی سے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "ہم نے آپ کو بگاڑ دیا ہے۔"

"کافی پی لیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" اس نے کپ اسے تھمایا۔

"تھینکس۔" اس نے کپ تھام کر لبوں سے لگا لیا اور ٹیبل پر رکھی فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"ویسے آج آپ واقعی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔" اس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ فائل کو واپس رکھا اور اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ تک لایا۔ اسے بٹھا کر خود بھی بیٹھ گیا۔

"تمہیں تو میں ہمیشہ اچھا لگتا ہوں۔ بٹ اونیسٹلی آج ایک بات بتاؤ۔" ہمیشہ کی طرح آدھی کافی پینے کے بعد اس نے کپ اسے تھمایا۔ "کیا تمہیں مجھ میں کوئی خوبی بھی نظر آئی ہے کبھی؟" وہ سنجیدگی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے تہامی؟ میری کوئی بات بری لگی ہے۔" وہ پریشان ہو اٹھی۔

"آپ بہت اچھے ہیں 'سوفٹ نیچر' کائنڈ ہارٹڈ۔" اس کے تیز تیز بولنے پر وہ ہنس دیا۔

"یہ تو زبردستی کی تعریف ہوئی نا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر کچھ یاد آنے پر رک گیا۔ "John Keats کی پوئم یاد ہے جو آپ انٹرویو میں بھول گئی تھی؟"

"یس۔" وہ سنجیدگی سے دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔

When I have fear that
I may ceass to be
Before my pen has gleand
my teeming brain
Before high Piled
books in charactery
Hold like rich garners the
full ripend grain
When I behold upon the
night's starrd face
Huge cloudy symbols
of a high romance
And think that I may
never live to trace

اس کے خوب صورت لب و لہجے میں وہ کھو گیا تھا نظم کے اختتام پر اس نے تہامی کے چہرے کو دیکھا تھا۔ جہاں اطمینان اور سکون کے ساتھ آسودگی کا احساس نمایاں تھا۔ ہولے سے مسکراتے ہوئے اس نے ردائے سحر کو دیکھا تھا جس کی مسکراتی آنکھوں میں ڈھیروں طمانیت کا احساس تھا۔ اسے "خدا حافظ" کہہ کر وہ آفس چلا گیا تھا۔ ردائے سحر لاؤنج میں آگئی تھی۔ جہاں اس نے ابا کی تصویر لگا رکھی تھی۔

"ابا آپ کی ردائے سحر پھر سے بہادر ہو گئی ہے۔ کیونکہ اسے پتا چل گیا ہے کہ وقت کسی کے لیے نہیں رکتا۔ اس کے ساتھ چلنے کے لیے انسان کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ابا کی تصویر کو دیکھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کو خوش دیکھ کر ابا بھی مسکرا رہے ہوں۔ سر جھٹک کر وہ اوپر کی منزل کی طرف چل دی۔ اسے حبا کو جگا کر رات رضا کی طرف ڈنر پر پہنچنے کے لیے ڈریس کا انتخاب کرنے میں مدد چاہیے تھی۔

☆ ☆

مہوش افتخار

طوبیٰ ضروری سامان خریدنے بازار جاتی ہے تو اس کی ملاقات دس سال بعد نوفل جاہ سے ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت لڑکی نگین ہوتی ہے۔ طوبیٰ گھر پہنچتی ہے تو دیکھتی ہے کہ عصمی پھپھو اور تائی جان بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حسن مجتبیٰ کی جائداد کی وجہ سے طوبیٰ کے تایا جان اپنے بیٹے ضیا کی شادی طوبیٰ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور حسن مجتبیٰ کے انکار کی وجہ سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

حسن مجتبیٰ ان سب کے سگے نہیں بلکہ واحد سوتیلے بھائی ہیں جنہیں ان کی والدہ مرحومہ نے اپنی یتیم بھتیجی ارجمند بیگم سے بیاہ دیا تھا۔ ان کی دو بیٹیاں طوبیٰ حسن اور ماہ نور حسن اور ایک بیٹا احمر حسن تھا۔ احمر کو اپنے باپ کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ پڑھنے کے لیے باہر گیا تو وہیں شادی کر کے سیٹل ہو گیا۔

حسن مجتبیٰ دل کے عارضے میں مبتلا تھے لیکن وہ سرجری بیٹیوں کی وجہ سے نہیں کروا رہے تھے طوبیٰ ان کو راضی کرتی ہے اور وہ پشاور سے واپسی پر سرجری کروانے کا وعدہ کر لیتے ہیں۔

نوفل جاہ کا کراچی میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بہت بڑے پیمانے پہ اسپتالوں میں استعمال ہونے والی مشینری کا بزنس تھا۔ وہ بزنس کے سلسلے میں ایک اسپتال موجود ہوتا ہے کہ اچانک کچھ زخمی لائے جاتے ہیں۔

ان زخمیوں میں حسن مجتبیٰ بھی ہوتے ہیں۔ پشاور کے لیے ایئرپورٹ جاتے ہوئے ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور ڈاکٹرز کی تمام تر کوششوں کے باوجود حسن صاحب اور ان کا ڈرائیور دونوں ہی دم توڑ جاتے ہیں۔ نوفل جاہ سب کچھ بھلا کے نہ صرف میت کے ساتھ ان کے گھر جاتا ہے بلکہ فون کر کے اپنے گھر والوں کو بھی پہنچنے کا کہتا ہے۔ وہاں جا کر نوفل کو ماضی یاد آ جاتا ہے۔

حسن مجتبیٰ اور منصور جاہ ایک دوسرے کے پرانے دوست ہوتے ہیں۔ منصور جاہ گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ حسن مجتبیٰ کو کاروبار میں پیسے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ منصور جاہ کے ساتھ شراکت کر لیتے ہیں۔ دو خاندانوں کی آپس میں بہت دوستی ہوتی ہے۔ منصور جاہ کے دو بیٹے نوفل جاہ اور محب جاہ اور ایک بیٹی ضحیٰ ہوتی ہے۔ طوبیٰ من ہی من میں نوفل جاہ سے محبت کرنے لگتی ہے نوفل بھی اسے چاہتا ہے لیکن اظہار نہیں کرتا۔ منصور جاہ نے حسن مجتبیٰ کے مشورے پر ان کے گھر کے برابر پلاٹ پہ بنگلا تعمیر کروا لیتے ہیں۔ اور اپنی ساری جمع پونجی اس پر لگا دیتے ہیں۔ ان ہی دنوں اچانک منصور جاہ پر آفس میں اچانک فنڈز میں گھپلے کا جھوٹا الزام لگ جاتا ہے اور ان کو سسپینڈ کر دیا جاتا ہے۔

اس پریشانی میں حسن مجتبیٰ بجائے اپنے دوست کا ساتھ دینے کے ان سے اپنی بزنس پارٹنر شپ ختم کر دیتے ہیں۔ منصور جاہ اس صدمے کو جھیل نہیں پاتے اور ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد حسن مجتبیٰ نوفل سے کہتے ہیں کہ منصور نے یہ شراکت خود ختم کی تھی اور ان کے دستخط بھی دکھا دیتے ہیں۔ نوفل پر اچانک بہت بڑی ذمہ داری آ جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب وقت خراب ہو تو ساری پریشانیاں ایک ساتھ چلی آتی ہیں۔ حالات سے پریشان ہو کر نوفل گھر بیچنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ جس رات ——— صبح کی فلائٹ سے نوفل کراچی جا رہا ہوتا ہے، طوبیٰ نوفل کے پاس آتی ہے اور

اس سے محبت کا اظہار کرتی ہے۔ نوفل اپنی مجبوریوں کی وجہ سے طوبیٰ سے محبت ہونے کے باوجود اسے دھتکار دیتا ہے اور گھر سے جاتے جاتے کہتا ہے طوبیٰ کی نسوانیت اور اس کی انا کو ایک دھکے میں اس شخص نے ختم کر دیا تھا۔

احمر ــــــ والد کے انتقال پر واپس آتا ہے۔ جائیداد حاصل کرنے کے لیے طوبیٰ کی شادی ضیاء سے کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ارجمند بانو انکار کر دیتی ہیں اس موقع پر نوفل ان کا ساتھ دیتا ہے اور طوبیٰ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ طوبیٰ کے بہت انکار کے باوجود اس کی شادی بالآخر نوفل سے ہو جاتی ہے احمر ملک سے باہر واپس چلا جاتا ہے اور ان کے گھر کی پوری ذمہ داری نوفل کے کاندھوں پر آجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

## چوتھی اور آخری قسط

"میری جان۔ میرا بچہ!" نوفل کے لمبے چوڑے وجود کو خود سے لگائے کھڑی صباحت کے چہرے پہ بھرپور محبت پھیلی ہوئی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا جو وہ اپنے لاڈلے سے اتنے ماہ دور رہی تھیں۔ انہوں نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"کتنا کمزور ہو گیا ہے۔" ان کے ماؤں والے مخصوص فقرے پہ وہ تینوں، بہن بھائی ہنس پڑے تھے۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ اگر آپ نے یہ ڈائیلاگ نہ بولا تو ماں بیٹے کے ملنے کا یہ سین ادھورا رہ جائے گا۔" ضحیٰ نے شرارت سے ماں کو چھیڑا۔ صباحت نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

"کتنی زبان چل رہی ہے۔ جب اپنے بچے ہوں گے نا پھر پوچھوں گی کہ اولاد کیا چیز ہوتی ہے۔"

"اور نہیں تو کیا۔ تب اپنے کالے پیلوں کے پیچھے بھی بھاگتی پھرے گی۔" محب کے شوخی سے طنز لگانے پہ صباحت اور نوفل کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"آپ کے اپنے بچے ہوں گے کالے پیلے!" ضحیٰ نے تڑپ کر اسے گھورا، لیکن اس کے طعنے کا بھلا محب جیسے چکنے گھڑے پہ کیا اثر ہونا تھا۔ الٹا اس کے چہرے پر خواب ناک سا تاثر پھیل گیا تھا۔

"میرے!" نگاہوں کے سامنے چھم سے ماہ نور کا حسین و دلکش سراپا لہرایا تو دل میں جیسے گدگدی سی ہوئی۔ "ہائے! میرے تو سرخ و سفید ہوں گے چمکیلے گھنے بالوں والے!" اس کے بڑے جذب سے نقشہ کھینچنے پہ نوفل نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"اچھا جی! سرخ و سفید، چمکیلے بالوں والے!" نوفل نے اس کا کان پکڑا تو محب کے تخیل کا پرندہ کریش لینڈنگ کر گیا۔

"ذرا چلو نا اندر۔ میری غیر موجودگی کا کب اور کہاں فائدہ اٹھایا گیا ہے، میں ابھی سب اگلواتا ہوں تم سے۔" اس کے کان کھینچنے پہ ضحیٰ بھی چہک اٹھی۔

"مجھے بھی دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے بھائی۔"

"ارے کچھ کالا نہیں ہے۔ م۔ م۔ میں تو اپنے جمالیاتی ذوق کی بنیاد پہ کہہ رہا تھا۔"

"جی۔ جی۔ کیا کہنے آپ کے اندر کے مصور کے! ذرا جمالیاتی ذوق کے بچے تو بتانا بچے؟" نوفل نے مسکراتے ہوئے اس کا کان مروڑا۔

"آ۔ آ۔ اوف۔ آپ کو اپنے ہونے والے بچوں کی اماں جان کی قسم ہے بھائی، میری حالت پہ رحم کھائیں!" اس کی فضول بکواس پہ نوفل نے ہنستے ہوئے اس کا کان چھوڑ دیا۔

"اچھا!" محب نے سیدھے ہوتے ہوئے شوخی سے بھائی کو دیکھا۔ "اس کا مطلب ہے جادوگر کی جان طوبیٰ نامی طوطے میں ہے۔"

"تیری تو۔" نوفل اس کی طرف لپکا، مگر وہ ایک ہی جست میں اسے چکمہ دے گیا تھا۔ صباحت اور ضحیٰ کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ یہ خوش گپیاں اور شرارتیں کافی دیر تک چلتی رہی تھیں۔ نوفل چائے پی کر اپنے کمرے میں آیا تو محب اس کے ساتھ چلا آیا۔

آج کتنے ماہ بعد وہ اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ اپنائیت کا ایک گہرا احساس اسے اپنے اندر اترتا محسوس ہوا تھا۔ کاش کہ ان مانوس درودیوار کے درمیان اس کی وہ پہلی اور اپنی سی طوبیٰ اس کے ساتھ ہوتی تو زندگی کتنی مکمل کتنی خوب صورت ہو جاتی۔ حسرت سے سوچتے ہوئے وہ اپنے دھیان میں پلٹا تو نظر سیدھی بیڈ کے عین سامنے والی دیوار پہ اپنی اور طوبیٰ کی انلارج (بڑی کی ہوئی) کی ہوئی تصویر سے جا ٹکرائی۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار خوش گوار حیرت در آئی۔ اس کا دلکش چہرہ نوفل کے سامنے تھا۔ محب مسکراتے ہوئے بھائی کے قریب چلا آیا۔

"کیسی لگی؟"

"بیوٹی فل!" نوفل کی نگاہیں تصویر پہ جمی تھیں۔ جس میں ایک بڑا ہی یادگار لمحہ قید تھا۔ ٹی پنک فراک میں دوپٹا سر پہ جمائے بیٹھی طوبیٰ اور اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی پہناتا نوفل۔ اس تصویر میں طوبیٰ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور نوفل کے لبوں پہ بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ دیکھنے والی ہر نگاہ کے لیے یہ بڑا بھرپور منظر تھا۔ دونوں کے ایک ہو جانے کے بعد

کی داستان مگر حقیقت کیا تھی۔" یہ تو صرف نوفل جاہ ہی جانتا تھا۔ جس کے دل کی ہر ان کہی ان کہی ہی رہ گئی تھی۔ اور اس کی زندگی کی وہ حسین ترین رات اپنی تمام تر خوب صورتیوں سمیت راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور ماحاصل راکھ کا ڈھیر ہی تھی۔

اس اولین شب کے بعد نوفل نے دوبارہ کبھی طوبیٰ کے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے دل کتنی ہی بار اس دشمن جاں کی جانب بری طرح مائل ہوا تھا مگر وہ بازور طوبیٰ کو حاصل کر کے خود اپنی ہی محبت کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے مزید چوٹ نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اور اس کے لیے وہ ہر روز جیسے ایک نئے امتحان سے گزرتا تھا۔ اس نے طوبیٰ کی طرف نگاہ بھر کے دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ خود کو اپنی ذمہ داریوں میں اتنا مصروف کر لیا تھا کہ کبھی کبھی اسے خود پہ بے جان، جذبات سے عاری مشین کا گمان ہونے لگتا تھا۔ جس کی اپنی ذاتی کوئی خواہش، کوئی ارمان نہ تھا۔ جس کی زندگی کا مصرف صرف اپنوں کے لیے جینا تھا اور بس!

اور آج اس تصویر کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر اپنی ذات اور اپنے جذبات کے زیاں کا یہی احساس ایک بار پھر بڑی شدت سے جاگ اٹھا تھا۔

زندگی نہ پوچھ
تو نے ہم کو
خواب دکھائے کیسے کیسے۔

نوفل کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ اگر محب نے اسے اتنی محبت سے یہاں نہ لگا رکھا ہوتا تو وہ لمحے کا توقف کیے بنا اس تصویر کو اتار کے اندر رکھ دیتا۔

"آپ تو بالکل ہی کھو گئے بھائی۔" محب نے شرارت سے اسے ٹھوکا دیا تو وہ جیسے خود میں لوٹ آیا۔

"تم نے سرپرائز ہی اتنا اچھا دیا ہے۔" وہ محب کی طرف پلٹ کر قصداً" مسکرایا تو اس کے چہرے پہ فخریہ تاثر پھیل گیا۔

"مجھے پتا تھا آپ کو بہت پسند آئے گی۔"

"بے حد۔" وہ تصویر کی طرف سے رخ موڑ کے بیڈ کی طرف چلا آیا۔ "اور کوئی نئی تازی؟"

"نئی تازی تو ہے۔ بلکہ بے حد خستہ اور گرما گرم ہے، لیکن میں وہ آپ کو سکون اور اطمینان سے بتانا چاہوں گا۔" محب مسکرایا۔

"اتنی اہم بات ہے کیا؟" نوفل نے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

"آف کورس۔ بے حد اہم ہے۔"

"چلو پھر آرام سے سنیں گے۔" نوفل کی بات پہ محب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نوفل فریش ہو کے واپس آیا تو ضحیٰ ٹیبل پہ کھانا لگا چکی تھی۔ صباحت نے ہر چیز اس کی پسند کی بنائی تھی۔ ماں کی اس درجہ محبت نے اس کے اندر چھائی کلفت کو لمحوں میں دور کر دیا تھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے کہ ضحیٰ کی بارات والے دن تمہارا ولیمہ بھی رکھ لیا جائے کیا خیال ہے؟" صباحت نے کھانا کھاتے ہوئے نوفل کی طرف دیکھا۔ تو وہ بے اختیار سٹپٹا گیا۔

"خدا کے لیے امی۔ بہن کی بارات والے دن میں اسٹیج پہ ٹنگا کیا اچھا لگوں گا۔" اس کے الفاظ پہ محب اور ضحیٰ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ جب کہ صباحت کی آنکھوں میں خفگی در آئی۔

"تو پھر کب "ٹنگا" جائے آپ کو وہاں؟" وہ چڑ کر بولیں تو ان تینوں کے قہقہے بے اختیار تھے۔

"حوصلہ والدہ حضور۔ حوصلہ!" نوفل نے اپنی ہنسی پہ قابو پایا۔ اور پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔ "دیکھیں امی۔ اس وقت میرے لیے سب سے اہم چیز ضحیٰ کا فرض ہے۔ جس میں، میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چاہتا۔ اس لیے آپ فی الوقت میرے ولیمہ کو رہنے دیں۔ ہم پھر کبھی۔۔۔"

"کیوں رہنے دوں؟ تم میری سب سے بڑی اولاد ہو نوفل۔ تمہاری شادی کے حوالے سے میرے کتنے ارمان تھے کبھی سوچا ہے تم نے؟" صباحت ناراضی سے بولیں تو ایک لمحے کے لیے ٹیبل پہ خاموشی چھا گئی۔ "ٹھیک ہے کہ اس وقت سادگی وقت کا تقاضا

تھی۔ لیکن اب ایسی کوئی مجبوری نہیں رہی۔ میں اپنے دوست احباب ملنے ملانے والوں سب کے ساتھ اپنے بیٹے کی خوشی بانٹنا چاہتی ہوں تم ضحیٰ کی شادی پوری یکسوئی سے چاہتے ہو۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی لیکن پھر ضحیٰ کی چوتھی کے روز میں ہر حال میں تمہارا ولیمہ رکھوں گی۔" وہ قطعیت سے بولیں۔ نوفل کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔ اب وہ اپنی ماں پہ کس طرح اپنی روکھی پھیکی زندگی کا بھید کھولتا۔

"دیکھیں امی۔"

"اب ایک لفظ نہیں بولنا نوفل!" انہوں نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔

"تم دونوں نے تو حد ختم کر رکھی ہے۔ نہ گھومنے پھرنے کا پتا ہے اور نہ دنیا داری کا۔ وہ کتابوں میں سر دیے بیٹھی ہے اور تم اس پراجیکٹ میں۔ ارحمند کو بھی یہی شکایت ہے کہ تم دونوں میں نئے شادی شدہ جوڑوں والی کوئی بات ہی نہیں۔" ان کی باز پرس پہ نوفل نظریں چرا گیا۔ صباحت نے ایک نظر بیٹے کو دیکھا۔ "بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ضحیٰ کی چوتھی کے روز تم دونوں کا ولیمہ ہو گا۔ جس کے بعد تم دونوں یہیں رہوں گے۔ طوبیٰ کو اگر اپنی پڑھائی مکمل کرنی ہے تو وہ یہاں کی کسی یونیورسٹی میں اپنا ٹرانسفر کروا لے گی۔ رہا تمہارا پراجیکٹ تو اگر وہ تب تک مکمل ہو گیا تو ٹھیک نہیں تو کسی اور کو بھیج دینا۔"

انہوں نے دونوں معاملات نپٹاتے ہوئے بات ختم کی تو نوفل لب بھینچے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن اس کی بھوک جیسے اڑ سی گئی تھی۔ ان کی ماؤں نے ایک دنیا دیکھ رکھی تھی۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان دونوں کی غیر فطری روش ان کے بڑوں کی نظروں میں نہ آتی۔ صباحت نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ اصولاً" اسے اور طوبیٰ کو اب اپنوں کے درمیان آ جانا چاہیے تھا لیکن وہ اس چوٹ کا کیا کرتا جو طوبیٰ نے اسے "حسین ولا" کے حوالے سے اس کی نیت پہ شک کر کے پہنچائی تھی۔ اور جس کے نتیجے میں وہ ایک انتہائی فیصلہ کرنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔ یہ ساری صورت حال بے حد گمبھیر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی الجھتی زندگی کو کیسے ایک نارمل ڈگر پہ لاتا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بیڈ پہ دراز طوبیٰ نے ایک بار پھر بے زاری سے کروٹ بدلی تھی۔ زبردستی اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے سونے کی کوشش کی تھی مگر کبھی تکیہ کبھی کمبل اور کبھی یوں ہی وہ مسلسل پہلو بدلتی رہی تھی اور تھک کر اٹھ بیٹھی تھی۔

تھکن زدہ نظروں سے اس نے اپنے ارد گرد دیکھا تھا۔ آخر اسے کیا ہو گیا تھا؟ یہ اس کا وہی کمرہ تھا جہاں اس نے اپنی ساری زندگی گزاری تھی۔ پھر آج اس سے چھلکتا اپنائیت کا وہ احساس کہاں غائب ہو گیا تھا؟ تعجب سے سوچتے ہوئے اس نے ایک بے بسی بھری سانس لی تھی۔ اور خود پہ پڑا کمبل ہٹا کے یوں ہی بلا ارادہ چلتی ہوئی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی نیند سے خالی آنکھیں آسمان کی سیاہ گود میں بکھرے ستاروں کے درمیان چمکتے چاند پہ جا ٹھہری تھیں۔ جو آدھا اور ادھورا اسے اس پل بہت اداس اور تنہا سا لگا تھا۔ تو کیا اس کی بے کلی اور اداسی کی وجہ بھی اس کمرے کا ادھورا پن تھا؟ خود سے سوال کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر بیڈ کی طرف دیکھا تھا جو خالی اور سونا پڑا تھا۔ بے اختیار طوبیٰ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ گھبرا کے آگے بڑھی تھی اور اپنا کمبل اور تکیہ اٹھا کر سرعت سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کا رخ اماں جان کے کمرے کی طرف تھا۔

"یہ تم رات کو کس وقت کمرے میں آئی تھیں؟" وہ چائے کے مگ ٹرے میں رکھے لاؤنج میں آئی تو ٹی وی دیکھتی ارحمند کچھ یاد آنے پہ اس کی طرف پلٹیں۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یونیورسٹی سے لوٹی تھی۔

"دو بج رہے تھے شاید۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے آپ کے کمرے میں آ گئی تھی۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ساتھ سو جاؤ۔"

"جی بس' مجھے اندازہ نہیں تھا۔" اس کے نظریں چرانے پہ ارجمند دھیرے سے مسکرا دیں۔

"دیکھ لو۔ کہاں تو تم یہاں سے جانے کے لیے تیار نہیں تھیں اور کہاں اب اپنے ہی کمرے میں دل نہیں لگ رہا۔ تم نے جس احسن طریقے سے اپنا گھربار سنبھالا ہے میری جان' مجھے اس پہ فخر ہے۔ بس ایک شکایت ہے۔" ماں کی بات پہ طوبیٰ کی نظروں میں سوال اتر آیا۔

"ذرا اپنا حلیہ دیکھو۔ نہ ہاتھوں میں کوئی چوڑی چھلا اور نہ کانوں میں کوئی بالی۔ تم کہیں سے بھی نو بیاہتا لڑکی لگتی ہو کیا؟" انہوں نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تو طوبیٰ کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔ وہ بے اختیار نگاہیں چرا گئی۔ "میں کب سے تمہیں اس بات پہ ٹوکنا چاہ رہی تھی' لیکن تم ہاتھ آکے نہیں دے رہی تھیں۔ ذرا سوچو آج اگر صباحت بھابھی آجائیں تو تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر کیا سوچیں گی۔ یہی نا کہ شاید تم نے ابھی تک اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا اور نوفل وہ بھی تو اسی نہج پہ سوچ سکتا ہے نا بیٹا۔"

"یہی تو بات ہے اماں جان کہ وہ کچھ بھی نہیں سوچتے۔ بلکہ وہ تو میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے بھی روادار نہیں۔ فرض اور ذمے داریوں میں بندھی ایک روکھی سی زندگی ہے جسے وہ گزار رہے ہیں۔ ایسے میں حق اور حقوق کہاں ہیں' انہیں کچھ پتا نہیں۔ پہلی رات اگر میں نے انہیں منع کر دیا تو اس کے بعد انہوں نے بھی مجھے یوں فراموش کر دیا' جیسے میں ہوں ہی نہیں۔ سچ کہا تھا اس نگین فاروق نے 'میں ان کی کوئی مجبوری تو ہو سکتی ہوں' مگر محبت کبھی نہیں بن سکتی' مگر عجیب بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنا آپ نوفل جاہ کی مجبوری بھی نہیں لگتا۔ اس تمام عرصے میں مجھے ایک بار بھی ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آئی جسے بنیاد بنا کر وہ یہ رشتہ جوڑنے پہ مجبور ہوئے ہوں۔ ان کا یہ فیصلہ آج بھی میرے لیے اتنی ہی حیرت اور الجھن کا باعث ہے جتنا کہ اس روز تھا' جب انہوں نے بھرے خاندان میں میرے لیے اپنا آپ پیش کر دیا تھا۔" طوبیٰ ایک ٹک زمین کو تکتی سوچ میں چلی گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کس سوچ میں پڑ گئی ہو؟" ارجمند نے پیار سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا تو اس نے اپنا سر دھیرے سے ان کے کندھے پہ رکھ دیا۔

"آپ جانتی ہیں۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ اور پھر مجھے یونیورسٹی بھی جانا ہوتا ہے۔" سارا قصور اپنے کھاتے میں ڈالتے ہوئے اس کی آنکھیں نجانے کیوں بھیگ گئی تھیں۔

"اب تمہاری پہلی ترجیح تمہاری ذات یا یونیورسٹی نہیں بلکہ تمہارا شوہر ہونا چاہیے۔ یاد رکھو مردوں کو بنی سنوری بیویاں اچھی لگتی ہیں۔ خود پہ توجہ دو۔ ہمارا نوفل تو ایسا نہیں' لیکن پھر بھی بیٹا' مردوں کو اپنی دلچسپیاں باہر تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔" ارجمند کی بات پہ طوبیٰ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"ہونہہ! آپ کا نوفل سب سے آگے ہے۔ ان کی دلچسپی اور محبت کا سامان تو شادی سے پہلے ہی گھر سے باہر تھا اور اب بھی یقیناً وہیں ہے' جب ہی تو انہیں مجھ میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ اور ایک میرا دل ہے' اتنی ہتک کے بعد بھی ان کی محض چند مہربانیوں پہ ہی ایک بار پھر ان کی جانب کھنچنے لگا ہے۔" اپنی بے بسی کے خاموش اعتراف پہ آنکھوں میں اٹکے آنسو اس کے چہرے پہ بہہ نکلے تھے جسے اس نے خاموشی سے اپنی پوروں پہ سمیٹ لیا تھا۔ پتا نہیں نوفل جاہ اور نگین فاروق کا تعلق آج کل کس نہج پہ چل رہا تھا؟ اور نگین کس دل سے اور کیا سوچ کر طوبیٰ کو اب تک برداشت کیے بیٹھی تھی' ورنہ شادی کے روز نوفل جاہ پہ اس کا حق ملکیت جتانا طوبیٰ کو بھولا تو نہیں تھا۔ یوں بوجھل دل سے سوچتی وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ تب ہی فون کی بیل نے ماحول میں ارتعاش سا برپا کر دیا تھا۔ ارجمند نے ہاتھ بڑھا کے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف صباحت کو پا کے ان کے چہرے پہ خوش گوار سا تاثر در آیا۔

"وعلیکم السلام بھابھی۔ کیسی ہیں آپ؟"
"وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم اپنی سناؤ؟"
"اللہ کا کرم ہے۔ آپ کے مہمان چلے گئے؟"
ارحمند اور طوبیٰ جانتی تھیں کہ آج دوپہر کے کھانے پہ فہد کی فیملی مدعو تھی۔ وہ لوگ آج نوفل کی موجودگی میں صحی کی تاریخ طے کرنے آئے تھے۔
"ہاں۔ خیر سے پانچ نومبر کی تاریخ طے ہوئی ہے۔"
"بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک خوشیوں اور عافیت کا وقت لے کر آئے۔" ارحمند کے لب بے اختیار مسکرا دیے تھے۔
"آمین۔ اور آٹھ کا ہم نے نوفل اور طوبیٰ کا ولیمہ طے کیا ہے۔" صباحت کی بات پہ ارحمند کے چہرے پہ حیرت پھیل گئی۔
"ارے! یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔" ارحمند نے مسکراتے ہوئے بیٹی کا چہرہ دیکھا تو طوبیٰ الجھ گئی۔
"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"
"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابھی۔ اس میں بھلا اعتراض والی کیا بات ہے۔"
"چلو پھر مبارک ہو تمہیں۔ اب میری بہو سے میری بات کراؤ۔ میں اسے بھی یہ خوش خبری سنا دوں۔" ان کے خوش گوار لہجے پہ ارحمند بھی ہنس پڑیں۔
"خیر مبارک۔ اور لیں اپنی بہو سے بات کریں۔" ان کے کہنے پہ طوبیٰ نے آگے بڑھ کے ریسیور تھام لیا۔
"السلام علیکم امی۔ کیسی ہیں آپ؟"
"وعلیکم السلام۔ میں تو ٹھیک ہوں میری جان، مگر آج تمہیں اتنا مس کیا کہ بتا نہیں سکتی۔" وہ محبت سے بولیں تو طوبیٰ کے لب بوجھل سے مسکرا دیے۔
"میرا دھیان بھی آپ سب کی طرف ہی تھا۔"
"ہم سب کی طرف یا اپنے شوہر نامدار کی طرف؟" وہ ہمیشہ کی طرح شریر ہوئیں تو طوبیٰ مسکرا دی۔
"آپ سب کی طرف۔"
"چلو تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔" صباحت مسکرائیں۔ "اچھا جناب۔ تمہاری سہیلی کی پانچ نومبر کی تاریخ طے ہوئی ہے۔"
"بہت مبارک ہو۔"
"خیر مبارک۔ اب ایک اور خوشی کی خبر سنو۔ ہم نے آٹھ نومبر کا تمہارا اور نوفل کا ولیمہ بھی طے کر دیا ہے۔" اور طوبیٰ کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔
"ہمارا ولیمہ؟"
"جی۔ اور میں کوئی بات نہیں سنوں گی۔ مزید یہ کہ میں نے تم دونوں کو واپس نہیں جانے دینا۔ تمہاری پڑھائی یہاں بھی جاری رہ سکتی ہے۔" ان کے قطعی لہجے پہ طوبیٰ چپ کی چپ رہ گئی۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ ان کا بیٹا ہی اسے تمام سب سے الگ رکھنے کی ٹھان چکا تھا۔
"اچھا تو نوفل سے بات کرو۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے صباحت نے قصداً فون نوفل کے حوالے کر دیا تو طوبیٰ بے اختیار گڑبڑا گئی۔
"ہیلو۔" ایئرپیس سے ابھرنے والی نوفل کی گمبھیر آواز اس کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا کر گئی تھی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو طوبیٰ کے دل پہ جیسے اوس سی گر گئی۔
"کیسے ہیں آپ؟"
"اللہ کا شکر ہے۔ پیپرز کیسے ہو رہے ہیں تمہارے؟"
"اچھے ہو رہے ہیں۔" وہ لحظہ بھر کو خاموش ہوئی۔
"آپ امی کو منع کر دیں۔ اتنے عرصے کے بعد بھلا ولیمہ کی کیا تک بنتی ہے۔" ارحمند اٹھ کر کچن میں چلی گئیں تو وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔ اس کی بات پہ نوفل کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ گو کہ وہ خود بھی اس ولیمہ کے حق میں نہ تھا، لیکن طوبیٰ کے منہ سے اعتراض سن کے اسے نجانے کیوں غصہ آ گیا تھا۔
"تو تم نے انہیں خود کیوں نہیں منع کر دیا؟" وہ دھیمی لیکن سرد آواز میں بولا تو طوبیٰ چونک گئی۔
"آپ ناراض ہو گئے ہیں کیا؟"

"نہیں، بہت خوش ہو رہا ہوں۔" اس کا جل کے دیا گیا جواب طوبیٰ کو شرمندہ کر گیا۔ اس کا مقصد نوفل کو ناراض کرنا نہیں تھا۔ اس نے تو بس اپنے اور اس کے رشتے کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" اور نوفل جاہ' جو اس سے سوائے ایک معذرت کے ہر بات کی توقع کیے ہوئے تھا' بری طرح چونک گیا۔

"کیا کہا؟"

"آئی ایم سوری۔" طوبیٰ نے بنا کسی پس و پیش کے دہرایا تو نوفل کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرے خیال میں طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری؟"

"شاید۔۔۔" اس کی بے تاثر آواز نوفل کو الجھا گئی۔ لائن پہ ایک پل کو خاموشی چھا گئی۔

"ضحیٰ سے بات کروائیں میری۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ آہستگی سے بولی تو نوفل فون ضحیٰ کے حوالے کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ دھیرے دھیرے چلتا باہر لان میں چلا آیا۔

اسے طوبیٰ کی ذات واضح طور پہ کسی کشمکش میں محسوس ہوئی تھی' لیکن اس کشمکش کی نوعیت کیا تھی وہ فی الوقت اس بات کا اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔

"آپ ناراض ہو گئے ہیں کیا؟" اس کی پریشان آواز نوفل کی سماعتوں میں تازہ ہوئی تو دل ناداں خواہ مخواہ اٹکھیلیوں پہ اتر آیا۔ نوفل کے لبوں پر آنے والی مسکان بے ساختہ تھی۔

"ہاں' تیرے بہلنے کو خیال اچھا ہے۔" ٹہلتے ہوئے اس نے دل کو مخاطب کیا تھا لیکن اس کے اندر کا موسم یکایک اچھا ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نوفل اپنے آفس میں بیٹھا کام میں مصروف تھا جب دروازے پہ دستک دے کے محب اندر چلا آیا۔

"بھائی' مجھے آپ کو وہ اس دن والی گرما گرم نئی تازی سنانی تھی۔" اس کی بات پہ نوفل مسکرا دیا۔

"فی الحال تو میں کام میں مصروف ہوں۔ گھر چل کر سنا دینا۔" وہ فائل پہ سے نظریں ہٹائے بغیر بولا تو محب کے چہرے پہ بے چینی پھیل گئی۔

"وہ بات گھر میں نہیں ہو سکتی نا۔" وہ بچوں کی طرح اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے بولا تو نوفل نگاہیں اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔

"ایسی کون سی بات ہے؟"

"پہلے آپ وعدہ کریں کہ میرا کام جلد از جلد کروانے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ تو کام پہ منحصر ہے' آیا کروانے لائق ہے بھی یا نہیں۔"

"بھائی!" محب کے گھورنے پہ نوفل مسکرا دیا۔

"اچھا۔ پہلے بولو تو صحیح۔"

"میں ماہ نور سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" سے دیکھتا وہ قدرے ہچکچا کر گویا ہوا تو نوفل کو حیرت کا جھٹکا سا لگا۔

"کیا!"

"پلیز بھائی امی سے بات کریں نا۔" وہ بے چینی سے کرسی پہ آگے کھسک آیا تو نوفل جو اولین جھٹکے کے بعد سنبھل چکا تھا' اسے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا۔ اور اگلے ہی لمحے قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

"اچھا۔ تو وہ سرخ و سفید' چمکیلے گھنے بالوں والے بچے اس گڑبڑ کا نتیجہ تھے۔" اس نے ہنستے ہوئے محب کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار جھینپ گیا۔

"صحیح پہچانا آپ نے۔"

"کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟" نوفل میز پہ بازو ٹکاتے ہوئے شوخی سے مسکرایا۔ تو محب کی رگ شرارت بھی پھڑک اٹھی۔

"جب سے اس کے بال میرے بٹن میں پھنسے تھے۔"

"کیا؟" نوفل کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اس کی حالت محب کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر گئی تھی۔

"کیا بک رہے ہو۔" اس کی ہنسی سے نوفل کو یہی لگا تھا کہ وہ یوں ہی ہانک رہا ہے۔

"قسم سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ ہنسی کے

درمیان بولا تو نوفل کے چہرے پہ حیرت در آئی۔ اور جوں جوں محب اسے اپنی زندگی کا وہ یادگار واقعہ سناتا چلا گیا۔ اس کی حیرت دلچسپی اور دلچسپی ہنسی میں بدل گئی۔

"بس یہ ثابت ہوا کہ بدمعاش کے بٹن بھی بدمعاش ہوتے ہیں۔" نوفل نے ہنستے ہوئے آخر میں نتیجہ اخذ کیا تو محب کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

"آپ دیکھیے گا۔ میں شادی کے بعد اس یادگار شرٹ کو فریم کروا کے اپنے کمرے کی دیوار پہ لگاؤں گا۔"

"ضرور لگانا، مگر میرے بھائی شادی کے لیے غلطی سے لڑکی کی بھی رضامندی درکار ہوتی ہے۔" نوفل کے استہزائیہ انداز پہ محب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ لڑکی راضی ہے۔"

"اچھا جی۔" نوفل نے بھنویں اچکائیں۔ "اور یہ کب ہوا؟"

"اس کی سالگرہ والے دن۔" اور پھر وہ بڑے مزے سے اسے پہلے ہونے والی گفتگو کا احوال سنانے لگا۔ پھولوں کا ذکر وہ قصداً گول کر گیا۔

"تو بیٹا جی۔ جب آپ سارا کچھ کر چکے ہیں۔ تو امی سے بات بھی خود ہی کر لیں۔" سارا قصہ سن کے نوفل نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تو محب نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی۔ آخر شرم و حیا بھی کسی چیز کا نام ہے۔" اور نوفل کی ہنسی کتنی دیر تک رکنے میں نہیں آئی تھی۔

"بہت بڑی چیز ہو تم!"

"معلوم ہے۔" اس نے دانت نکالے۔ "اب یہ بتائیں امی سے بات کب کریں گے؟" وہ بے تاب ہوا۔

"کر لوں گا۔" نوفل نے اسے تنگ کرنے کو فائل اپنے سامنے کھسکائی تو محب نے جل کر اس کے آگے سے فائل اچک لی۔

"کر نہیں لوں گا۔ آج ہی کریں گے۔ دو دن بعد تو آپ کی روانگی ہے۔"

"اچھا بابا آج ہی کر لوں گا۔"

اور پھر نوفل نے اس ہی رات کھانے کے بعد صباحت سے بات کر لی تھی۔ ان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ماہ نور ان کے ہاتھوں کی پلی بچی تھی۔ البتہ ان تینوں نے مل کے محب کی خوب کھنچائی کی تھی۔ جس نے اندر ہی اندر اتنے گل کھلا رکھے تھے۔

نوفل کے مشورے پہ ہی صباحت نے اس بات کو اس کی لاہور واپسی تک موقوف کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ارجمند اس رشتے کو لے کر خود کو کسی دباؤ میں محسوس کریں یا تنہا سمجھیں۔ وہ انکار یا اقرار دونوں صورتوں میں انہیں اپنے ساتھ کا یقین دلانا چاہتا تھا، لیکن ایک بات تھی، محب کے اس فیصلے نے اسے اندر تک سرشار کر دیا تھا۔ احمر کی لاتعلقی کے بعد وہ ماہ نور کو اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا اور محب سے بڑھ کر اچھا اور قابل اعتبار لڑکا بھلا اسے اور کہاں مل سکتا تھا۔ وہ سچ میں بے حد خوش تھا۔ پہلے طوبیٰ کے رویے میں در آنے والی لچک اور اب محب کی ماہ نور کے لیے پسندیدگی۔ اسے زندگی اچانک ہی آسانیوں کی جانب گامزن ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ شاید اوپر والے کو اس کے حال پہ رحم آ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گیلے بال برش کر کے طوبیٰ نے آئینے میں خود کو دیکھا تھا۔ اور پھر نجانے کس احساس کے زیر اثر ڈریسنگ ٹیبل پہ سجی لپ اسٹک میں سے پہلی بار لائٹ پنک رنگ اٹھا کر اپنے ہونٹوں پر لگا لیا تھا۔ ناقدانہ نظروں سے اپنا جائزہ لیتے ہوئے وہ بے اختیار جھجک گئی تھی۔

"کہیں نوفل جاہ اس کی تیاری کو کوئی اور معنی نہ دے دے۔" اس خیال کے آتے ہی اس نے گھبرا کے لپ اسٹک صاف کر دی تھی۔ اور صرف خوشبو لگا کے دوپٹا شانوں پر پھیلائے باہر چلی آئی تھی۔

وہ آج صبح ہی اپنے گھر آ گئی تھی۔ کیوں کہ آج دوپہر تین بجے کی فلائٹ سے نوفل واپس آ رہا تھا۔ ملازموں سے صفائی ستھرائی کروانے کے بعد اس نے بہت دل لگا

کے نوفل کی پسند کے نرگسی کوفتے' پلاؤ اور چکن بنائی تھی۔ میٹھا تیار کرکے اس نے اماں جان اور ماہ نور کو وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ اور خود نہانے چلی گئی تھی۔ نوفل کی ہدایت پہ اماں جان نے اپنے ڈرائیور کو اسے لانے کی تاکید کررکھی تھی اور وہ ٹھیک دو بجے گھر سے روانہ ہوگیا تھا۔ طوبیٰ کمرے سے نکل کے لاؤنج میں آئی تو آگے شفیق اس کا منتظر تھا۔

"بیگم صاحبہ! آپ سے ملنے کوئی خاتون آئی ہیں۔"

"مجھ سے ملنے؟" طوبیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو شفیق لمحہ بھر کو گھبرا گیا۔

"جی۔"

"نام کیا بتا رہی ہیں؟"

"میں نے نہیں پوچھا۔"

"اچھا لے آؤ۔" وہ اسے بھیج کے الجھتی ہوئی صوفے پر آبیٹھی۔ اس سے ملنے بھلا کون آسکتا تھا؟ چند لمحوں کے توقف کے بعد لاؤنج کے داخلی دروازے پر دستک ہوئی تو طوبیٰ میکانکی انداز میں آنے والی کے استقبال کو اٹھ کھڑی ہوئی' لیکن جوں ہی دروازہ کھلا طوبیٰ مارے حیرت کے پلکیں جھپکنا بھول گئی۔ ہلکے سے آسمانی جوڑے میں ملبوس کملائی سی نگین فاروق اس کے سامنے تھی۔ اس کا حسین چہرہ ہر آرائش سے بے نیاز تھا۔ بال بھی بے ترتیب سے ہو رہے تھے۔

"میں جانتی تھی۔ مجھے دیکھ کر تمہارے ایسے ہی تاثرات ہونے والے ہیں۔" دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس نے قدم بڑھائے تو طوبیٰ جیسے ہوش میں آگئی۔

"وہیں رک جائیں۔" سرد لہجے میں بولتی وہ نگین کو حیران کرگئی۔ اس کی طوبیٰ سے اب تک صرف دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اور ان دو ملاقاتوں میں اس کا کردار صرف ایک سامع کا رہا تھا۔ اس بے زبان کردار کو اچانک زبان ملتی دیکھ کر اسے حیرت نے آن گھیرا تھا۔ یہ یقیناً "نوفل جاہ کی محبت کا اعجاز تھا" جو چیونٹی کے بھی پر نکل آئے تھے۔ اس کے دل سے نفرت کی لپٹیں سی نکلی تھیں۔ جسے اس نے بامشکل تمام چہرے تک آنے سے روکا تھا۔

"کیا لینے آئی ہیں یہاں؟" اس کی آنکھوں میں تکتی طوبیٰ بے تاثر انداز میں بولی تو نگین نے اپنے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ پھیلائی۔

"بے فکر رہو' تمہارے شوہر کو نہیں لینے آئی!" اور طوبیٰ کا خون کھول اٹھا۔

"آپ انہیں لے جا بھی نہیں سکتیں۔" اس کے چہرے کی سرخی نگین کو مزا دے گئی' جو لطف رقیب کو تڑپا تڑپا کر مارنے میں ہے وہ بھلا ایک ہی وار میں کہاں؟

"یقین مانو میں اب اسے لے جانا بھی نہیں چاہتی۔" دل گرفتگی سے بولتی وہ چند قدم آگے بڑھی تو طوبیٰ کاٹ دار انداز میں مسکرادی۔

"آپ نے تو بہت دعوے کیے تھے کہ نوفل جاہ آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا۔"

"اپنے شوہر کی محبت پہ اتنا مان نہ کرو مسز نوفل کہ جب یہ مان ٹوٹے تو اٹھنے کے بھی قابل نہ رہو۔" وہ لہجے میں درد پیدا کرتے ہوئے بولی تو طوبیٰ اپنے اور نوفل کے درمیان موجود ہر اختلاف کو بھلائے مضبوطی سے آگے بڑھ آئی۔

"اگر آپ یہاں مجھے میرے شوہر سے بدگمان کرنے آئی ہیں تو آپ کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ یہ طریقے بہت پرانے ہوچکے ہیں محترمہ!" وہ اس عورت کو کسی قسم کی تسکین نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تمہارے شوہر پہ اور تمہیں اس سے بدگمان کرنے پہ۔" وہ یک لخت بھڑک کے بولتی اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔ "مجھے صرف یہ بتاؤ کہ وہ ذلیل انسان ہے کہاں؟ میری زندگی تباہ کرکے وہ اب کیوں مجھ سے چھپتا پھر رہا ہے؟"

"کیا بک رہی ہیں؟ وہ کیوں آپ سے چھپنے لگے؟" طوبیٰ نے پیشانی پہ بل لیے اسے گھورا۔

"اس لیے کہ۔۔۔" نگین کسی ماہر اداکارہ کی طرح لب چباتی نظریں چرا گئی۔ "اس لیے کہ میں اس کی وجہ سے پریگننٹ ہوگئی تھی۔ مگر اس نے۔ اس نے میری ایک نہیں سنی اور مجھے ابارشن کروانے پہ مجبور

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کردیا۔" دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تو طوبیٰ یوں اچھل کر دور ہٹی جیسے کسی بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم! سراسر بکواس کر رہی ہو۔ شفیق۔۔۔ شفیق!" طوبیٰ وحشت زدہ سی حلق کے بل چلائی تھی وہ اس زہریلی ناگن کو اپنے گھر سے دور بہت دور پھنکوا دینا چاہتی تھی۔

"مت زحمت کرو۔ میں خود بھی یہاں ایک منٹ نہیں رکنا چاہتی۔" چہرے سے ہاتھ ہٹاتی نگین چیخ کر بولی تھی اور پھر سرعت سے اپنے شولڈر بیگ میں سے ایک سفید لفافہ نکال کر اس نے طوبیٰ کی طرف اچھال دیا تھا۔

"لو پکڑو یہ ابارشن رپورٹ۔۔۔ کہہ دینا اس جانور سے کہ ہو گیا وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب۔ کھا لیا اس نے ہمارے بچے کو! اب یہاں بیٹھ کر خوشی کے شادیانے بجائے، مگر مجھے اپنی شکل نہ دکھائے۔ خون پی جاؤں گی میں اس کا!" چلا کر کہتی وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔ طوبیٰ پتھرائی سی، اس کے پیچھے دھاڑ کی آواز سے بند ہونے والے دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے لپکی تھی اور نیچے گرا لفافہ اٹھا لیا تھا۔

لٹھے کی طرح سفید چہرہ لیے اس نے اندر موجود کاغذ نکالا تھا۔ اس کی متوحش نظریں اضطراب کے عالم میں لفظوں پر پھسلتی چلی گئی تھیں۔ اور پھر جیسے سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ بند ہوتے دل کے ساتھ وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو گئی تھی۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں اس نے کسی چیز کا سہارا لینا چاہا تھا، لیکن آنکھوں کے آگے بڑھتے ہوئے اندھیرے نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ اگلے ہی پل وہ تیورائی تھی اور زمین پہ آ گری تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا کاغذ پھسل کر صوفے کے نیچے چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نگین کا چہرہ فتح کے احساس سے دمک رہا تھا۔ خوب صورت لب کلیوں کی طرح کھلے پڑے تھے۔ وہ اس وقت عائزہ کے ساتھ اس کے گھر پہ موجود تھی۔

"اب نوفل جاہ کو پتا لگے گا کہ اس نے کس کے ساتھ دشمنی مول لی ہے۔ میں نے اس شخص کو خود سے بڑھ کر چاہا تھا، مگر اسے میری محبت راس نہیں آئی۔ اب یہ دیکھے کہ نگین فاروق کی نفرت کس بلا کا نام ہے۔" آنکھوں میں عداوت کی چمک لیے وہ زہرخند سے مسکرائی تو خاموش بیٹھی عائزہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"اور اسے برباد کرنے کی خواہش میں، تم جو اپنے کردار پہ بدنامی کا داغ لگا بیٹھی ہو، کبھی سوچا ہے اس کے بارے میں؟ کیا ہو گا اگر وہ جھوٹی ابارشن رپورٹ لے کر تمہارے گھر پہنچ گیا؟"

"کیا ہو گا؟ میں مکر جاؤں گی سب کو بتاؤں گی کہ نوفل جاہ اپنی بیوی سے خوش نہیں اور اب میرے پیچھے پڑا ہے۔ یہ رپورٹ اس کی چال ہے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ میڈیکل چیک اپ ہو گا وہ میں کروا لوں گی۔ پھر دیکھنا میرے باپ بھائی اس کا کیا حال کریں گے۔ بیوی کے ہاتھوں اگر بچ بھی گیا تھا تو میرے خاندان والے اسے نہیں چھوڑیں گے۔ دونوں صورتوں میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا نوفل جاہ۔" اور عائزہ کی آنکھیں اس کی مربوط پلاننگ سن کے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ نگین فاروق کس حد تک شیطانی ذہن کی مالک تھی اسے اس خطرناک حقیقت کا احساس آج اس لمحے ہوا تھا۔ بے اختیار اسے اس لڑکی سے خوف محسوس ہوا تھا۔

"چلو تمہیں ڈائیوو (Daewoo) کے ٹرمینل پر چھوڑ آؤں۔" وہ خود کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تو نگین نے ایک نظر گھڑی کی طرف دیکھا۔ جہاں ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ اس کارنامے کو انجام دینے کے بعد نگین نے فوری طور پہ خود کو منظر سے غائب کرنے کا پلان بنا رکھا تھا۔ اور اس سلسلے میں اس نے پہلے اپنی خالہ کے پاس ایبٹ آباد اور پھر چند دن بعد کراچی جانے کا

پروگرام بنا رکھا تھا۔ حقیقت سے انجان اس کے گھر والوں نے بھی اس کے اس خیال کو سراہا تھا۔ ان کے نزدیک نگین کے لیے ماحول کی تبدیلی ضروری تھی۔

"ہاں چلو۔" ایک طرف رکھا سفری بیگ اٹھاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ عائزہ نے اپنی جان چھوٹنے پہ دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپی کو ہوش آرہا ہے۔" طوبیٰ کی پلکوں کو لرزتا دیکھ کے ماہ نور نے پلٹ کر ماں اور بہنوئی کو مطلع کیا تو وہ دونوں تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے۔ وہ دونوں صوفے پر بیٹھے طوبیٰ کی اس اچانک بے ہوشی پر ہی بات کررہے تھے جو ڈاکٹر کے مطابق اس کا بی پی خطرناک حد تک لو ہوجانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔

ارجمند اور ماہ نور دونوں راستے میں تھیں۔ جب انہیں پریشان حال رانی کی کال موصول ہوئی تھی۔ طوبیٰ کی بے ہوشی کا سن کے ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ ان کے وہاں پہنچنے تک ملازموں نے اسے اٹھا کر نا صرف اس کے کمرے تک پہنچادیا تھا بلکہ ڈاکٹر کو بھی بلا لیا تھا۔ یہ ساری صورت حال شفیق کے لیے خاصی پریشان کن تھی۔ وہ چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق اندر ہی اندر بے حد گھبرا گیا تھا۔ اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے اس کی مستعدی دیکھنے لائق تھی۔

نوفل جس وقت گھر پہنچا' ڈاکٹر طوبیٰ کو ٹریٹمنٹ دے کے جاچکا تھا۔ ماہ نور اور ارجمند پریشان سی اس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ اسے یوں ہوش و خرد سے بیگانہ دیکھ کر نوفل بری طرح پریشان ہوگیا تھا۔ طوبیٰ کی طبیعت خرابی کی وجہ ارجمند کو دن بھر کی تھکن ہی لگی تھی۔ یہ جان کر کہ وہ صبح سے اس کے لیے اتنا کچھ کرتی رہی تھی' نوفل کو اس پہ بے حد پیار آیا تھا۔ طوبیٰ کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر ارجمند نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" انہوں نے بیٹی کے سرہانے بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔ تو طوبیٰ کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔ اس کا ذہن اس پل بالکل خالی سلیٹ کی مانند تھا یوں جیسے وہ گہری نیند سے جاگی ہو۔

"اب کیسا محسوس کررہی ہو میری جان؟" انہوں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟" اس نے الجھی الجھی نگاہوں سے اماں جان کو دیکھا۔

"تم بے ہوش ہوگئی تھیں بیٹا۔ تمہارا بی پی لو ہوگیا تھا اچانک۔" ارجمند نرمی سے بولیں تو طوبیٰ کے چہرے پہ حیرت پھیل گئی۔ تب ہی ایک طرف کھڑا نوفل آگے کو آیا تو طوبیٰ کی نظریں اس کی جانب اٹھ گئیں اور پھر جیسے ٹھہری گئیں۔

"کیسی ہو؟" وہ محبت سے مسکرایا۔ طوبیٰ کے اندر عجیب سی بے چینی سر اٹھانے لگی۔ ایک سیکنڈ' دو سیکنڈ۔ تیسرے ہی پل ایک جھماکا سا ہوا اور طوبیٰ کے ذہن میں اس کی زندگی کے وہ کربناک ترین لمحے تازہ ہوگئے جنہوں نے اس کی محبت سے اس کا فخر اس کا مان چھین لیا تھا۔ اس کا رنگ آن واحد میں سفید پڑگیا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" بغور اسے دیکھتا نوفل پریشان سا اس کی طرف بڑھا تو طوبیٰ نے بے اختیار آنکھیں بند کرلیں۔

"اماں جان۔ مجھے پانی پلائیں۔" وہ کمزور سی آواز میں ماں سے مخاطب ہوئی تو نوفل ٹھٹک کر اسے تکنے لگا۔ ماہ نور کے سہارا دے کر بٹھانے پہ ارجمند نے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگادیا۔ اس نے محض دو گھونٹ پی کر گلاس ہٹادیا۔

"میں۔ میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔ پلیز اماں جان مجھے یہاں سے لے چلیں۔" ارجمند کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ اس کی آنسوؤں میں ڈوبی التجا پہ وہ تینوں چونک گئے تھے۔

"میں لے جاؤں گی۔ پہلے تمہاری طبیعت ٹھیک ہوجائے۔ پھر جہاں کہو گی وہاں لے جاؤں گی۔" ارجمند نے محبت سے اسے پچکارا۔ ان کے نزدیک اس کا ذہن شاید اس پل حاضر نہ تھا۔ تب ہی انہوں نے

اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی' لیکن نوفل کو واضح طور پہ وہ خود سے کھنچی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ یہ رویہ اس روداد کے بالکل برعکس تھا جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے استقبال کے حوالے سے اماں جان نے اسے سنائی تھی۔ نوفل اندر ہی اندر الجھ گیا تھا۔

"اماں جان مجھے سلادیں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے اپنی جلتی آنکھیں موندتے ہوئے سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر اس کی پلکوں کو بھگو گئے تھے۔ یہ نمی نوفل کی نظروں سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ وہ لب بھینچے سوچ میں پڑ گیا تھا۔

✡ ✡ ✡
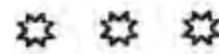
نوفل ساتھ والے کمرہ میں تھا جب ماہ نور نے دستک دیے کر دروازہ کھولا تھا۔

"نوفل بھائی۔" اس کے پکارنے پہ اپنے دھیان میں بیٹھا نوفل چونک گیا تھا۔

"ہاں کہو۔"

"بھائی معذرت کے ساتھ' لیکن میرا اس وقت گھر جانا بے حد ضروری ہے۔" وہ شرمندہ سی اندر چلی آئی۔

"کیوں کیا ہوا؟" نوفل نے اس کی طرف دیکھا۔

"کل دراصل ہم انٹرنیز (Internees) نے اپنی اپنی فائنل رپورٹ پریزینٹ کرنی ہے۔ میرا کافی کام باقی ہے ابھی' لیکن آپی کی طبیعت خرابی کو دیکھتے ہوئے میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اماں جان سے کیسے کہوں۔"

"اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ میں ہوں نا اس کے پاس۔"

"لیکن اماں جان۔" ماہ نور نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"چلو میں ان سے بات کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ تو ماہ نور کی آنکھوں میں تشکر پھیل گیا۔ نوفل کی بہت منت سماجت کے بعد ارجمند بیگم جانے پہ راضی ہوئی تھیں۔

انہیں سی آف کر کے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ طوبیٰ تاحال گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ رقم تھکن کو وہ اس پل بھی با آسانی محسوس کر سکتا تھا۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ بیڈ کے مقابل رکھے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔ پچھلے دو تین دنوں میں وہ اپنی اور طوبیٰ کی زندگی کے حوالے سے کتنا مثبت سوچنے لگا تھا۔ ہر امکان جیسے روشن لگنے لگا تھا' یوں جیسے بدگمانیوں کے بادل چھٹنے کو ہوں اور اعتبار اور محبت کا سورج نکلنے والا ہو۔ ایسے میں تناؤ کی یہ نئی کیفیت کہاں سے آکے ان کے درمیان حائل ہو گئی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ نوفل نے اپنا سر صوفے کی پشت پہ ڈال دیا تھا۔ رات کے نو بجنے کو تھے' مگر اسے بھوک پیاس کا کوئی احساس نہ تھا۔ دن بھر کی تھکن جسم کو بوجھل کرنے لگی تھی۔ اس نے لحظہ بھر کو آنکھیں بند کی تھیں' لیکن نیند نے کب اپنا تسلط جمایا تھا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا' جب نوفل کی آنکھ کھلی تھی وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا تھا۔ کمرے میں روشنی اسی طرح جل رہی تھی۔ اس کی نظریں بیڈ کی طرف اٹھیں تو وہ بے اختیار گھبرا گیا۔ طوبیٰ بیڈ پہ نہیں تھی۔ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے باتھ روم چیک کیا تھا' لیکن وہ وہاں پر بھی نہیں تھی۔ وہ اسی سرعت سے پلٹا تھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ یہاں بھی تمام بتیاں روشن تھیں۔ وہ الجھا ہوا سا آگے بڑھا تھا۔ تب ہی لاؤنج کی خاموش فضا میں ڈوبتی ابھرتی سسکیوں نے اس کا دھیان اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ وہ لحظہ بھر کو ٹھٹکا تھا اور اگلے ہی پل تیز قدموں سے ایک جانب رکھے صوفوں کی طرف چلا آیا تھا۔ جن کے دوسری طرف طوبیٰ دونوں ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے' گھٹنوں پہ پیشانی ٹکائے گھٹ گھٹ کے رو رہی تھی۔

"کیا ہوا طوبیٰ؟" نوفل پریشان سا اس کی طرف بڑھا تھا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اس کے شانے پر آٹھہرا تھا

اور کبھی چھوٹا غضب ڈھا گیا تھا۔ طوبیٰ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تھا اور نوفل جاہ کا ہاتھ پوری شدت سے جھٹک دیا تھا۔

"خبردار' جو آپ نے مجھے ہاتھ لگایا!" انگلی اٹھائے وہ تڑپ کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نوفل اس درجہ بدتمیزی پہ ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔

"کہاں ہے وہ رپورٹ؟" طوبیٰ کی شدت گریہ سے سرخ آنکھیں اس پر جمی تھیں۔

"کون سی رپورٹ؟" نوفل کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"وہی جس میں آپ کے اس روشن کردار کی سیاہ حقیقت رقم ہے۔" وہ کاٹ دار انداز میں بولی تو نوفل کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"مجھ پہ رعب ڈالنے کی کوشش مت کریں۔ مجھے بتائیں' کہاں غائب کی ہے آپ نے وہ ابارشن رپورٹ؟" وہ حلق کے بل چلائی تو نوفل کو لگا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہو۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ کس کی ابارشن رپورٹ؟" غصے سے اس کی آواز خود بہ خود اونچی ہوگئی تھی۔

"آپ کے اور نگین کے ناجائز بچے کی ابارشن رپورٹ!" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ دوبدو گویا ہوئی تو نوفل جاہ بھونچکا کھڑا رہ گیا۔ اس کے تاثرات طوبیٰ کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھیر گئے۔

"کیوں میرے منہ سے یہ بات سن کے دھچکا لگا ہے کیا؟"

"کس نے کی ہے یہ بکواس؟" نوفل بھینچے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کا چہرہ انگارے کی مانند دہک اٹھا تھا۔

"اسی نے جس سے آپ چھپتے پھر رہے ہیں۔ آپ کی محبوبہ کم رکھیل۔" اور نوفل جاہ کا ہاتھ اپنی پانچوں انگلیاں اس کے چہرے پہ ثبت کر گیا تھا۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ طوبیٰ لڑکھڑا کے پیچھے صوفے پہ جا گری تھی۔ نوفل کف اڑاتا اس کی طرف بڑھا تھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھ پہ اتنا رکیک الزام لگانے کی؟" اسے شانوں سے جکڑ کر وہ اس شدت سے چلایا کہ طوبیٰ کو لگا وہ اسے پھاڑ کھائے گا۔

"میں اگر اتنا ہی نفس کا غلام ہوتا تو سب سے پہلے تمہارے غرور کو مٹی میں ملاتا طوبیٰ حسن!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ غرا کر بولا تو طوبیٰ نے پوری طاقت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔

"یہ الزام نہیں ہے اس گھر میں آکے وہ میرے منہ پہ مار کر گئی ہے آپ کی رنگینیوں کی داستان۔" اور طوبیٰ کے لہجے سے چھلکتی حقارت نوفل جاہ کو ساکت کر گئی۔ اس کی بات نوفل کے دل میں نیزے کی انی بن کر چبھی تھی۔

"اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا دکھایا اور تم نے مان لیا؟" وہ زخم خوردہ سا فقط اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

"آنکھوں دیکھی سچائی کو بھلا کون جھٹلا سکتا ہے۔" وہ سرد و اجنبی انداز میں بولی۔ تو نوفل شاک کے عالم میں اسے تکتا چلا گیا۔ کیا وہ یہ سب اپنی محبت کے منہ سے سن رہا تھا؟ اس ہستی کے منہ سے جو بچپن سے اسے جانتی تھی؟ وہ بے یقین سا ہنس پڑا تھا۔ اس کی ہنسی میں شکستگی کا نوحہ تھا۔

"صحیح کہا۔ آنکھوں دیکھی سچائی کو کون جھٹلا سکتا ہے۔" نوفل کو اپنی آنکھوں کی سطح گیلی ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ "تو نوفل جاہ کا کردار' اس کی ذات واقعی اتنی ہی حقیر ہے کہ اسے ایک کاغذ کے بل بوتے پہ پرکھا جائے!" طوبیٰ کی آنکھوں میں دیکھتا وہ دل گرفتگی سے بولا تو وہ لحظہ بھر کو کچھ کہنے کے قابل نہ رہی۔ اس کی خاموشی' نوفل کے لبوں پہ بڑی کرب آمیز مسکراہٹ بکھیر گئی۔ وہ اس کے شانوں کو جھٹکتا الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

"میں تم سے اب مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ کیوں کہ کہنی سننی وہاں ہوتی ہے جہاں اعتبار ہو۔ گنجائش ہو۔ آنکھوں میں پہچان کی رمق ہو جب کہ تم تو مجھے جانتی ہی نہیں اور میں کسی انجانے شخص سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے طوبیٰ حسن میں آج سے تم

سے اپنے ماضی کا حال کل۔ دل کا روح کا ہر رشتہ ختم کرتا ہوں اور بہت جلد تمہیں اس زبردستی کے بندھن سے بھی نجات دلا دوں گا۔ میری طرف سے تم ابھی اسی لمحے سے خود کو آزاد سمجھو!" اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ دھیمے لیکن قطعی لہجے میں کہتا پلٹ کر لاؤنج سے تو کیا گھر سے ہی باہر نکل گیا تھا۔

اس کے منظر سے ہٹتے ہی طوبیٰ نے اپنی آنکھیں مارے درد کے سختی سے میچ لی تھیں۔ آنسوؤں کی ایک جھڑی تھی جو پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے چہرے کو بھگونے لگی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

موبائل کے جلترنگ پہ، ٹی وی دیکھتی نگین نے سرعت سے آواز آہستہ کرتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔ اسکرین پہ چمکتا نوفل جاہ کا نام اس کے لبوں پہ بڑی بھرپور مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔ بے اختیار اس کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھیں۔ جہاں رات کے تین بج رہے تھے۔ اس نے کال ریسیور کرتے ہوئے فون کان سے لگا لیا تھا۔

"بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے۔" وہ خوش دلی سے گویا ہوئی تو نوفل کے لب سختی سے بھینچ گئے۔

"کہاں ہو تم؟" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔ نگین کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"کیوں گولی مارنی ہے کیا؟"

"اتنی آسان موت نہیں دوں گا۔" وہ بھینچی ہوئی آواز میں گویا ہوا تو نگین ہنس پڑی۔

"زہے نصیب۔ تمہارے ہاتھوں موت بھی زندگی سے بڑھ کر لگے گی، مگر کیا ہے ناکہ میں اس وقت تمہارے شہر میں نہیں ہوں۔ اس لیے مجھے ڈھونڈ کر اپنا وقت برباد مت کرنا۔"

"کوئی بات نہیں۔ کبھی تو اپنے بل سے باہر آؤ گی نا۔" نوفل سرد مہری سے بولا۔

"کیوں نہیں امید پہ دنیا قائم ہے۔ اب کرو تم کسی رانجھے کی طرح بیٹھ کر میرا انتظار۔ اگر قسمت میں ہوا تو ضرور ملاقات ہوگی۔" وہ زہر خند سا مسکرائی تو نوفل کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تمہیں میری یادداشت میں رہنا بہت مہنگا پڑے گا گھٹیا عورت!"

"جانتی ہوں۔ مگر کیا ہے نا بڑھیا مرو کہ میں بھی اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ جو چیز نگین فاروق کی نہیں وہ پھر کسی کی بھی نہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو آج پھر مجھ سے اپنی اوقات بھی سن لو۔ تم یہ سب کر کے میرے دوستوں کی فہرست میں تو کیا۔ دشمنوں کی بھی فہرست میں بھی نہیں رہیں۔ کیونکہ دشمنوں سے تو نفرت کی جاتی ہے۔ جبکہ میں تم جیسی گری ہوئی اور بے حیا لڑکی کو اپنی نفرت کے بھی لائق نہیں سمجھتا۔ مجھے پانے کی نہ تمہاری اوقات تھی اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ نوفل جاہ تمہیں اپنے بچے کی ماں بنانا تو دور تم پہ کبھی تھوکنا بھی گوارا نہیں کرے گا نگین فاروق!" وہ تند و تیز لہجے میں اس کے پرخچے اڑاتا چلا گیا تو مارے اہانت کے نگین کا رواں رواں چل اٹھا۔

"جسٹ شٹ اپ!" اس کا مطمئن و پرسکون انداز ہواؤں میں دھواں بن کے اڑ گیا تھا۔ اس کا جلتا نوفل کے اندر جلتی آگ پہ پانی کا چھینٹا بن کے گرا تھا۔

"کیوں اپنے محبوب سے اور تعریف نہیں سنو گی؟" اور نگین کے لیے مزید سننا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس نے تڑپ کے کال کاٹ دی تھی۔ اور انتہائی طیش کے عالم میں ہاتھ میں پکڑا موبائل دیوار پہ دے مارا تھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ کمینے، ذلیل انسان!" وحشت کے مارے وہ دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ ایسے میں اس کے راستے میں جو چیز بھی آئی تھی اس نے برباد کر کے رکھ دی تھی۔

☆ ☆ ☆

نوفل کی واپسی صبح آٹھ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ طوبیٰ تب تک بستر میں پڑی تھی۔ گزشتہ رات قیامت

کی رات گزری تھی۔ نہ دل کی تڑپ کم ہوئی تھی اور نہ آنکھوں سے بہتے اشک تھمے تھے۔ اس بار نقصان بھی تو بے حساب ہوا تھا۔ جب زبردستی کی بنیادوں پہ کھڑا کیا گیا یہ مکان اسے گھر لگنے لگا تھا' تب اس پہ انکشاف ہوا تھا کہ اس کے دل کا محرم جسے ساری زندگی وہ باوجود ہر اختلاف کے' ایک باکردار اور کھرا شخص سمجھتی آئی تھی' ایک دھوکا اور سراب نکلا تھا۔

کل جب نگین فاروق نے اس کے گھر کی دہلیز پہ قدم رکھا تھا تو وہ ایک باوفا بیوی کی طرح' شوہر سے ہر جھگڑا بھلائے' تن کے اس پرائی عورت کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ مگر جب اس پرائی عورت نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا تو وہ اس کے سامنے نظریں اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ وہ کاغذ کا ٹکڑا صرف ایک بھیانک حقیقت نہیں بلکہ طوبیٰ پہ اس کی اوقات کو واضح کرنے والا ذلت بھرا طمانچہ تھا۔

نوفل جاہ کا کردار صرف اس کا کردار نہیں تھا۔ وہ طوبیٰ حسن کا مان اس کا غرور تھا۔ اور آج سے نہیں اس وقت سے تھا جب وہ صرف اس کے پیارے نوفل بھائی تھے۔ جو اپنے بلند اخلاق کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے۔ ان کی بلندی سے پستی کا یہ سفر طوبیٰ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا تھا۔ اس کا غرور ٹوٹا تھا اور ایسا ٹوٹا تھا کہ کرچیاں نس نس میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اسے تاحال یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا شوہر' اس کی محبت' اس کا نوفل جاہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔

کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پہ طوبیٰ نے بے اختیار اپنا رخ پھیر لیا تھا۔ نوفل اس پہ اک نگاہ غلط ڈالے بنا الماری کی طرف بڑھا تھا۔

اور اپنے کپڑے نکال کر تیز قدموں سے باتھ روم میں چلا گیا تھا۔ دھاڑ کی آواز پہ طوبیٰ نے مارے کرب کے آنکھیں میچ لی تھیں۔ یہ بیٹھے بٹھائے زندگی نے کیسا بھیانک موڑ لے لیا تھا۔ متوحش سی سوچتی وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی تھی۔ اور پھر بے چین سی کمرے سے باہر چلی آئی تھی۔ بے دھیانی میں اس کے قدم

کچن کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ اسے اندر آتا دیکھ کے رانی تیزی سے اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"سلام بیگم صبیحہ (صاحبہ)۔ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہے اب۔" وہ نڈھال سی چلتی ایک طرف رکھی کرسی پہ آ بیٹھی تو رانی نے پریشان نظروں سے اس کی سوچی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔

"آپ خود کیوں آ گئیں۔ جو بھی چاہیے تھا آپ مجھے کہیں۔"

"ایک کپ چائے بنا دو۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"ابھی لیں جی۔" رانی مستعدی سے چولہے کی طرف بڑھی۔ "بیگم صبیحہ میں نے صاحب جی سے ناشتے کا پوچھا تھا' لیکن انہوں نے منع کر دیا۔ وہ سچ میں آپ کے ہاتھ کے علاوہ ناشتا نہیں کرتے۔" وہ اس کی جانب دیکھ کے مسکرائی تو طوبیٰ لب کاٹتی نظریں چرا گئی۔

رانی نے چائے تیار کر کے کپ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ تب ہی لاؤنج کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ چند ہی لمحوں میں پورچ میں گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تو طوبیٰ نے اپنی خالی نگاہیں کپ سے اٹھتے دھوئیں پہ مرکوز کر دیں۔

"آج آپ کو کھانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کل کا سارا کچھ ویسے کا ویسا رکھا ہے۔" رانی نے اپنے طور پہ اسے مطمئن کرنے کو کہا تھا' لیکن طوبیٰ کے ذہن میں کل کا اپنا انتظار اور وہ بے نام سی خوشی گھوم گئی تھی جو وہ اپنے اندر محسوس کرتی رہی تھی۔ بے اختیار اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔

"وہ سب کچھ بچوں کے لیے لے جاؤ۔" وہ بنا اس کی طرف دیکھے بولی۔ تو رانی چونک گئی۔

"سارا کچھ جی؟" اس نے حیرت سے طوبیٰ کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں۔" اس کے جواب پہ رانی دل ہی دل میں حیران ہوتی' فریج کھول کے ایک ایک کر کے تمام

کھانے نکالنے لگی اور پھر دو تین چکروں میں سب کچھ اٹھا کر اپنے کوارٹر میں لے گئی۔ اس کے جاتے ہی گھر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ بت بنی طوبیٰ کے آگے چائے ٹھنڈی ہونے لگی تھی۔ مگر اس کے اندر تو ماتم برپا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں بازوؤں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼
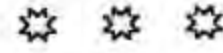
نوفل ارد گرد سے بے خبر اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ لامتناہی سوچوں کا ایک بوجھل سلسلہ تھا جس نے اسے گھیر رکھا تھا۔ کیا تھی یہ محبت؟ کیوں تھی یہ محبت؟ اس محبت نے اسے دیا ہی کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ اسے تو اس جذبے نے بیچ میں سوائے نارسائی اور دکھ کے کچھ نہیں دیا تھا۔ ایک مان تھا خود پہ وہ بھی چور چور ہو گیا تھا۔ پھر بھلا ایسی محبت کا کیا کرنا تھا۔ جو باد مخالف کا ایک تند جھونکا بھی سہہ نہیں پائی تھی اور خزاں رسیدہ پتوں کی طرح بکھر گئی تھی؟ جبکہ ہر جذبے کی گہرائی اور مضبوطی کا صحیح اندازہ تو کسی آزمائش میں ہی ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے طوبیٰ حسن کے جذبے تو بہت بودے نکلے تھے۔

کیا تھا اگر وہ نگین جیسی مکار عورت کی باتوں پہ آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کے بجائے ایک بار صرف ایک بار پورے استحقاق اس کاغذ کی حقیقت کے بارے میں نوفل جاہ سے پوچھ لیتی۔ تب اگر اسے پاتال سے بھی نگین فاروق کو ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا تو وہ لاتا اور اپنے درمیان پیدا ہونے والی ہر بدگمانی کو سمیت اپنے دشمن کے جڑ سے اکھاڑ پھینکتا۔ مگر طوبیٰ نے تو صرف اسے مجرم ٹھہرا لیا تھا۔ اس کے مزاج و اطوار کے ایک ایک رنگ کو جاننے کے باوجود اسے اس ہی کی نظروں میں گرا دیا تھا۔ پھر بھلا جب اعتبار ہی نہیں رہا تھا تو ان کے درمیان موجود اس نام نہاد رشتے کو قائم رکھنے کی کیا تک رہ جاتی تھی اور وہ کس لیے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے تگ و دو کرتا۔ اگر وہ طوبیٰ حسن کے نزدیک اتنے ہی کمزور کردار کا مالک تھا تو ٹھیک ہے۔ اسے پورا حق حاصل تھا کہ وہ نوفل جاہ جیسے برے آدمی سے نجات پاتی اور کسی پاک باز کے ساتھ اپنی نئی زندگی شروع کرتی۔ کیونکہ ایک بات تو طے تھی کہ اس سب کے بعد نوفل جاہ کی زندگی میں کسی طوبیٰ حسن کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ جذبوں کی ایک حد ہوتی ہے۔ اور وہ اس لڑکی پہ اپنے ہر جذبے کی انتہا کر چکا تھا۔ اب اس کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

☼ ☼ ☼

نوفل ریسٹورنٹ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ جب موبائل کی بیل پہ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔ کراچی کا نمبر دیکھ کے اس نے فون اٹھا لیا تھا۔

"السلام علیکم امی۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو بیٹا؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟" نوفل نے کسی معمول کی طرح جواب دیا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ لیکن تمہارا بھائی تم سے ناراض ہے؟"

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"تمہیں لاہور جا کے دس دن ہونے کو آئے ہیں۔ اور تم نے ابھی تک ارحمند سے بات نہیں کی۔ بیٹا تم بات کرو گے تو میں رشتہ ڈالوں گی نا۔ میں چاہتی ہوں کہ ان دونوں کی منگنی کا فنکشن بھی ضحیٰ کی شادی کے دوران ہی ہو جائے۔" صباحت کی بات پہ نوفل نے بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا۔ وہ اپنی پریشانی میں محب کا معاملہ بالکل بھول بیٹھا تھا۔ لیکن ایک نیا رشتہ جوڑنے کے بعد وہ اپنا رشتہ توڑنے کی روح فرسا خبر سب کو کیسے دے گا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آج ہی اماں جان سے ذکر کر کے آپ دونوں کی بات کرواتا ہوں۔" اس نے اپنی پیشانی مسلی۔ چند ایک مزید باتوں کے بعد فون بند ہو گیا تو نوفل نے بے دلی سے ہاتھ میں پکڑا کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا۔ یہ علیحدگی پہلے بھی اتنی آسان نہیں تھی۔ لیکن

محب اور ماہ نور کے رشتے کے بعد تو یہ سب اور بھی مشکل ہو جانے والا تھا۔ مگر وہ اپنی ناکام زندگی کی وجہ سے اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ زیادتی کا مرتکب تو نہیں ہو سکتا تھا۔ خود غرضی بھلا اس کی شخصیت کا خاصہ کب رہی تھی؟ سو وہ آفس سے اٹھ کر سیدھا "حسن ولا" چلا آیا تھا۔ اس کی بات سن کے ارجمند پہ تو شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ نوفل نے محب کی پسندیدگی کا حوالہ دیے بغیر بات کی تھی۔ اور جس وقت صباحت نے فون پہ خود باضابطہ طور پر ماہ نور کا رشتہ مانگا تھا تو انہوں نے لمحے کا توقف کیے بنا ہاں کر دی تھی۔ ماہ نور کے لیے اس سے اچھا بر انہیں کہاں مل سکتا تھا؟

پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

ماہ نور کا چہرہ تو گلاب کی طرح کھل گیا تھا۔ محب جاہ نے اپنا کہا پورا کر دیا تھا' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

نوفل کے جانے کے بعد ارجمند نے طوبیٰ کو فون ملا کر یہ خوش خبری سنائی تھی۔ ان کی آواز سے چھلکتی خوشی ان کے دل سے راضی ہونے کی غماز تھی۔ طوبیٰ نے اولین جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد یوں ظاہر کیا تھا جیسے وہ بھی اس خاموشی سے پکتی کھچڑی سے بخوبی واقف تھی۔

فون بند ہونے کے بعد طوبیٰ شاک کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔ یہ حالات کس رخ کو جا رہے تھے' وہ سوچ کر ہی سہم گئی تھی۔ ان دس دنوں میں وہ کون سا ایسا لمحہ تھا جب اس نے اپنی ماں سے خود پہ بیتی قیامت کے متعلق بات کرنے کا نہیں سوچا تھا۔ لیکن ہر بار اس کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔ اور اب..... اب تو جیسے یہ بات ناممکن ہو چلی تھی۔

"بیگم صبیحہ!" وہ اپنی سوچوں میں گم کمرے میں تنہا بیٹھی تھی جب رانی اس کے پاس چلی آئی۔

"ہاں۔"

"یہ کیسا کاغذ ہے جی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ طوبیٰ کی طرف بڑھایا تو اس نے بے دھیانی سے اسے تھام لیا۔ لیکن جوں ہی اس کی نظر مضمون پہ پڑی وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی۔ یہ نگین کی ابارشن رپورٹ تھی۔

"یہ کہاں سے ملی تمہیں؟" اس نے حیرت سے رانی کو دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔

"صوفے کے نیچے سے۔ میں نے صفائی کے لیے کھسکایا تو نظر پڑ گئی۔" اس کے جواب پہ طوبیٰ نے بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا۔

"بیگم صبیحہ خیر تو ہے؟" لیکن اس کے اشارہ کرنے پہ وہ الجھتی نظروں سے اسے دیکھتی باہر نکل گئی۔

"تو یہ رپورٹ نوفل کے پاس نہیں تھی۔" ڈوبتے دل کے ساتھ اس کا ہاتھ لبوں پہ آٹھہرا تھا۔

"تو کیا مجھے یہ ثبوت انہیں دکھانا چاہیے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"کس لیے؟" نوفل جاہ نے پہلے بھی کب تردید کی ہے۔ صرف فیصلہ سنایا ہے۔" اس کے اندر سے جواب آیا تو طوبیٰ اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھ کر رہ گئی جو اس کی بربادی کی وجہ بن کے نجانے کہاں سے اچانک نازل ہو گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

وقت چند دن مزید آگے سرکا تھا۔ نوفل کی ذہنی ابتری اپنی جگہ تھی اور کاروباری مصروفیات اپنی جگہ۔ اسپتال کا پراجیکٹ آخری مراحل میں تھا۔ ادھر ضحیٰ کی شادی اور محب کے فنکشن میں بھی محض بیس پچیس دن رہ گئے تھے۔ اس کے اور طوبیٰ کے ولیمہ کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس تقریب کو کینسل کروانا بھی ایک الگ مرحلہ تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ ضحیٰ کے فرض سے فارغ ہو کے اور محب کی منگنی کے بعد وہ دونوں ماؤں کو بٹھا کے اپنی اور طوبیٰ کی ذہنی ہم آہنگی نہ ہو پانے کا بہانہ بنا کر علیحدگی کا فیصلہ سنا دے گا۔ گو کہ نہ تو یہ سب کرنا آسان تھا اور نہ ہی گھر والوں کو اس فیصلے پہ آمادہ کرنا کوئی معمولی بات تھی۔ لیکن بحرکیف اسے اس پل صراط سے گزرنا ہی تھا۔ ان تمام معاملات نے مل کے نوفل کے اعصاب کو بری طرح تھکا دیا تھا تبھی بھی وہ سائٹ پہ ایک ورکر کی چھوٹی سی غلطی پہ اس پر بری طرح برس پڑا تھا۔ غصے میں بھرا وہ

آفس لوٹا۔

نوعالی کی کال کا سن کے اس کے اندر ایک پل کو بے زاری سی پھیل گئی۔ وہ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر......

"ہیلو!" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے ریسیور کان سے لگایا تو عالی چھوٹتے ہی شروع ہو گیا۔

"یہ تمہارا نمبر کیوں بند ہے؟"

"موبائل چارج کرنا بھول گیا تھا۔" وہ سپاٹ سے لہجے میں بولا۔ اس کا انداز عالی کو چونکا گیا۔

"اور موڈ کیوں آف ہے؟" اس نے بنا کسی پس و پیش کے استفسار کیا تو نوفل بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"بس یار۔ یہ لیبر کبھی کبھی بالکل دماغ خراب کر دیتی ہے۔"

"کتنا کام رہ گیا ہے؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ اور۔" اس نے پیشانی مسلی۔

"اپنے کپڑوں کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ ولیمہ پہ کیا پہنو گے؟" عالی کے سوال پہ نوفل خاموش ہو گیا۔

"یہ ولیمہ نہیں ہوگا۔" لمحے کے توقف کے بعد وہ دھیرے سے بولا تو عالی بری طرح چونک گیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ......" نوفل لحظہ بھر کو رکا اور پھر جیسے کسی فیصلے پہ پہنچ کر گویا ہوا۔ "اس لیے کہ میں نے طوبیٰ سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا؟" عالی کو لگا تھا جیسے اس سے سننے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔

☼ ☼ ☼

رات اچھی خاصی گہری ہو گئی تھی۔ لیکن نیند عالی کی آنکھوں سے تاحال غائب تھی۔ اس کا دماغ سوچ سوچ کے ماؤف ہونے لگا تھا، لیکن نوفل جاہ کی اس بات کا وہ کوئی سرا تلاش نہیں کر پایا تھا۔ آج دوپہر جب نوفل نے یہ اطلاع اسے دی تھی تو وہ ایک لمحے کو پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے نوفل نے فون بند کر دیا تھا۔ جس کے بعد سے لے کر اب تک وہ کتنی ہی بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ مگر نوفل نے دوبارہ اس کی کال ریسیو نہیں کی تھی۔

اس کا یہ رویہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ عالی کی پریشانی حد سے سوا ہونے لگی تھی۔ وہ طوبیٰ کے لیے نوفل کی شدید محبت سے باخوبی واقف تھا۔ وہ دونوں گھرانوں میں طے پا جانے والے نئے رشتے کے بارے میں بھی جانتا تھا۔ ایسے میں جب سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا تو نوفل نے اتنی بڑی بات کیونکر کی تھی وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے لیے نوفل جاہ کے اس فیصلے کے محرک کو جاننا ازحد ضروری ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ کام کا بہانہ کر کے پہلی متوقع فلائٹ سے لاہور چلا آیا تھا۔ اور اسی فلائٹ میں اس کی نظر نگین فاروق پہ پڑی تھی جو اس کی موجودگی سے بے خبر اگلی نشستوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج نوفل کی ڈاکٹر کریم اور اسپتال کی باقی انتظامیہ سے میٹنگ تھی۔ وہ یہ میٹنگ ختم کر کے اپنے آفس میں آیا تو عالی کو صوفے پہ بیٹھا دیکھ کے ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا۔ لیکن صرف ایک پل کے لیے۔ وہ اس کی آمد کا مقصد باخوبی جان گیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی اس زحمت کی؟" خود کو سنبھالتا وہ آگے بڑھا تو عالی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پہلے یہ بتاؤ کس لیے کی تھی وہ بکواس؟" خفگی سے اسے دیکھتا وہ سنجیدہ لہجے میں بولا تو نوفل مسکرا دیا۔

"اتنی سی بات کے لیے اتنا لمبا سفر؟"

"اتنی سی بات؟ یہ تمہارے لیے اتنی سی بات ہے؟"

"اور نہیں تو کیا۔ آج کل تو شادیوں کا ٹوٹنا بہت عام سی بات بن گئی ہے۔" اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔

"نوفل جاہ میرا صبر مت آزماؤ۔ بولو کیا مسئلہ ہے

تمہارے ساتھ؟" غصے سے اسے دیکھتے ہوئے عالی نے سختی سے کہا تو نوفل کے لبوں سے ایک بوجھل سانس ٹوٹ کے فضا میں بکھر گئی۔

"مسئلہ میرے ساتھ نہیں طوبیٰ حسن کے ساتھ ہے۔" دھیرے سے جواب دیتا وہ اپنی کرسی پہ جا بیٹھا۔

"طوبیٰ حسن نہیں طوبیٰ نوفل۔" عالی کے ٹوکنے پر نوفل کے چہرے پہ استہزائیہ تاثر پھیل گیا۔

"تمہارے اور میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ بات تو اس کے دل کی ہے۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم دونوں کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔" عالی کے الجھ کر دیکھنے پر نوفل تلخ سا مسکرا دیا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ میں نے صرف تمہارے اندازے پہ خاموشی اختیار کی تھی۔"

"یعنی تم دونوں......" عالی کی آنکھیں بے یقینی کے باعث پھیلی تھیں۔

"ہم دونوں آج بھی اتنے ہی فاصلے پہ کھڑے ہیں جتنے کہ دس سال پہلے تھے۔" اور عالی سر پکڑے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ نوفل نے اک گہری سانس لی تھی۔

"میں نے بہت کوشش کی تھی کہ اس کے دل کو صاف کر سکوں۔ مگر شاید اس کے دل میں میرے لیے حقیقتاً" کوئی حصہ باقی نہیں بچا ہے۔ تب ہی تو وہ نہ آج تک ماضی کو فراموش کر پائی ہے اور نہ حال کو قبول۔ بلکہ اب تو اس کے نزدیک میرا کردار بھی خاصا مشکوک ہو گیا ہے۔" وہ زخم خوردہ سا مسکرایا تو بغور اس کی بات سنتا عالی ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"صحیح کہہ رہا ہوں۔" اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتا وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "تب ہی تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھ جیسے بدکردار آدمی کے ساتھ کسی شریف لڑکی کا کیا کام؟"

"تم دونوں پاگل ہو گئے ہو۔ بالکل پاگل!" عالی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں ابھی جا کے بھابھی سے بات کرتا ہوں۔"

"بصد شوق۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ میرا فیصلہ اب کوئی دلیل، کوئی مجبوری نہیں بدل سکتی۔ میری زندگی میں ایک بے اعتبار اور بدگمان ساتھی کی کوئی گنجائش نہیں۔" عالی کی آنکھوں میں دیکھتا وہ قطعی لہجے میں بولا تو وہ اس کے چہرے سے چھلکتی مضبوطی کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ نجانے ان کے درمیان ایسا کیا ہو گیا تھا جو نوفل جاہ جیسا نرم خو اور درگزر کرنے والا انسان اتنے سنگین فیصلے پہ اتر آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

انکشاف تھا یا کوئی قیامت! عالی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھ میں پکڑی رپورٹ کو دیکھا تھا۔ اور ایک نظر زارو قطار روتی ہوئی طوبیٰ پہ ڈالی تھی۔

"سراسر جھوٹ اور بکواس ہے یہ۔ کیا آپ نوفل کو نہیں جانتیں؟"

"نہیں۔ میں نوفل جاہ کو نہ تو کبھی جان پائی ہوں اور نہ کبھی جان پاؤں گی میرا ہر دعوا انہوں نے ہمیشہ غلط ثابت کیا ہے۔" وہ بہتے اشکوں کے درمیان تڑپ کر بولی۔ تو عالی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"آپ کی اسی بے اعتباری نے تو نگین جیسی مکار عورت کا کام آسان کر دیا ہے۔"

"وہ چاہے جتنی بھی مکار ہو۔ کوئی لڑکی اتنا بھی نہیں گر سکتی کہ خود پہ اتنا گھناؤنا الزام لگائے۔" اس کی سادگی پہ عالی تلخی سے ہنس پڑا۔

"یہی تو آپ کی بھول ہے۔ اگر کوئی عورت بھرے بازار میں کسی مرد پہ ہاتھ اٹھاتی ہے تو ہم سب یہی سمجھتے ہیں کہ یقیناً" اسی آدمی نے کوئی بدتمیزی کی ہو گی۔ اور عموماً" ہوتا بھی یہی ہے۔ لیکن ہر بار ایسا ہی ہو یہ بھی ضروری نہیں۔ عورت ہر جگہ اور ہر صورت حال میں مظلوم نہیں ہوتی بھابھی۔ اس دنیا میں بعض عورتیں اپنی نسوانیت اور عزت کو کس طرح روندھتی ہیں آپ کو خبر بھی نہیں۔"

"چلیں مان لیا کہ نگین بھی ایسی ہی عورتوں میں

سے ایک ہے۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ ایک ساتھ گھومتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے تھے؟ میرے نکاح والے دن اس عورت نے میرے منہ پہ اپنی اور نوفل کی محبت کا اقرار کیا تھا۔ مجھے ان کی مجبوری کرداتا تھا۔"

"کیا مجبوری دیکھی ہے آپ نے نوفل کی؟ کیا اس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں یا رہنے کو چھت نہیں؟" عالی نے پیشانی پہ بل لیے طوبیٰ کو دیکھا تو وہ بے اختیار شرمندہ ہو گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں کبھی کبھار ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ لیکن جہاں تک محبت کی بات ہے تو وہ صرف نگین کو نوفل سے تھی۔ اور آج سے نہیں بلکہ یونیورسٹی کے زمانے سے تھی۔ مگر نوفل کے لیے وہ صرف ایک دوست تھی۔ اس نے کبھی نگین کے جذبوں کو پذیرائی نہیں بخشی۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں عالی بھائی۔ اتنی حسین لڑکی کی محبت کو بھلا کون قبول نہیں کرے گا۔" اس کی بات پہ عالی کی نظر طوبیٰ کے پیارے سے چہرے پہ آٹھہری۔

"ہر نظر کا اپنا حسن ہوتا ہے بھابھی۔ نوفل کی نگاہوں میں نگین فاروق جیسی لڑکی کبھی بھی نہیں سما سکتی تھی۔" اور طوبیٰ ایک پل کو خاموش ہو گئی۔

"اگر ایسا ہے تو انہوں نے ایک بار بھی تردید کیوں نہیں کی؟" اس نے الجھے الجھے سے لہجے میں استفسار کیا۔

"آپ نے ایک بار بھی تصدیق کرنے کی کوشش کی؟" عالی نے جواباً" ایک نیا نقطہ اٹھایا تو طوبیٰ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کی خاموشی پہ عالی کے لبوں پہ جتاتی ہوئی مسکراہٹ آٹھہری۔

"پھر تو حساب برابر ہو گیا نا بھابھی!" اور طوبیٰ نچلا لب دانتوں تلے دبائے نظریں چرا گئی۔

نوفل کی واپسی رات گئے ہوئی تھی۔ وہ فریش ہو کے باہر آیا تو عالی اس کا منتظر تھا۔

"مجھے تم سے اس اجنبیت کی امید نہیں تھی۔ اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے بتانے کی بھی زحمت نہیں کی۔"

عالی کو سینے پہ بازو لپیٹے کھڑکی میں کھڑا دیکھ کے نوفل بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"کیا بتاتا۔ بتانے کو کچھ تھا ہی نہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا تولیہ ایک طرف اچھال دیا۔

"پھر بھی کچھ تو کہتے۔ اور نہیں تو کم از کم بھابھی کی غلط فہمی ہی دور کرنے کی کوشش کر لیتے۔"

"اسے غلط فہمی نہیں یقین تھا۔ اور یقین کو کوئی کوشش نہیں بدل سکتی۔" بے تاثر لہجے میں کہتا وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا تو عالی بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ۔

"اور وہ نگین اس کو جا کر نہیں پکڑا تم نے؟" وہ سیدھا ہو گیا غصے سے بولا۔ اس عورت کا تو صرف ذکر ہی خون کھولانے کے لیے کافی تھا۔

"ہونہہ! چور چوری کر کے بھلا اڈر گرد رکتا ہے کبھی۔ فرار ہو چکی ہے وہ یہاں سے۔" اس کی بات پہ عالی بے اختیار چونک گیا۔

"لیکن وہ تو آج ہی۔۔۔"

"اور بالفرض۔۔۔" نوفل نے اس کی بات سنے بغیر کاٹ دی۔ "وہ یہاں ہوتی بھی تب بھی میں اسے اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے طوبیٰ حسن کے سامنے کبھی پیش نہ کرتا۔ جو لڑکی ساری زندگی مجھے جان کر بھی نہ جان پائی۔ جس نے ایک کاغذ کو میری زیست کی پوری کتاب پہ فوقیت دیتے ہوئے ایک بار بھی مجھ سے پوچھنے کی زحمت نہیں کی' اسے میں کبھی مر کر بھی اپنی صفائی نہیں دوں گا!" اس کی طرف دیکھتا وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ تو عالی نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے نگین کی لاہور میں موجودگی کی بات چھپالی۔ وہ اس پل نوفل کے غم و غصے کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرح جوش سے کام لے کر نگین کو اپنے دوست کا گھر اور اس کا دل اجاڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

کاش کہ اگر اسے پہلے اس سارے معاملے کا علم ہو جاتا تو وہ اس نگین نامی ناگن کو ایئرپورٹ پہ ہی دھر لیتا اور لا کے نوفل اور طوبیٰ کے قدموں میں ڈال دیتا۔ لیکن اب بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ وہ اتنا تو جان ہی

چکا تھا کہ نگین لاہور آ چکی ہے۔ اب اس اسے ترپ کرنے کا کوئی مناسب طریقہ ڈھونڈنا تھا۔ عالی کی ساری رات اسی ادھیڑبن میں گزری تھی۔ اور جب صبح کی سفیدی نے آسمان پہ چھائے اندھیرے کو شکست دی تھی' تب ہی عالی کے اندر پھیلی پریشانی اور ناامیدی کو بھی امید کی کرن نے چھو لیا تھا۔

اسے ایک ایسا پلان سوجھ ہی گیا تھا جو کہ اگر اس کی سوچ کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا تو نگین فاروق کی مات یقینی تھی۔ اس احساس نے اس کے اندر پھریری سی بھر دی تھی۔ اگلی صبح وہ ایک نئے عزم کے ساتھ بے دار ہوا تھا۔ چونکہ وہ فجر کے بعد سویا تھا اس لیے آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی۔ نوفل تب تک آفس جا چکا تھا۔ اس تمام عرصے میں اس نے ایک بار بھی عالی سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کی طوبیٰ سے کیا بات ہوئی تھی۔ اس کی یہ لاتعلقی اس کے اٹل فیصلے کی غماز تھی۔ اور عالی اسے اتنی بڑی حماقت کرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

عالی کی آمد کی وجہ سے طوبیٰ ناشتے کے بعد کھانے کے اہتمام کی غرض سے کچن میں چلی آئی تھی۔ اسے گھر میں کھانا بنائے آج کتنے ہی دن ہو گئے تھے۔ اس کے اور نوفل کے درمیان موجود کھنچاؤ کو اب تو ملازمین بھی محسوس کرنے لگے تھے۔ البتہ ارجمند اور ماہ نور تاحال اس صورت حال سے بے خبر تھیں۔ اور وجہ ان سب کی مصروفیت تھی۔ نوفل کا پراجیکٹ اپنے آخری مراحل میں تھا' اس کا زیادہ تر وقت اسپتال میں گزر رہا تھا۔ جبکہ ارجمند اور ماہ نور لاہور جانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ جن میں ہر لمحہ طوبیٰ کو ماں اور بہن کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ ماہ نور کی منگنی کی تیاریاں ضحیٰ کی شادی کے لیے تحائف اور خود طوبیٰ کے لیے زیور اور کپڑے۔ حالانکہ طوبیٰ اماں جان کو اپنے لیے ان سب چیزوں کی خریداری سے روکتی رہی تھی۔ لیکن چونکہ وہ کھل کر انہیں کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی اسی لیے دل میں اٹھتے درد کے طوفان کے باوجود وہ اپنی ماں کی خوشی میں ان کا ساتھ دینے پہ مجبور تھی۔

صباحت الگ وہاں اس کے ولیمہ کے جوڑے کا آڈر دے چکی تھیں۔ نوفل نے اپنے کپڑوں کے معاملے میں ماں کو کیا کہا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن اس کی جان شدید مشکل میں ضرور گرفتار ہو گئی تھی۔ اسے لگنے لگا تھا کہ اگر اذیتوں کا یہ سلسلہ جلد نہ رکا تو اس کے دماغ کی شریان بہت جلد پھٹ جائے گی۔ ایسے میں عالی کی اچانک آمد نے اسے مزید گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ لیکن جب عالی نے واضح الفاظ میں اس کے اور نوفل کے درمیان موجود کشیدگی کی وجہ جاننی چاہی تھی' تب اسے پتا چلا تھا کہ وہ یہاں کسی کام کی غرض سے نہیں بلکہ ان دونوں کے لیے آیا تھا۔ اپنے درد کا کوئی غم گسار پا کے طوبیٰ بکھر گئی تھی۔ اس نے اس منحوس دن کی تمام روداد عالی کو کہہ سنائی تھی۔ جس کے بعد طوبیٰ کے اندر پھیلی بے چینی جیسے تھم سی گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اپنے دھیان میں کچن میں مصروف تھی جب دروازے پہ دستک دے کر عالی اندر چلا آیا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں بھابھی؟"

"کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔" طوبیٰ نے سر پہ اوڑھا دوپٹا ٹھیک کیا۔

"فی الحال آپ اس سب کو رہنے دیں۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس کی بات پہ طوبیٰ' رانی کو چند ہدایات دیتی عالی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھی۔

"سب سے پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ یہ سب نگین فاروق کی اس گھر کو توڑنے کی' آپ دونوں کو جدا کرنے کی ایک گندی چال تھی تو آپ کیا کریں گی؟"

"میں۔" طوبیٰ کا تنفس یہ سب سن کے ہی تیز ہو گیا۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"اور؟" عالی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور میں ان سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں

گی۔" وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی تو عالی دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے پھر۔ اب آپ ویسا ہی کرتی جایئے گا جیسا کہ میں آپ سے کہوں گا۔" اور طوبیٰ نے تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اثبات میں سرہلا دیا تھا۔ اس کے لیے تو یہ معاملہ زندگی اور موت سے بڑھ کر تھا۔ اس کی بے چینی یک لخت اس مریض کی طرح بڑھ گئی تھی، جسے بستر مرگ پہ کسی نے زندگی کی امید دلا دی ہو۔

عالی نے جیب سے موبائل نکالا تھا اور فون میں فیڈ نگین فاروق کا نمبر ملا دیا تھا۔ دوسری ہی بیل پہ فون اٹھا لیا گیا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھے کال کرنے کی؟" نگین اپنے طے کردہ پلان کے مطابق چیخ کر بولی تھی۔ وہ نوفل جاہ سے، سب ہی ملنے والوں کو یہی تاثر دینا چاہتی تھی کہ اس نے اپنے اور نوفل کے متعلق طوبیٰ سے جو بھی کہا تھا، وہ حرف بہ حرف صحیح تھا۔

"میری جرات کا ابھی تمہیں اندازہ نہیں۔ لیکن بہت جلد جب تم بھری عدالت میں کھڑی ہوگی، تب تمہیں پتا چلے گا کہ جرات کہتے کسے ہیں۔" عالی سرد لہجے میں بولا۔ اس کی بات سے پاس بیٹھی طوبیٰ سمجھ گئی کہ عالی نے کسے کال ملائی تھی۔ اس کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا تھا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" نگین کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"دھمکی نہیں دے رہا، بتا رہا ہوں کہ اگر تم آج شام چار بجے تک مجھ سے ملنے نہیں آئیں تو کل میں یہ پورٹ اپنے وکیل کے حوالے کر دوں گا۔ میں اس رپورٹ کی سچائی کو لے کر اسے عدالت میں چیلنج کرنے والا ہوں نگین صاحبہ۔" اور نگین کو لگا تھا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ اس نکتے پہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ نوفل اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کر سکتا ہے۔ ہوائیاں اڑتے چہرے کے ساتھ اس نے اپنی گھبراہٹ پہ قابو پانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ کیونکہ فی الوقت اس کے لیے خود کو مضبوط ثابت کرنا بے حد ضروری تھا۔

"ایک نہیں ہزار بار کرو۔ میں کوئی چھوٹی تھوڑی ہوں جو ڈر جاؤں گی۔"

"اچھا!" عالی کے لہجے میں تمسخر در آیا۔ "ایک بار پھر سوچ لو نگین فاروق ایسا نہ ہو کہ اس شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو۔ سنا ہے تمہارے باپ بھائی خاصے عزت دار لوگ ہیں۔" عالی کی بات پہ لائن پر ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا تھا۔

"ہیلو!" عالی قصداً گنگنا کر بولا تو نگین نے اک گہری سانس لی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری دھمکی سے ڈر گئی ہوں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہر شریف لڑکی کی طرح میں تھانے کچہری کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی۔"

"اس کا مطلب ہے تم مجھ سے ملنے کے لیے تیار ہو؟" عالی نے مسکرا کر طوبیٰ کی طرف دیکھا۔

"ضرور مل لیتی فی الوقت میں کراچی میں نہیں ہوں۔" وہ یہی سمجھی تھی کہ عالی اسے کراچی سے کال کر رہا ہے۔ اس کی بات پہ عالی کے چہرے پہ استہزائیہ رنگ پھیل گیا۔

"کوئی بات نہیں، میں جو لاہور میں ہوں۔ ان فیکٹ ہم دونوں کل ایک ہی فلائٹ سے لاہور پہنچے ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ تمہاری نظر مجھ پہ نہیں پڑی تھی۔" اس انکشاف پہ جہاں نگین نے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں وہیں طوبیٰ بھی چونک گئی تھی۔

"اب تمہارے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں نگین۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو نگین کے لب بھینچ گئے۔ اس نے بامشکل تمام ذہن کو حاضر رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اتنے دنوں بعد بنا بنایا کھیل کیسے بگڑ گیا تھا؟

"ٹھیک ہے، لیکن میں اپنے گناہ گار کی شکل نہیں دیکھنا چاہوں گی۔" وہ ہوشیاری سے بولی تو اب کی بار عالی اس کی چالاکی پہ عش عش کر اٹھا۔

"بے فکر رہو۔ میں پہلے بھی اکیلا ہی آنے والا تھا۔"

"کہاں آنا ہے؟"

"جہاں تم چاہو۔" عالی نے قصداً" اسے آزادی دی۔

"پی سی' ٹھیک رہے گا۔" نگین کو تھوڑی تسلی ہوئی۔

"ٹھیک ہے پھر آج چار بجے ملاقات ہوتی ہے۔" عالی نے وقت دہرا کے فون بند کر دیا تو نگین نے سارے پریشانی اور بے بسی کے اپنا سر پکڑ لیا جب کہ دوسری طرف عالی کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

"اونٹ پہاڑ کے نیچے آہی گیا۔"

"مگر اس سے مل کر آپ کریں گے کیا؟" طوبیٰ نے ناسمجھی کے عالم میں عالی کو دیکھا۔

"سچائی کو سامنے لاؤں گا۔" وہ تصور کی آنکھ سے نگین کو اپنے مقابل بیٹھے دیکھ کے مسکرایا۔ "اچھا اب آپ میرے ساتھ بازار تک چلیں۔"

"بازار کیا لینے جانا ہے؟" طوبیٰ کے چہرے پہ الجھن در آئی۔

"آپ کے لیے عبایا اور نقاب خریدنا ہے۔" اس کی آنکھوں میں پھیلتی حیرت دیکھ کے عالی مسکرا دیا۔

"کیونکہ میں آج وہاں اکیلا نہیں' بلکہ مسز نوفل جاہ کو اپنے ساتھ لے کے جاؤں گا۔" اور طوبیٰ اس کی بات سمجھ کے ایک لمحے کو پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہوٹل کے وسیع و عریض خوب صورت ہال میں اے سی کی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ عالی نے بے تابی سے ایک نظر اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھا تھا۔ چار بجنے کو تھے اور اب نگین کسی بھی وقت وہاں آسکتی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنے سامنے بیٹھی طوبیٰ کو دیکھا تھا۔ جو نقاب اور عبایا میں آنکھوں پہ زیرو گلاسز (نظر کا جھوٹا چشمہ) لگائے' کسی طور مسز نوفل نہیں لگ رہی تھی۔

"او کے بھابھی' میں اب یہاں سے چلتا ہوں۔ میں نے ریسپشن پہ سمجھا دیا ہے۔ جب نگین آئے گی تو ویٹر اسے خود ہی میری مہمان کی حیثیت سے اس ساتھ والے ٹیبل پہ لا بٹھائے گا۔" عالی نے برابر والی میز کی طرف اشارہ کیا' جو اس نے یہاں پہنچ کر قصداً" تھوڑی قریب کروائی تھی۔ یہ دونوں ٹیبلز اس نے گھر سے ہی ریسیور کروالی تھیں۔ ویسے بھی اس وقت ہال میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

"میں اس کے آنے کے بعد ہال میں آنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اسے کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔" اس کی بات پہ طوبیٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے اعصاب پر ہلکی ہلکی گھبراہٹ سوار ہونے لگی تھی۔ پتا نہیں یہ ساری کوشش جھوٹ اور سچ کو واضح کرنے والی تھی بھی یا نہیں؟ یا پھر اس سارے قصے میں جھوٹ کا کوئی عمل دخل سرے سے تھا ہی نہیں اور سچائی صرف وہی تھی جو نگین نے اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔

"لیجئے آپ کا آڈر بھی آ گیا۔" عالی نے اس کے لیے ٹھیک ٹھاک قسم کا لنچ منگوالیا تھا۔ ویٹر کے جانے کے بعد عالی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اب آپ آرام سے کھانا کھایئے گا اور یوں ظاہر کیجئے گا کہ آپ یہاں یہی کرنے آئی ہیں۔" اس کے مثبت جواب پہ عالی اٹھ کر تیز قدموں سے ہال سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کے منظر سے ہٹتے ہی طوبیٰ نے ایک بے زار نظر اپنے سامنے سجے کھانے پہ ڈالی تھی۔ یہ وہ کس کھیل تماشے میں پڑ گئی تھی؟ بھلا اس ڈرامائی انداز میں بھی کبھی کسی نے حقیقی زندگی کے مسئلے حل ہوتے دیکھے تھے؟ کوفت سے سوچتے ہوئے اس نے اپنی پیشانی مسلی تھی۔ تب ہی دائیں طرف موجود دروازے میں سے نگین فاروق' انتظامیہ کے ایک بندے کے ساتھ اندر داخل ہوتی نظر آئی تھی۔ اس پہ نگاہ پڑتے ہی طوبیٰ کی ساری بے زاری ہوا ہوگئی تھی اور وہ غیر ارادی طور پہ فارم میں آگئی تھی۔ جب تک نگین اپنے ٹیبل پہ آ بیٹھی تھی' طوبیٰ اپنی پلیٹ میں فروٹ سیلڈ نکال چکی تھی۔

"آپ کے لیے کچھ لاؤں میڈم؟" ویٹر نگین سے مخاطب ہوا تھا۔

"پانی لے آئیں۔" ویٹر کے جاتے ہی نگین نے اک گہری سانس لی تھی۔ اس نے برابر والی ٹیبل پہ طوبیٰ کی طرف والی ہی کرسی سنبھالی تھی۔ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے طوبیٰ نے پلیٹ میں چکن نکالی تھی۔ اس دوران نگین نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈال کر دروازے کی طرف دیکھنا شروع کردیا تھا۔ طوبیٰ کو وہ چہرے سے ہی اچھی خاصی پریشان لگ رہی تھی۔ شاید کہ عالی کی یہ کوشش کچھ اتنی غیر موثر بھی نہیں تھی، جتنی کہ چند لمحے پہلے تک طوبیٰ کو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی حسیات نا چاہتے ہوئے بھی تیز ہو گئی تھیں۔

ویٹر نگین کو پانی سرو کر رہا تھا۔ جب عالی ہال میں داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر نگین کے تاثرات یکسر بدل گئے تھے۔ وہ اب کافی کمپوز نظر آرہی تھی۔ عالی، طوبیٰ کی طرف دیکھے بنا سیدھا نگین کی جانب آیا تھا۔

"سوری، ٹیکسی ٹریفک میں پھنس گئی تھی۔" اس نے نگین کے مقابل کرسی سنبھالی تو طوبیٰ کی نگاہیں پل بھر کو عالی کے چہرے سے جا ٹکرائیں۔ نگین نے اس کی بات پہ محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

"ہاں تو نگین، پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا؟" عالی سیدھا مدعے پہ آیا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، جو کچھ کیا ہے تمہارے دوست نے کیا ہے۔" وہ بلا جھجکے بولی تو عالی کی آنکھوں میں سرد مہری پھیل گئی۔

"کم از کم میرے ساتھ یہ ڈرامہ مت کرو نگین۔"

"یہ ڈرامہ نہیں، حقیقت ہے عالی صاحب۔ تمہارے دوست نے میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ اس نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔" اس نے ایک بار پھر وہی کڑوی بات پورے وثوق سے دھرائی تو طوبیٰ نے مارے اذیت کے اپنی آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ بچہ نوفل کا تھا؟" عالی غصے سے بولا۔

"بکواس بند کرو!" نگین کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تم نے کیا مجھے اتنی ہی گری پڑی لڑکی سمجھ رکھا ہے؟"

"ہونہہ! یہ تو کچھ بھی نہیں نگین صاحبہ۔ عدالت میں دیکھنا تم سے کیسے کیسے غلیظ سوال کیے جائیں گے اور وہ بھی مردوں کے سامنے، جن میں تمہارے باپ اور بھائی بھی شامل ہوں گے۔ تمہیں بہت شوق ہے نا کھیل کھیلنے کا؟" عالی آگے کو جھکا۔ "اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ اصل تماشا کہتے کسے ہیں!" اس کے انداز پہ نگین کی رنگت فق ہو گئی۔

"یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے عالی۔ اس لیے دور رہو۔"

"ایسی کی تیسی اس معاملے کی۔ تم دیکھنا اب میں تمہارا کیا حال کرتا ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تو نگین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"عالی! اچھا پلیز ایک منٹ تو بیٹھ جاؤ۔" اور طوبیٰ جو نگین فاروق کے منہ سے کسی کرارے سے جواب کی امید کر رہی تھی۔ اس کی بدلی ہوئی لے پہ ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی۔ جب کہ عالی اسے تھوڑا واپس بیٹھ گیا تھا۔

"میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں نگین یا تو میرے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کرلو یا پھر بھری عدالت میں اپنی رسوائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیوں کہ اس کے بعد اگر تم نے میرے پاؤں بھی پکڑے تو بھی مجھے کورٹ میں جانے سے نہیں روک پاؤ گی۔" اور نگین آنکھوں میں آنسو لیے چیخ گئی تھی۔

"ہاں۔ ہاں میرا قصور ہے۔ جھوٹ بولا تھا میں نے۔ نوفل جاہ کے گھر کو برباد کرنے کی سازش رچائی تھی۔ بدلہ لینا چاہتی تھی میں اس سے اپنے ٹھکرائے جانے کا۔" اور طوبیٰ کو لگا تھا جیسے کوئی تیز رفتار ٹرین اس کے اوپر سے چیختی چنگھاڑتی گزر گئی ہو۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا چمچ چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے سناٹے کی کیفیت میں آگئی تھی، لیکن اگلے ہی پل اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی تھی۔ اور ایک زناٹے دار تھپڑ نگین کے منہ پہ دے مارا تھا۔

"کمینی۔ ذلیل عورت! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" بھونچکی بیٹھی نگین کے لیے اس اچانک آپڑنے والی افتاد کو سمجھنا مشکل ہو گیا تھا۔ طوبیٰ نے پے درپے دو اور تھپڑ اس کے منہ پہ جڑ دیے تھے۔ ارد گرد بیٹھے اکا دکا افراد پلٹ پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ عالی نے تیزی سے اٹھ کر طوبیٰ کو بازو سے تھام لیا تھا۔

"بس کریں بھابھی، اسے اس کا سبق مل چکا ہے۔" لفظ "بھابھی" پہ نگین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس نے بے یقین نظروں سے عبایا میں ملفوف وجود کو دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ساری صورت حال سمجھ کے پھاڑ کھانے والے انداز میں عالی پہ پل پڑی تھی۔

"خبیث آدمی، تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا؟" مگر عالی کے ایک ہی جھٹکے نے اسے دور دھکیل دیا تھا۔

"میں نے صرف حساب برابر کیا ہے۔" تب ہی ہوٹل کی انتظامیہ بھاگتی چلی آئی تھی۔ مغلظات کا ایک طوفان تھا جو نگین کے منہ سے نکل رہا تھا۔ وہ غصے میں ہمیشہ کی طرح ہسٹریائی ہونے لگی تھی

"لے جائیں اس بے ہودہ عورت کو یہاں سے!" عالی کے غصے سے کہنے پہ دو لڑکیوں نے سرعت سے آگے بڑھ کے اسے تھام لیا تھا اور بکتی جھکتی نگین کو اپنے اسٹاف کی مدد سے گھسیٹ کے باہر لے گئی تھیں۔ نگین کے سامنے سے ہٹتے ہی طوبیٰ پھپھک کے رو پڑی تھی۔ عالی کا ہاتھ شفیق انداز میں اس کے سر پہ آٹھہرا تھا۔

"مجھے یہاں سے لے چلیں بھائی!" اس کی آنسوؤں میں ڈوبی استدعا پہ عالی نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ اس پل طوبیٰ کی جذباتی کیفیت کا اندازہ باخوبی کر سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

پارک میں سہ پہر کے پانچ بجے خاصی خاموشی تھی۔ عالی، طوبیٰ کو ملازمین سے بھرے گھر میں لے جانے کے بجائے راستے میں پڑنے والے ایک پارک میں لے آیا تھا۔ جہاں اس نے اپنے اندر کے پچھتاوے کو کھل کر آنسوؤں کے راستے بہہ جانے دیا تھا۔ عالی نے اسے بالکل نہیں ٹوکا تھا، اس کے نزدیک اس غبار کا چھٹ جانا ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ طوبیٰ روتی رہی تھی، یہاں تک کہ آنسو خود بہ خود تھمنے لگے تھے۔

"پانی لاؤں آپ کے لیے؟" اس نے نرمی سے پوچھا تو طوبیٰ کا سر نفی میں ہل گیا۔ عالی نے اک گہری سانس لی۔

"دیکھ لیں بھابھی۔ سچ کیا تھا اور آپ کیا سمجھ کر اپنا گھر خراب کرنے چلی تھیں۔ اعتبار ہر رشتے کی میراث ہوتا ہے بھابھی، آپ کا فرض تھا کہ نوفل کو مجرم ٹھہرانے سے پہلے آپ ایک بار اس سے سوال ضرور کرتیں۔ تب اگر وہ آپ کو خطاکار لگتا تو آپ ضرور اپنا فیصلہ سنا دیتیں۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی بھائی۔ بہت بڑی غلطی۔" طوبیٰ کی آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر جاری ہو گئے۔

"لیکن میں کیا کرتی جو ثبوت اس عورت نے میرے سامنے رکھا تھا، وہ کوئی چھوٹا تو نہیں تھا۔ نگین بدلے کی آگ میں اس درجہ گندہ الزام خود پہ لگالے گی، مجھے کیا خبر تھی؟"

"مگر آپ کو نوفل جاد نامی انسان کے کردار اور اوصاف کی تو خبر تھی نا۔ پھر بھلا آپ نگین پہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کیسے کر گئیں؟ کیسے آپ نے اس عورت کے مقابلے میں اپنے ہی شوہر کو اتنا ہلکا کر دیا؟" عالی نے تاسف سے اسے دیکھا تو طوبیٰ کے لب کپکپا گئے۔

"آپ یا کوئی اور مرد شاید ایک بیوی کے جذبات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اس وقت اس رپورٹ کو دیکھ کے مجھ پہ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی، میں آپ کو الفاظ میں نہیں بیان کر سکتی۔" اس کا بے بس سا اعتراف محبت عالی کو پل بھر کے لیے خاموش کروا گیا۔ شاید وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ اتنا بھیانک ثبوت تو کسی کے بھی اعتبار کو ہلا سکتا تھا۔ جب کہ وہ تو پھر نوفل کے

ہاتھوں ایک ٹوٹی ہوئی لڑکی تھی۔ جس نے نگین کا اپنے شوہر کے لیے واضح اقرار محبت بھی سن رکھا تھا۔ ایسے میں اس کا یہ جذباتی رد عمل کچھ اتنا غلط بھی نہیں تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم شاید آپ پہ گزرنے والی قیامت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" عالی کی تائید پہ طوبیٰ کے خاموش آنسوؤں میں شدت در آئی۔

"لیکن بھابھی۔ میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ حقیقت کو کبھی صرف اپنے کانوں اور آنکھوں تک محدود نہ رکھیے گا۔ بعض اوقات اس کی جڑیں بہت گہرائی میں اتری ہوتی ہیں۔" عالی دھیرے سے بولا۔

اس کی پرسوچ نظریں طوبیٰ پہ تھیں۔ پتا نہیں جو وہ کرنے چلا تھا' وہ اخلاقاً" صحیح تھا یا غلط' لیکن وہ اب ان دونوں کو مزید ان کی اناؤں کے خول میں قید نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"آپ کو یاد ہے وہ رات جب بھابھی نوفل نے اگلی صبح کراچی کے لیے فلائی کرنا تھا اور آپ خالی جاہ پیلس میں اس سے ملنے گئی تھیں؟" اور طوبیٰ کو جیسی کسی کرنٹ نے چھو لیا تھا۔

"آ۔ آپ اس بارے میں کیسے جانتے ہیں؟" اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"میں نوفل کی زندگی کی ہر پہلو سے واقف ہوں بھابھی۔" عالی کے دہان سے کہنے پہ طوبیٰ کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ اس کی نظریں مارے شرمندگی کے جھک گئیں۔

"تو انہوں نے آپ کو بھی میری رسوائی کا قصہ سنا دیا۔" وہ زخم خوردہ سا بولی۔

"آپ کی رسوائی کا نہیں' اس نے مجھے اپنی پسپائی کا قصہ سنایا تھا۔ اس شکست کا قصہ جو اس نے خود اپنی محبت کے نصیب میں رقم کر دی تھی' مگر آپ کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی۔"

"کیا؟" طوبیٰ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھاتے ہوئے عالی کی طرف بے یقین نظروں سے دیکھا۔

"اس روز بھی آپ سے یہی غلطی ہوئی تھی بھابھی جو اب ہوئی ہے۔ کیونکہ اس روز بھی حقیقت کچھ اور تھی۔ اور آپ نے سمجھا کچھ اور تھا۔ اس دن نوفل نے آپ کی محبت کو نہیں ٹھکرایا تھا بلکہ اس نے اپنے دل کی پہلی اور آخری تمنا کو اپنے ہاتھوں اجاڑ دیا تھا۔ وہ آپ سے شدید محبت کرتا ہے بھابھی اور تب سے کرتا ہے جب آپ کی دنیا صرف رنگوں اور جگنوؤں تک محدود تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ جب آپ تک یہ جذبہ پہنچا' تب نوفل کی زندگی اتنی مشکل ہو چکی تھی کہ وہ چاہ کر بھی آپ کی محبت کی پذیرائی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک ایسے ان دیکھے راستے کا مسافر تھا' جس کی منزل کب اور کہاں آنی تھی' وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ ایسے میں وہ ایک سولہ سالہ بچی کے ہاتھ میں اپنی محبت کا یقین تھما کے اسے لامحدود انتظار کے حوالے کیسے کر سکتا تھا؟ صرف آپ کی معصومیت کو اپنی مشکلات کے سائے سے دور رکھنے کے لیے بھابھی اس روز نوفل جاہ نے ہر الزام خود پہ لے لیا تھا۔ اسے آپ کی نظروں میں ہمیشہ کے لیے برا بن جانا تو منظور تھا' لیکن اس کی محبت کو آپ کی ذات کو اپنی آزمائشوں کی بھینٹ چڑھانا منظور نہیں تھا۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" طوبیٰ کی تو کاٹو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت ہو چلی تھی۔

"آپ کل مجھ سے کہہ رہی تھیں نا نوفل نے آپ سے کسی مجبوری کے تحت شادی کی ہے؟ تو جی' اس مجبوری کا نام ہے محبت۔ اس محبت نے اسے ان دس سالوں میں ایک دن بھی سکون سے جینے نہیں دیا۔ کتنے جتن نہیں کیے آنٹی نے کہ وہ شادی کر لے' مگر اس کی "نہ" "ہاں" میں نہیں بدلی۔ نگین جیسی حسین لڑکی اس کے عشق میں دیوانی ہو کر' اس کے پیچھے کراچی تک چلی آئی' لیکن نوفل نے کبھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھا۔ کیوں؟" عالی نے طوبیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال اٹھایا تو اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے چہرے پہ بہہ نکلے۔

"کیونکہ اس کی نظر کا حسن تو آپ تھیں بھابھی۔ پھر بھلا اس کی نگاہ میں نگین فاروق کا حسن کیسے سما سکتا تھا؟" اور طوبیٰ نے اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں پہ گرا لیا

تھا۔ یہ وہ کیسا ظلم کما چکی تھی؟

"ایسے میں اتنے سالوں بعد جب قدرت نے اچانک آپ کو پانے کا ایک اور موقع اسے دے دیا تو وہ آپ کی ناراضی کے باوجود اسے گنوانے کا حوصلہ نہیں کرپایا۔ اسے یقین تھا کہ وہ آپ کو منا لے گا لیکن شاید وہ ایسا نہیں کرپایا۔ تب ہی تو اتنی بری طرح سے ٹوٹ چکا ہے وہ۔" اور طوبیٰ کو لگا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

"چپ ہوجائیں۔ خدا کے لیے چپ ہوجائیں! نہیں تو میرا دل بند ہوجائے گا۔" اور عالی لب بھینچے خاموش ہوگیا تھا۔

"یہ میں نے کیا کردیا؟ کیسا غضب ڈھا دیا میرے مولا!" طوبیٰ کے گریہ میں ملال تھا۔ اپنی آخری حدوں کو چھوتی بدگمانی کا پچھتاوا تھا مگر شاید کچھ غلطیاں دلوں پہ ہمیشہ کے لیے داغ چھوڑ جاتی ہیں اور طوبیٰ کی کوتاہیاں بھی ان ہی میں سے ایک تھیں۔

☼ ☼ ☼

ایک بھونچال تھا جو نوفل جاہ کی پوری ہستی میں اتر آیا تھا۔ اس نے شدید غصے کے عالم میں اپنے سامنے کھڑے عالی کی طرف دیکھا تھا۔

"کس سے پوچھ کر تم نے یہ سب کیا اور بتایا ہے؟"

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے بازپرس کرنے والے؟" عالی نے بھنویں سکیڑیں۔

"میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا بھی اور بتایا بھی!"

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اس سب کے بعد اپنا ارادہ بدل لوں گا؟ نہیں۔ میں بھی اب صرف وہی کروں گا جو مجھے مناسب لگتا ہے۔" اور دروازے کے باہر کھڑی آنسو بہاتی طوبیٰ کے لیے خود کو مزید روکے رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ بے تابی سے آگے بڑھی تھی اور دروازہ دھکیل کے اندر چلی آئی تھی۔

"اگر میں آپ کے پاؤں پکڑلوں تب بھی کیا اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے؟" طوبیٰ کی بات پہ نوفل کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے۔ اسے اندر آتا دیکھ کے عالی پلٹ کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"پلیز نوفل مجھے۔" روتی ہوئی طوبیٰ نے اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تھے کہ نوفل جاہ کی سرد آواز نے اس کے وجود کو ساکت کردیا۔

"اس سے پہلے کہ میرے منہ سے کوئی بہت بڑی بات نکل جائے، وہیں رک جاؤ!" اور طوبیٰ پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔

"نوفل پلیز! ایک بار صرف ایک بار میری بھی بات سن لیں۔" اس نے سسکتے ہوئے استدعا کی تو نوفل کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"کیا سن لوں ہاں۔ کوئی نیا بہتان، نیا شک یا نئی گالی؟" اور طوبیٰ کے لیے نوفل جاہ سے نظریں ملانا مشکل ہوگیا تھا۔ "تم نے طوبیٰ حسن، جتنا دکھ مجھے پہنچایا ہے۔ شاید ہی کسی محبت کے دعوے دار نے پہنچایا ہو۔" اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی، طوبیٰ نے بے اختیار اپنی آنکھیں میچ لیں۔

"مجھے معاف کردیں نوفل۔ میں آپ کی گناہ گار ہوں۔" اس کا پچھتاوا نوفل کے لبوں پہ کاٹ دار مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا، دعا کرنا کہ کبھی تمہیں اپنے کیے پہ پچھتانا نہ پڑے، لیکن شاید تم نے میری بات کو ہمیشہ کی طرح درخور اعتنا نہیں جانا۔"

"پلیز نوفل، آپ نے تو ہمیشہ میرے آنسوؤں کو سمیٹا ہے۔ پھر کیوں آج اتنا رلا رہے ہیں؟" اس کی بات نوفل جاہ کے دل کو تڑپا کے رکھ گئی۔

"اس لیے کہ تمہارے آنسو سمیٹتے سمیٹتے اب نوفل جاہ کی انگلیاں فگار ہوچکی ہیں۔ وہ اپنا ہر جذبہ تم پہ تمام کرچکا۔ اب اس کے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں بچا!"

"ایسا مت کہیں نوفل۔ ایسا مت کہیں۔ میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔" طوبیٰ نے وحشت سے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی نہیں مرتا کسی کے بغیر۔ آج اگر عالی آ کے

تم پہ سارے حقائق نہ کھولتا تو تم کیا مرنے والی تھیں میرے بغیر؟" اس نے استہزائیہ نظروں سے طوبیٰ کی طرف دیکھا تو وہ مارے ندامت کے زمین میں گڑ گئی۔

"تمہارے اور میرے درمیان کوئی رشتہ چل ہی نہیں سکتا طوبیٰ حسن۔ کیوں کہ تمہیں مجھ سے محبت تو ہے پر تمہیں میرا اعتبار نہیں۔ آج اگر یہ باتیں تمہیں عالی کے بجائے میں نے بتائی ہوتیں تو تم ان پہ من گھڑت کا لیبل لگا کے 'میری زندگی سے چلتی بنتیں۔ تمہیں انجانی نگین فاروق پہ تو یقین آگیا' لیکن اپنے جانے پہچانے نوفل جاہ پر یقین کرنا' تمہارے لیے مشکل ہوگیا۔ تو کمی کہاں ہے آخر؟ کمی ہے تمہارے بھروسے میں۔ تمہارے جذبوں میں۔ جب تم نے اماں جان کو روتے ہوئے بتایا تھا کہ ضیا نے تمہارا راستہ روکا' تمہارا ہاتھ پکڑا تھا' تب میں نے لمحے بھر کے لیے بھی نہیں سوچا تھا کہ کہیں اس میں میری بیوی کی رضا تو شامل نہیں؟ یہ فرق ہے تمہارے اور میرے یقین میں ہماری محبتوں میں۔ تمہیں میری ہر سچائی کے لیے کسی دوسرے کی یقین دہانی کی ضرورت ہے اور میرے لیے تمہاری ہر بات صرف اس لیے کافی ہے کیوں کہ وہ تمہارے منہ سے نکلی ہے۔ ایسے میں ہمیں زندگی کی ہر اونچ نیچ میں کہاں سے اپنی گواہیاں لاتا پھروں گا؟ کس سے کہوں گا کہ آکر میرا گھر بچائے؟ اس دو غلی اور اذیت بھری رفاقت سے بہتر نہیں کہ میں اس ساتھ کو ہی ختم کردوں۔ نجات دلا دوں تمہیں بھی اور خود کو بھی۔"

اور طوبیٰ کے لیے نظریں اٹھانا تو دور اپنے پیروں پہ کھڑے رہنا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ دوزانوں زمین پہ گری تھی' اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے با آواز بلند رونے لگی تھی۔

اس کے رونے کی آواز نوفل جاہ کے دل میں چھید کرنے لگی تھی۔ مارے اذیت کے اس نے اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں تلے دبالیا تھا' مگر دل و روح میں اٹھتے درد کے بگولے اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ اب کی بار اس کی آنکھوں سے گرتے ان موتیوں کے آگے کمزور پڑتا وہ تیز قدموں سے' زمین پہ بکھری طوبیٰ کو نظرانداز کیے' وہاں سے باہر چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوگیا ہے آپ کو آپی۔ کیوں اتنے برے طریقے سے رو رہی ہیں؟" ماہ نور نے نرمی سے بہن کے بہتے اشک صاف کیے تھے۔ طوبیٰ بخار میں پھنک رہی تھی۔ ایک سوائے نوفل کے وہ تینوں (عالی' ارحمند اور ماہ نور) ہی اس کے سرہانے تھے۔ ساری رات رونے' تڑپنے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اگلی صبح وہ بخار میں جل رہی تھی' لیکن نوفل اس کی طرف دیکھے بنا آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ مجبوراً عالی کو ہی ارحمند اور ماہ نور کو بلانا پڑا تھا۔

"دو دن رہ گئے ہیں سفر میں۔ اور اس کی اتنی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔" ارحمند نے پریشانی سے کہتے ہوئے عالی کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ طوبیٰ کی ارحمند اور ماہ نور کے ساتھ دو دن بعد کراچی کی روانگی تھی۔ ضحیٰ کی شادی میں انیس بیس دن رہ گئے تھے۔ صباحت کے فون پہ فون آرہے تھے۔ ایسے میں نوفل نے چند دن قبل ہی ان تینوں کی ٹکٹس کروا دی تھیں۔ خود وہ یہاں اسپتال کا کام مکمل کروا کے ہی جانے والا تھا۔ لاکھوں روپوں کی مشینری کو وہ یوں آخری وقت میں لیبر کے حوالے کرنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ دوسرا محب کی صباحت اور ضحیٰ کے پاس موجودگی نے بھی اسے ذہنی طور پہ مطمئن کر رکھا تھا۔ وہ مسلسل محب سے رابطے میں تھا' یوں محب نے ساری ذمہ داریاں بہت احسن طریقے سے اٹھالی تھیں۔

ماہ نور اٹھ کر اس کے لیے سوپ بنانے گئی تو چھت کو ایک ٹک تکتی طوبیٰ نے اپنی بے جان نظریں اماں جان کے مشفق چہرے پہ جمادیں۔

"اماں۔ اماں جان۔"

"جی اماں کی جان۔" انہوں نے پیار سے اس کا چہرہ سہلایا تو طوبیٰ کی آنکھیں نئے سرے سے بھر آئیں۔

"کیا ہو گیا ہے بیٹا؟" ارجمند اسے پھر سے روتا دیکھ کے پریشان ہو گئیں۔

"وہ... وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں اماں جان۔" وہ روتے ہوئے بولی تو عالی کے لب بھنچ گئے۔ اس کے لیے طوبیٰ کو اس بری حالت میں دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اٹھا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

"تو تم اسے منالو بیٹا۔" ارجمند نے نرمی سے اس کے آنسو سمیٹے۔ طوبیٰ کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔

"وہ نہیں مان رہے۔"

"مان جائے گا۔ تم بس اپنی کوشش جاری رکھو۔"

"کیا... کیا کروں؟" اس نے پریشان حال بچے کی طرح ماں کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

"سب سے پہلے تو تم سے جو بھی غلطی ہوئی ہے۔ عہد کرو خود سے کہ دوبارہ اسے کبھی نہیں دہراؤ گی۔ پھر اس غلطی کے ازالے کی کوشش شروع کرو۔ نوفل کے لیے اپنی توجہ' پیار اور خدمت میں کوئی کمی نہ آنے دو۔ اسے اپنے عمل سے یہ باور کرواؤ کہ تم اپنی غلطی پہ شرمندہ ہو۔ دیکھنا وہ خود ہی مان جائے گا۔" رسان سے کہتے ہوئے وہ آخر میں شفقت سے مسکرائیں تو طوبیٰ کو لگا جیسے اس کی اماں جان نے اسے کتنے بیش بہا خزانوں سے بھی قیمتی نصیحت تھما دی ہو۔ اس کے چہرے پہ امید کے رنگ اترتے دیکھ کے ارجمند کے اندر بھی اطمینان پھیل گیا۔ انہوں نے بے اختیار آگے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"ہمت رکھو بیٹا اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سمیٹے تو طوبیٰ نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں سکون سے موند لیں۔

ہاں۔ اسے اب بس یہی کرنا تھا۔ اسے اپنے عمل سے نوفل جاہ کو اپنی محبت' اپنے مکمل بھروسے کا یقین دلانا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ آج تک ہر' ہر لمحہ طوبیٰ کو دلاتا آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

چاندنی میں آیو میاں بنڑے

روشنی میں آیو میاں بنڑے

سر تیرے سونے کا سہرا

لڑیاں جھلمل کریں میاں بنڑے...

ڈھولک کی تھاپ پہ لڑکیوں کی آواز نے پورے گھر میں ایک سماں سا باندھ رکھا تھا۔ مہمانوں کی گہما گہمی' بچوں کی اچھل کود' شادی سے پہلے ہی گویا شادی کی رونقیں اتر آئی تھیں۔ ایسے میں ماہ نور ہر پل محب جاہ کی نظروں کے حصار میں تھی۔ وہ لوگ جس دن سے کراچی پہنچے تھے محب کی تو گویا عید ہو گئی تھی۔ وہ آنے بہانے وہاں کے چکر لگاتا رہتا جہاں ماہ نور ہوتی۔ ضحیٰ اور طوبیٰ ایسے میں اس کا خوب ریکارڈ لگاتیں' مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ ہنس ہنس کے ترکی بہ ترکی جواب دیے جاتا' لیکن اپنی راہنوں کے گرد منڈلانا نہیں بند کرتا۔ ابھی بھی وہ ماہ نور کو ڈھولک بجاتے دیکھ کے خواہ مخواہ ہی لڑکیوں میں کود پڑا تھا۔

"ادھر دو ڈھولک۔ کیا تم قسم کا گانا گا رہی ہو تم لوگ۔" ماہ نور نے ڈھولک کھینچی جانے پہ خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ کی ہی ہونے والی منگیتر صاحبہ کی پسند ہے محب بھائی۔" ارد گرد بیٹھی لڑکیوں میں سے ضحیٰ کی کسی سہیلی نے ہانک لگائی۔ تو محب کی چمکتی نگاہیں مقابل بیٹھی ماہ نور پہ آٹھہریں۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا کہ اتنا بھی برا نہیں۔" اسے تکتا وہ شرارت سے بولا تو ایک زور کا قہقہہ پڑا۔ ماہ نور کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ اس نے محب کو آنکھیں نکالیں تو وہ حظ اٹھاتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بڑے سر میں شروع ہو گیا۔

جادو بھری آنکھوں والی سنو

جادو بھری آنکھوں والی سنو

تم ایسے مجھے دیکھا نہ کرو...

بس پھر کیا تھا۔ ساری لڑکیاں کورس میں اس کے ساتھ گانے لگی تھیں۔ ماہ نور کا چہرہ کانوں کی لوؤں تک جل اٹھا تھا۔ وہ ان سب کے درمیان بری پھنسی تھی۔ اسی وقت طوبیٰ اندر داخل ہوئی تو محب کو لڑکیوں کے

درمیان تانیں لگاتا دیکھ کے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"آپ یہاں کیا کررہے ہیں محترم؟" اس نے باآوازبلند استفسار کیا۔

"آپ کی بہن کو چھیڑرہے ہیں۔" گروپ میں سے جواب آیا تو سب کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

"اچھی غدار ہو تم لوگ۔" محب نے پلٹ کے لڑکیوں کو گھورا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" طوبیٰ نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کمر پہ ہاتھ رکھا۔ "امی!" وہ دروازے کی طرف منہ کرتے ہوئے چلائی تو محب اچھل کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہیں تو میں نہیں چھوڑوں گا۔ ظالم سماج کہیں کی!" محب نے منہ پہ ہاتھ پھیرا۔

"امی!" طوبیٰ نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے دوبارہ آواز لگائی۔ تو محب لڑکیوں کے سروں پہ سے پھلانگتا باہر بھاگ گیا۔ جب کہ پیچھے ماہ نور سمیت ان سب کا ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

طوبیٰ اپنے کمرے میں اپنی اور نوفل کی اس تصویر کے آگے کھڑی تھی، جو اس کے لیے بے حد خوب صورت سرپرائز ثابت ہوئی تھی، جب اس نے پہلی بار نوفل جاہ کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ تب وہ دیوانہ وار اس حسین تصویر کی جانب کھنچی چلی آئی تھی۔ نظریں جھکائی بیٹھی وہ اور اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا نوفل طوبیٰ کے لب اس خوب صورت پل کو دیکھ کے کھل اٹھے تھے۔ دل میں محبت کا ایسا شدید احساس جاگا تھا کہ وہ اس یادگار کو چھوئے بغیر نہ رہ سکی تھی، بلکہ وہ تو اس کمرے کی کسی بھی چیز کو چھوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ یہاں ہر سو نوفل کی خوشبو، اس کا احساس بکھرا ہوا تھا۔ جسے اس نے زندگی میں پہلی بار پورے استحقاق کے ساتھ محسوس کیا تھا۔

اس نے پوری آزادی کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل پہ اپنا میک اپ اور جیولری باکسز سیٹ کیے تھے۔ اپنے کپڑے الماری میں نوفل کے کپڑوں کے برابر لٹکائے تھے۔ پرس، جوتے غرض کے ہر چیز اس کی چیزوں کے ساتھ سجادی تھی۔ وہ اس سے ہر مقام پہ ایسے جڑ جانا چاہتی تھی کہ اگر وہ چاہتا بھی، تب بھی طوبیٰ کو خود سے جدا نہیں کر پاتا۔

اب بھی وہ اسی عزم کے ساتھ اس تصویر کے سامنے کھڑی تھی۔ نوفل کی انگلیوں میں دبی انگوٹھی سے ہوتی اس کی نظریں اپنے ہاتھ پہ آٹھہری تھیں۔ جس میں جگمگاتی وہ نیلم اور ہیرے سے سجی انگوٹھی آج اس نے بہت حق کے ساتھ پہنی تھی۔ یہی نہیں، بلکہ اس نے کلائیوں میں کنگن اور کانوں میں خوب صورت سے گولڈ کے ٹاپس بھی پہنے تھے۔ ہونٹوں پہ لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل بھی لگایا تھا، کیوں کہ آج نوفل جاہ آرہا تھا۔ اتنی سی ہی تیاری سے اس کا روپ چھپا اٹھا تھا۔ خود پہ ایک آخری نگاہ ڈالتی وہ کمرے سے باہر نکلی تو سامنے سے آتا محب اسے دیکھ کر رک گیا۔

"واہ۔ واہ۔ کیا تیاریاں ہیں صاحب!" اس نے ستائشی انداز میں اسے سرتاپا دیکھا۔

"ماشاء اللہ بھی کہہ دیں۔" طوبیٰ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"ہم کیوں کہیں بھئی۔ کہیں وہ۔ جن کے لیے صورتیا چمکائی ہے۔ ہمیں تو روز ہی بغیر قلعی کے منہ دکھا دکھا کے ڈراتی رہی ہو۔" محب نے کندھے اچکاتے ہوئے شان بے نیازی سے کہا تو طوبیٰ کی آنکھیں اس کھلی بے عزتی پہ پھٹنے کو آگئیں۔

"محب بھائی!"

"جی بہنا۔" اس نے دانت نکالے تو طوبیٰ لپکجا کے اس کی طرف بڑھی، لیکن وہ ہنستا ہوا نو دو گیارہ ہو گیا۔ دل ہی دل میں محب جاہ کو کوستی وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو آگے صباحت کی ملنے والی خواتین آئی بیٹھی تھیں۔ ایک طرف ضحیٰ کی سہیلیاں بیٹھیں اس کے کپڑے پیک کررہی تھیں۔ طوبیٰ بے اختیار مہمان خواتین کی جانب بڑھ آئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" صباحت سمیت چاروں خواتین نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ میری بڑی بہو ہے۔" صباحت نے مسکرا کے تعارف کروایا۔

"اچھا اچھا۔ ماشاء اللہ۔ کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟" ایک آنٹی نے مسکرا کے سوال کیا تو وہ صباحت کے برابر ٹک گئی۔

"طوبیٰ۔"

"آپ کی طرح پیارا نام ہے۔" وہ مسکرا کے کہتیں صباحت کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔ "میں اس دن آپ کی طرف آئی تو یہی سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں یہ بچی کون ہے جس کا ایک پاؤں اندر اور ایک باہر ہے۔" ان کی بات پہ صباحت کے ساتھ ساتھ طوبیٰ بھی ہنس پڑی۔

"اس میں کوئی شک نہیں جس دن سے آئی ہے۔ مجھے فارغ کر کے بٹھا دیا ہے۔" صباحت کے تعریف کرنے پہ طوبیٰ شرمندہ ہو گئی۔ وہ ان خواتین کو چائے سرو (Serve) کر کے فارغ ہوئی تو ضحیٰ کی سہیلیاں کپڑے سمیٹ کر لڈی کی تیاریوں میں تھیں۔

"آجاؤ طوبیٰ، تھوڑی پریکٹس کر لیں۔" ان کی بات پہ طوبیٰ ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔ وہ سب ضحیٰ کی مہندی پہ کمبائن ڈانس کا پروگرام بنائے ہوئے تھیں۔ میوزک لگا تو نئے طرز پہ گائے گئے اس پرانے گیت نے سب ہی کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

رقص میں ہے سارا جہاں
دھوم ہے یہ آج یہاں
آئے گا وہ شہ خوباں۔۔۔

طوبیٰ لہک لہک کے سب کے ساتھ ناچنے میں مگن ہو گئی تھی اور باہر پورچ میں نوفل کی گاڑی آ کر رکی تھی۔ محب بھائی کے استقبال کو آگے بڑھا تو وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل آیا۔

"السلام علیکم بھائی!"

"وعلیکم السلام!" نوفل اس سے بغل گیر ہوا۔

"یہ کیا ہے یار؟" اس کا اشارہ باہر تک آتے میوزک کی طرف تھا۔

"روز کا کام ہے بھائی۔ آپ بھی عادی ہو جائیں گے۔" وہ بے چارگی سے بولا تو نوفل مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گیا، لیکن جوں ہی دونوں بھائیوں نے لاؤنج میں قدم رکھا، ان کی نظریں وسط میں ناچتی لڑکیوں کے ساتھ محو رقص طوبیٰ پہ جا ٹھہریں۔

دھوم ہے یہ آج یہاں
آئے گا وہ شہ خوباں
آئے گا وہ شہ خوباں۔۔۔

طوبیٰ گھوم کے جوں ہی پلٹی، اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئی۔ سامنے کھڑے نوفل جاہ کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ جب کہ اس کے ساتھ کھڑے محب کے چہرے پہ 440 واٹ کی ہنسی چمک رہی تھی۔ اس صورت حال نے سب سے زیادہ مزا اسے ہی دیا تھا۔ طوبیٰ کی دیکھا دیکھی سب ہی کی نظریں ان پہ آٹھہری تھیں۔ صباحت تیزی سے اٹھ کر بیٹے کی طرف بڑھی تھیں۔ طوبیٰ بری طرح خفیف ہو گئی تھی۔

"اسے کہتے ہیں پیا جی کا صحیح استقبال۔" محب شوخی سے بولا تو سب کے زوردار قہقہے پہ طوبیٰ کا چہرہ رنگین ہو گیا۔ نوفل ایک خاموش نظر اس پہ ڈال کر ماں کی جانب بڑھ گیا تھا۔ ارحمند، ماہ نور اور ضحیٰ بھی اس کی آمد کا سن کے دوڑی چلی آئی تھیں۔ ہر سو بکھری رونق نوفل کے آنے سے دوچند ہو گئی تھی۔

وہ سب سے ہنس بول رہا تھا، لیکن طوبیٰ کی طرف اس نے دوبارہ نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ وہ مسلسل اس کے آس پاس ہی گھوم رہی تھی۔ یہ بے اعتنائی طوبیٰ کو اندر ہی اندر کبیدہ کرنے لگی تھی۔ آپ جس کی آنکھوں کا ہر لمحہ مرکز رہے ہوں، وہی آنکھیں آپ کو دیکھ کے بھی ان دیکھا کرنے کا ہنر سیکھ لیں، تو دل پہ کیسی چوٹ پڑتی ہے، اس کا احساس طوبیٰ کو آج ہوا تھا۔ اسے بے اختیار نوفل جاہ کے صبر اور حوصلے کا

اندازہ ہوا تھا' جسے ان چند ماہ میں طوبیٰ نے خوب ہی آزمایا تھا۔ اپنے طرز عمل پہ اسے دکھ اور شرمندگی نے نئے سرے سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ چپ چاپ کچن میں چلی آئی تھی اور پھر رات گئے تک آنے بہانے وہیں گھسی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
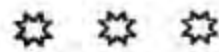
نوفل نے جس وقت اپنے کمرے میں قدم رکھا' رات کے دو بجنے کو تھے۔ مارے تھکن کے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ سیدھا بیڈ کی طرف آیا تھا۔ اور تکیہ پشت پہ رکھتے ہوئے نیم دراز ہو گیا تھا۔ بے اختیار پلکیں موندتے ہوئے اس نے بازو آنکھوں پہ رکھ لیا تھا۔ تب ہی ایک بھینی سی خوشبو اسے اپنے اطراف منڈلاتی محسوس ہوئی تھی۔ بازو ہٹاتے ہوئے اس نے سر اونچا کرکے آس پاس نظر دوڑائی تھی۔ اور تب ہی اس کی نگاہ اپنے سرہانے پڑے طوبیٰ کے کالے دوپٹے سے جا ٹکرائی تھی۔ بے اختیار اس نے اک گہری سانس لیتے ہوئے بے نیازی سے سر واپس تکیے پہ ٹکاتے ہوئے آنکھیں بند کرلی تھیں' لیکن یہ بھینی بھینی خوشبو اسے ڈسٹرب کرنے لگی تھی۔ یہ طوبیٰ کا پسندیدہ پرفیوم تھا' جو وہ اکثر لگایا کرتی تھی' لیکن آج سے پہلے اس کی مہک نوفل کو کبھی بھی اتنی ناگوار نہیں گزری تھی' جتنی کہ اس پل اور خاص کر اپنے اس کمرے میں محسوس کرکے ہو رہی تھی۔

وہ جھنجلایا سا اٹھ بیٹھا تھا۔ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی تھی۔ یقیناً" طوبیٰ اندر تھی۔ نوفل کو فق زدہ سا رخ پھیر گیا تھا۔ تب ہی اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پہ سجی طوبیٰ کی چیزوں پہ پڑی تھی اور اس کی بھنویں یک لخت تن گئی تھیں۔ حالانکہ لاہور والے گھر میں بھی اس کے استعمال کا تھوڑا بہت سامان یوں ہی ڈریسنگ ٹیبل پہ سجا ہوتا تھا' لیکن نجانے کیوں انہیں اپنے اس ذاتی کمرے میں یوں استحقاق سے سجا دیکھ کے نوفل کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔ یا یہ اس کی سالوں پہ محیط وہ ناتمام خواہش تھی جو ان حالات میں پوری ہو کے اسے لاشعوری طور پہ تکلیف پہنچا گئی تھی۔

وہ چند لمحے ان چیزوں کو بیٹھا گھورتا رہا تھا اور پھر غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا رخ اپنی الماری کی جانب تھا۔ وہ جلد از جلد اپنے کپڑے تبدیل کرکے سو جانا چاہتا تھا۔ ایک جھٹکے سے الماری کھولتے ہوئے اس نے کپڑوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا' لیکن سامنے اپنے کپڑوں کے ساتھ طوبیٰ کے کپڑے لٹکتے دیکھ کر اس کا دماغ جیسے گھوم گیا تھا۔ تب ہی واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور نوفل کے صبر کا پیمانہ' ان درودیوار کے درمیان طوبیٰ کی موجودگی کا سوچ کے ہی لبریز ہو گیا تھا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے پوری طاقت سے الماری کا دروازہ مارا تھا۔ دھماکے کی آواز پہ اندر آتی طوبیٰ بری طرح ڈر گئی تھی۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟" نوفل غراتے ہوئے اس کی طرف پلٹا تو اپنی غلطی سے انجان طوبیٰ گھبرا کے چند قدم پیچھے ہٹی۔ "اپنا کاٹھ کباڑ میرے ارد گرد سجا کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟" اور طوبیٰ اس کے غصے کی وجہ جان کر قدرے پرسکون ہو گئی۔

"یہی کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔" مطمئن سی کہتی وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھی تو یہ تجاہل عارفانہ نوفل کا خون کھولا گیا۔ وہ چیل کی طرح آگے بڑھا اور طوبیٰ کو اس کی کہنی سے پکڑ کے ایک جھٹکے سے اپنی جانب گھمادیا۔ اس کی بھیگی زلفوں سے پانی کے قطرے اڑ کے نوفل جاہ کے چہرے اور گردن پہ گرے تھے' لیکن کسی لطیف احساس نے اس کے اندر ہلچل نہیں مچائی تھی۔ البتہ طوبیٰ کی سانس ایک لمحے کو ضرور رک گئی تھی۔

"یہاں آکر تم کچھ زیادہ خوش فہم نہیں ہو گئیں؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ بھنچے بھنچے سے لہجے میں بولا تو اس کا سرخ چہرہ طوبیٰ کی آنکھوں میں سراسیمگی پھیلا گیا۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی ہمت مجتمع کی۔

"خوش فہمی کی کیا بات ہے۔ کیا میں آپ کی بیوی نہیں؟"

"ہونہہ! بہت جلدی یاد آگیا کہ تم میری بیوی ہو۔"
نوفل کا استہزائیہ انداز طوبیٰ کی رنگت پھیکی کر گیا۔

"چلیں یاد تو آیا۔ آپ کی طرح ہر رشتہ یاد ہوتے ہوئے بھی اس سے منہ موڑنے پہ تو نہیں تلی ہوئی۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ رنجیدہ سی بولی۔

"اس کی ذمہ دار بھی تم ہی ہو۔" وہ تلخ ہوا۔

"تو اب معافی بھی تو مانگ رہی ہوں نا۔۔۔ معاف کردیں نا نوفل۔" طوبیٰ نے اچانک ہاتھ بڑھا کے اس کے گال کو چھوا۔ اس کی نرم و ٹھنڈی انگلیوں کا لمس نوفل جاہ کے اندر پھریری سی دوڑا گیا۔ وہ زور سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

"میرے خیال میں یہ جواب تمہارے لیے کافی ہے۔" اور طوبیٰ ساکت سی اسے دیکھے چلی گئی۔

"دوبارہ مجھ پہ یہ حربے آزمانے کی کوشش مت کرنا!" انگلی اٹھائے وہ اسے سخت لہجے میں باور کرواتا تیز قدموں سے جا کے باتھ روم میں بند ہوگیا تو مارے تذلیل کے طوبیٰ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

اس کے ذہن میں تو ایسی کوئی بات دور تک نہیں تھی۔

"ہونہہ! اور اسی بات کا آپ شاید فائدہ اٹھانا چاہ رہے ہیں۔" اچانک نجانے کہاں سے شادی کی اولین شب کہا گیا اس کا اپنا کاٹ دار جملہ اس کی یادداشت میں تازہ ہوگیا تو طوبیٰ اپنی پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

"کوئی زخم ایسا ہے طوبیٰ نوفل جو تم نے اس شخص کے سینے پہ نہیں لگایا؟" اس کے اندر سے کسی نے سوال کیا تو وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں نوفل۔ کوئی گلہ نہیں!"

☼ ☼ ☼

درمیان کے دو دن تیزی سے گزرے تھے۔ ضحیٰ مایوں بیٹھ چکی تھی۔ نوفل کی مصروفیت اپنے عروج پر تھی۔ وہ بہن کی شادی میں ہر چیز پرفیکٹ چاہتا تھا۔ گھر میں بھی ہر وقت کی ہلچل تھی۔ صباحت تو اپنے طور پہ ساتھ ساتھ بیٹے کے ولیمے کی تیاریوں میں بھی مصروف تھیں۔ باہمی رضامندی سے محب اور ماہ نور کی منگنی کی رسم بھی اسی روز طے پائی تھی۔ نوفل کے فنکشن کے لیے ہال تو بہت پہلے ہی بک ہوچکا تھا۔ اب صرف انہیں مینو فائنل کر کے بتانا تھا۔ ولیمہ کا کارڈ صباحت عزیز و اقارب میں ضحیٰ کے کارڈوں کے ساتھ بانٹ چکی تھیں۔ ماہ نور کی تیاری بھی مکمل تھی۔ البتہ طوبیٰ کے لیے زیور اور جوڑا ضحیٰ کی چیزوں کے ساتھ ہی آنے والا تھا۔ اب صرف نوفل کے اپنے کپڑے رہ گئے تھے جنہیں وہ مسلسل نظرانداز کیے ہوئے تھا۔ اس کی یہ لاپروائی صباحت کو رہ رہ کے غصہ دلانے لگی تھی۔ بالآخر تنگ آکر انہوں نے نوفل کو بتائے بغیر زبردستی محب اور عالی کی پسند سے نوفل کی ارجنٹ سوٹنگ کا آرڈر دے دیا تھا۔ عالی اور نوفل کی بات چیت بند تھی۔ نوفل کو کراچی آئے آج چوتھا دن تھا لیکن وہ اب تک اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔

صباحت کی تیاریاں دیکھ دیکھ کے طوبیٰ کو اب گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ نوفل نے اس تقریب کے بارے میں کیا سوچ رکھا تھا وہ قطعی طور پہ انجان تھی۔ اس رات کے بعد دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ نوفل نے اسے مکمل طور پہ نظرانداز کر رکھا تھا لیکن طوبیٰ سب کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے بالکل نارمل انداز میں پیش آتی تھی جس کا جواب مجبوراً نوفل کو بھی نارمل انداز میں دینا پڑتا تھا۔ ایسی ہی عجیب صورت حال میں گھرے ضحیٰ کی مہندی کا دن آگیا تھا۔

صباحت نے طوبیٰ اور ماہ نور کے لیے مہندی اور بارات کے کپڑے خود تیار کروائے تھے۔ جو کہ دونوں کو ہی بے حد پسند آئے تھے۔ ضحیٰ کی سہیلیاں آج صبح سے ہی پہنچی ہوئی تھیں۔ تقریباً بارہ بجے کے قریب مہندی لگانے والی لڑکیاں بھی آگئی تھیں۔ سوائے دلہن کے ان سب ہی نے آج مہندی لگانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ صباحت کے کہنے پہ مہندی والی نے طوبیٰ کے ہاتھوں پیروں کو بھی کسی دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ سہاگ اور شگن کی اس نشانی کو دیکھ کے طوبیٰ کی

آنکھیں بھر آئی تھیں۔ جب نوفل جاہ کے ساتھ کی اسے کوئی خواہش نہ تھی تو قسمت نے زبردستی اسے اس کی رفاقت عطا کردی تھی اور آج جب طوبیٰ کا روم روم اس کے ساتھ کا آرزو مند تھا تو وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کے درپے ہو گیا تھا۔ اپنے نصیب کے اس ناروا سلوک پہ اس کا دل درد سے بھر آیا تھا۔

اپنے کمرے میں جی بھر کے آنسو بہانے کے بعد جس وقت وہ باہر آئی' چائے کا فرمائشی دور چل رہا تھا۔ وہ چپ چپ کچن میں آکے کام میں لگ گئی۔ مہندی وہ کچھ دیر پہلے ہی دھو چکی تھی۔ اس خوشبودار اذیت کو مزید برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی' لیکن اس آدھے پونے گھنٹے میں ہی مہندی اس کے ہاتھوں پیروں پہ خوب رچ گئی تھی۔ ملازمہ کے ہاتھ اور چائے بھجوا کے وہ فریج میں رکھا دودھ ابالنے کے خیال سے دیگچی نکال کے کوکنگ رینج کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔ جب نوفل اپنے دھیان میں بولتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"گل بی بی ایک کپ کافی۔" جوں ہی اس کی نظر ملازمہ کے بجائے طوبیٰ پہ پڑی تھی وہ یک لخت خاموش ہو گیا تھا۔ طوبیٰ نے ایک بے تاثر نظر اس کے چہرے پہ ڈالی تھی اور پلٹ کر کیبنٹ میں سے کافی کی بوتل نکالنے لگی تھی۔

"زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔" اسے کافی نکالتا دیکھ کے وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو طوبیٰ جو پہلے ہی جلی بیٹھی تھی' کھول اٹھی۔

"جب تک بندھی ہوئی ہوں نا آپ کے ساتھ' میں ایسی ہر زحمت کرتی رہوں گی۔ جس دن فارغ کردیں گے اس دن بنوائیے گا کسی اور سے!" نوفل کی آنکھوں میں دیکھتی وہ غصے سے بولی تو نوفل اس کی ناک اور آنکھوں کی سرخی دیکھ کر چونک گیا۔

"پتا نہیں خود کو کیا سمجھتے ہیں۔" بوتل سلیب پہ پٹختے ہوئے وہ باآواز بلند بڑبڑاتی کافی میکر کی طرف بڑھ گئی تو نوفل اس کی پشت کو دیکھتا لب بھینچے ایک طرف رکھی میز اور کرسیوں کی جانب چلا آیا۔ صبح سے بھاگ دوڑ کرتے کرتے وہ اس وقت شدید تھکن محسوس کر رہا تھا اور رہا باہر پھیلا ہنگامہ اس تھکن میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے اپنا سر پشت پہ ڈال دیا تھا۔ اور انگلیوں سے آنکھوں کو دبانے لگا تھا۔

چند لمحوں میں ہی کچن میں کافی کی مہکتی خوشبو پھیلنے لگی تو طوبیٰ نے ایک طرف رکھا کپ اٹھا کر اپنے سامنے کیا۔ کافی میکر سے کیٹل نکال کے وہ اپنے دھیان میں کافی ڈال رہی تھی' جب "شوں" کی آواز کے ساتھ چولہے پہ رکھا دودھ ابل کے دیگچی سے باہر آگرا تھا۔ طوبیٰ بوکھلا کے پلٹی تھی اور اسی بوکھلاہٹ میں ابلتی ہوئی کافی اس کے ہاتھ پہ آپڑی تھی۔ دلدوز چیخ کے ساتھ اس نے کیٹل پٹختے ہوئے اپنا ہاتھ تھام لیا تھا۔ چیخ کی آواز پہ نوفل ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔ طوبیٰ کو اپنا ہاتھ پکڑے دیکھ کے وہ غیر ارادی طور پہ اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"کیا ہوا؟" پریشانی سے پوچھتے ہوئے اس نے طوبیٰ کا ہاتھ دیکھنے کے ارادے سے جوں ہی پکڑنا چاہا' اس نے غصے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کی حرکت نوفل کی پیشانی شکن آلود کر گئی۔ اس نے ایک تیز نظر طوبیٰ پہ ڈالتے ہوئے اس کا ہاتھ جھپٹا اور اپنے سامنے کر لیا تھا لیکن اس کے ہاتھ پہ نگاہ پڑتے ہی نوفل کی نظریں ٹھٹک گئیں۔ گورے ہاتھوں پہ سجی سرخ مہندی اس قدر دل فریب لگ رہی تھی کہ وہ ایک لمحے کے لیے اپنا سارا غصہ بھول گیا تھا۔ ان ہاتھوں پہ مہندی کا رنگ دیکھنا اسے کتنا پسند تھا یہ اگر اس پل طوبیٰ جان لیتی تو شاید کبھی اپنی ہتھیلیوں کو کورا نہ رہنے دیتی' لیکن افسوس کہ ان کے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں رہا تھا جس کی بنیاد پہ وہ ان حنائی ہتھیلیوں کو لبوں سے لگا کے اپنی خواہش کا اظہار کر دیتا۔ اس ان کہی حسرت نے نوفل جاہ کے دل میں درد کی نئی لہر اٹھا دی تھی۔ اس نے لب بھینچے طوبیٰ کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچن سے باہر نکل گیا تھا۔

شہر کے ایک خوب صورت لان میں ضحیٰ کی مہندی کی تقریب سجائی گئی تھی۔ جہاں ہر سو روشنیوں، رنگوں اور خوشبوؤں کا پہرا تھا۔ ماہ نور رائل بلو کلر کے فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اپنے لمبے بالوں کی چٹیا میں موتیے کے ننھے ننھے پھول پروئے ہر سو اڑتی پھر رہی تھی جب کہ طوبیٰ ڈارک گرین شلوار قمیص میں شانوں پہ بڑا سا دوپٹا پھیلائے کھلے بالوں، میک اپ اور گولڈ جیولری کے ساتھ اتنی خوب صورت اور بدلی ہوئی لگ رہی تھی کہ نوفل جاہ کی نظریں کتنی ہی بار اس کے دمکتے ہوئے روپ سے جا الجھی تھیں۔

دونوں گھروں کے مردوں نے آج کی تقریب کے لیے کاٹن کے سفید شلوار قمیص زیب تن کیے تھے اور سفید شلوار قمیص میں تو طوبیٰ کو نوفل ہمیشہ ہی بہت اچھا لگا کرتا تھا، لیکن آج تو اس کی وجاہت اور وقار کے رنگ ہی کچھ اور تھے۔ وہ اتنا شان دار لگ رہا تھا کہ کتنی ہی نظریں اس کے قدموں سے لپٹی جا رہی تھیں۔

لڑکے والوں کی آمد کے ساتھ ہی ہلچل مچ گئی تھی۔ عالی، فہد، ان کے کزنز اور دوستوں نے وہ بھنگڑا ڈالا تھا کہ زمین ہل کر رہ گئی تھی۔

گھر کی ایک اچھی اور ذمے دار بہو کی طرح طوبیٰ نے آگے بڑھ کر سب ہی مہمانوں کا استقبال کیا تھا۔ چونکہ ضحیٰ اور فہد کا ابھی نکاح نہیں ہوا تھا، اس لیے دونوں کو الگ الگ رسم کے لیے لایا گیا تھا۔ جس کے بعد دونوں طرف سے خوب ہی رونق لگائی گئی تھی۔ اس رونق میں طوبیٰ کو پیش پیش دیکھ کے نوفل کا دل مزید گم سم سا ہو گیا تھا۔ اپنی زندگی کے حاصل سے دست برداری بھلا کہاں آسان تھی۔ لڑکے لڑکیوں کی یہ رونق ذرا تھمی تو مہمانوں کے لیے کھانا لگا دیا گیا۔ ایسے میں صباحت طوبیٰ کو لیے ایک ادھیڑ عمر کپل کے پاس چلی آئیں تو وہ بے اختیار چونک گئی۔

"اس سے ملیں بھائی صاحب، یہ ہے نوفل کی دلہن۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے تعارف کروایا تو طوبیٰ نے بغور ان انکل کو دیکھتے ہوئے سلام کیا۔ جو اسے کچھ جانے پہچانے سے لگ رہے تھے۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔"

"میرے خیال میں آپ نے اسے پہچانا نہیں؟" صباحت نے محظوظ نظروں سے انہیں دیکھا تو اب کے انہوں نے بغور طوبیٰ کو دیکھا۔ انہیں الجھن میں دیکھ کے صباحت خود ہی بول پڑیں۔

"حسن بھائی کی بیٹی ہے یہ اور طوبیٰ یہ ہیں تمہارے منیجر انکل، خالد صاحب۔" اور خالد قریشی کو یوں لگا تھا جیسے انہیں کسی کرنٹ نے چھو لیا ہو۔ نوفل نے حسن مجتبیٰ کی بیٹی سے شادی کی تھی انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔ ان کے چہرے پہ در آنے والی حیرت اتنی شدید تھی کہ طوبیٰ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"اچھا۔ اچھا۔ کیسی ہو بیٹا؟" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ مسکرا کر گویا ہوئے تو طوبیٰ عجیب سا محسوس کرتی ان سے بات کرنے لگی۔ اس دوران صباحت ارحمند اور ماہ نور کو بلانے چلی گئیں تو طوبیٰ ان کے چہرے کے ناقابل فہم تاثرات سے الجھتی جلد ہی وہاں سے ہٹنے کے لیے پر تولنے لگی۔

"اچھا انکل آنٹی آپ کھانا کھائیں۔ میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔" اس نے شائستگی سے معذرت کی تو خالد صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ طوبیٰ دل ہی دل میں شکر ادا کرتی پلٹ کر آگے بڑھی تھی، لیکن ابھی محض چند قدم ہی اٹھا پائی تھی کہ اپنے پیچھے ابھرنے والی خالد انکل کی حیرت زدہ آواز پہ اس کا وجود ایک پل کو ساکت ہو گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔ نوفل نے حسن مجتبیٰ کی بیٹی کے ساتھ شادی کیسے گوارا کر لی؟" اور طوبیٰ اپنی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

"یہ خالد صاحب ایسے کیوں کہہ رہے تھے؟"

"آہستہ بولیں، کہیں وہ سن نہ لے۔" وزدیدہ نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے ان کی بیگم نے انہیں ٹوکا تو طوبیٰ کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔

"حسن مجتبیٰ کی بیٹی میں ایسی کون سی برائی تھی جو

نوفل جاہ اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا؟" سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس نے اپنے پیروں کو جنبش دی تھی، لیکن اس سوال کی بازگشت پھر سارا وقت اس کے ساتھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

نوفل جس وقت کمرے میں آیا رات کے تین بج رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ طوبیٰ ابھی تک سب کے ساتھ باہر ہی تھی۔ کمرے میں پھیلا اندھیرا اس کے اندازے کی درستگی کا غماز تھا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو آن کی آن میں کمرہ روشن ہو گیا اور ساتھ ہی صوفے پہ اپنا سر پشت پہ گرائے بیٹھی، طوبیٰ کا وجود بھی واضح ہو گیا۔ اسے دیکھ کے نوفل بے اختیار چونک گیا۔ وہ یوں اندھیرا کیے کیوں بیٹھی تھی؟ الجھ کر سوچتے ہوئے وہ بنا کچھ پوچھے بیڈ پہ آبیٹھا تھا۔ اپنے پیروں کو پشاوری چپلوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے اس نے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھی تھی جیب سے اپنا والٹ اور موبائل نکال کر وہ ابھی کھڑا ہی ہوا تھا کہ طوبیٰ کی آواز نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

"حسن مجتبیٰ کی بیٹی میں ایسی کون سی برائی تھی نوفل جاہ کہ آپ اس سے شادی نہیں کر سکتے تھے؟" اس کی بات پہ نوفل نے پلٹ کر ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔ تو وہ دھیرے سے سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر نوفل کی الجھن دوچند ہو گئی۔ وہ ابھی تک ان ہی سبز کپڑوں میں تھی۔ صرف دوپٹا اتار کر ایک طرف ڈال دیا گیا تھا اور کھلے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ لیا تھا۔ یہ لاپروائی اس کی ذات کا خاصہ نہ تھی۔ نوفل نے بے اختیار اس کے وجود کی حشر سامانیوں سے نظریں چرا لی تھیں۔

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟" وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔ اس کے جواب پہ طوبیٰ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ میرا نہیں خالد قریشی کا کہنا ہے۔ خالد قریشی کو تو جانتے ہیں نا آپ؟" اور نوفل، خالد صاحب کا نام اس کے منہ سے سن کے پتھر کا ہو گیا۔ طوبیٰ اٹھ کے دھیرے دھیرے سے چلتی اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔

"آپ کے تاثرات بتا رہے ہیں کہ آپ میری بات کا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہیں۔" اس کے چہرے پہ نظریں جمائے وہ دل گرفتہ سی بولی تو نوفل نے سرعت سے خود کو سنبھال لیا۔

"تم غلطی سمجھ رہی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔" نظریں چراتے ہوئے اس نے تیزی سے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا۔ لیکن طوبیٰ نے اس کی آستین پکڑ لی۔

"نہیں نوفل۔ آج نہیں۔ آج میں کسی تیسرے کے پاس نہیں سیدھی آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ کو گلہ ہے نا کہ میرے لیے آپ کا کہا معنی نہیں رکھتا۔" طوبیٰ نے رک کے نوفل جاہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ تو وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"آج صرف آپ بولیں گے اور میں آنکھیں بند کر کے یقین کروں گی۔ لیکن میرے سوال کا جواب آپ کو ہر قیمت پہ دینا ہو گا۔" اور نوفل کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ یہ اعتبار آغاز وہ کسی کڑوی حقیقت سے کرنے پہ تل گئی تھی۔

"میرا نہیں خیال کہ ہمیں ان گزری باتوں کو کریدنا چاہیے۔" اس نے ایک کمزور سی کوشش کی تھی۔ طوبیٰ کو آنے والی گھڑیوں کی اذیت سے بچا لینے کی۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں نوفل۔" طوبیٰ بے تاثر لہجے میں بولی تو نوفل جاہ کے بازو پہ سے اس کا ہاتھ ہٹاتا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ طوبیٰ اسے دیکھتے ہوئے قدرے فاصلے پہ جا بیٹھی تھی۔ نوفل نے ایک نظر اس پہ ڈالتے ہوئے نگاہیں جھکا لی تھیں۔ اس نے کہنا شروع کیا تھا۔ اور دھیرے دھیرے سب کچھ اسے بتاتا چلا گیا تھا۔ حسن مجتبیٰ کی نیت کے کھوٹ سے لے کر ان کی موقع پرستی تک اور اس موقع پرستی سے لے کر اپنے بابا کے ساتھ کی گئی ان کی زیادتی تک۔ منصور جاہ کو پہنچنے والا صدمہ، ان کی موت، نوفل کو سنائی گئی حسن مجتبیٰ کی

من گھڑت کہانی۔ جھوٹے کاغذات، جعلی دستخط اس کی تکلیفوں سے حسن مجتبیٰ کی چشم پوشی، کراچی میں خالد صاحب سے نوفل کی اتفاقیہ ملاقات اور اس ملاقات کے نتیجے میں سچائی کا اس پہ کھلنا۔ یہ سب دھراتے ہوئے نوفل کے اندر وہی ٹوٹ پھوٹ ایک بار پھر مچ گئی تھی۔ جو وہ ان گزرے سالوں میں جھیل چکا تھا۔

"میں اگر چاہتا تو اسی وقت پلٹ کے ان سے ایک ایک زیادتی کا بدلہ لے سکتا تھا۔ لیکن میرے پیش نظر صرف اماں جان اور تم دونوں کی ذات تھی۔ میں ایک بیوی اور ایک بیٹی کو ان کے شوہر اور باپ کا یہ روپ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ میں اپنی ذات سے تمہیں مزید دکھ نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے اس تلخ حقیقت کو اپنے اندر ہی دفن کرلیا۔ اور بہت خاموشی سے تم لوگوں سے ہر رابطہ ختم کردیا تھا۔" اور طوبیٰ نے اپنی برستی آنکھیں مارے کرب کے سختی سے بند کرلی تھیں۔ سچائی کیا تھی اور وہ آج تک کیا سمجھتی آئی تھی۔ اس نے تو حقیقتاً "بڑی بے خبری میں زندگی گزار دی تھی۔ اس کا پورا وجود جیسے نچڑ کر رہ گیا تھا۔ اس کے باپ کی عظمت، نیکی اور شرافت کا بت پاش پاش ہوا پڑا تھا۔ وہ خود میں زندگی کی کوئی رمق محسوس کرتی بھی تو کیسے؟" اسے فق رنگت لیے بے جان آنکھوں سے خاموش آنسو بہاتا دیکھ کے نوفل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ آج ایک بیٹی نے صحیح معنوں میں اپنے باپ کو کھو دیا تھا۔

"طوبیٰ!" نوفل کی نرم پکار پہ اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"میں....." کچھ کہنے کی خواہش میں ابھی اس کے لب ہلے ہی تھے کہ طوبیٰ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے روک دیا تھا۔ نوفل نچلا لب دانتوں تلے لیے اسے دیکھے چلا گیا تھا۔ وہ آہستگی سے اٹھی تھی۔ اور دھیرے دھیرے سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ نوفل بے چین سا اٹھ کے اس کے پیچھے بڑھا تھا۔ لیکن چند قدموں کے بعد ہی اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا اور طوبیٰ کا غم بہت بڑا تھا۔ شاید اسے یہ لمحے صرف اپنی ذات کے ساتھ ہی درکار تھے۔ وہ بے بس سا صوفے پہ گر سا گیا تھا۔

ساری رات نوفل کی آنکھوں میں کٹی تھی۔ طوبیٰ نے خود کو اسٹڈی میں بند کرلیا تھا۔ یہ بھی شکر تھا کہ وہ جس وقت کمرے سے نکلی تھی پورا گھر سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ ایسے میں نوفل تنہا ہی اس کے لیے جاگتا رہا تھا۔ صبح کی روشنی نے جب آسمان کے کناروں کو چھوا تھا تب کہیں جا کے اس کی آنکھ لگی تھی۔ اس کا ذہن سوئی جاگی سی کیفیت میں تھا جب اسے اپنے پیروں پہ کسی نرم سی چیز کا احساس ہوا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔ اور طوبیٰ کی حنائی ہتھیلیاں اپنے پیروں پہ جمی دیکھ کر اس کی دھڑکن رک گئی تھی۔

"یہ کیا کررہی ہو؟" اس نے بجلی کی سی تیزی سے پاؤں سمیٹے تھے۔ طوبیٰ پائنتی کے پاس زمین پہ جھکی بیٹھی زاروقطار رو رہی تھی۔

"میں آپ سے معافی چاہتی ہوں نوفل۔ آپ مجھے اور میرے مرحوم باپ کو معاف کردیں۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پہ آپ کے گناہ گار ہیں۔ کاش کہ پاپا زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتی کہ انہوں نے کیوں لالچ میں اندھا ہو کے یہ ظلم کمایا؟ کیوں اپنی بیٹی سے عمر بھر کے لیے اس کا غرور اس کا مان چھین لیا؟ مگر انہوں نے تو مر کے مجھ سے شکوے کا یہ آخری حق بھی چھین لیا۔ مجھے تادم مرگ خود سے نظریں ملانے کے لائق نہیں چھوڑا..... یہ آپ نے کیا کردیا پاپا؟ کیا کردیا؟" اپنا سر تھامے وہ پھوٹ پھوٹ کے روتی چلی گئی تو نوفل کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مسل ڈالا ہو۔

"ایسے مت کہو۔"

"کیوں نہ کہوں؟" آخر کس مٹی سے بنے ہیں آپ؟" اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ "اتنا کچھ ہوجانے کے باوجود آپ آخری وقت میں ان کے لیے اسپتال بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ میری سالوں پہ محیط بدگمانیوں کے باوجود میری کمزور اور ناکارہ محبت کے

باوجود' آپ ہر آن مجھے اذیتوں سے بچانے کے لیے کوشاں رہے۔ ہر مقام پہ میری ڈھال بنے رہے۔ اور میں نے بدلے میں کیا کیا؟" اس نے روتے ہوئے نوفل کو دیکھا۔

"میں نے سوائے درد اور بے اعتباری کے آپ کو کچھ نہیں دیا۔ آپ کی عظمت اور میری کم ظرفی کا کوئی مقابلہ نہیں۔ نوفل ایک بار اماں جان نے آپ سے کہا تھا۔ آج میں کہتی ہوں۔ میں آپ کے قابل نہیں۔ پلیز! مجھے اپنی زندگی سے ابھی اسی وقت بے دخل کردیں۔ محروم کردیں مجھے اپنی مہربان ذات سے۔ یہی مجھ جیسی ناقدر شناس کی سزا ہونی چاہیے۔" اس نے سسکتے ہوئے اپنے ہاتھ باندھ دیے تھے۔ اور نوفل کے لیے جیسے وقت کی گردش تھم سی گئی تھی۔

یہ ہاتھ' یہ وجود اس کے قدموں میں جھکنے کے لیے تو نہیں بنے تھے۔ وہ سرتاپا لفظ پچھتاوے کی عملی تفسیر بنی بیٹھی تھی۔ اس کا ایک ایک اشک ندامت سے پر تھا۔ وہ جدائی کو اپنا مقدر بنانا چاہتی تھی۔ اس سے بڑھ کر وہ اپنے لیے کیا کفارہ تجویز کرسکتی تھی؟ نوفل جاہ کے اندر سے غصہ اور شکوہ مٹنے لگا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں ایک بار پھر سوائے محبت کے طوبیٰ حسن کے لیے دوسرا کوئی جذبہ نہیں بچا تھا۔

اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے نرمی سے بلکتی ہوئی طوبیٰ کو شانوں سے تھام کے اٹھایا تھا۔ اس کے چھونے کی دیر تھی۔ طوبیٰ کا ضبط بکھر گیا تھا۔ وہ نوفل جاہ کے مضبوط سینے سے جا لگی تھی۔ اور یوں ٹوٹ کے روئی تھی کہ اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

"نوفل جاہ اپنی طوبیٰ کے بغیر نہ کچھ تھا' نہ ہے اور نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ بس ایک یہی سچ ہے۔ باقی ہر چیز جھوٹ۔ صرف جھوٹ ہے!" اپنے جذبوں کی تمام تر شدت کے ساتھ نوفل نے اسے خود میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ تجدید محبت کے اس لمحے کو اپنی روح کی گہرائیوں سے محسوس کرنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ا۔ آپ۔ باہر۔" طوبیٰ نے اپنے کمرے میں داخل ہونا چاہا تھا' جب اندر سے نکلتا محب تن کے اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ "بتایا نہیں اندر تمہارا داخلہ ممنوع ہے۔"

"مگر آپ اندر کر کیا رہے ہیں؟" طوبیٰ کو تجسس نے گھیرا۔ آج صبح سے ہی محب صاحب نے اس کی اس کمرے میں انٹری پہ پابندی لگا رکھی تھی۔

"بم بنا رہا ہوں۔" وہ جل کے بولا تو طوبیٰ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"مجھے تو آپ پہلے ہی خاصے مشکوک لگتے تھے۔"

"حد ادب۔ گستاخ لڑکی!" محب کے آنکھیں نکالنے پہ طوبیٰ ہنس پڑی۔

"اچھا اب ہٹیں نا۔ مجھے اپنی تیاری کرنی ہے۔"

آج ضحیٰ کا ولیمہ تھا۔ مہندی کے اگلے روز وہ باخیرو عافیت اپنی ماں اور بھائیوں کی دعاؤں کے سائے تلے فہد کے سنگ رخصت ہوگئی تھی۔

"تمہیں جو بھی تیاری کرنی ہے جا کے کسی اور کمرے میں کرو۔"

"لیکن میری ساری چیزیں تو اندر پڑی ہیں۔" طوبیٰ نے دہائی دی۔ تب ہی ماہ نور راہداری میں داخل ہوئی تھی۔ اس پہ نگاہ پڑتے ہی محب کے دانت نکل آئے تھے۔

"اے حسینہ ذرا بات سننا۔" اس کے انداز پہ وہ دونوں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

"جی فرمائیں۔" ماہ نور مسکراتے ہوئے اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔ تو محب نے اپنا دل تھام لیا۔

"ہائے۔ اس طرز تخاطب کے بعد کس کافر میں کچھ کہنے کی ہمت رہی ہے؟" اس کی بات پہ ماہ نور نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے چہرہ جھکا لیا۔ طوبیٰ نے مصنوعی غصے سے اپنے دیور محترم کو گھورا۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم داروغہ زنداں کی طرح سر پہ سوار ہو' تمہاری موجودگی میں کیا خاک فری ہونا ہے۔" محب کے برا سا منہ بنانے پہ طوبیٰ اپنی ہنسی دبائی ماہ نور کی طرف پلٹی۔

"ماہ نور اندر سے جا کے میرا وائٹ ڈریس اور اس کے ساتھ کی ساری چیزیں لے آؤ۔"

"گڈ آئیڈیا! میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" محب کی آنکھیں چمکیں۔

"کوئی نہیں جی۔ آپ یہیں میرے ساتھ ٹھہریں گے۔" طوبیٰ کے استہزائیہ انداز پہ ماہ نور ہنستی ہوئی کمرے میں چلی گئی تھی۔ اور باہر کھڑا محب طوبیٰ بی بی کو فقط گھور کے رہ گیا تھا۔

ولیمہ کا فنکشن شاندار رہا تھا۔ لائٹ پنک شرارے میں ضحیٰ کا مسکراتا چہرہ سب ہی کو مطمئن کر گیا تھا۔ واپسی میں ضحیٰ ان سب کے ہمراہ اپنے میکے آئی تھی۔ دونوں سہیلیوں نے مل کے ضحیٰ کے کمرے میں ہی رات گزاری تھی۔ کل ضحیٰ کی چوتھی اور طوبیٰ کا ولیمہ تھا۔ اس حوالے سے ضحیٰ کی چھیڑ چھاڑ طوبیٰ کے عارض رنگین کر گئی تھی۔ صحیح معنوں میں تو وہ کل نوفل جاہ کی دلہن بننے والی تھی۔ اور یہ احساس طوبیٰ کے لیے بہت انوکھا بہت دل دھڑکا دینے والا تھا۔

✡ ✡ ✡

زندگی میں اگر کوئی لمحہ مکمل تھا تو وہ یہی تھا اور ابھی تھا۔ گرے اور سلور کے منفرد کامبی نیشن میں بلیک سوٹنگ میں ملبوس نوفل جاہ کے پہلو میں بیٹھی طوبیٰ کو آج اپنا بخت ستاروں سے بھی بلند محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے رب نے اسے نوفل جاہ کا ساتھ، اس کی تمام تر محبت کے ہمراہ عطا کر ہی دیا تھا۔ اس رحمت خداوندی پہ وہ اتنی خوش تھی کہ لفظ خوشی اسے اپنے احساسات کے آگے چھوٹا لگنے لگا تھا۔ اس کے لب کلیوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ اور اس کی یہ مسکراہٹ ہی نوفل جاہ کے دلی اطمینان اور خوشی کے لیے کافی تھی۔

ان دونوں کو ایک دوسرے کے سنگ یوں ہنستا مسکراتا دیکھ کے عالی نے سکون کا سانس لیا تھا۔ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا اس کے اطمینان کو یہی بہت تھا کہ اس کے دوست کی زندگی سے آخر کار ساری الجھنیں دور ہو گئی تھیں، اور محبت نے ان کے دلوں سے ہر شکوہ مٹا کے انہیں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کا بنا دیا تھا۔

اس لمحے ہر سو ہال میں خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر پیشتر ہی محب جاہ نے ماہ نور حسن کی انگلی میں انگوٹھی پہنا کر اسے خود سے منسوب کر لیا تھا۔ ان یادگار لمحوں میں صباحت اور ارجمند کی خوشی دیدنی تھی۔ یہی حال ضحیٰ کا بھی تھا، جو دلہن کی طرح سجی اپنے دونوں بھائیوں کی خوشیوں میں چمکتی پھر رہی تھی۔

گھر پہنچ کے صباحت نے اپنی بہو کے ساتھ شگن کی ہر رسم پوری کی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی شادی کا ہر ارمان آج پورا کرنا چاہتی تھیں۔ ایسے ہی ہنستے مسکراتے ماحول میں جب ضحیٰ اور ماہ نور نے طوبیٰ کو اس کے کمرے میں پہنچایا تھا تو وہ ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ اس کا کمرہ گلابوں اور موتیے سے یوں سجا ہوا تھا، جیسے وہ آج ہی اس گھر میں رخصت ہو کر آئی ہو۔

"کیسا لگا محب بھائی کا کارنامہ؟" ضحیٰ نے مسکرا کر پوچھا تو طوبیٰ کی آنکھیں ان سب کی اس درجہ محبتوں پہ بھر آئیں۔

"او پلیز۔ اب رونا مت۔" ضحیٰ کی دہائی پر طوبیٰ روتے روتے ہنس پڑی تھی۔ اسے کمرے میں بٹھا کے وہ دونوں باہر چلی گئی تھیں۔ طوبیٰ دھڑکتا دل لیے دروازے پہ ان سب کی نوفل کے ساتھ نیگ پہ ہونے والی بحث کو سنتی رہی تھی۔ یہ معاملہ نپٹا تھا تو نوفل کو اندر آنے کی اجازت ملی تھی۔ اس کی آمد کا احساس پا کے طوبیٰ کے اندر ہلچل سی مچ گئی تھی۔ نوفل جاہ دروازہ بند کر کے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے مقابل آ بیٹھا تھا۔ طوبیٰ کی جھکی نظریں اپنے لرزتے ہاتھوں پہ جمی تھیں۔ اسے یوں اپنا منتظر پا کے نوفل کے دل نے بے اختیار ایک بیٹ مس کی تھی۔

"کیا تم نے خود کو کبھی دنیا کا خوش قسمت ترین انسان محسوس کیا ہے طوبیٰ؟" گمبھیر آواز میں پوچھا گیا

سوال طوبیٰ کی سماعتوں سے ٹکرایا تو اس نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے آہستگی سے اثبات میں سرہلادیا۔

"کب؟" نوفل نے اس کے چہرے پہ سایہ فگن پلکوں کی جھالر کو دیکھا۔

"آج، ابھی، اس لمحے۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے نظریں اٹھا کے نوفل جاہ کی آنکھوں میں جھانکا تو اسے لگا جیسے اسے سارے جہاں کی دولت مل گئی ہو۔ اس کا چہرہ یک لخت چمک اٹھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے طوبیٰ کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ جن پہ نہایت محنت سے دوبارہ مہندی لگائی گئی تھی۔

نوفل نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ طوبیٰ کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہو گیا۔

"تمہیں معلوم ہے، تمہارے ہاتھوں پہ مہندی کا رنگ مجھے کتنا پسند ہے؟" اس نے طوبیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو اس کے لبوں پہ شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کتنا؟"

"اتنا۔" نوفل نے چہرہ جھکاتے ہوئے اپنے لب اس کی ہتھیلیوں پہ رکھ دیے تھے۔ اور طوبیٰ پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔ یہ اس کی محبت کا اسے آج تک ملنے والا پہلا تحفہ تھا۔ ان کے درمیان حائل فاصلے اب بھی برقرار تھے، شاید نوفل کو ان ہی خوب صورت لمحوں کا انتظار تھا۔

اس کے گلابی چہرے کو مخمور نظروں سے تکتے ہوئے، نوفل نے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھا ویلوٹ باکس نکال کر کھولا تو طوبیٰ کی آنکھوں میں، موجود کنگنوں کو دیکھ کے حیرت در آئی۔

"آپ مجھے تحفہ دے چکے ہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ سیدھا کرتے ہوئے نوفل کے سامنے کیا تو وہ، اس کی انگلیوں میں سجی انگوٹھیوں کے درمیان اس نیلم اور ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھ کے مسکرادیا۔

"میں تمہیں جتنے بھی تحفے دوں وہ کم ہیں۔" محبت پاش لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کنگن نکال کے نرمی سے اس کی سڈول کلائی کی زینت بنادیے۔ تو اپنی ذات کی اس توقیر پہ طوبیٰ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے دھیرے سے نوفل کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ بے اختیار چونک گیا۔

"میری کون سی نیکی کا صلہ ہیں آپ میں نہیں جانتی نوفل۔۔۔ لیکن میں آج اپنے دل اور روح کی گہرائیوں سے یہ اقرار ایک بار پھر کرنا چاہتی ہوں کہ میں آپ سے بہت بہت زیادہ محبت کرتی ہوں۔ اور یہ کہ میں جب تک زندہ رہوں گی۔ آپ کی باوفا بیوی بن کے رہوں گی۔" اور نوفل جاہ کو لگا تھا جیسے اتنے ماہ و سال کی صعوبتیں ان دو جملوں نے آن واحد میں سمیٹ لی ہوں۔ یہ اقرار دس سال پہلے بھی اس کے جلتے وجود پہ ابر کرم بن کے برسا تھا اور آج تو اس میں اپنا یقین شامل کر کے طوبیٰ نے اس کا دل ہی موہ لیا تھا۔ اس کا عہد ٹھنڈک بن کے نوفل جاہ کے روم روم میں سما گیا تھا۔ وہ جھکا تھا اور اس نے طوبیٰ کی پلکوں پہ چمکتے آنسو اپنے لبوں سے چن لیے تھے۔ اس درجہ عقیدت بھرے اظہار نے طوبیٰ کی روح تک سرشار کردی تھی۔

"اور میں تمہارے اس اقرار کی اپنی زندگی کی آخری سانس تک حفاظت کروں گا۔ یہ وعدہ ہے نوفل جاہ کا تم سے!" اور طوبیٰ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا تھا۔ طمانیت کے بھرپور احساس کے زیر اثر اس نے اپنا سر نوفل جاہ کے سینے پہ رکھ دیا تھا۔ جس نے اس کے وجود کو کسی قیمتی متاع کی طرح خود میں چھپالیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو سال بعد۔

موبائل کی مسلسل ہوتی بیل پہ نماز کی ادائیگی میں مصروف ارحمند نے سلام پھیرتے ہوئے ایک طرف پڑا سیل اٹھا کے اسکرین پہ نگاہ ڈالے بنا کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو!"

"اماں۔ اماں جان!" دوسری طرف سے ایک جانا پہچانا، لیکن بے قرار لہجہ ان کی سماعتوں سے ٹکرایا تو

ارحمند جیسے پتھر کی ہو گئیں۔

"ہیلو۔ ہیلو اماں جان۔ میں۔ میں احمر بات کر رہا ہوں۔ آپ کا۔۔۔۔"

"میں کسی احمر کو نہیں جانتی۔" اس سے پہلے کہ وہ ان سے اپنا رشتہ بتاتا ارحمند نے اجنبی لہجے میں اسے ٹوک دیا۔ "دوبارہ یہاں فون مت"۔۔۔

"پلیز۔ پلیز اماں جان۔ فون مت بند کیجئے گا۔۔۔۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا' میں مر جاؤں گا۔ اماں جان!" وہ پھوٹ پھوٹ کے رو پڑا تھا ارحمند اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئیں۔ احمر حسن رو رہا تھا؟ ناچاہتے ہوئے بھی ان کے چہرے پر تشویش در آئی۔

"مجھے۔ مجھے معاف کر دیں اماں جان۔ میں آپ سب کا گناہ گار ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولا۔ ارحمند کو لگا جیسے ان سے سننے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ جبکہ دوسری طرف احمر پاگلوں کی طرح بولے جا رہا تھا۔

"میں نے بابا کو' آپ لوگوں کو چھوڑا تھا نا۔ دیکھیں۔ آج۔ آج میں اکیلا رہ گیا۔ چھوڑ گئی وہ مجھے۔ چھین لیا اس نے میرے بچوں کو۔ قلاش کر دیا مجھے۔ میں تنہا رہ گیا اماں جان۔ بالکل تنہا۔" اور ارحمند کو لگا تھا جیسے کسی نے ان کا دل نچوڑ کر رکھ دیا ہو۔

"یا اللہ!" ان کا ہاتھ اپنے ہونٹوں پہ آ ٹھہرا تھا۔

"مجھے آپ کی بددعائیں لگ گئیں اماں جان۔ آپ کی بددعائیں لگ گئیں۔"

"میں نے تمہیں کبھی بددعا نہیں دی۔" ارحمند نے خاموشی کا قفل توڑا۔ ان کا گلا بے اختیار ہی بھر آیا تھا۔ "لیکن یہ سچ ہے احمر کہ جلد یا بدیر انسان نے جو بویا ہوتا ہے' اسے اس ہی کی فصل کاٹنی پڑتی ہے۔ تم نے اجنبیت اور خود غرضی کے بیج بوئے تھے' پھر تمہارے آنگن میں اپنائیت اور اخلاص کا پھل کیسے لگ سکتا تھا؟ ماں کی بات اس کے وجود پہ کوڑا بن کے برسی تھی۔ مارے اذیت کے اس نے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔

"اس پھل کا ذائقہ بہت تلخ ہے اماں جان۔ یہ زہر مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ خدارا اس عذاب سے مجھے نجات دلا دیں۔ مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیں۔ مجھے اپنے پاس بلالیں اماں جان!" اس کی پکار میں تڑپ تھی' گئے وقتوں کا ملال تھا۔ ارحمند کی آنکھیں زار و قطار برسنے لگی تھیں۔

"یہ اب ممکن نہیں احمر۔ میں صرف تمہاری ہی نہیں اپنی بیٹیوں کی بھی ماں ہوں۔ تم نے میرے ساتھ اور اپنے مرحوم باپ کے ساتھ جو کیا سو کیا۔ لیکن تم نے ہمارے دشمنوں کے ساتھ مل کے جس طرح میری بچیوں کی زندگی کو اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھانا چاہا تھا' وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ تم جس طرح اپنی جوان بہنوں کو دنیا کا سرد و گرم جھیلنے کو تنہا چھوڑ گئے تھے وہ وقت آج بھی میرے دل پہ لکھا ہے۔"

"اور میں؟ کیا آپ میری ماں نہیں؟" وہ حسرت زدہ سا بولا۔ ارحمند کے دل سے ہوک سی نکلی تھی۔ تمہاری ماں ہی تو تھی' تب ہی تو تمہاری بے گانگی کے باوجود تم سے امیدیں لگا بیٹھی تھی۔۔۔ یاسیت سے سوچتے ہوئے انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔

"تمہاری ماں کی حیثیت سے میں رب کے حضور تمہاری آزمائشوں کے خاتمے اور سکون کے لیے دعا کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ فی الوقت میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں۔" وہ بوجھل لہجے میں بولیں تو احمر حسن کے لبوں سے ایک آہ ٹوٹ کر فضا میں بکھر گئی۔ شاید یہ تنہائی اور دیار غیر کی سرد زندگی ہی اس جیسے احساس سے عاری انسان کی سزا تھی۔

"مجھ سے ناخلف کے حق میں آپ دعا کریں گی۔ میرے لیے یہ بھی بہت ہے۔ لیکن اماں جان میں ہر آن آپ کی طرف سے پکار کا منتظر رہوں گا۔ جس دن آپ' طوبیٰ اور ماہ نور اس قابل ہوئیں کہ میری خطاؤں کو معاف کر سکیں' اس دن پلیز مجھے پکارنے میں لمحہ نہیں لگائیے گا۔" بات کرتے کرتے اس کی آواز رندھ گئی تو ارحمند کی آنکھوں سے آنسو پھر سے جاری ہو گئے۔

"اللہ تمہاری تکلیف آسان کرے۔" آنسوؤں میں ڈوبی دعا احمر کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ تو اس کا رواں

رواں ماں کی عظمت کے آگے سرنگوں ہو گیا۔ اس کی بے حسی اور بے شرمی کی داستان سالوں پہ محیط تھی۔ اور اس کی ماں اس کے چند اشکوں پہ ہی اسے دعائیں دینے پر اتر آئی تھی۔ سچ ہے ماں جیسا انمول دل اور بڑا ظرف اس روئے زمین پہ نہ کسی کا ہے۔ اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ اس نے ۴ نہیں تکلیفوں کے سوا اور کچھ نہیں دیا تھا۔ اور بدلے میں وہ اسی کی تکلیفوں کے خاتمے کی دعا کر رہی تھیں۔ یہ حوصلہ بھلا ایک ماں کے سوا کسی کا ہو سکتا تھا؟! احمر کے آنسو یوں بہہ نکلے تھے کہ اس کا گریبان تک تر ہو گیا تھا۔

"اللہ حافظ اماں جان!" اس کے لب کپکپائے تھے۔

"اللہ حافظ۔" ارجمند دھیرے سے بولی تھیں۔ اور پھر ان کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ کب تک کے لیے' یہ دونوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اوائل مارچ کی ایک مہکتی شام تھی۔ نوفل اپنے کلائنٹ سے مل کے ہوٹل کی لابی میں کھڑا عالی سے فون پہ بات کر رہا تھا' جب اس کی نظر سامنے سے آتے ایک کپل سے جا ٹکرائی تھی۔ اور گو کہ اس نے ایک عرصے کے بعد اس چہرے کو دیکھا تھا' پھر بھی وہ لمحے میں اسے پہچان گیا تھا۔ وہ نگین فاروق کی سہیلی عائزہ تھی۔ اس سے پہلے کہ نوفل اپنی نگاہ کا زاویہ بدلتا' عائزہ کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ وہ بری طرح ٹھٹکی تھی اور اگلے ہی لمحے اپنی جگہ پہ رک گئی تھی۔ اسے اپنی جانب تکتا پا کے نوفل نے اجنبیت سے منہ موڑ لیا تھا۔

اپنے دھیان میں عالی سے بات کر کے وہ جوں ہی پلٹا تھا۔ خود سے تھوڑے فاصلے پر عائزہ محمود کو اپنا منتظر پا کے چونک گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے مقابل آکھڑی ہوئی تھی۔

"کیسے ہو نوفل جاہ؟" اس کے وجیہہ چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ دھیرے سے بولی تو نوفل کے لبوں کی تراش میں استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسا ہونا چاہیے مجھے؟" وہ پرسکون انداز میں بولا تو عائزہ نے اک گہری سانس لی۔

"بہت خوش اور بہت مطمئن... کیونکہ تم سا اچھا انسان یہ دونوں چیزیں ڈیزرو(Deserve) کرتا ہے۔" وہ بنا کسی پس و پیش کے گویا ہوئی تو نوفل بری طرح چونک گیا۔ وہ کم از کم نگین فاروق کی بچپن کی سہیلی کے منہ سے اپنے لیے ان الفاظ کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"تعریف کے لیے شکریہ۔" سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے تو عائزہ بے اختیار بول اٹھی۔

"تم مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے؟" اس کی بات پہ نوفل کے اٹھتے قدم رک گئے۔

"میں غیر متعلقہ لوگوں کے بارے میں تجسس نہیں رکھتا۔" بے نیازی سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

"سونے کے پنجرے میں قید ہے وہ۔" اپنے پیچھے اسے عائزہ کی آواز سنائی دی تو نوفل ایک پل کو ساکت ہو گیا۔ لیکن اس نے عائزہ کی طرف پلٹنے کی زحمت نہیں کی۔ عائزہ نے اس کی چوڑی پشت کی طرف دیکھا تھا اور بوجھل لہجے میں بولی تھی۔

"اپنے پلان کی ناکامی پہ نگین کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ وہ کتنے ماہ نیورو سرجن اور سکائیٹرسٹ کے زیر علاج رہی تھی۔ جس کے بعد ڈاکٹروں کے ہی مشورے پہ اس کے ماں باپ نے اس کی شادی کر دی تھی۔ اس کا شوہر ایک بہت بڑا آفیسر ہے۔ وہ نگین کو دیکھ کے اس پر بری طرح فریفتہ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر پتا ہے کیا ہوا؟" وہ لحہ بھر کو رکی۔ "اس شخص نے نگین کو سب کچھ دیا سوائے ایک وفا کے۔" اور نوفل اپنی پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

"وہ ہر دوسرے ہفتے ایک نئی لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے اور نگین کو اف تک کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ وہ جس کلاس سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں یہ سب باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں۔ ڈرنک کرنا' محفلیں سجانا یہ اس کے روٹین کے مشاغل ہیں۔ لیکن نگین

سمیت نہ تو اس کی فیملی کچھ کر سکتی ہے۔ اور نہ ہی اس شخص کو اس کی غلط حرکتوں پہ ٹوک سکتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس کے شوہر کے ساتھ کئی جگہ پہ انویسٹمنٹ کر رکھی ہے۔ اس پر مستزاد اس کا اثر و رسوخ' وہ سب مکمل طور پہ بے بس ہیں اس کے آگے۔" اور نوفل کو اپنے رب کے انصاف پہ یقین آگیا تھا۔ اس نے جس اذیت سے طوبیٰ اور اسے دوچار کرنا چاہا تھا وہ اب خود دن رات اسی عذاب سے گزر رہی تھی۔ اور چاہ کر بھی اپنی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ نگین فاروق کے انجام نے نوفل پہ عجیب سی کیفیت طاری کردی تھی۔ وہ نہ خوشی محسوس کر رہا تھا اور نہ غم۔ لیکن اس کے اندر اطمینان ضرور در آیا تھا۔ اک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے تھے۔ اسے آگے بڑھتا دیکھ کے عائزہ نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن پھر اپنے لب بھینچ لیے تھے۔ اس کی روح پہ دھرے بوجھ میں آج کتنے عرصے بعد کمی واقع ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

نوفل نے جس وقت گاڑی گھر کے پورچ میں کھڑی کی شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ دروازہ کھول کے باہر نکلا تو نظر سیدھی لان میں ملازم کے ساتھ کھیلتے اس معصوم اور پیارے سے چہرے پہ جا ٹھہری جسے دیکھتے ہی وہ اپنی ساری تھکاوٹ ہر پریشانی بھول جاتا تھا۔

نوفل کی گاڑی دیکھ کے وہ بھی ہاتھ میں پکڑی رنگین بال پھینک کے مسکراتا ہوا ڈگمگاتے قدموں سے اس کی طرف بھاگا تھا۔ نوفل پوری دنیا بھلا کے اس کی جانب لپکا تھا۔ اور اپنے بیٹے "معقان جاہ" کو بانہوں میں بھر کے اسے بے اختیار چوم لیا تھا۔

"میری جان۔" اس نے اپنے لاڈلے کو خود سے لگایا تھا۔ تب ہی داخلی دروازہ کھلا تھا اور اس کی من موہنی سی بیگم صاحبہ باہر تشریف لے آئی تھیں۔ اسے دیکھ کے نوفل کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح محبت ہی محبت پھیل گئی تھی۔ کاٹن کے ریڈ تھری پیس سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ لیکن بھنورا سی آنکھوں میں خفگی کے رنگ دیکھ کے نوفل بے بس سا مسکرا دیا تھا۔

"ارے بابا' آتو گیا ہوں۔"

"میں نے آپ سے جلدی آنے کے لیے کہا تھا؟"

وہ خفگی سے بولی تو نوفل کو اپنی تاخیر کی وجہ کے ساتھ ہی عائزہ سے ہونے والا ٹکراؤ بھی یاد آگیا۔ وہ اک گہری سانس لیتا اس کے قریب چلا آیا۔

"اچھا ادھر آؤ مجھے تمہیں ایک بات بتانی ہے۔"

اس کا ارادہ طوبیٰ کو لان میں لے جاکر ساری روداد سنانے کا تھا۔ مگر طوبیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بعد میں بتایئے گا' پہلے آپ اندر چلیں۔" وہ اسے کھینچتے ہوئے بولی تو ناچار نوفل کو اس کے ساتھ اندر آنا

پڑا تھا۔ لیکن جوں ہی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

سامنے میز پہ بڑے سے کیک پر موم بتیاں سجائے اس کے سب ہی گھر والے اس کے منتظر تھے۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو!" مسکراتے ہوئے سب نے یک زبان ہو کے اسے وش کیا تو نوفل کے چہرے پہ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ در آئی۔ بے اختیار آگے بڑھتے ہوئے اس نے سب سے پہلے اپنی امی اور اماں جان سے دعائیں لی تھیں اور پھر اپنے نٹ کھٹ سے بھائی کے گلے جا لگا تھا۔

"آپ کیا سمجھے تھے کہ ہم سب بھول گئے؟" محب نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا تو نوفل کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ورنہیں تو کیا سوائے ایک ضحیٰ کے تم لوگوں میں سے مجھے کسی نے وش جو نہیں کیا تھا۔"

"وہ تو آسٹریلین بن چکی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے فون پہ منع بھی کیا تھا۔" محب مسکرایا۔

"آپ کوئی بھولنے والی ہستی ہیں بھائی۔" ماہ نور ہنستے ہوئے اپنے بہنوئی اور شوہر نامدار کے پاس آکھڑی ہوئی تو نوفل کا ہاتھ مشفق انداز میں اس کے سر پہ آٹھہرا۔

ان سب کی دعاؤں اور تالیوں کے درمیان نوفل جاہ نے کیک کاٹا تھا۔ عفان باپ کی گود میں چڑھا سب کی دیکھا دیکھی دھڑا دھڑ تالیاں پیٹے جا رہا تھا۔ اس کی قلقاریوں سے سب ہی محظوظ ہو رہے تھے۔

"یہ میری طرف سے آپ کا گفٹ۔" طوبیٰ نے نوفل کے لیے اس کے پسند کے برانڈ کی گھڑی خریدی تھی۔ نوفل نے کیس کھولا تو اندر سلور چین میں وہی ڈیزائن تھا جو چند دن پہلے مارکیٹ میں آیا تھا اور نوفل کو بے حد پسند آیا تھا۔

"واہ! یہ تو کمال کر دیا۔" نوفل کی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھ کے طوبیٰ کھل اٹھی تھی۔

"کمال تو تب ہو گا جب محترمہ یہ گھڑی آپ کو پہنائیں گی بھی۔" محب نے حسب عادت ایک نیا شوشا چھوڑا تو سب ہی نے شور مچا دیا۔ ناچار طوبیٰ کو یہ کمال دکھانا پڑا تھا۔ اس کے نوفل کا ہاتھ تھامنے کی دیر تھی۔ محب کی شوخ آوازوں نے اس کا چہرہ گلابی کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پہ بکھری قوس قزح نوفل کو ہنسنے پہ مجبور کر گئی تھی۔

طوبیٰ نے نہایت نرمی سے اس کے ہاتھ میں موجود گھڑی اتاری تھی اور اپنا دیا گیا تحفہ انتہائی محبت سے اس کی مضبوط کلائی کی زینت بنا دیا تھا۔ نوفل نے ہنستے ہوئے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"واہ۔ واہ۔ کیا یادگار لمحہ ہے۔ ایک منٹ۔" محب نے جھٹ اپنا موبائل نکالا تھا۔ نوفل نے مسکراتی نظروں سے اپنے اردگرد بکھرے رشتوں کو دیکھا تھا۔

رشتے جو زندگی کی خوب صورتی ہیں۔ رشتے جنہیں نبھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ بے اختیار اس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا جس نے اسے ایک زندہ دل عطا کیا تھا۔ ورنہ مردہ دل والے بے حس اور خود غرض لوگوں کا جو انجام قدرت کرتی ہے۔ وہ تو وہ دیکھ ہی چکا تھا۔ پھر چاہے وہ حسن مجتبیٰ تھے، احمر حسن یا نگین فاروق۔ سب کے حصے میں سوائے تنہائی اور خسارے کے اور کچھ نہیں آیا تھا' اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بے اختیار نوفل نے اپنے بازوؤں میں موجود اپنی دونوں متاعوں کو کچھ اور بھی مضبوطی سے خود میں سمیٹ لیا تھا۔

اپنے گرد نوفل کی گرفت۔ کو مضبوط پا کے طوبیٰ چونکی تھی اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے اپنا سر نوفل جاہ کے بازو سے ٹکا دیا تھا۔ یہ پیارا انسان جو اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا' اس کا شریک سفر نہیں بلکہ اس کا "سنگ پارس" تھا۔ وہ سنگ پارس جس نے اس کے بھاگ جگا دیے تھے۔ جس کے چھوتے ہی وہ سونا بن گئی تھی۔

"بیوٹی فل" اور محب جاہ نے اس مکمل پل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیمرے میں قید کر لیا تھا۔

✲ ✲

فوزیہ اشرف
آپ اپنے دام میں

"اماں سبزی بنا دیں آپ۔" نور بانو نے سبزی کی ٹوکری ساس کے سامنے رکھی۔
"میں ذرا کچن سمیٹ لوں۔"
"یہ آج مونگرے لینے ضروری تھے۔ سارا دن انہیں ہی بناتے گزر جائے گا۔" جنت بی بی نے جھنجلا کر کہا۔
"لائیں اماں میں آپ کے ساتھ بنوا دوں۔" پاس بیٹھی شیزہ اٹھ کر ماں کے سامنے تخت پر آ بیٹھی۔
"اماں آپ تو شوق سے کھاتی ہیں مونگرے۔ پھر آج کیوں بے زار ہو رہی ہیں؟"
"بے زار ہونے کی بات نہیں ہے' پتا بھی تھا کہ آج شہریز کے لیے لڑکی دیکھنے جانا ہے اس لیے تھوڑا کم ٹائم لینے والی سبزی لے لیتی نور بانو' مگر خیر اس کی عقل۔ اب کیا کر سکتی ہوں۔"
"کوئی بات نہیں اماں ابھی بن جائیں گے آپ پریشان نہ ہوں' ویسے بھی لڑکی دیکھنے تو شام کو ہی جائیں گی آپ بوا روشن کے ساتھ۔"
"وہ تو ہے' مگر تمہاری بھابھی نے کون سا جلدی کام سمیٹ لینا ہے' اوپر سے ان محترمہ کی نیند بھی بہت ضروری ہے حالانکہ سردیوں میں دن کے وقت کون سوتا ہے' مگر آفرین تمہاری بھابھی پر۔ اتنے اتنے دنوں میں بھی کام ختم ہو نہ ہو۔ سونے کا ٹائم ضرور نکال لے گی۔" اماں نے خفگی سے کہا۔
"بس کریں اماں سن لیا نا اگر آپ کی بہو رانی نے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔" شیزہ نے ماں کی توجہ اس طرف دلائی۔
"ہوتا ہے تو ہوتا رہے ہنگامہ۔ میں نہیں ڈرتی ورتی کسی سے۔" اماں نے اسی لاپروائی سے کہا۔
"مگر آج تو آپ کو ان سے کام ہے' ساتھ نہیں لے کر جانا انہیں۔"
"وہ تو لے کر جانا ہے' چلو اپنی مرضی کی دیورانی لائے گی تو ہو سکتا ہے مل جل کر اچھا وقت گزار لیں دونوں' اب دونوں بھائیوں میں بٹوارہ ہو۔ دل ہولتا ہے میرا۔ اللہ کرے میری زندگی تک تو دونوں اکٹھے ہی رہیں۔ خاصا کھلا گھر ہے' پندرہ مرلے پر بنا۔ دونوں کے بچے اسی آنگن میں کھیلتے پھریں' میرے جیتے جی تو اس گھر میں کوئی دیوار نہ اٹھے۔"
"آمین۔" شیزہ نے صدق دل سے آمین کہا۔
جنت بیگم کے دو بیٹے تھے۔ شمروز اور شہریز۔ ایک بیٹی شیزا تھی' جس نے حال ہی میں میٹرک کے پیپر دیے تھے۔ بڑے بیٹے شمروز کی شادی انہوں نے میاں کے رشتے داروں میں کی تھی۔ دو سال ہو گئے تھے بیاہ کو' مگر نور بانو کی گود ابھی تک خالی تھی' جنت بیگم رب کی رضا میں راضی رہنے والی عورت تھیں۔ اس لیے نور بانو کو سسرال میں کسی بھی قسم کی پریشانی نہ تھی' نہ انہوں نے ابھی تک اولاد نہ ہونے کا طعنہ دیا' نہ ہی کوئی اور بات۔
اب چھوٹے بیٹے شہریز کے لیے گھر گھر لڑکی تلاش کی جا رہی تھی' ان کے میاں حامد صاحب نے رشتے ناطے طے کرنے کی ساری ذمہ داری اپنی بیوی جنت بیگم پر چھوڑی ہوئی تھی' خود انہیں تو اپنی دکان سے ہی فرصت نہ تھی' شہر میں کریانے کی دکان تھی ان کی۔ گزارا ہو رہا تھا دونوں بیٹے بھی کسی فیکٹری میں لگے ہوئے تھے۔ بہرحال گھر کی گاڑی چل ہی رہی تھی۔
"ٹائم سے تیار ہو جانا۔ بوا روشن کے آنے سے پہلے۔" جنت بیگم نے نور بانو کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔
"جی اچھا امی آپ فکر نہ کریں۔"
"شیزہ میرے کپڑے استری کر دیے۔" اب انہوں نے بیٹی کو آواز دی۔
"جی امی! آپ کے سب نئے کپڑے استری کر کے الماری میں لٹکا دیے ہیں جب مرضی آپ اپنی "بہو تلاش" مہم پر نکل سکتی ہیں۔ میرا کام مکمل ہے۔" شیزہ کی بات پر نور بانو ہنستی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

✲ ✲ ✲

شام کو دونوں ساس بہو تیار تھیں۔ نور بانو نے شیفون کا گہرا سبز کڑھائی والا خوب صورت سوٹ پہن

رکھا تھا جس میں اس کی گوری رنگت خوب دمک رہی تھی، جنت بیگم نے آج آف وائٹ چکن شیفون کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ تقریباً پینتالیس سال کی پروقار خاتون تھیں جو بھی پہن لیتیں ان کی پروقار شخصیت سے میل کھاتا۔

"امی آج دیر نہیں کردی بوا روشن نے؟" نوربانو نے تنگ آکر سوال کیا۔

"لاؤ فون ادھر دو پوچھوں اس سے۔ پچھلی بار وہ ٹائم سے آئی تھی، تو تمہاری تیاری نہیں ختم ہو رہی تھی۔" جنت بیگم نے جتایا۔

"تو اب سر جھاڑ منہ پھاڑ تو جانے سے رہی پھر بھی آپ کو ہی گلہ ہوگا۔"

اسی لمحے بوا روشن دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔

"تنی دیر کردی بوا۔"

"بس نکلتے وقت کچھ مہمان آگئے تو ٹائم لگ گیا۔"

"شیزہ چائے لے آؤ بوا روشن کے لیے۔" جنت بیگم نے شیزہ کو آواز دی۔

"نہیں رہنے دو آپا۔ ابھی مہمانوں کے ساتھ پی کر آرہی ہوں گھر سے۔ بس اب جلدی سے نکلتے ہیں۔" نوربانو نے چادر اوڑھ کر پرس پکڑا۔

"شیریز سے کہو رکشا لے آئے۔" جنت بیگم نے شیزہ سے کہا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کباب لیں نا۔" لڑکی کی ماں نے پلیٹ آگے بڑھائی۔ "یہ میری نمرہ نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔" نوربانو نے بڑی نزاکت سے ایک کباب اپنی پلیٹ میں رکھا۔ اب لڑکی کی ماں جنت بیگم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بہن آپ تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں۔"

"ارے نہیں میں نے تو کوئی تکلف نہیں کیا بلکہ خوب پیٹ بھر کر کھالیا اب اور کوئی گنجائش نہیں۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگالیا۔

"ہاں بہن کیسی لگی لڑکی۔" بوا نے گھر سے باہر آتے ہی سوال کیا۔

"مجھے تو اچھی لگی۔ لوگ بھی اچھے ہیں سادہ سے۔" جنت بیگم نے نوربانو کی طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا۔

"امی آپ تو یوں ہی پھسل جاتی ہیں۔ لڑکی کا قد چھوٹا ہے، جچے گی نہیں اپنے شیریز کے ساتھ۔" نوربانو نے نقطہ نکالا تو جنت بیگم مایوس ہوگئیں۔ اپنی مرضی وہ کرنا نہیں چاہتی تھیں کہ نوربانو ہی اپنی پسند کی دیورانی لے آئے۔

"اے بی بی پچھلی بار تم نے کہا تھا کہ لڑکی کا قد لمبا ہے، اب اس بار نیا نقطہ نکال لیا تم نے۔" بوا روشن نوربانو سے مخاطب ہوئیں۔

"خالہ جہاں دل ٹکے گا تو وہاں ہی کریں گے نا۔ اب یوں ہی تو زندگی بھر کے فیصلے نہیں ہوسکتے۔" نوربانو نے رکھائی سے کہا۔

بوا روشن راستے سے ہی اپنے گھر کی طرف چلی گئیں اور یہ ساس بہو آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئیں۔ شیزہ نے بڑے اشتیاق سے ماں اور بھابھی کی طرف دیکھا۔ حامد صاحب بھی مسکراتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

"کیوں بھئی کیسی رہی آج کی مہم۔"

"مجھے تو لڑکی اور گھر والے سب بہت پسند آئے تھے مگر۔۔۔"

"رہنے دیں امی آپ تو ہر جگہ یوں ہی مان جاتی ہیں۔" نوربانو نے ساس کی بات کاٹی۔

"کمی کیا ہے آخر؟" حامد صاحب نے سوال کیا۔

"لڑکی کا قد چھوٹا ہے۔" نوربانو نے جواب دیا۔

"اب اتنا چھوٹا بھی نہیں بہو۔" جنت بیگم برا مان کر بولیں۔

"آج کل کی لڑکیاں تو اونچی ایڑی کی جوتیاں پہن کر اور بھی لمبی لگتی ہیں۔ اگر کوئی کمی بیشی ہوگی تو وہ بھی پہن لے گی ایڑی والی جوتی۔ جب تمہاری ماں کو رشتہ

پسند ہے تو فائنل کر ہی دو۔" حامد صاحب نے بہو کو سمجھایا۔

"توبہ ہے ابو۔ اب ہر وقت گھر میں تو ایڑی والی جوتی نہیں پہنی جاسکتی۔ کون سا لڑکیوں کا کال پڑ گیا ہے جو یوں ایک دم فیصلہ کردیں۔" نور بانو نے قطعی انداز اپنایا جانتی تھی کہ اس کی رائے ہی حتمی مانی جائے گی۔

٭ ٭ ٭

چند دن یوں ہی گزر گئے۔ پھر ایک دن بوا روشن چلی آئیں ایک دو مزید رشتے لے کر۔

"بس اس بار تو قد کاٹھ بالکل تمہارے شریز کے مطابق ہے۔ اے میں تو کہتی ہوں خوب جوڑی جچے گی تمہارے بیٹے بہو کی۔"

"دیکھ لیں گے خالہ۔ آپ تو یوں ہی ہر بار زمین آسمان کے قلابے ملاتی ہیں۔" نور بانو نے فوراً" ٹانگ اڑائی۔

"ایک تو بہو تم میں میکھ بہت نکالتی ہو۔" اب کی بار اماں نے بھی بہو کو ٹوکا۔ جواباً" نور بانو ڈھٹائی سے ہنستی چلی گئی۔

"بس بوا اس جمعہ کو چلیں گے لڑکی والوں کے ہاں۔" اماں نے فیصلہ دے دیا۔

٭ ٭ ٭

نور بانو نے اپنے اوپر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکا اور گھوم کر قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ آج پھر وہ "دیورانی ڈھونڈ" مہم پر نکلنے والی تھی۔

"ہوں بھلا میرے مقابل کوئی آسکتا ہے یا میں اپنے مقابلے کی لانے والی ہوں دیورانی۔" نور بانو دل ہی دل میں مسکرائی۔

دراصل نور بانو چاہتی تھی کہ اپنے سے ذرا دبتی ہوئی لڑکی لائے تاکہ گھر بھر میں نور بانو ہی چھائی رہے' اسی لیے وہ ہر رشتے میں کوئی نہ کوئی نقص نکالتی جارہی تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی گھر والوں کا طریقہ سلیقہ نظر آگیا' ہر چیز سے نفاست ٹپک رہی تھی۔ بچے تک سلجھے ہوئے تھے خاصا پڑھا لکھا گھرانا تھا۔ لڑکی بھی چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی' اماں بھی بہت خوش' واری صدقے جارہی تھیں۔ بوا روشن بھی خوش و خرم کہ آج تو میدان مار لیا۔ اب تو میری فیس پکی ہے۔

راستے میں تو نور بانو خاموش ہی رہی۔ اماں اور بوا کی باتوں کے جواب میں بس ہوں ہاں سے ہی کام چلاتی رہی۔ گھر پہنچتے ہی جب اماں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اطمینان ظاہر کیا۔ تو گویا نور بانو تو پھٹ ہی پڑی۔

"امی آپ بھی نا ہر معاملے کو مد نظر نہیں رکھتیں۔ وہ فیملی ہم سے اونچے درجے کی ہے' لڑکی کے دو بھائی باہر گئے ہوئے ہیں' وہ تو ہم سب کو جوتے کی نوک پر رکھے گی یا پھر گھر داماد بنائیں گے وہ شریز کو۔ ان کی باتوں سے کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار ہو رہا تھا۔ اب آگے آپ کی مرضی۔ جو چاہیں کریں۔" نور بانو نے گیند جنت بیگم کے کورٹ میں ڈال دی۔

"نہ بھئی اپنے بیٹے کو سسرال رخصت کرنے کا حوصلہ نہیں مجھ میں۔" جنت بیگم نے جلدی سے کہا۔

"ویسے ان خیالات کا اظہار کب کیا انہوں نے۔"

"اماں لڑکی کی بھابھی میرے ساتھ ہی تو بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اپنی ساس کی آنکھ بچا کر چند باتیں جتا ہی ڈالیں مجھے۔ اب آپ بوا روشن سے نہ بات کرنا ورنہ اگر ان کے گھر بات پہنچ گئی تو ان کی بھابھی کا ہنستا بستا گھر خراب ہوگا۔"

"ارے میں پاگل ہوں جو اس بچی کی راہ کھوٹی کروں گی جس نے ہمارا فائدہ سوچا۔" اماں نے برا مان کر کہا۔

اماں نے اب اپنے سب ملنے جلنے والوں سے بھی شریز کے رشتے کے لیے کہنا شروع کردیا تھا۔ وہ حقیقت میں بہت فکر مند تھیں پتا نہیں کیا بات ہے شاید کسی نے میرے بچے کا رشتہ باندھ رکھا ہے' کہیں بات ہی نہیں بنتی۔ کہیں کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے' کہیں کوئی حالانکہ مناسب تنخواہ معقول صورت ہے میرا بچہ۔ سگریٹ پانی کا بھی کوئی نشہ نہیں ہے۔ بس اللہ جلدی سے میرے بچے کے نصیب کھولے۔

نور بانو دل ہی دل میں خوب ہنستی، مگر بظاہر انتہائی فکر مندی سے ساس کی ہاں میں ہاں ملاتی۔

☼ ☼ ☼

آخر کار ایک دن نور بانو کو اس کا گوہر مقصود مل ہی گیا۔

لڑکی والوں کے ہاں انتہا درجے کی ابتری پھیلی ہوئی تھی، گویا کہ گھر کی کوئی چیز بھی اپنی درست جگہ پر نہ ہو۔ گھر میں صفائی ستھرائی کا بھی نام و نشان نہ تھا۔ صرف ڈرائنگ روم کی حالت درست تھی، مگر اماں کی عادت تھی کہ بہانے سے اٹھ کر سارے گھر کا بھی چکر لگایا کرتی تھیں۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر تو اماں کی طبیعت ہی اوب گئی، مگر نور بانو کے ہاتھ تو جیسے کوئی خزانہ لگ گیا تھا۔ اس نے لڑکی کو کچن میں بھی کام کاج کرتے دیکھ لیا تھا کہ کس بے ڈھنگے پن سے کباب فرائی کر رہی ہے اور چائے کس طرح بنی۔ یہ سارا منظر نور بانو نے آتے جاتے کچن کی کھڑکی سے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ کئی بار اٹھ کر اِدھر سے اُدھر گھر میں چکراتی پھری۔ کبھی صحن میں لگے بیسن پر ہاتھ دھو رہی تھی، کبھی واش روم کے بہانے ڈرائنگ روم سے باہر پھر رہی ہے۔

لڑکی والوں کے گھر کی بے ترتیبی بوا روشن کو بھی نظر آ رہی تھی، سو انہوں نے بھی باہر نکل کر کسی بھی قسم کی رائے کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کچھ پوچھا۔ جب وہ حسب معمول راستے سے ہی اپنے گھر جانے لگیں تو نور بانو نے چہک کر کہا۔

"بوا ایک دو روز تک بتا دیں گے آپ کو صلاح کر کے۔"

ساس نے قدرے اچنبھے اور خفگی سے بہو کی طرف دیکھا، مگر بولیں کچھ نہیں ان کے خیال میں اس رشتے میں کون سی صلاح کرنی تھی، سب کچھ تو روز روشن کی طرح عیاں تھا۔

گھر پہنچ کر سب کی منتظر نگاہوں کے جواب میں نور بانو نے اعلان کیا "مل گیا وہ ہیرا جس کی تلاش میں ہم برسوں سے سرگرداں تھے۔"

"ان میں کیا خاص بات نظر آ گئی تمہیں۔ اچھے اچھے رشتے تو تم رد کر چکیں، سچ کہا ہے سیانوں نے کہ سیانا کوا ہمیشہ گو ہی پھولتا ہے۔" جنت بیگم نے کڑوے لہجے میں کہا۔

"اماں اتنی پیاری معصوم صورت لڑکی تھی۔"

"گولی مارو معصوم صورت کو۔ اچھی خاصی ہونق لگ رہی تھی۔ کناروں سے کچے کباب اٹھا کر لے آئی ہمارے سامنے، چائے وہ ایسی کہ ایک گھونٹ کے بعد دوسرا گھونٹ بھرنے کو دل نہ چاہے۔"

"بیگم کیا آپ ان کے گھر کھانے پینے کے لیے گئی تھیں۔ اگر آپ ان کھانے پینے کے چکروں سے باہر آ جائیں تو ہی لڑکی ڈھونڈ پائیں گی۔" حامد صاحب نے خفگی سے کہا۔

"کھانے پینے کی بات نہیں۔ گھر کے طریقے سلیقے کی بات ہے۔ وہ پاگل تو ملک شیک لے کر آئی تو وہ بھی گلاس اتنے بھر کر کہ ٹرے میں چھلک رہا تھا۔ گلاس الگ باہر سے دودھ سے بھرے ہوئے میرا تو گلاس پکڑنے کو دل ہی نہ چاہا تو شوگر کا بہانہ بنا کر پینے سے ہی انکار کر دیا۔"

"امی میرے کام کاج کرنے کا تو آپ کو پتا ہی ہے، کتنی اسپیڈ سے کرتی ہوں۔ جب کرنے لگ جاؤں تو۔ تو بس میں خود ہی اسے سب کچھ اپنے گھر کے مطابق سکھا کر ٹرینڈ کر دوں گی۔ بس آپ فائنل کریں۔"

"چلو بیگم جب نور بانو کہہ رہی ہے کہ سکھا لے گی سب کچھ تو پھر تم بھی اپنا دل مضبوط کر کے ہاں کر ہی دو۔ بچیاں جب پڑھائی سے فارغ ہوتی ہیں تو آتا جاتا کچھ نہیں کسی کو بھی، جب سر پر پڑتی ہے تو سیکھ ہی لیتی ہیں۔ وہ بھی سیکھ ہی لے گی۔ کچھ تم ہی سکھا دینا اور کچھ نور بانو سے سیکھ لے گی۔"

"میرے سے نہیں بنا جاتا اس عمر میں کوکنگ ماسٹر۔" جنت بیگم نے صاف انکار کر دیا، مگر جنت بیگم کے انکار سے کچھ نہ ہوا۔ ہوا وہی جو نور بانو کی مرضی تھی یا شاید کاتب تقدیر نے ان کے گھر انمول فاطمہ کے حصے کا رزق لکھا ہوا تھا۔ اس لیے بزار کیت و لعل کے

بعد بھی جنت بیگم کو ہاں کرنے ہی تھی۔

باقاعدہ منگنی تو نہ کی مگر دونوں طرف کے گھر والوں نے لڑکی لڑکے کو پیار دے کر پیسے وغیرہ دے کر بات پکی کردی' شادی کی تاریخ دو ماہ بعد کی مقرر کی گئی کیوں کہ جنت بیگم کو جلدی تھی اپنے سپوت کے سر پر سہرا باندھنے کی۔

* * *

اس دن شیزہ کی دوست کی سالگرہ تھی اسے اس سلسلے میں کچھ جیولری اور میچنگ جوتا لینا تھا۔

"اپنی بھابھی کے ساتھ چلی جاؤ۔" جنت بیگم نے شیزہ سے کہا۔

"نور بانو تم ایسا کرنا کہ اگر ہو سکے تو ایک دو جوڑے انمول فاطمہ کے بھی لے لینا۔ باقی شاپنگ تو میری اگلے مہینے کمیٹی نکلے گی تو کرلیں گے۔ جو دو جوڑے تم لاؤ گی وہ درزن کو سینے کے لیے دے دیں گے۔ یہ لوگ بھی ٹائم پر کپڑے نہیں دیتیں اور بہت تنگ کرتی ہیں۔ آہستہ آہستہ ہی سارا کام ہو گا۔ مجھے تو بہت پریشانی ہے یوں مانو جیسے سر پر پہاڑ دھرا ہو۔"

"آپ کیوں فکر کررہی ہیں امی۔ میں ہوں نا۔" نور بانو نے تسلی دی۔

"امی کھانا بنا دیا ہے۔ آپ کو چائے بھی بنادوں۔"

"نہیں' نہیں میں خود بنالوں گی۔ بس اب خیر سے تم لوگ جاؤ۔ اللہ خیریت سے لائے' لے جائے۔" جنت بیگم نے دعا دی۔

نور بانو نے گھر آتے ہی بہت اشتیاق سے جنت بیگم کو کپڑے دکھانے شروع کیے۔ اس نے پہلا شاپر کھولا۔ آتشی رنگ پر تلے کا کام تھا' نہ نفاست تھی نہ خوب صورتی' جنت بیگم کو تو تھوڑا کالا بھی لگ رہا تھا' انہوں نے بددلی سے شاپر میں ڈال کر ایک طرف رکھا۔ دوسرا سوٹ کھولا۔ مہنگو کلر پر رنگ برنگی کڑھائی تھی۔ کڑھائی یوں تو نفیس تھی' مگر کلر کامبینیشن ذرا بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔

"امی مجھے تو یہ دونوں سوٹ پسند نہ تھے بس بھابھی کو پسند آگئے تو لینے پڑے۔" نور بانو کے کمرے سے باہر جاتے ہی شیزہ نے جنت بیگم کو بتایا۔

"میں بھی حیران ہوں یہ تم دونوں نے کیا سوچ کر سوٹ لیے ہیں۔" جنت بیگم نے کہا۔

"امی بھابھی کی مرضی۔ میں کیا کرسکتی تھی۔ پہلے انہوں نے کسی کی سنی ہے جو اب میری سننی تھی۔" شیزہ نے بے بسی ظاہر کی۔

"بہرحال اب تو جو ہونا تھا ہو چکا' لیکن میرا خیال ہے کہ اب اگلے ماہ بری کی خریداری کے لیے میں خود تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ اس طرح کے سوٹ لے جاکر میں نے چار لوگوں میں ناک تو نہیں کٹوانی۔" جنت بیگم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

جنت بیگم نے جو کہا تھا وہی کیا۔ نور بانو کو بھی شاپنگ پر ساتھ لے جاتیں۔ مشورہ بھی لے لیتیں' مگر مرضی اپنی ہی کرتی تھیں۔ لہٰذا نور بانو کی پلاننگ کے خلاف بڑی شان دار بری تیار ہو گئی۔ بظاہر تو نور بانو بھی خوش نظر آئی' مگر اندر ہی اندر جل کر خاک ہو رہی تھی۔

"چلو آنے تو دو محترمہ کو۔ دیکھتی ہوں کیسے اس گھر میں اپنے قدم جماتی ہے' ایسا ماحول پیدا کروں گی کہ سب گھر والے میرا ہی کلمہ پڑھیں گے۔" وہ دل ہی دل میں منصوبے بناتی۔

اللہ اللہ کرکے وہ دن بھی آ ہی گیا جب انمول فاطمہ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے ان کے گھر آگئی۔ جنت بیگم اور حامد صاحب کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا کہ خدا نے بخیر و عافیت دوسرے بیٹے کے فرض سے بھی سبکدوش کردیا۔

شادی کے بعد تقریباً ایک ہفتہ تک سارے دور و نزدیک کے مہمان رخصت ہو چکے اور زندگی معمول پر آگئی۔

آج شیزہ' انمول فاطمہ کے گھر کی طرف سے آئے کپڑے نکال کر بیٹھی تھی اور اپنا سوٹ اپنے ساتھ لگا لگا کر دیکھ رہی تھی۔

"امی اچھا لگ رہا ہے نا یہ رنگ مجھ پر۔" وہ بار بار

ماں سے پوچھتی۔

"بھابھی آپ بتائیں نا۔" وہ نور بانو کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ سلوا لو بلکہ ایسا کرو کہ میرے والا سوٹ بھی تم ہی لے لو۔ مجھے تو اس کا کلر ہی نہیں پسند۔" نور بانو نے اپنا سوٹ مسترد کرتے ہوئے کہا۔

"کلر نہیں پسند؟ اتنا اچھا تو ہے۔ تم تو عموماً" اسی کلر کے کپڑے بنواتی رہی ہو۔" جنت بیگم نے کسی بھی قسم کی لگی لپٹی کے بنا کہا۔

"تو جب پہلے ہی فیروزی رنگ کے سوٹ ہیں تو اب کیوں پھر اس کلر کا سلوالوں۔" نور بانو نے منہ بنایا۔

"بھابھی آپ میرے سوٹ کے ساتھ تبدیل کرلیں۔ یہ میرون کلر بھی آپ پر بہت اچھا لگے گا۔" شیزہ نے فراغ دلی سے کہا۔

"نہیں تمہارا سوٹ تمہیں ہی مبارک ہو۔" نور بانو نے رکھائی سے انکار کردیا۔

"تو پھر بھابھی آپ میرے سوٹ دیکھ لیں جو پسند آئے لے لیں۔" انمول فاطمہ نے اپنا سوٹ کیس نور بانو کے سامنے کھول دیا۔ نور بانو نے جنت بیگم کے لاکھ آنکھیں دکھانے کے باوجود اپنی مرضی سے سب سے اچھا سوٹ اٹھالیا۔ جنت بیگم کو غصہ تو بہت آیا، مگر کیا کرسکتی تھیں خاموش ہو رہیں۔

☆ ☆ ☆

"امی آج انمول فاطمہ سے کھیر پکوا لیتے ہیں۔" نور بانو نے ساس سے صلاح لی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اب مہینہ ہو رہا ہے بیاہ کو تو خیر سے اپنا گھر سنبھالے۔" جنت بیگم نے رضامندی ظاہر کی۔

نور بانو نے لپک جھپک کر ساری چیزیں پوری کر کے انمول فاطمہ کو کچن میں کھڑا کردیا۔ وہ نور بانو کی ہدایت کے مطابق بناتی رہی جب کھیر گاڑھی ہونے کے قریب ہوئی تو نور بانو نے کہا کہ "کوئی بات نہیں اب بے شک ذرا ٹھہر ٹھہر کر چمچ چلا دینا۔ اب گٹھلیاں نہیں بنیں گی۔"

وہ بے چاری خانہ داری سے بالکل بے بہرہ تھی۔ اسی ہدایت کی روشنی میں بناتی رہی، کبھی کبھار چمچ ہلا دیتی۔ کھیر ساری نیچے لگ گئی، وہ بار بار نور بانو کو آواز دیتی۔

"بھابھی آپ خود دیکھ لیں ذرا۔"

"اچھا دیکھتی ہوں۔ بس یہ صحن میں وائپر لگالوں ذرا۔" کہتے کہتے کافی دیر بعد نور بانو نے کچن میں جھانکا۔

"ارے کھیر تو نیچے لگادی تم نے۔" اس نے انمول فاطمہ کو گھورا۔ نور بانو نے جلدی سے چولہا بند کر کے اوپر اوپر سے کھیر اتار کر دوسرے پتیلے میں نکالی مگر پھر بھی تیار ہونے پر کھیر ویسی نہ بن سکی۔ نہ اس قابل تھی کہ آس پاس کے چند گھروں میں بھیجی جاسکے۔ جنت بیگم کے ماتھے پر بھی ناگواری صاف نظر آرہی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں کل زردے کی دیگ بنوا کر بانٹ دینا آپ لوگ، انمول فاطمہ کا ہاتھ لگوا کر۔" حامد صاحب نے بیگم کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دو ہفتے تک جنت بیگم انمول فاطمہ سے بالکل مایوس ہو گئیں، وہ جب بھی کچن کا کام کرتی۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جاتی۔ کبھی آٹے کی لئی بن جاتی۔ کبھی دودھ ابل جاتا۔ حتی کہ سادہ سے دال چاول تک لذیذ نہ بن پاتے۔ آخر ایک دن شیزہ نے ماں سے کہا کہ "ذرا اپنی آنکھیں کھولیں۔ انمول بھابھی میں اتنے گن نہ سہی، مگر وہ بھابھی نور بانو کی چالاکیوں کی وجہ سے زیادہ کام خراب کردیتی ہیں۔"

"ارے وہ بے چاری تو اس کو سکھانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے، مگر یہ ہی کند ذہن ہے تو وہ کیا کرے۔" جنت بیگم نے ناگواری سے کہا۔

"یہ ہی تو ساری بات ہے۔" شیزہ مسکرائی۔

"جب آئندہ وہ انمول بھابھی کو ہدایت دیں تو آپ نے بھی سن گن رکھنی ہے۔"

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اگلے دو دن بعد ہی جنت بیگم کو پتا چل گیا۔ نور بانو انمول فاطمہ کو بھنڈی گوشت پکانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ جنت بیگم نے بھی کان ان کی طرف ہی رکھے۔

"بھنڈیاں پہلے فرائی کر لینا۔ پھر گوشت گل جائے تو بھون کر بھنڈیاں شامل کر دینا ساتھ ہی دو گلاس پانی ڈال دینا۔" نور بانو کی یہ ہدایات اماں نے خود اپنے کانوں سے سنیں۔

نور بانو یہ ہدایات دے کر اپنے کمرے میں جا گھسی' یہ ہی اس کی چالاکی ہوتی تھی کہ جب کام خراب ہو تو میں کچن سے دور ہی رہوں۔ اماں نے خود کچن میں جاکر انمول کی رہنمائی کی تو بے حد لذیذ سالن تیار ہوا۔

جب نور بانو کے اندازے کے مطابق بھنڈیوں میں دو گلاس پانی ڈل چکا تو وہ کچن میں تشریف لائی' مگر یہ کیا یہاں تو اماں موجود تھیں اور سالن ڈونگے میں نکال رہی تھیں اور انمول روٹی بنا رہی تھی۔

"بے شک تمہاری روٹی بنانے کی اسپیڈ کم ہے' مگر آہستہ آہستہ تیزی سے بھی کام کرنے لگو گی۔" اماں نے بہو کو تسلی دی۔

"اماں آپ کیوں آگئیں کچن میں۔ اتنی تو گرمی ہے۔ میں اور انمول کر لیتے۔" نور بانو آگے بڑھی۔

"چلو اب تم سلاد اور رائتہ بنا لو۔" اماں کہہ کر کچن سے نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن اماں سوچ رہی تھیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں' یہ نور بانو تو بڑی چالاک ہے' ایسا کیا ہو کہ اس کی چالاکی اسی پر الٹ جائے۔

اچانک ثنیزہ کمرے میں آئی۔ "یہ لیں امی آپ کے لان کے کپڑے شرنک ہو کر سوکھ چکے۔" ثنیزہ نے کپڑے ماں کے پاس ہی بیڈ پر رکھ دیے۔

"ٹھیک ہے۔ اب درزن کو فون کرو کہ آج شام آکر کپڑے لے جائے' میں خود سمجھا دوں ناپ وغیرہ۔" جنت بیگم نے کپڑے کھول کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے تو میں خود ہی کپڑے سی لیا کرتی تھی بلکہ میں تو بڑی ماہر درزن تھی' ارد گرد والے سب مجھ سے ہی کپڑے سلوایا کرتے تھے' منہ مانگے دام لیا کرتی تھی میں' مگر اب تو میری نظر ہی کام نہیں کرتی' سوئی میں دھاگا تک تو ڈلتا نہیں مجھ سے۔" جنت بیگم نے انمول فاطمہ کو بتایا۔

"اماں تھوڑی بہت سلائی آتی ہے مجھے بھی۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کا ایک سوٹ سی دوں۔" انمول فاطمہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

پہلے تو اماں متذبذب ہوئیں' مگر پھر بہو کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔ چلو اب جو ہو سو ہو۔

"ٹھیک ہے سی دو تم ایک سوٹ۔" انہوں نے فراخ دلی سے اجازت دے ہی دی۔ شام تک اماں کا سوٹ تیار تھا۔ اماں بار بار خوش ہو کر دیکھ رہی تھیں۔ بالکل میرے ہاتھ کی سی صفائی و نزاکت ہے۔ وہ بار بار سب کو بتاتیں۔

"بہو میرے کپڑے تو اب تم ہی سی دیا کرو۔ یہاں میرے کمرے میں ہی مشین رکھ لو۔ اب درزن کو کپڑے دینے کی ضرورت نہیں۔" جنت بیگم نے انمول سے کہا۔

"اماں آپ میری رہنمائی کریں تو ہم دوسرے لوگوں کے کپڑے بھی سی سکتے ہیں۔ ثنیزہ میری مدد کروا دیا کرے گی۔" انمول فاطمہ' ساس سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ کچن تو نور بانو ماشاء اللہ بہت اچھا سنبھال لیتی ہے' ذرا موسم بدلے تو میں خود تمہیں کھانا پکانا بھی سکھاؤں گی۔ نور بانو کا سمجھایا تو تمہیں سمجھ نہیں آتا اور میں اتنی گرمی میں سو سو بیماریوں کے ساتھ کچن میں کھڑی نہیں ہو سکتی بس ذرا سا موسم بدل جائے تو دیکھنا تمہیں کھانا پکانے میں بھی ٹرینڈ کر دوں گی۔"

اف اب یہ اماں کے اے سی والے کمرے میں بیٹھ کر آرام سے سلائی کر لیا کرے گی اور میں گرمی میں کھانا پکانا اور کچن کے دوسرے کام' نور بانو بس چکرا کر گرنے کو تھی۔

☼ ☼

مکمل ناول

# دستِ مسیحا

نگہت سیما

چھٹی اور آخری قسط
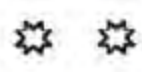
"غزل۔" نیلوفر نے چلتے چلتے غزل کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "دیکھو وہ سامنے دیکھو کون ہے۔"
غزل نے اس طرف دیکھا جدھر نیلوفر نے اشارہ کیا تھا۔ سڑک کے پار فٹ پاتھ پر کھڑی ادھر ادھر متوحش نظروں سے دیکھتی ہوئی وہ ثمرین تھی۔
"وہی ہے نا ثمرین۔ تیرے احشام کی اماں۔"

"چل ہٹ۔ میرا کہاں سے ہو گیا۔ ایسے دیکھتا ہے جیسے کچا چبا جائے گا۔ دفع کر اسے۔ غزل اب ایسی بھی گئی گزری نہیں ہے کہ اس جیسوں کے پیچھے بھاگتی پھرے تو اسے اپنی روبی کے لیے ہی سنبھال کر رکھ۔"

"روبی کے لیے تو سودے نے کسی ارب پتی بڈھے کو پھانس لیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چند سال جیئے گا۔ بقول سودے کے اور پھر سب مال ان کا۔ اچھا چل چھوڑ ہمیں کیا۔ یہ تو اماں کو ہی لاڈ چڑھا تھا کہ کسی طرح روبی کو ہشام کے ساتھ منڈھ دے۔ ورنہ میں تو تیرے لیے۔۔۔ اچھا یہ بتا وہی ہے نا اپنے ملک صاحب کی پہلی بیگم۔" نیلوفر نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں وہی ہے روبی صورت تو ایسا کر اب نظر کا چشمہ لگا ہی لے۔" غزل کی بات کا جواب دینے کے بجائے نیلوفر نے غزل کا ہاتھ پکڑا اور دونوں اطراف دیکھتی ہوئی تیزی سے سڑک کراس کر کے ثمرین کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"باجی آپ یہاں کیوں اس طرح کھڑی ہیں اور گاڑی کہاں ہے آپ کی؟؟"

"اپنی گاڑی تو ملک صاحب اور شامی لے گئے تھے اور شامی کی گاڑی دو دن سے ورکشاپ میں ہے۔ ملک صاحب کو اسپتال جانا تھا عثمان بھائی کے پاس۔۔۔ میں نے سوچا میں بھی چلی جاؤں اور میں ٹیکسی میں گئی تھی، لیکن پھر میں واپس آگئی۔ وہ تو بات ہی نہیں کرتا مجھ سے بہت ناراض ہے۔"

ثمرین کی گفتگو بے ربط سی تھی، لیکن نیلوفر نے اپنے مطلب کے معنی اخذ کر لیے تھے اور اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ یعنی عبدالرحمٰن ملک اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔ ناراض تھا ثمرین سے۔۔۔

مطلب یہ کہ اماں کا بتایا نسخہ کامیاب رہا۔ سیدھے ہوگئے ملک صاحب بول چال بند کردی بیگم صاحبہ سے۔ اماں کب سے اسے مشورہ دے رہی تھی کہ ملک صاحب سے کہے کہ یا تو ثمرین کو طلاق دے دے یا اسے گاؤں بھجوا دے اور تجھے لے جائے ملک ہاؤس میں۔۔۔ یہ دو کمروں کی کوٹھڑی دے کر کیا احسان کیا ہے تو بھی اس کی نکاحی بیوی ہے تیرا بھی حق ہے اتنا ہی جتنا اس ثمرین کا۔۔۔ اور اگر دونوں باتوں میں سے ایک بھی منظور نہیں تو تجھے فارغ کردے۔

لیکن وہ ڈرتی تھی کہ کہیں ملک صاحب اسے ہی طلاق نہ دے دیں۔ آخر کو ثمرین ان کے اکلوتے وارث کی ماں تھی۔

"زیادہ لالچ نہ کر اماں۔۔۔ شکر کر یہ دو بیڈ رومز کا اتنا بڑا فلیٹ میرا اپنا ہے۔۔۔ تو بھول گئی دھکے کھاتے پھرتے تھے پہلے۔" وہ اماں کی بات سنی ان سنی کر رہی تھی لیکن اماں مسلسل اسے اکساتی رہتی تھیں۔

"تیرے بھلے کو ہی کہہ رہی ہوں کیا ساری زندگی اس دو کمروں کے فلیٹ میں گزار دے گی۔ ذرا ہوشیار بن۔ روبی کو ہی دیکھ تیرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ابھی گھر بیٹھی ہے اور بڈھے سے کوٹھی اپنے نام کروالی ہے۔ پہلے اس ثمرین کا کانٹا نکال پھر ملک ہاؤس اپنے نام کروالے۔"

"اور اگر ملک صاحب نے مجھے ہی فارغ کردیا تو وہ جو لاکھوں روپے ملک صاحب خرچ کے لیے دیتے ہیں جن پر تم سب عیش کرتے ہو وہ بھی گئے۔۔۔ اور فلیٹ بھی۔"

"ارے فلیٹ کیسے جائے گا تیرے حق مہر میں لکھوایا ہے۔ پہلے بھی اس کم بخت غزل کے باپ نے خالی ہاتھ۔۔۔"

"اماں چپ۔" تب اس نے اماں کو چپ کروادیا تھا' لیکن وہ تو بولتی ہی رہتی تھیں۔

"نہ ڈر نیلوفر۔ نہیں کرتا فارغ شارغ' دنیا دیکھی ہے میں نے اس روتی بسورتی بڈھی عورت کے مقابلے میں تو جوان جہان ہے۔ بھلا تجھے کیوں چھوڑے گا۔" اور اماں نے اسے قائل کر ہی لیا تھا اور اس بار جب ملک عبدالرحمن آئے تو اس نے اپنا مطالبہ ان کے سامنے رکھا تو وہ غصے میں آگئے۔

"یہ کیا بکواس ہے نیلوفر۔"

"یہ بکواس نہیں ہے ملک صاحب۔ میرا بھی اتنا ہی حق ہے آپ پر جتنا ثمرین باجی کا۔۔۔ وہ تو محل میں رہے اور میرے لیے یہ کبوتروں کی کابک۔"

"آئندہ اس طرح کی فضول بات مت کرنا نیلو۔"

بظاہر تو وہ خفا ہو کر گئے تھے' لیکن لگتا ہے انہوں نے ثمرین باجی سے گاؤں جانے کو کہا ہو گا اور جب ثمرین نے بات نہیں مانی ہوگی تو ناراض ہو گئے ہوں گے۔

"بھلے باجی کو طلاق نہ دیں' لیکن گاؤں بھجوادیں۔" اس نے جاتے جاتے کہا تھا تو۔۔۔

اس نے پریشان حال کھڑی ثمرین کو دیکھا اور اپنی خوشی چھپاتے ہوئے اس سے کہا۔

"چلیں باجی میں آپ کو گھر چھوڑ دیتی ہوں۔ یہ مال کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی ہے ہماری۔"

"شکریہ نیلوفر۔۔۔ میری طبیعت بھی بہت خراب ہو رہی ہے سر گھوم رہا ہے۔ لگتا ہے جیسے ابھی گر جاؤں گی۔ میرا کلچ بھی پتا نہیں کہاں گر گیا ہے۔ پتا نہیں کوئی سواری کب ملے گی۔ کھڑا ہی نہیں ہوا جارہا۔ تمہاری بہت مہربانی ہے مجھے گھر چھوڑ دو۔ بہت دیر ہو گئی ہے گھر سے نکلے گجو کہیں شفو کو تنگ نہ کر رہی ہو۔"

"ارے باجی کیسی باتیں کرتی ہو مہربانی کیسی ہے۔" نیلوفر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ غزل بے زاری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہائے باجی تمہارا جسم تو جلتا تندور بنا ہے۔ بہت تیز بخار ہے۔" نیلوفر کا ہاتھ جیسے جل اٹھا تھا۔ وہ دونوں سہارا دے کر اسے گاڑی تک لائی تھیں۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی سیٹ کی پشت سے سر ٹکتے ہی ثمرین کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ شاید اس کی قوت مدافعت ختم ہو گئی تھی۔

"یہ تو بے ہوش ہو گئی ہے۔" غزل ازحد بے زار

سی بیٹھی تھی۔

"بخار کی غنودگی ہے۔" نیلوفر نے کچھ سوچتے ہوئے ڈرائیور کو واپس گھر چلنے کو کہا۔

"گھر۔" غزل کو حیرت ہوئی۔

"اسے پہلے ملک ہاؤس میں نہیں چھوڑنا۔" نیلوفر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کا ذہن تیزی سے کچھ تانے بانے بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ گھر پہنچنے تک ثمرین مکمل طور پر بے ہوش ہو چکی تھی۔ بمشکل تمام وہ اماں اور غزل کی مدد سے اسے اندر بیڈ روم تک لائی تھی۔

"لے یہ تو وہی ہے تیرے ملک کی بیگم تو کہاں سے اٹھا لائی اسے۔" نیلوفر کی اماں اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔ نیلوفر نے انہیں مختصراً بتایا اور جلدی سے ٹھنڈا پانی اور کپڑے کی پٹیاں لانے کو کہا۔

"لے تو کیا اب تو سوکن کی تیمارداری کرے گی گلا دبا اور قصہ ختم کر اللہ نے موقع دیا ہے تجھے۔" اماں ہنوز وہاں ہی کھڑی تھیں۔

"اس کا گلا دبا دوں اور خود پھانسی چڑھ جاؤں۔"

"ہاں کتنی عقل مند ہے جانتی ہوں تجھے زیادہ ہوشیاری کرنے کے چکر میں نقصان ہی اٹھاتی ہے۔" اماں کو اپنی بات کا رد کیا جانا سخت برا لگا تھا۔

"اور یہ تو کیوں تھوبڑا سجائے کھڑی ہے۔" وہ اماں کی بات نظر انداز کر کے غزل کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تیرے ہی بھلے کو لائی ہوں میں اسے ورنہ مجھے شوق نہیں سوکن کی تیمارداری کرنے کا۔"

"اب مجھے کیا پتا تیرے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔" غزل ابھی تک بے زار کھڑی تھی۔

"میرے لیے نمبر بنانے کا اچھا موقع ہے۔ ہشام کی ماں ہے یہ ذرا اس کی اچھی سی دیکھ بھال کر۔ جان دیتا ہے اس پر۔ اپنی ماں کی طرف اٹھی کسی کی ذرا سی ٹیڑھی نظر برداشت نہیں ہوتی اس سے۔ شکل و صورت تو اللہ نے تجھے بس گزارے لائق ہی دی ہے کم۔۔۔ تو یہ غلط فہمی دل سے نکال دے کہ اسے اپنی

اداؤں اور حسن سے پٹا لے گی۔ ایسی حسین ہے اس کی پھوپھی کی بیٹی کہ تیری طرف تو نظر بھی نہ ڈالے۔"

"تو نہ ڈالے۔"

اماں کے لاڈوں نے غزل کا دماغ آسمان پر پہنچا رکھا تھا۔

"دیکھ غزل میری بات سمجھ ذرا اس کی ماں کی تیمارداری کر۔ وہ آئے تو اس کی ماں کے لیے فکر اور پریشانی ظاہر کر پہلے اس کے دل میں تھوڑی سی جگہ بنا۔ باقی جگہ خود ہی بنتی جائے گی۔ وہ آکر ماں کو لے جائے تو دو روز تک مزاج پرسی کو چلے چلیں گے۔ لے ذرا ٹھنڈی پٹیاں رکھ اس کے سر پر۔ میں ذرا ہشام کو کال ملاؤں۔" اس نے اماں کے ہاتھ سے کٹورا لے کر حیران کھڑی غزل کے ہاتھ میں پکڑایا اور خود ہشام کے گھر کا نمبر ملانے لگی۔

☼ ☼ ☼

امل دونوں ہاتھ گود میں رکھے صوفے پر بیٹھی ہشام کو ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"اب بیٹھ بھی جاؤ شامی۔ آنٹی ابھی آجائیں گی۔"

لیکن ہشام نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی وہ اسی طرح بے چینی سے لاؤنج میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی ملک ہاؤس واپس آئے تھے۔ وہ تقریباً" دو گھنٹے اسپتال میں ڈاکٹر عثمان کے پاس رہے تھے۔ موحد کے واپس آتے ہی ہشام اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ امل بھی۔

"میں بھی چلتی ہوں اب دادی اکیلی ہوں گی۔" اس نے موحد کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ۔" اس کی بات کا جواب ملک عبدالرحمن نے دیا تھا۔

"ثمرین کو ٹمپریچر تھا۔ تم دیکھ لینا شامی اگر زیادہ طبیعت خراب ہو تو ڈاکٹر وحید کو کال کر لینا۔ میں ابھی کچھ دیر ادھر ہی ہوں۔ تم گھر جا کر گاڑی واپس بھجوا دینا۔ مجھے ایک دو ضروری کام ہیں۔ وہ کام نبٹا کر ہی گھر آؤں گا۔"

"ماما کو ٹمپریچر تھا۔" ہشام پریشان ہو گیا تھا۔

"ہاں مجھے لگا تھا کہ اسے ٹمپریچر ہے اور میں نے ایک ٹیبلٹ پیناڈول کی زبردستی دی تھی۔ ہو سکتا ہے بخار اتر گیا ہو۔" عبدالرحمن ملک نے تسلی دیتی نظروں سے اسے دیکھا تھا لیکن ہشام بے حد بے چین ہو گیا تھا اور گھر پہنچ کر یہ بے چینی اور بھی بڑھ گئی تھی جب شنو نے بتایا کہ وہ تو اسپتال گئی ہیں ڈاکٹر صاحب کو پوچھنے۔ خان چاچا سے ٹیکسی منگوائی تھی انہوں نے اسپتال جانے کے لیے "اگر انہیں اسپتال ہی جانا تھا تو ہمارے ساتھ ہی جا سکتی تھیں۔" ہشام شفو سے کہہ رہا تھا۔

"جی میں نے بھی کہا تھا کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی چلی جاتیں تو انہوں نے کہا کہ تب ان کا پروگرام نہیں تھا۔ بس اچانک دل چاہا جانے کو اور آپ لوگ جا چکے تھے۔" اور امل جو گھر جانے کے بجائے ہشام کے ساتھ ہی ملک ہاؤس آگئی تھی تاکہ ثمرین کی مزاج پرسی کرے اب وہاں ہی لاؤنج میں بیٹھی ہشام کی بے چینی دیکھ رہی تھی۔

"وہ۔ وہاں اسپتال میں موحد بھی ہو گا۔" ہشام نے چلتے چلتے رک کر امل کی طرف دیکھا۔

"تو وہ ان سے بات نہیں کرے گا۔ انہیں اسپتال کے کمرے سے نکال دے گا۔ اپنی نفرت کا اظہار کر کے ان کے دل پر چرکے لگائے گا۔ اسی لیے تو میں منع کرتا تھا انہیں وہاں جانے سے۔"

"ایسا نہیں ہو گا شامی پلیز سکون سے بیٹھ جاؤ۔ وہاں انکل عثمان ہیں۔ تمہارے ڈیڈی بھی ہیں۔ وہ ان کے سامنے کچھ بھی نہیں کہے گا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ بہت ہوا تو خود کمرے سے نکل جائے گا۔ میں جانتی ہوں اسے۔"

امل نے اسے پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں تم بہت جانتی ہو اسے۔ صرف دس ماہ میں گھول کر پی لیا ہے اسے۔"

"شامی۔" اس کے لہجے کی تلخی نے امل کو حیران کیا۔

"یہ موحد۔" ہشام نے مٹھیاں بھینچیں۔

"یہ سب جو ہو رہا ہے نا سب موحد کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ نہ آتا ہماری زندگیوں میں تو سب کچھ ٹھیک تھا' ماما بدل رہی تھیں۔ وہ مجھ پر ڈیڈی پر توجہ دینے لگی تھیں۔" وہ اب امل کے بالکل سامنے کھڑا نہ جانے کب سے دل میں چھپا غبار نکال رہا تھا۔

"وہ جب ہلکا پھلکا میک اپ کر کے تیار ہوتی تھیں تو کتنا اچھا لگتا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھتی تھیں امل اپنے ہاتھوں سے ہمارے لیے کچھ نہ کچھ بناتی تھیں اور ہمارے ساتھ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے سارا وقت ہماری طرف متوجہ رہتی تھیں کہ ہم نے کچھ لیا یا نہیں زندگی خوب صورت لگنے لگی تھی۔ لیکن یہ موحد۔۔۔ اس نے ہماری خوشیاں چھین لیں۔ زندگی کو ایک بار پھر ہمارے لیے بدصورت بنا دیا۔ پہلے اس نے تمہیں چھینا اور اب۔۔۔" امل نے جو خاموشی سے اسے سن رہی تھی چونک کر اسے دیکھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو شامی؟"

"کچھ نہیں۔" ہشام نے نظریں چرائیں۔

"تم مجھے بتاؤ گے تم نے ایسا کیوں کہا۔ موحد نے مجھے تم سے کیسے چھین لیا شامی۔" وہ بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"تم۔۔۔ تمہیں صرف اس کی فکر ہے۔ تم صرف اس کی باتیں کرتی ہو۔ تمہیں ہماری' میری اور ماما کی کوئی فکر نہیں۔ تمہیں صرف اس کی پرواہ ہے۔ وہی اہم ہے تمہارے لیے۔" ہشام کے لہجے سے اب بھی ناراضی جھلکتی تھی۔

"مجھے سب کی پرواہ ہے۔ تم سب بھی میرے لیے اتنے ہی اہم ہو۔" اس کی سبز آنکھوں میں کروٹیں لیتے اضطراب میں ذرا کمی ہوئی تھی۔

"تمہیں ہماری پرواہ ہے تو تم اسے منع کیوں نہیں کرتی ہو کہ وہ ماما کے ساتھ ایسا نہ کرے۔ سمجھاتی کیوں نہیں ہو اسے۔"

"وہ ابھی بہت اپ سیٹ ہے شامی۔ میں کیا کہوں اس سے۔ کیسے سمجھاؤں۔ اس کے اندر بہت ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ بکھر گیا ہے وہ۔ تم خود سوچو اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا تم بھی اسی طرح ری ایکٹ نہ کرتے۔ کیا خاموشی سے سب ایکسپٹ (قبول) کر لیتے۔ یہ احساس ہی کتنا اذیت ناک ہے کہ اس کی ماں نے اس کی سگی ماں نے اسے ایک اندھیری رات میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔" امل کا انداز سمجھانے کا سا تھا۔

"ہاں لیکن وہ ماما کو معاف بھی تو کر سکتا ہے۔ غلطی ہو گئی ہے ان سے مانتی ہیں اپنی غلطی کو۔" ہشام نڈھال سا ہو کر امل کے پاس سے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کر دے گا معاف۔۔۔ ایک روز ضرور معاف کر دے گا پھر وہ ان سے محبت بھی کرے گا۔ اور ان کا احترام بھی کرے گا اور انہیں اپنی ماں بھی تسلیم کر لے گا۔ لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا' پلیز شامی تم بھی ریلیکس ہو جاؤ۔ وہ بہت تکلیف میں ہے۔ اس کی تکلیف کو محسوس کرو میں جانتی ہوں تمہیں بھی شاک لگا ہے۔ تمہارے اندر بھی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ لیکن شاید یہ سب اللہ کی حکمتیں ہیں۔ تم یہ بھی تو سوچو اگر وہ نہ آتا ہماری زندگیوں میں تو شاید ثمرین آنٹی ہمیشہ اس احساس جرم میں مبتلا رہتیں کہ وہ اپنے بچے کی قاتل ہیں۔ اب اس وقت اگرچہ سب تکلیف میں ہیں لیکن کچھ وقت لگے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ بہت حساس ہے بہت نرم خو ہے۔ تم جب اسے قریب سے جانو گے تو خود ہی اس سے محبت کرنے لگو گے۔ تم فخر کرو گے کہ وہ تمہارا بھائی ہے۔" امل دھیرے دھیرے ٹھہر ٹھہر کر سمجھا رہی تھی۔

"ہاں تم تو اس کی وکالت کرو گی نا محبت جو کرتی ہو اس سے۔"

ہشام کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ امل کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے حیرت نمودار ہوئی پھر ایک شرمگیں سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر ٹھہر گئی اور نظریں جھک گئیں۔

"مجھے پتا تھا ایک روز تم خود ہی جان لو گے۔"

"ہم اپنی کوئی بات کبھی ایک دوسرے سے نہیں چھپا

سکتے۔ لیکن تم نہیں جان سکیں میرے دل کی بات۔"
ایک تلخ سا احساس ہشام کے پورے وجود میں پھیلتا چلا گیا لیکن اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے کہ کہیں دل کی بات زبان پر نہ آجائے۔

"تم ناراض مت ہونا شامی کہ میں نے تمہیں خود کیوں نہیں بتایا۔ تم سے ہر بات کرنے کے باوجود یہ بات میں تمہیں نہیں بتا سکی۔ حالانکہ جس روز پہلی بار احساس ہوا تھا کہ میں۔۔۔" وہ یوں ہی نگاہیں جھکائے کہہ رہی تھی۔ جب فون کی تیز گھنٹی نے اسے خاموش کردیا۔ شفو نے کچن سے نکل کر فون اٹینڈ کیا اور ریسیور ہاتھ میں پکڑے پکڑے وہاں سے ہی آواز لگائی۔

"شامی بھائی! میڈم نیلوفر کا فون ہے۔ آپ سے بات کرنے کو کہہ رہی ہیں۔"

"نہیں کرنی مجھے ان سے کوئی بات کہہ دو۔" ہشام نے اپنے اندر کا غصہ اس پر نکالا۔

"جی وہ کہہ رہے ہیں آپ سے بات نہیں کرنی۔" شفو نے ماؤتھ پیس ہونٹوں سے لگایا۔

"بھاڑ میں جائے نہیں بات کرتا تو نہ کرے میری بلا سے خود ہی پچھتائے گا۔" میڈم نیلوفر کی اونچی چیختی آواز ایر پیس سے باہر تک آرہی تھی۔

"کر لیتے بات کیا خبر غزل کا کوئی پیغام ہو۔" امل نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبا کر مسکرائی۔

"بکومت۔" ہشام کا موڈ خراب تھا اس نے شفو کو آواز دے کر بلایا اور ایک بار پھر ثمرین کے متعلق پوچھنے لگا۔

"ماما کو گھر سے گئے کتنی دیر ہوگئی ہے۔"

"وہ تو جی آپ کے جانے کے فوراً بعد ہی چلی گئی تھیں۔ تب ہی تو جی میں نے ان سے کہا تھا آپ کے اور صاحب کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔" وہ یوں ہی پریشان سا امل کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماما کو گھر سے گئے اتنی دیر ہوگئی ہے امل اور ہم وہاں دو گھنٹے سے زیادہ ہی رہے ہیں لیکن ماما ہمارے سامنے وہاں نہیں پہنچیں حالانکہ گھر سے اسپتال تک صرف بیس منٹ کی ڈرائیو ہے ڈیڈی نے بتایا تھا ماما کو ٹمپریچر بھی تھا لیکن۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"حوصلہ کرو شامی۔ انکل کو فون کرو۔ ہو سکتا ہے ٹریفک جام ہو۔ ٹیکسی خراب ہوگئی ہو اور وہ ہمارے جانے کے بعد وہاں پہنچیں ہوں۔" امل نے تسلی دی۔

"لیکن اتنی دیر۔۔۔!" ہشام نے پاکٹ سے اپنا فون نکالا اور عبدالرحمن کا فون ملانے لگا۔

"ڈیڈی کا فون آف ہے امل۔"

"میں موحد کو فون کرتی ہوں پلیز شامی حوصلہ کرو۔" امل نے اس کے ہاتھ سے فون لیا اور موحد کا نمبر ملانے لگی۔

☆ ☆ ☆

"بابا آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" ملک عبدالرحمن جا چکے تھے اور عثمان ملک کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے اور موحد ان کے بازو پر ہاتھ رکھے بہت محبت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔" ایک مدھم سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا۔

"میرے متعلق لیکن کیا بابا۔"

"میں سوچ رہا تھا شفیق بھائی سے اور ان کی والدہ سے تمہارے اور امل کے متعلق بات کرلوں۔ پھر ایک چھوٹا سا منگنی کا فنکشن رکھ لیتے ہیں۔"

"بابا۔" اس نے احتجاج کیا۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

"جلدی تو ہے میری جان" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"زندگی کا کیا بھروسا کب دیا بجھ جائے۔"

"بابا پلیز۔" وہ روہانسا ہوگیا۔

"اس طرح کی باتیں مت کیا کریں۔ کچھ نہیں ہونے والا آپ کو۔"

"پتا ہے موحد۔" انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ اور وہ سامنے دیوار کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جب دوسری بار میں نے امل کو دیکھا تھا تو وہ مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ تم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے بہت پیارے لگ رہے تھے اور پھر میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کا عکس دیکھا اور سوچا میرے بیٹے نے اپنی دلہن پسند کرلی ہے۔"

"بابا" موحد کو حیرت ہوئی۔

"تب میں نے امل کے متعلق اس طرح نہیں سوچا تھا وہ صرف میری دوست تھی۔"

"ہوسکتا ہے تم نے ایسا نہ سوچا ہو۔ تمہیں اپنے احساسات کی خود بھی خبر نہ ہو لیکن میں نے جان لیا تھا کہ امل تمہارے لیے کیا ہے۔۔۔ تو۔" انہوں نے مسکرا کر موحد کی طرف دیکھا۔

"تم بتاؤ۔ میرا آئیڈیا کیسا ہے۔ سب ہی کسی نہ کسی حد تک ڈسٹرب ہیں۔ ایسے میں یہ چھوٹی سی خوشی کی تقریب سب کو خوش کردے گی۔ جیسے حبس زدہ ماحول میں خوش گوار ہوا کا جھونکا۔"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے بابا! ہمیں واپس جانا ہے۔ میں نے ساری معلومات لے لی ہیں۔ سنڈے کو یہاں سے مانچسٹر کے لیے ڈائریکٹ فلائٹ جاتی ہے۔ آج مجھے آپ سے بات کرکے بکنگ کروانا تھی۔ مانچسٹر سے ہم بولٹن جائیں گے وہاں ایک یا دو دن آپ سفر کی تکان اتار لیں گا اور پھر ہم برمنگھم جاکر آپ کے ڈاکٹروں سے ملیں گے۔ آج منڈے ہے۔ صبح ہم گاؤں چلے جائیں گے۔ آپ پانچ دن ماں جی کے ساتھ رہ لیجیے گا۔ ہم کل صبح اسپتال سے سیدھے گاؤں جائیں گے۔ میری انکل سے بات ہوگئی ہے۔ وہ صبح گاڑی بھیج دیں گے۔" موحد نے اپنا پروگرام طے کر رکھا تھا انہوں نے تحمل سے سنا۔

"یہی تو وقت ہے میری جان۔ میں اپنی زندگی میں تمہاری خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کی طبیعت اتنی خراب ہے بابا۔ میں کیسے خوش ہوسکتا ہوں۔" اس نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"تم نہیں جانتے موحد ہمیں اس دن کا کتنا انتظار تھا۔ تم ابھی چھوٹے سے تھے تو زینب مجھ سے تمہاری دلہن کے متعلق باتیں کرنے لگی تھی۔ وہ کہتی تھی ہم موحد کی جلدی شادی کردیں گے۔ شوخ سی ہر وقت ہنسنے مسکرانے والی دلہن گھر آئے گی تو رونق ہوجائے گی۔ تمہارے بچے ہوں گے اور۔۔۔ اس نے تو تمہارے بچوں کے نام تک سوچ رکھے تھے۔" وہ ہولے سے ہنسے۔

"شاید تمہاری شادی تک میں نہ رہوں موحد تو تمہاری یہ چھوٹی سی خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔ امل میری اور عبدالرحمن بھائی کی بھانجی ہے۔ اس رشتے سے تم میرے خاندان کے ساتھ ایک اور رشتے سے جڑ جاؤ گے۔ میرے بعد جانے حالات کیا ہوں موحد۔ میں اپنی زندگی میں ہی امل کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کردینا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بابا لیکن ابھی میں۔۔۔"

"میری بات سنو موحد۔" انہوں نے اس کی بات کاٹی۔

"تم ایسا کرو اگلے سنڈے کے لیے بکنگ کروالو۔ ویسے ہم ڈائریکٹ برمنگھم بھی جاسکتے ہیں۔ میں نے ماں جی کو اپنی جدائی سے بہت دکھ دیا ہے۔ پھر شاید زندگی میں ان سے ملنا نہ ہو میں کچھ زیادہ دن ان کے ساتھ رہ لوں گا اور پھر میں چاہتا ہوں ڈاکٹر احسن بھی تمہاری منگنی کے فنکشن میں شریک ہوں۔ مجھے پہلے خیال آجاتا تو انہیں روک لیتا۔"

"لیکن بابا بھلا انہیں اتنی دور سے بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ خواہ مخواہ تکلیف ہوگی انہیں۔ ابھی تو گئے ہیں پھر دس بارہ دن بعد کیسے آسکتے ہیں۔" وہ جیسے ان کے پروگرام سے متفق ہوگیا تھا۔

"ضرورت ہے میری جان۔" عثمان ملک نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"اس کا حق بنتا ہے کہ وہ تمہاری خوشی میں شریک ہو اس نے تمہیں بچپن میں غوں غاں کرتے، پہلا قدم اٹھاتے پہلی بار ماما' بابا کہتے۔ پہلی بار اسکول جاتے نہیں دیکھا اس نے تمہاری اب تک کی کسی خوشی کو انجوائے

نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں تمہارے سب اپنے تمہاری خوشی میں شریک ہوں۔ مجھے بہت خوشی اور سکون ملا ہے کہ تم نے میری بات مان لی ہے.... شاید تمہاری شادی اور تمہارے بچوں....."

"او کے بابا۔" اس نے انہیں بات پوری نہیں کرنے دی اور ہونٹ بھینچ کر اپنے آنسو اندر اتارے اور شعوری کوشش سے مسکرایا۔

"آپ نے تو اپنی ساری پلاننگ کرلی ہے اور اگر امل کے پاپا اور دادی نے انکار کر دیا تو۔"

"وہ بھلا کیوں انکار کریں گے 'میرے موحد جیسا تو انہیں چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔" انہوں نے فخر سے اسے دیکھا۔ تب ہی موحد کا فون بجنے لگا اس نے عثمان ملک کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ الگ کر کے اپنا فون اٹھایا۔ دوسری طرف امل تھی۔

"تم میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے موحد کتنی دیر سے کر رہی ہوں۔" اس کے ہیلو کے جواب میں امل تیزی سے بولی۔

"مجھے ثمرین آنٹی کے متعلق پتا کرنا ہے۔ کیا وہ وہاں ہیں۔ اسپتال میں۔"

"وہ نہیں تو۔"

"کیا وہ وہاں آئی ہی نہیں۔"

"وہ نہیں 'میرے سامنے تو نہیں آئیں۔" موحد حیرت سے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

"تو انکل عبدالرحمٰن ہیں نا۔" امل نے بے چینی سے پوچھا۔

"ان سے بات کروا دو وہ فون نہیں اٹھا رہے۔"

"وہ تو گاڑی آتے ہی کچھ دیر بعد چلے گئے تھے۔ انہیں اسپتال کے سلسلے میں ہی کچھ لوگوں سے ملنا تھا۔ لیکن کیا بات ہے۔"

وہ دراصل۔" امل نے اسے ساری بات بتائی تو وہ بھی پریشان سا ہو گیا۔

"تم دعا کرنا موحد وہ ٹھیک ہوں انہیں کچھ ہو گیا تو شامی اور عجو۔" وہ رونے لگی تھی۔

"امل پلیز ریلیکس۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی کام سے چلی گئی ہوں۔ آجائیں گی۔ تم انہیں فون کر لو نا۔"

"وہ اپنا فون تو ساتھ لے کر ہی نہیں گئیں۔" اور امل کو تسلی دے کر اس نے فون بند کیا اور عثمان ملک کو ثمرین کے متعلق بتانے لگا۔

✡ ✡ ✡

ملک ہاؤس کے پورچ میں گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھے رکھے عثمان ملک نے موحد کی طرف دیکھا۔

"عبدالرحمٰن بھائی اس وقت ثمرین بھابھی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اس پریشانی میں۔ انہیں چھوڑ کر مجھے حویلی جانا مناسب نہیں لگ رہا۔ جب تک بھابھی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں مل جاتی میں یہاں ان کے پاس ہی ٹھہروں گا۔ تم اگر یہاں نہ رہنا چاہو تو ہوٹل میں رہ لو۔ لیکن مجھ سے رابطے میں رہنا۔"

موحد نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ڈرائیور کو ڈگی میں سے ان کا سامان نکالتے دیکھ رہا تھا۔ جو چھوٹے چھوٹے دو سفری بیگوں پر مشتمل تھا۔

"میری فکر مت کرنا موحد۔" انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور ایک افسردہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔ "میں بھی تین سالوں سے اپنی فکر خود ہی کر رہا ہوں۔"

"بابا۔" موحد کے دل پر جیسے کسی نے خنجر چلایا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ انکل سے مل کر میں ہوٹل سے اپنا سامان لے آتا ہوں۔"

"خود کو کسی بھی بات کے لیے مجبور مت کرو جان بابا تم یہاں ایزی فیل نہیں کرو گے میں جانتا ہوں۔"

"آپ کے ساتھ میں کسی بھی جگہ۔ چاہے وہ میری ناپسندیدہ ہی کیوں نہ ہو ایزی فیل کروں گا۔" وہ شعوری کوشش سے مسکرایا۔

"میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ میں اپنے بابا کے ساتھ ہوں۔"

ڈرائیور نے بیگ برآمدے میں رکھے۔ شفو نے گھر کا داخلی دروازہ کھولا اور انہیں سلام کر کے بیگ اٹھا لیے۔ سن روم سے گزر کر وہ لاؤنج میں آئے تو سامنے ہی صوفوں پر ہشام اور عبدالرحمٰن بیٹھے تھے۔ جبکہ دائیں طرف امل بیٹھی تھی۔ لاؤنج میں خاموشی تھی۔ موحد کی نظروں نے امل کو اپنے حصار میں لیا۔ اس کی سبز آنکھوں میں سرخی تھی اور لانبی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ شاید وہ ان کے آنے سے پہلے رو رہی تھی۔ وہ شوخ چنچل امل کتنی مرجھائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ عبدالرحمٰن جو ان کے آنے پر اٹھ کھڑے ہوئے عثمان ملک سے مل رہے تھے جبکہ ہشام سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"کچھ پتا چلا بھائی صاحب۔" ملک عبدالرحمٰن سے مل کر عثمان ملک ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"نہیں۔" عبدالرحمٰن بہت تھکے تھکے اور نڈھال لگ رہے تھے۔

"پوری رات میں اور شامی ڈھونڈتے پھرے۔ کتنے ہی اسپتالوں میں دیکھ ڈالا کہ شاید کوئی حادثہ.... لیکن کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا۔"

"پولیس میں رپورٹ کروائی۔" عثمان ملک نے پوچھا۔

"نہیں۔" عبدالرحمٰن نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں کی پولیس تمہاری لندن کی پولیس کی طرح نہیں ہے۔ خواہ مخواہ خوار کریں گے۔ اپنی طرف سے تو کوئی اسپتال نہیں چھوڑا ٹیکسی ڈرائیوروں سے پوچھا۔ کئی اداروں سے پتا کیا۔"

"کہیں وہ اپنے کسی عزیز کے پاس نہ چلی گئی ہوں۔" عثمان ملک نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں ایسا کوئی عزیز نہیں ہے یہاں ان کا۔ اور سبین ملک سے باہر ہوتی ہے ان دنوں ان کی والدہ بھی سبین کے پاس گئی ہوئی ہیں۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔" ملک عبدالرحمٰن نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"وہ خود اپنی مرضی سے کہیں نہیں گئی عثمان ضرور اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔" عبدالرحمٰن کی آواز بھرا گئی۔

"وہ خود بھی اپنی مرضی سے کہیں جا سکتی ہیں۔ اپنی زندگی ختم کر سکتی ہیں۔" ہشام نے جھکا ہوا سر اٹھایا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرا ستا ہوا تھا۔

"وہ بھلا خود کہیں کیوں جائے گی شامی اور کیوں اپنی زندگی ختم کرے گی۔" عبدالرحمٰن کو حیرت ہوئی۔

"اس کی وجہ سے۔" ہشام نے موحد کی طرف اشارہ کیا۔ جو عثمان ملک کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"میری وجہ سے۔" موحد کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں تمہاری وجہ سے۔" ہشام اب موحد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں بلا کی تپش تھی۔

"وہ تم سے شرمندہ تھیں۔ تمہارا سامنا نہیں کر سکتی تھیں۔ تم سے معافی چاہتی تھیں۔ لیکن تم نے انہیں معاف نہیں کیا تو وہ چلی گئیں اور یقیناً انہوں نے اپنی زندگی ختم کر لی ہوگی۔ کاش تم ہماری زندگیوں میں نہ آتے۔ تم نے آکر سب کچھ برباد کر ڈالا۔ سب کچھ چھین لیا تم نے ہم سے۔ میری ماما کو اور....." وہ بولتے بولتے یک دم خاموش ہو گیا۔ اس کی زخمی نظریں لمحہ بھر کے لیے امل کے چہرے پر ٹھہریں۔ حسرت۔ بے بسی دکھ کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں۔

"ہاں تم نے ہمیں برباد کر دیا موحد عثمان۔" اس نے امل کے چہرے سے نظریں ہٹا کر موحد کی طرف دیکھا اور یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آگ اندر کہیں اور بھی لگی تھی۔ چنگاری کہیں اور سے بھی پھوٹی تھی۔ موحد نے سمجھنے کی کوشش کی۔

"شامی" امل بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"شامی.... میری جان حوصلہ بیٹا۔" عبدالرحمٰن نے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"حوصلہ نہیں ہارتے یار بہادر بنو۔ ان شاء اللہ تمہاری ماما مل جائیں گی۔ بھلا مرد بھی روتے ہیں۔"

عثمان ملک نے اشارہ کیا کہ اسے رونے دیں۔ اور پھر پاس کھڑی امل سے کہا۔

"رونے سے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ پھر بھی تم اسے سمجھا کر اپنے کمرے میں لے جاؤ اور Relexon یا Lextonil کی ایک ٹیبلیٹ دے دو۔ وہی جو سکون کے لیے میں نے تمرین بھابھی کے لیے تمہیں دی تھیں۔ بہت ڈیپریس ہے اور زیادہ ڈیپریشن خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" امل نے صرف سر ہلایا اس کی آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ عبدالرحمٰن ہشام کو ہولے ہولے تھپک رہے تھے اور موحد ساکت بیٹھا تھا۔ اس کا جی چاہا تھا کہ وہ ہشام کے پاس جائے اسے گلے لگا کر تسلی دے لیکن وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکا تھا۔

"موحد" عثمان ملک کو یک دم ہی خیال آیا تھا کہ وہ اس وقت تکلیف میں ہو گا۔ بار بار اس کا دل زخمی ہو رہا تھا۔ انہوں نے معذرت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں چلتا ہوں بابا۔" وہ تھوڑا سا ان کی طرف جھکا۔

"میرا خیال ہے میرا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔" عثمان ملک نے سر ہلایا۔

"اپنا خیال رکھنا موحد۔"

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا بابا۔" وہ کھڑا ہو گیا اور عبدالرحمٰن کی طرف دیکھا۔

"اچھا انکل میں چلتا ہوں۔"

"سوری بیٹا! شامی کی بات کا برا نہ منانا وہ بہت ڈیپریس ہے۔ رات سے اب تک اس نے پلک تک نہیں جھپکی۔"

"آئی نو انکل۔" (میں جانتا ہوں) عبدالرحمٰن کی بات کا جواب دے کر اس نے عثمان ملک کی طرف دیکھا۔

"اللہ حافظ بابا۔"

"اللہ حافظ بیٹا رابطے میں رہنا۔" انہوں نے نظروں ہی نظروں میں اس کی بلائیں لیں۔ امل اس کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس نے دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت اس کے دل کی متضاد سی کیفیات تھیں اور وہ خود انہیں سمجھنے سے قاصر تھا۔ جو کچھ اس نے محسوس کیا تھا وہ واضح نہیں تھا۔ ایک دھند میں لپٹا احساس تھا جو دل میں ہلکے ہلکے کچوکے لگا تا تھا۔ اس نے قدم اٹھایا۔

"ہشام بیٹا تم جا کر کچھ دیر آرام کر لو اور دعا کرو ان شاء اللہ بھابھی مل جائیں گی۔ میں اور بھائی صاحب سوچتے ہیں کچھ کیا کرنا ہے اب۔" موحد نے عثمان ملک کو کہتے سنا اور ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

"مجھے پتا ہے کیا کرنا ہے اب۔" ہشام کھڑا ہو گیا۔

"کیا۔" عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

"ایک جگہ رہ گئی ہے ڈیڈی جہاں ہم نہیں گئے۔"

"کہاں۔"

"ایدھی کے مردہ خانے میں جہاں لاوارث لاشیں رکھی جاتی ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی اور وہ ایک بار پھر رو رہا تھا۔ موحد کے اٹھتے قدم رک گئے اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ اور اس کی نظریں عجو پر پڑیں جو اپنے کمرے سے نکل کر ہشام کی طرف آ رہی تھی۔

"ہشام۔" عبدالرحمٰن کے لبوں سے نکلا تھا تب ہی عجو نے اس کے قریب آ کر اپنا ہاتھ ہشام کے بازو پر رکھا وہ اپنا ننھا سا سر زور زور سے ادھر ادھر ہلا رہی تھی۔

"ا۔۔۔ ما۔۔۔ ں" ہشام نے روتے روتے اس کی طرف دیکھا۔

"ماں آجائیں گی عجو تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" ہشام رونا بھول کر اسے بہلانے لگا۔

"شفو۔" عبدالرحمٰن نے غصے سے شفو کو آواز دی۔

"جی صاحب جی۔" شفو دوڑتی ہوئی آئی تھی۔

"اسے کمرے میں لے جاؤ۔" شفو نے بازو سے پکڑ کر اسے کھینچا۔ عجو اس سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے رونے اور چیخنے لگی۔

"نہ۔۔۔۔ نہ۔" وہ چیخیں مار رہی تھی رو رہی تھی اور زور زور سے سہلاتے ہوئے شفو سے بازو چھڑا رہی تھی۔ موحد کے دل کو کچھ ہوا۔ یہ لڑکی اس کی ماں جائی تھی۔ نا سمجھ۔۔۔۔ معصوم۔

"شفو چھوڑ دو اسے۔" ہشام نے ایک دم آگے بڑھ کر بجو کو اپنے ساتھ لگالیا۔ وہ اس کے ننھے سے سر پر بار بار پیار کر رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ ہشام کا یہ روپ موحد کا دل پگھلاتا اور گداز کرتا تھا۔ اب ہشام ہولے ہولے اس کا بازو سہلا رہا تھا۔ موحد کو اسے دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی پاکٹ سے ایک چاکلیٹ نکال کر اسے دی۔ شاید وہ بجو کو بہلانے کے لیے اپنے پاس رکھتا ہو یا شاید وہ اس کے لیے لایا ہو اور ثمرین کی پریشانی میں اسے دے نہ سکا ہو۔

بجو نے چاکلیٹ لے لی تھی اور اب ہنس رہی تھی پھر ادھر ادھر سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے اس کی نظر موحد پر پڑی تھی پھر چاکلیٹ کو مٹھی میں بند کر کے وہ ڈول ڈول کر چلتی ہوئی موحد کے پاس آکر رک گئی اور ہنس ہنس کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے چاکلیٹ کا ریپر کھول کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑا موحد کی طرف بڑھاتے ہوئے زور زور سے سر ہلانے لگی اور منہ سے کچھ لایعنی آوازیں بھی نکال رہی تھی جیسے لینے کے لیے اصرار کر رہی ہو۔ موحد نے چاکلیٹ لے لی تو وہ خوش ہو کر اس کے بازو پر ہاتھ مارنے لگی۔ موحد نے مسکرا کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں نرمی اور شفقت تھی پھر اس نے بالکل ہشام کے انداز میں اس کے سر پر پیار کیا۔ اس کی طرف دیکھتی امل کی سبز آنکھیں یک دم لو دینے لگی تھیں۔ تب ہی ڈور بیل ہوئی اور مسلسل ہوتی رہی۔

"میڈم نیلوفر ہوں گی یہ ان ہی کا انداز ہے بیل دینے کا۔" شفو بڑبڑاتے ہوئے انٹر کام کی طرف بڑھی۔ سب اب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ موحد وہاں ہی کھڑا نرمی سے بجو کا بازو تھپتھپا رہا تھا۔

"میڈم نیلوفر ہیں۔" شفو نے وہاں ہی کھڑے کھڑے بتایا اور ساتھ ہی بیرونی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ خان نے گیٹ کھول دیا تھا اور شفو کی نظر سی سی ٹی وی کیمرے پر پڑی اور وہ خوشی سے چلائی۔

"ثمرین باجی بھی ہیں۔"

"کیا۔" عبدالرحمن بے اختیار اٹھ کر سن روم کی طرف بڑھے۔ ہشام اور امل بھی تیزی سے سن روم میں آئے تھے۔ شفو داخلی دروازہ کھولے کھڑی تھی۔

"ثمرین کہاں چلی گئی تھیں تم۔" عبدالرحمن ملک نے اس کے اندر داخل ہوتے ہی بے قراری سے پوچھا تو جواب نیلوفر نے دیا۔

"سڑک پر کھڑی تھی۔ بے ہوش ہونے والی تھی۔" توبہ توبہ نیلوفر نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"105-104 ڈگری بخار چڑھا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی آنکھیں بند ہو گئیں۔ گھر لے گئی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں ڈاکٹر کو بلایا۔"

"اور ہم کتنے پریشان تھے یہاں۔ تم فون نہیں کر سکتی تھیں بتا نہیں سکتی تھیں۔ ساری رات خوار ہوتے رہے۔ پورا شہر چھان مارا۔" عبدالرحمن کو نیلوفر پر بہت غصہ آیا۔

"کیا تو تھا فون یہاں گھر۔ پر تمہارے شہزادے نے کہا بات نہیں کرنا چاہتا مجھ سے۔ میں نے بھی کہا چکھو مزا اب دو دن ڈھونڈتے رہو ماں کو۔" نیلوفر مکاری سے مسکرائی۔

"یہ تو باجی پر ترس آگیا ورنہ دو دن اور خبر نہ دیتی۔"

ہشام نے شرمندگی سے نیلوفر اور پھر سب کی طرف دیکھا۔ وہ ثمرین کے گرد بازو حمائل کیے کھڑا تھا۔ اور ثمرین کی نگاہیں موحد کے چہرے کا طواف کرتی تھیں جو سن روم اور لاؤنج کو علیحدہ کرنے والے پردے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ بجو اس کے پاس کھڑی تالیاں بجاتے ہوئے۔ اما۔۔۔ اما۔۔۔ کر رہی تھی۔

"تم مجھے میرے سیل پر فون کر سکتی تھیں۔" عبدالرحمن ابھی تک نیلوفر سے سوال جواب کر رہے تھے۔

"وہ پھٹیچر سا موبائل جو آپ نے مجھے لے کر دیا تھا

جس میں آپ کا نمبر سیو (Save) تھا بے چارہ کب کا فارغ ہو گیا۔ سووے نے دو ہزار میں دے کر جان چھڑائی۔" نیلوفر کو بھی موقع ملا تھا گلہ کرنے کا۔

"تم مجھے بتاتیں تو نیا لے دیتا یا خود لے لیتیں۔ رقم تو ہوتی ہے نا تمہارے پاس۔" عبدالرحمٰن کی آواز آہستہ تھی۔

"مجھے تو لینا تھا وہ بڑا فون ٹچ والا اور مجھے کیا پتا دکان دار لوٹ لیتا مجھے اور وہ سڑی ہوئی سو سال پرانی گاڑی بھی پھر خراب ہو گئی ہے ٹیکسی میں لاد کے لائی ہوں تمہاری بیگم کو۔ کمزوری سے بے چاری کو ایک قدم اٹھانا بھی محال تھا۔" اب کے عبدالرحمٰن نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور مڑ کر ثمرین کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ جس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

موحد کو اچانک ہی ثمرین کی نظروں کا احساس ہوا تھا جو اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں اور وہ سوچتی تھی۔ اس نے اسے۔ اسے چاند چہرے کو برستی بارش میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ موحد اس کی نظروں کے حصار سے نکل کر ڈاکٹر عثمان کے قریب آیا۔

"اب کیا پروگرام ہے بابا؟"

"وہی پرانا۔ حویلی چلتے ہیں ماں جی کے پاس، لیکن ایک دو گھنٹے تک نکلتے ہیں ابھی یک دم اٹھنا مناسب نہیں بھائی صاحب کیا سوچیں گے۔"

"ٹھیک ہے بابا میں ہوٹل چلتا ہوں۔ میرا سامان بھی وہاں ہی ہے آپ مجھے وہاں سے ہی پک کر لیجیے گا۔"

"اللہ حافظ۔" عثمان ملک نے محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔ ہشام ثمرین کے گرد بازو حمائل کیے لاؤنج میں آ گیا تھا اور اب صوفے پر اسے بٹھا رہا تھا۔ موحد ادھر ادھر دیکھے بغیر تیزی سے لاؤنج اور پھر ٹی وی روم سے نکلتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

ایئرپورٹ پر ایک ہجوم تھا۔ کچھ اپنے پیاروں کو رخصت کرنے آئے تھے اور کچھ ریسیو کرنے۔ کچھ آنکھوں میں آنسو تھے۔ کچھ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

اور کیا خبر بچھڑنے والے پھر بھی اپنے پیاروں سے مل بھی پائیں گے یا نہیں۔ عثمان ملک نے ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوچا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی گاؤں سے سیدھے ایئرپورٹ آئے تھے۔ آج انہیں مانچسٹر کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہاں جی کے پاس صرف پانچ دن ہی رہ سکے تھے کیوں کہ جب انہوں نے ڈاکٹر احسن سے بات کی کہ وہ مزید پندرہ سولہ دن رہ کر موحد کی منگنی کرنا چاہتے ہیں تو ڈاکٹر احسن نے صاف منع کر دیا تھا۔

"ہرگز نہیں آپ کا فوراً" یہاں آنا ضروری ہے۔ آپ کے معالج ڈاکٹر ولسن اور ڈاکٹر ماریو نیکسٹ ویک پانچ ہفتے کی چھٹی پر جا رہے ہیں۔ آپ کی حالیہ رپورٹس میں نے انہیں دکھائی تھیں وہ چھٹی پر جانے سے پہلے آپ کا مکمل چیک اپ کرنا چاہتے ہیں۔ چند ایک امور کے لیے فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ تاخیر مناسب نہیں۔ آپ کو ہر صورت ان کی چھٹی پر جانے سے پہلے آنا ہے۔ ان شاء اللہ آپ موحد کی ساری خوشیاں دیکھیں گے۔ منگنی، شادی، بچے سب' آپ کو پروفیسر جان یاد ہیں نا۔ انہیں بھی بلڈ کینسر ہے دس سال پہلے پتا چلا تھا ابھی تک ماشاء اللہ ٹھیک ہیں۔"

"اور انسان کے ارادے بھی کیا ہوتے ہیں۔ وہ بھی موحد کی منگنی کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے اور انہوں نے ایک گہری سانس لے کر ——— ایئرپورٹ پر اپنے اطراف میں نظر دوڑائی۔

یہ زندگی کے میلے دنیا میں کم نہ ہوں گے
افسوس ہم نہ ہوں گے

بچپن میں ریڈیو پر سنے بھولے بسرے نغمے کے بول خود بخود لبوں پر آ گئے۔

"جی بابا کیا کہا۔" پاس ہی سامان کی ٹرالی پر ہاتھ رکھے موحد نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" ان کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"تم نے عبدالرحمٰن بھائی کو فون کر دیا تھا کہ ہم پہنچ گئے ہیں۔"

"جی۔ وہ ایئرپورٹ آنے کے لیے گھر سے نکل

چکے تھے۔" موحد نے عثمان کو بتا کر جوں ہی دائیں طرف دیکھا تو اسے عبدالرحمن ادھر ادھر دیکھتے آتے دکھائی دیے۔ ان کے ساتھ امل اور ہشام بھی تھے۔

"انکل۔" اس نے ہاتھ ہلایا تو انہوں نے اسے دیکھ لیا۔

"عثمان۔" وہ تیزی سے ان کے قریب آئے۔ شدت جذبات سے ان کی آواز بھرا رہی تھی۔ وہ ان کی قریب والی خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"سفر تو ٹھیک رہانا۔" عثمان ملک نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کام ہو گیا۔"

"ہاں۔ سب پیپرز مکمل ہو گئے۔ تمہارے حصے کی پراپرٹی کے سارے حقوق ٹرسٹ کے نام ہو گئے ہیں جو اسپتال کا انتظام سنبھالیں گے۔"

"شکریہ بھائی۔"

"پاگل ہو اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔" عبدالرحمن نے عثمان ملک کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"مجھے تم پر فخر ہے کہ تم نے اپنے گاؤں کے لیے سوچا۔ میں بھی مقدور بھر اس میں حصہ ڈالتا رہوں گا۔ فلائٹ میں تو ابھی کافی ٹائم ہے نا۔"

"ہاں ٹائم تو ہے' لیکن تین گھنٹے پہلے بورڈنگ شروع ہو جائے گی۔" موحد' امل اور ہشام خاموش کھڑے تھے۔ امل کی نظریں بار بار موحد کی طرف اٹھتی تھیں' لیکن وہ ٹرالی میں رکھے اپنے مختصر سامان پر نظریں جمائے کھڑا تھا اور کچھ فاصلے پر ایک پلر کی اوٹ میں کھڑی ثمرین بار بار جھانک کر اسے دیکھتی تھی۔

"بھابھی کی طبیعت اب کیسی ہے۔" عثمان ملک نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے ہمارے ساتھ ہی آئی ہے' لیکن موحد کی ناراضی کے خیال سے پیچھے ہی کہیں کھڑی ہو گئی ہے۔" عثمان ملک کا ہاتھ ابھی تک عبدالرحمن ملک کے ہاتھوں میں تھا۔

"میرا موحد بہت اچھا ہے عبدالرحمن بھائی۔ بہت نرم دل بہت حساس۔ اس نے ثمرین بھابھی کو معاف کر دیا ہے بلکہ ڈاکٹر احسن نے بھی انہیں معاف کر دیا ہے۔ انسان بہت کمزور ہے بھائی۔ کبھی کبھی کوئی کمزور لمحہ اس پر حاوی ہو جاتا ہے تو وہ کچھ غلط کر بیٹھتا ہے۔ یقیناً" ثمرین بھابھی بھی کسی ایسے ہی کمزور لمحے کی زد میں آ کر وہ کچھ کر بیٹھی تھیں جس نے انہیں ہمیشہ اذیت دی۔ بھائی آپ بھی ان کے لیے دل میں کوئی میل مت رکھیے گا۔ اور بھابھی کو بتا دیجئے گا کہ ایک دن وہ ان کو اپنی ماں تسلیم کر لے گا۔" عثمان ملک ہولے ہولے کہہ رہے تھے۔

"یہ بات اگر تم خود ثمرین سے کہو گے تو شاید اس کے بے قرار دل کو قرار آجائے۔" عبدالرحمن نے کہا تو عثمان ملک فوراً" ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں کہاں ہیں وہ۔ میں خود انہیں بتانا چاہتا تھا کہ موحد کے دل میں اب ان کے لیے کوئی خفگی یا ناراضی نہیں ہے۔" عبدالرحمن بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پاپا آپ کہاں جا رہے ہیں۔" موحد نے انہیں اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"آتے ہیں ابھی۔" عبدالرحمن نے اس کے کندھے کو تھپکا۔

"تم لوگ گپ شپ لگاؤ۔"

"موحد۔" امل نے اسے مخاطب کیا۔

"میں نے پاپا کو انکل سے فلائٹ کا نمبر اور ٹائم پوچھ کر فون کر دیا تھا۔ وہ ایئرپورٹ پر آجائیں گے آپ لوگوں کو لینے۔"

"تم نے خواہ مخواہ انہیں تکلیف دی۔ ہم لوگ خود ہی چلے جاتے ٹرین سے۔" موحد نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائی تھیں۔ امل نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے پاپا غیر نہیں ہیں تمہارے بابا کے بہنوئی ہیں۔"

"وہ! ہاں پتا نہیں کیوں میں بھول جاتا ہوں میرے علاوہ تم سب ہی ایک دوسرے کے اپنے ہو۔" اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔ امل نے تڑپ

کر اسے دیکھا۔ یہ ایک دم کیسی اجنبیت کی دیوار آکھڑی ہوئی تھی ان کے درمیان۔

"تم اس طرح کیوں کر رہے ہو موحد۔"

"پتا نہیں یہ بابا کدھر چلے گئے۔" موحد ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"موحد میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھی۔

"تم جتنے دن نانو کی طرف رہے ایک بار بھی میرا فون اٹینڈ نہیں کیا۔ مجھ سے بات نہیں کی۔ کیا بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں.... میں بابا کے اسپتال کے سلسلے میں ان کے ساتھ مصروف رہا۔" وہ اب بھی امل کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ تب ہی مانچسٹر جانے والے مسافروں کو بلایا جانے لگا تو اس نے بابا اور عبدالرحمٰن ملک کی طرف دیکھا جو ثمرین سے مل کر واپس آرہے تھے، لیکن ان کے اصرار کے باوجود ثمرین ان کے ساتھ نہیں آئی تھی اور وہاں ہی پلر کے پیچھے خود کو چھپائے کھڑی تھی۔

"چلیں بابا۔" ان کے قریب آنے پر موحد نے پوچھا تو عثمان ملک نے اثبات میں سر ہلایا اور عبدالرحمٰن ملک کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ پھیلائے۔

"خدا حافظ بھائی۔ مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کر دیجئے گا۔" عبدالرحمٰن نے یک دم ہی انہیں بازوؤں میں بھر لیا اور بہت دیر تک بھینچے رہے۔

"میں تمہیں کبھی نہیں بتا سکا عثمان کہ میں تم سے بے حد بے حساب محبت کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ تم پر فخر کیا میرا بھائی اتنا لائق ہے۔ اتنا بڑا سرجن ہے۔ بچپن میں جب تم چھوٹے سے تھے اور سو رہے ہوتے تھے تو میں تمہارے پاس بیٹھ کر دیکھتا رہتا تھا۔ خوش ہوتا رہتا تھا کہ اللہ نے تمہیں میرے لیے بھیجا ہے۔ بابا جان مجھ سے کہتے تھے عبدالرحمٰن، عثمان تمہارا بازو ہے۔ تمہاری طاقت ہے ہمیشہ ساتھ رہنا۔ کبھی ساتھ نہ چھوڑنا، لیکن تم خود ہی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ مجھ سے دل کی بات کہتے تو تم۔ میں ماں جی کو منا ہی لیتا۔" وہ ہولے ہولے کہہ رہے تھے۔

"لیکن یار عثمان اب دغا نہ کرنا ساتھ نہ چھوڑنا۔" ان کے آنسو باوجود ضبط کے پلکوں کا بند توڑ کر رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"میں جانتا ہوں بھائی اور اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

"پگلے معافی کیوں مانگ رہا ہے۔ بس اب اپنی جدائی کا دکھ نہ دکھانا مجھے۔"

"انسان بہت بے اختیار ہے بھائی۔ وقت پورا ہو جائے تو جانا ہی ہوتا ہے۔ میرے بعد میرے موحد کو اکیلا مت چھوڑیئے گا۔ اس کا ایسا ہی خیال رکھیے گا جیسے...." اور بہت سارے آنسوؤں نے ان کا حلق سی لیا۔

"بابا پلیز!" موحد نے نرمی سے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ضبط کی کوشش میں اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ امل کے آنسو باوجود کوشش کے اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔ عبدالرحمٰن نے موحد کو گلے لگایا۔

"تم میرے شامی کا بازو ہو۔ طاقت ہو اس کی۔ ناراض مت ہونا اس سے 'جذباتی' ہے۔ ابھی اس کا دل خام ہے زیادہ بوجھ برداشت نہیں کر پایا۔ تم بڑے ہو۔ تمہارا ظرف بھی یقیناً بڑا ہے۔ اس روز اس کی کہی ہوئی باتوں کو معاف کر دینا۔ مجھے جب پتا چلا تھا کہ میرے عثمان کا ایک بیٹا ہے تو میں بہت خوش ہوا تھا کہ میرا ہشام اکیلا نہیں رہا۔ میں آج بھی بہت خوش ہوں۔ تم پہلے میرے لیے عثمان کے بیٹے ہو بعد میں ثمرین کے بیٹے۔" موحد نے صرف سر ہلایا۔ عثمان ملک ہشام سے ملنے کے بعد امل کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور وہ آس پاس گزرتے لوگوں سے لاپروا ہو کر زار و قطار رو رہی تھی۔ اس رونے میں بہت سے درد نہاں تھے۔ عثمان ملک کی جان لیوا بیماری کا درد، موحد کی بیگانگی کا درد، ہشام اور ثمرین کی تکلیف کا درد۔ ہشام نے مصافحہ کے لیے موحد کی طرف ہاتھ بڑھایا تو

موحد نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے معذرت کی۔

"سوری ہشام میری وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچی۔ حالانکہ میں نے کبھی دانستہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہاری زندگیوں میں کبھی نہ آؤں۔۔۔ اپنا اور سب کا خیال رکھنا۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے جملہ مکمل کیا۔

"اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا اس تکلیف کے لیے جو تمہیں پہنچی۔" امل نے تڑپ کر اسے دیکھا وہ کیا سوچ رہا تھا اس کے ذہن میں کیا تھا۔ اس کا دل ڈوب سا گیا۔

"اوکے۔۔۔ اللہ حافظ امل۔" موحد اس کی طرف دیکھے بغیر ٹرالی دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہشام نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر بند کر لیا اور ثمرین کی طرف دیکھنے لگا جو پلر کی اوٹ سے نکل کر ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور حسرت سے موحد کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ سب اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک وہ نظر آتے رہے۔ موحد نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا جب کہ عثمان ملک بار بار دیکھ رہے تھے اور اندر جانے سے پہلے بھی مڑ کر ہاتھ ہلایا تھا۔

"اب چلیں۔" ہشام نے عبدالرحمن کی طرف دیکھا جو اپنی آنکھوں کے اٹکے آنسو کو انگلی کی پور سے پونچھ رہے تھے۔

"ہاں چلو۔" اور وہ چاروں سر جھکائے اپنی اپنی سوچوں میں گم پارکنگ کی طرف چلنے لگے۔

✡ ✡ ✡

ایک سال بعد

امل اپنے گھر کا ڈور کھول کر باہر آئی تھی۔ کچھ دیر وہ برآمدے میں کھڑی ساتھ والے گھر کی طرف دیکھتی رہی پھر سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ دروازے کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ اور پھر چار سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیاں اتر کر دائیں طرف چھوٹا سا لان تھا جس کی باڑھ سے ادھر موحد کے گھر کا لان تھا اور بائیں طرف گاڑی پارک کرنے کے لیے شیڈ سا بنا ہوا تھا۔ پوری رات کی بارش کے بعد اس وقت آسمان بہت صاف تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی نیلاہٹوں کو دیکھا۔ کہیں کہیں سفید چمکیلے بادل تھے۔ سورج ابھی کہیں درختوں کی اوٹ میں تھا۔ لگتا ہے آج بارش نہیں ہوگی۔ اس نے سوچا اور سامنے سڑک پر دیکھنے لگی۔ سڑک دور تک خالی تھی۔ کچھ دیر بعد دو نوجوان لڑکے ٹریک سوٹ پہنے پارک کی سمت جاتے نظر آئے۔ وہ بہت دنوں سے پارک کی طرف نہیں گئی تھی بلکہ گزرے ہوئے پورے سال میں وہ بہت کم پارک گئی تھی اور جب جب گئی بے زار ہو کر فوراً" ہی واپس آگئی۔ دل کہیں کسی بھی بات سے خوش نہیں ہوتا تھا۔

وہ تو ہر وقت خوش رہنے والی ہنسنے مسکرانے والی لڑکی تھی، لیکن زندگی میں اچانک بہت ساری تبدیلیاں آئی تھیں جنہوں نے اس ہر دم خوش رہنے والی لڑکی کے لبوں پر چپ سجادی تھی۔ گو یہ تبدیلیاں براہ راست اس کی زندگی میں نہیں آئی تھیں، لیکن وہ ان تبدیلیوں سے بے حد متاثر ہوئی تھی کہ یہ تبدیلیاں اس سے منسلک رشتوں کی زندگی میں آئی تھیں اور وہ موحد عثمان جو اسے بہت اپنا اپنا لگنے لگا تھا۔ جسے دیکھتے ہی اس کی سبز آنکھیں لو دینے لگتی تھیں۔ لبوں پر خود بخود مسکراہٹ آجاتی تھی۔ جس کے لیے دل میں محبت کا ایک جہان آباد تھا۔ جس کی محبت میں طوفانی پانیوں کا بہاؤ نہیں تھا بلکہ وہ ایک سبک رو ندی کی طرح تھی۔ جس کی محبت سورج کی تپش کی طرح جلاتی نہیں تھی۔ نرم میٹھی مدھم چاندنی جیسی تھی جو پورے رگ و پے میں ایک ٹھنڈک ایک خوش کن سا احساس بھر دیتی تھی۔

دونوں نے ایک دوسرے سے محبت کے اظہار کے لیے بڑے بڑے ڈائیلاگ نہیں بولے تھے، لیکن دونوں جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ شاید سچی اور خالص محبت کو اپنے اظہار کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں پڑتی وہ تو خود ظاہر ہوتی ہے۔ ہر موئے تن سے۔ محبت اپنا اظہار خود ہے۔ موحد

عثمان جانتا تھا وہ اس سے محبت کرتی ہے جیسے وہ جانتی تھی کہ موحد عثمان کے دل میں اس کے علاوہ کوئی اور نہیں بستا تھا۔ پھر بھی موحد عثمان نے خود کو اس سے دور کر لیا تھا۔ اس نے ادھر سے گزرنا ہی چھوڑ دیا تھا جہاں امل شفیق کے ملنے کا امکان ہوتا۔ اگر اتفاقاً" ملاقات ہو بھی جاتی تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہی نہ تھا۔ نظریں چرا لیتا۔ اس کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کر کے غائب ہو جاتا۔

اس نے صبح صبح پارک جانا چھوڑ دیا تھا۔ جہاں صرف امل کی وجہ سے جانا شروع کیا تھا۔ سعد اس کا مذاق اڑاتا تھا۔ "یہ موحد عثمان کو جاگنگ کا کب سے شوق ہوا۔ مان لو موحد عثمان کہ تم امل شفیق کے لیے وہاں جاتے ہو۔" اور یہ بات خود موحد نے امل کو بتائی تھی۔

"تو تم نے مان لیا۔"

"مانا نہیں تو انکار بھی نہیں کیا۔" وہ مسکرایا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی۔ اور وہ موحد عثمان اس ایک سال میں ایک بار بھی پارک میں نہیں آیا تھا اور پھر اس نے خود بھی پارک جانا چھوڑ دیا حالانکہ وہ موحد کے لیے پارک نہیں گئی تھی۔ اسے سلم اور اسمارٹ لڑکیاں پسند تھیں اور وہ موٹا ہونے سے ڈرتی تھی۔ اس لیے یہاں آنے کے دو ہفتے بعد ہی اس نے پارک جانا شروع کر دیا تھا اور پہلی بار موحد اسے یہاں ہی ملا تھا۔ اب وہ پارک میں نہیں آتا تھا تو اسے پارک بے رونق و ویران اور بے رنگ لگتا تھا۔

ڈاکٹر عثمان زیادہ تر بولٹن میں موحد کے پاس ہی رہتے تھے وہ مہینے میں کبھی ایک بار کبھی دو بار برمنگھم جاتے تھے اپنے ڈاکٹر کے پاس۔ ورنہ انہوں نے یہاں ہی بولٹن رائل اسپتال جوائن کر لیا تھا حالانکہ موحد نے منع بھی کیا تھا۔

"میں اس طرح عضو معطل ہو کر نہیں رہ سکتا یار جب تک زندگی ہے فعال رہنا چاہتا ہوں۔"

وہ اکثر عثمان ملک سے ملنے جاتی تھی' لیکن موحد عثمان اسے دیکھ کر غائب ہو جاتا۔ وہ انکل عثمان کے پاس بیٹھ کر آجاتی تھی اور وہ اب بھی کچھ اچھا بناتی تو ان کے لیے لے کر جاتی تھی۔ ہر ویک اینڈ پر مدعو کرتی' لیکن موحد عثمان کے پاس ایک نہیں سیکڑوں بہانے تھے اس سے چھپنے کے لیے۔ وہ اس سے چھپ رہا تھا۔ کیا صرف اس لیے کہ وہ ہشام کی کزن تھی اور ہشام ثمرین کا بیٹا تھا۔ جس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ یقیناً" ایسا نہیں تھا پھر کیوں۔۔۔ وہ جاننا چاہتی تھی' لیکن گزرے سال میں ایک بار بھی موحد نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکتی۔

انکل کو بلڈ کینسر تھا یہ بات ہشام نے اسے تب بتائی تھی جب وہ عثمان ملک اور موحد کو خدا حافظ کہنے ایئرپورٹ جا رہے تھے اور شاید اسے بھی اسی روز پتا چلی تھی اور وہ موحد سے آج تک کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔ تسلی کا حوصلے کا ایک لفظ بھی نہیں۔۔۔ موحد نے اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ اس کے بولٹن جانے کے بعد وہ جتنا عرصہ پاکستان رہی موحد نے خود سے ایک بار بھی اسے فون نہیں کیا تھا اور جب وہ فون کرتی تو فوراً" ہی کام کا بہانہ کر کے بند کر دیتا تھا۔

اس نے سعد کے پاس دبئی جانے سے پہلے کہا تھا وہ اس کی بات سنے گا بھی اور اس سے اپنی بات کرے گا بھی' لیکن نہ اس نے اس کی بات سنی تھی نہ اپنی بات کی تھی۔ اس نے ایئرپورٹ پر ہشام سے کہا تھا کہ وہ اب کبھی ان کی زندگیوں میں نہیں آئے گا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ امل کی زندگی کا شریک ہو اور اس کے قریبی رشتوں سے اس کا سامنا نہ ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس کی زندگی سے بھی ہمیشہ کے لیے چلا گیا تھا۔

"نہیں بھلا موحد عثمان اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے' میں بولٹن جا کر اس سے خوب لڑوں گی۔" اس نے ہشام سے کہا تھا۔

"ہاں ضرور لڑنا۔" ہشام بھی اب پہلے کی طرح زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔

"تم سب بدل گئے ہو شامی۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"مثلاً" کون۔۔۔ کون؟" ہشام نے پوچھا تھا۔

"تم اور موحد۔"

"نہیں ہم نہیں ہمارے حالات بدل گئے ہیں امل۔" شاید وہ صحیح کہتا تھا۔ حالات بدل گئے تھے اور حالات نے ان سب کو بھی بدل دیا تھا۔ اسے کہیں چین نہ آتا۔ دادی سے باتیں کر کر کے تھکتی تو ملک ہاؤس چلی جاتی، لیکن وہاں بھی اس کا دل نہ لگتا۔ ہشام پڑھائی کے بہانے کمرے میں گھسا رہتا اور ثمرین آنٹی یا تو عجو کے ساتھ مصروف رہتیں یا پھر چپ بیٹھی رہتیں اور بیٹھے بیٹھے رونے لگتیں۔ ملک عبدالرحمٰن بہت کم ملک ہاؤس آتے تھے۔ اسپتال کی تعمیر کے سلسلے میں زیادہ تر گاؤں میں رہتے تھے۔ وہ جو بولٹن نہیں آنا چاہتی تھی اور آنے سے پہلے ہفتہ بھر روتی رہی تھی۔ اب جلدی چھٹیاں ختم ہونے کے لیے دعائیں کرتی تھی۔

خدا خدا کر کے اس کی چھٹیاں ختم ہوئی تھیں۔ وہ موحد سے ملنے کے لیے بے چین تھی اور بولٹن پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ موحد سے ملنے گئی تھی، لیکن موحد گھر نہیں تھا صرف سعد تھا جو ایک دن پہلے ہی دبئی سے آیا تھا اور انکل عثمان چند دنوں کے لیے برمنگھم گئے ہوئے تھے۔ سعد نے بتایا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر سے گیا ہے۔ کہاں یہ اسے معلوم نہ تھا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ وہ امل سے ملنے گیا ہوگا اور پھر بولٹن آنے کے تین دن بعد اس نے موحد کو گھر سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔

"موحد۔" اپنے گھر کے لان میں پودوں کو پانی دیتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ پائپ وہاں ہی گھاس پر پھینک کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"موحد تم کہاں تھے۔ میں دو بار تمہیں ملنے گئی اور تم گھر پر نہیں تھے کیا سعد نے تمہیں بتایا نہیں تھا۔"

"بتایا تھا۔" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس ایک سال میں ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا ورنہ جان لیتا کہ اس کی آنکھوں کے زمرد ہر دم گیلے رہنے لگے ہیں۔

"پھر بھی تم مجھ سے ملنے نہیں آئے موحد۔" اس نے گلہ کیا تھا۔

"مجھے تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنا تھیں اور بتانا تھا کہ۔۔۔"

"میں بہت بزی تھا امل اور اس وقت بھی مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے سوری۔" اور وہ اسے وہاں ہی حیران کھڑا چھوڑ کر چلا گیا تھا اور تب وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے اس ایک سال میں بار بار حیران ہونا تھا۔ اور اب جب اس نے آنرز کے ساتھ اپنا گریجویشن مکمل کر لیا تھا تو وہ یہاں سے چلا جائے گا۔ ایک یا دو ہفتے بعد اس کی گریجویشن سریمنی (تقریب) تھی پھر۔ سعد نے اسے بتایا تھا کہ وہ اپنا ماسٹر یہاں سے نہیں کریں گے شاید مانچسٹر یا کہیں اور سے اور یہ بات وہ پہلے سے جانتی تھی۔ موحد اور سعد نے کئی بار کہا تھا کہ وہ مزید تعلیم کے لیے کہیں اور جائیں گے موحد کیمبرج میں جانا چاہتا تھا اور سعد کا خیال تھا جہاں بھی جس بھی اچھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل گیا۔

اور پھر شاید وہ موحد کو کبھی نہ دیکھ سکے گی کبھی نہ مل سکے گی۔ وہ شاید کبھی اس سے رابطہ نہ رکھے گا۔ وہ یہاں تھا تو تب ہی کم نظر آتا تھا اور اب جب یہاں سے چلا جائے گا تو۔۔۔ کیا وہ ہوا کا ایک خوش گوار جھونکا تھا جو چند لمحوں کے لیے اس کی زندگی کو معطر کر کے چلا گیا تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس کی سبز آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تو اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ وہ رو رہی تھی جب کوئی اپنے دروازے سے نکل کر خاموشی سے آکر اس کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور بے حد نرمی سے پوچھا۔

"تم رو رہی ہو امل۔" وہ یقیناً رو رہی تھی، لیکن اس نے گھٹنوں سے سر نہیں اٹھایا۔ یہ نرم روح میں اتری آواز کتنے دنوں بعد اس نے سنی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم رو رہی ہو۔"

"نہیں تم نہیں جانتے موحد۔" اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ سبز کانچ پانیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ "میں تو

پچھلے ایک سال سے رو رہی ہوں۔ اگر جانتے ہوتے تو اس طرح مجھے اگنور (نظرانداز) نہ کرتے ایک بار تو پوچھتے۔"

"امل۔" اس نے جیسے ضبط کی انتہائی کڑی منزلوں سے گزر کر اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں کے سحر نے اسے اسیر کرلیا۔ وہ پھر نظریں نہ جھکا سکا۔ کئی لمحے یوں ہی گزر گئے۔ کیا رئیل (اصل) زمرد بھی پانیوں میں ڈوب کر یوں ہی جھلملاتے ہوں گے جیسے اس وقت امل کی آنکھوں میں جھلملاہٹ تھی۔

"امل۔" اس نے دوبارہ کہا اور نظریں بمشکل اس کے چہرے سے ہٹائی تھیں۔ جس چہرے کو دیکھنے کی حسرت میں وہ راتوں کو کروٹیں بدل بدل کر صبح کردیتا تھا اور صبح جب وہ نظر آتی تو راستہ بدل لیتا یا شعوری کوشش سے خود کو اس کی طرف دیکھنے سے روک لیتا۔

"سوری! امل میں جانتا ہوں تم میرے رویے سے ہرٹ ہوئی ہو۔"

"ہاں تو ہوئی ہوں۔" امل نے ہاتھوں کی پشت سے اپنا بھیگا چہرہ پونچھا۔

"لیکن اب اگر تم اپنے رویے پر سوری کررہے ہو اور وعدہ کرتے ہو کہ آئندہ ایسا نہیں کرو گے تو میں بھول جاؤں گی کہ تم نے کتنی بار مجھے ہرٹ کیا۔" اس کے لہجے میں خوش گوار سی شوخی تھی، لیکن موحد نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی اور اس کے خاموش ہوتے ہی اپنی بات جاری رکھی۔

"مجھے شاید تمہیں پہلے ہی بتادینا چاہیے تھا۔ اس وقت ہی جب تم کراچی سے واپس آئی تھیں۔ تمہیں اتنے بہت سارے دن اذیت میں مبتلا نہیں رکھنا چاہیے تھا۔"

"کیا۔۔۔ کیا بتا دینا چاہیے تھا موحد۔" امل کا دل جیسے یک دم ڈوب سا گیا تھا۔ موحد خاموش بیٹھا سامنے سڑک پر دیکھ رہا تھا اور وہ ٹوٹتی بکھرتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"یہ کہ تم نے خود کو مجھ سے الگ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور یہ کہ تم اب مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ کبھی بھی نہیں۔"

یہ امل شفیق تھی جسے اندازے لگانے کا شوق تھا اور جس کے اکثر اندازے صحیح ہوتے تھے، لیکن اس وقت پتا نہیں کیوں وہ امل سے یہ نہیں کہہ سکا کہ اس کا اندازہ صحیح ہے۔ وہ خاموشی سے سامنے سڑک پر سے گزرتے بچوں کو دیکھنے لگا اور امل کو سو فی صد یقین تھا کہ اس کا اندازہ صحیح ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آگئے تھے۔

"وہ سب کچھ جو تمہارے ساتھ ہوا کیا اس کے لیے میں قصوروار ہوں موحد۔"

"قصوروار تو میں بھی نہیں ہوں امل۔" وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ ڈرتا تھا کہ اگر اس کی طرف دیکھا تو اس سبز آنکھوں میں ڈوب جائے گا۔

"تو پھر تم میرے ساتھ ایسا کیوں کررہے ہو موحد! مت کرو ایسا۔ کیا تم میری زندگی سے نکل کر خوش رہ سکو گے۔ نہیں نا۔۔۔ میں جانتی ہوں۔" اس نے پھر ایک صحیح اندازہ لگایا تھا۔

وہ اس سے دور ہو کر کبھی خوش نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ وہ جانتا تھا، لیکن اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے اب کبھی بھی اس کی زندگی میں نہیں آنا۔ ابھی اسے بابا کے ساتھ برمنگھم جانا تھا۔ اسے ان کے ساتھ ہی رہنا تھا۔ اس نے آنرز کے ساتھ اپنا گریجویشن کیا تھا اس کے پروفیسرز نے اسے بتایا تھا کہ اسے کسی بھی اچھی یونیورسٹی سے اسکالر شپ آفر ہو سکتا ہے اور یہ کہ وہ ڈائریکٹ پی ایچ ڈی کے لیے بھی اپلائی کرسکتا ہے، لیکن اس کا ارادہ ابھی کہیں بھی اپلائی کرنے کا نہیں تھا۔ اسے برمنگھم سے باہر نہیں جانا تھا کہ بابا کا علاج وہاں ہی چل رہا تھا اور اس نے برمنگھم میں ہی جاب کرنے کا سوچ رکھا تھا، لیکن یہ طے تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد اسے امل شفیق سے پھر کبھی نہیں ملنا تھا۔ اس امل شفیق سے جسے ایک روز اس نے بڑی سادگی سے پرپوز کیا تھا۔

"تم اس بار چھٹیوں میں اپنے کراچی نہیں گئیں۔"

اس نے اس کی بات کے جواب میں بالکل ہی مختلف بات کی تھی۔
"ہاں۔" وہ چھٹیوں میں کراچی نہیں گئی تھی حالانکہ شفیق احمد نے کہا بھی تھا کہ وہ چلی جائے، لیکن وہ نہیں جانا چاہتی تھی کیوں کہ وہ موحد سے دور نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسے لگتا تھا اگر وہ چلی گئی تو پھر کبھی موحد کو نہیں دیکھ سکے گی۔ وہ جب تک یہاں تھا وہ اسے دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔
"ابھی تو جولائی ہے یونیورسٹی تو ستمبر میں کھلے گی۔ تم اب بھی جا سکتی ہو۔" موحد نے مشورہ دیا۔
"میں جا کر کیا کروں گی۔ دادی اس عمر میں صرف نوکروں کے سہارے اکیلی نہیں رہ سکتی تھیں اس لیے زویا پھپھو انہیں ساتھ لے گئیں۔ شامی بھی تو وہاں نہیں ہے نا جو صبح و شام ان کی خبر لیتا تھا۔ وہاں ملک ہاؤس میں اب شاید میڈم نیلوفر ہوں یا وہ بند پڑا ہو تمہیں تو شاید علم نہ ہو کہ شامی اور ثمرین آنٹی عجو کے ساتھ ملک ہاؤس سے چلے گئے ہیں۔" اسے بنا پوچھے ہی سب کچھ بتانے کی عادت تھی، لیکن آج وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی تھی۔
"مجھے پتا ہے۔" موحد نے ہمیشہ کی طرح مختصر بات کی۔
ملک عبدالرحمن نے اسے بتایا تھا کہ اس روز ان کا موڈ بہت خراب تھا۔ نیلوفر سے ان کا زبردست جھگڑا ہوا تھا۔ وہ غزل اور ہشام کی شادی کا مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ ملک ہاؤس میں آکر رہنا چاہتی تھی۔ غزل جسے اس نے اپنی کزن مشہور کر رکھا تھا کہ اس کے والدین کے انتقال کے بعد اس کی اماں نے اسے پالا ہے۔ دراصل اس کی اپنی بیٹی تھی اور یہ بات چند دن پہلے ہی ملک عبدالرحمن کو معلوم ہوئی تھی۔ انہوں نے ہشام اور غزل کی شادی کے لیے صاف صاف انکار کر دیا تھا البتہ ملک ہاؤس میں اس کے رہنے کے متعلق خاموشی اختیار کر لی تھی ان کا خیال تھا کہ وہ ثمرین سے بات کریں گے۔ اتنے بڑے ملک ہاؤس میں ایک نیلوفر کے رہنے کی گنجائش تو نکل ہی سکتی تھی۔

لیکن جب وہ ملک ہاؤس آئے تو ثمرین میلے کپڑوں میں لاؤنج میں بیٹھی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ اسے کبھی کبھی یوں ہی ڈپریشن ہو جاتا تھا اور پھر رونا دھونا کرنا نارمل ہو جاتا تھی۔ عجو بھی اس کے ساتھ چیخیں مار رہی تھی۔۔۔ انہیں غصہ آگیا اور انہوں نے غصے میں جانے کیا کیا کہہ دیا کہ ثمرین ہشام اور عجو کے ساتھ لاہور اپنی ممی کے گھر جو ان دنوں آئی ہوئی تھیں۔ چلی گئی وہ جب چند ماہ پہلے عثمان ملک سے ملنے آئے تھے تو بہت پریشان تھے کیوں کہ وہ لاہور سے بھی چلی گئی تھیں اور وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ تینوں آج کل کہاں ہیں۔ البتہ ہشام کبھی کبھار انہیں فون کر لیتا تھا۔
"اچھا تمہیں پتا تھا۔" امل نے آہستگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں جانے کیا تھا بلا کی افسردگی اور دکھ۔ اس نے بے اختیار ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ یہ امل شفیق تھی جسے اس کے دل نے چنا تھا اور جس کے ساتھ عمر بھر کی رفاقت کا خواب خود بخود ہی اس کی آنکھوں میں سج گیا تھا۔ دل میں بس گیا تھا۔ جو چپکے سے اس کے دل میں اتر آئی تھی اور جس کی محبت لہو بن کر اس کے دل میں اتر آئی تھی اور روشنی بن کر آنکھوں میں جگمگاتی تھی جسے اس کے بابا نے بھی اس کے لیے منتخب کیا تھا اور جسے وہ ایک سال سے اگنور کر رہا تھا اور ایسا کر کے وہ خوش نہیں تھا، لیکن وہ ایسا کر رہا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ان کے رستے ایک نہیں ہو سکتے۔ وہ اس سے جڑے رشتوں سے خوف زدہ تھا۔ وہ اپنی ذات کو ان کی زندگیاں برباد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔
اس روز ملک ہاؤس میں ہشام کی بات سن کر اس پر انکشاف ہوا تھا کہ ہشام عبدالرحمن امل شفیق سے محبت کرتا ہے۔ وہ صرف ثمرین کے لیے دکھی نہیں تھا۔ درد کچھ اور بھی تھا۔ زخم کہیں اور بھی لگا تھا جو رستا تھا اور اس کے لہجے میں وہی درد تھا جو محبت کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے وہی کرب جھلکتا تھا جو آج موحد عثمان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا اپنی محبت کے بچھڑ جانے کا کرب۔

اور اس روز ایئرپورٹ پر ہشام سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کا دل گداز ہوا تھا۔ یہ شرمندہ شرمندہ سا کھڑا ہشام اس کا بھائی تھا۔ دونوں کو جنم دینے والی ماں ایک تھی۔ اندر کہیں موجود خون کی محبت نے جوش مارا تھا اور اس نے سوچا تھا وہ اپنے اس چھوٹے بھائی کی زندگی پر کبھی اپنے وجود کا سایہ نہیں پڑنے دے گا۔ وہ اس کے نوخیز دل کو اس کی محبت سے بچھڑ جانے کے دکھ سے بچالے گا۔ وہ جب امل اور ہشام کے درمیان میں نہیں ہو گا تو پھر کون انہیں ایک ہونے سے روکے گا۔ ہشام کا حق ہی سب سے زیادہ تھا۔ وہ دونوں بچپن سے ایک ساتھ تھے اور وہ تو بعد میں آیا تھا ان کی زندگی میں۔ امل نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا۔

"تو پھر تم ایسا کیوں کر رہے ہو موحد۔ جن لوگوں کا تم سامنا نہیں کرنا چاہتے وہ تو خود ہی۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ وہ اسے سب بتانے کے لیے آیا تھا۔ وہ اسے الجھن میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا، لیکن یکایک اس کا جی چاہا وہ کچھ دیر اور اسے کچھ نہ بتائے۔ وہ کچھ دیر اور ساتھ رہیں اور ایک اچھا اور خوب صورت دن اکٹھے گزاریں تاکہ جب کبھی وہ یادوں کی البم کھولے تو یہ خوب صورت دن حال کی بدصورتیوں کو اپنی خوب صورتیوں تلے چھپالے۔

"چلو امل۔ کہیں چلیں۔" اس نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"کہاں۔" امل نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور کھڑی ہو گئی اور اس کے دل میں بڑی شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کاش یہ ہاتھ کبھی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے زندگی کی شاہراہ پر چلتے رہیں اپنے آخری سانسوں تک۔

"کہیں بھی۔۔۔ مانچسٹر چلتے ہیں۔ وہاں خوب گھومیں گے۔۔۔ وہ جگہیں جو نہیں دیکھیں وہ دیکھیں گے۔"

"Last Ride Togeather" (آخری بار اکھٹی گھڑ سواری)

امل کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ اندازے لگانے میں تو اسے کمال حاصل تھا۔ موحد نے دل ہی دل میں اس کے اندازے کو سراہا۔

"تم نے یہ پوئم پڑھی ہے موحد۔"

"نہیں۔" وہ نظریں چرا گیا۔ حالانکہ اپنے اسکول میں اس نے یہ پوئم (نظم) پڑھی تھی اور اسے یاد تھی۔

"تم اندر جا کر انکل کو بتا دو اور کوٹ بھی لے لو۔ واپسی پر سردی ہو جائے گی۔"

"پاپا تو کسی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے ہیں ایک ہفتے کے لیے اور میرا یہ لانگ سوئٹر کافی گرم ہے۔" امل نے گھر کا ڈور لاک کیا اور وہ دونوں سیڑھیاں اتر کر گرین بیلٹ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ خاموش اپنی اپنی سوچوں میں گم وہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ہشام لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا اور عجو پاس ہی بیڈ پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ کبھی زور زور سے سر ہلاتی اور کبھی تالیاں بجاتے ہوئے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکالنے لگتی، لیکن ہشام بہت انہماک سے اپنا کام کر رہا تھا اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا اور خوب صورت آنکھوں سے گہری طمانیت جھلکتی تھی۔

"کیا کر رہے ہو شامی بیٹا۔" ثمرین دروازے میں کھڑی تھی۔

"کچھ نہیں ذرا شاہ دولے بچوں کے متعلق سرچ کر رہا تھا کہ کیا ایسے بچے قابل علاج ہیں۔"

"تو کچھ پتا چلا۔" ثمرین اندر آکر عجو کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"نہیں کچھ خاص نہیں۔"

ہشام نے لیپ ٹاپ بند کر کے ثمرین کی طرف دیکھا۔ "آج ڈیڈی سے میری بات ہوئی تھی وہ ہم سب کو بہت مس کر رہے ہیں۔ اب آپ ان سے اپنی ناراضی ختم کر دیں نا۔"

"میں ناراض نہیں ہوں ان سے ہشام۔" وہ انگلیوں سے عجو کے بال سنوار رہی تھی۔ اس شام جب

عبدالرحمٰن غصہ ہوئے تھے تو وہ بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ انہوں نے کبھی اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں کیے تھے لیکن اس روز کیے تھے۔

"ختم کرو اب یہ رونا دھونا۔ ہر وقت پھوڑی (موت والا گھر) ڈال کر بیٹھی رہتی ہو تنگ آ گیا ہوں۔۔۔ اور اس ابنارمل مخلوق کو بھی میری نظروں سے دور کرو۔"

ہرٹ ہونے کے باوجود اس نے سوچا تھا کہ اس نے احسن کی طرح عبدالرحمٰن کے ساتھ بھی زیادتی کی ہے۔ وہ ابنارمل بچے اور ہر وقت کی ٹینشن۔ اس نے دل ہی دل میں عہد کیا تھا کہ آئندہ وہ عبدالرحمٰن کو شکایت کا موقع نہیں دے گی۔ لیکن صبح ناشتے کی ٹیبل پر ملک عبدالرحمٰن نے جو بات کہی تھی۔ وہ اسے قبول نہ تھی۔

"نیلوفر یہاں رہنا چاہتی ہے ملک ہاؤس۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں مل جل کر رہو۔ دل کی اچھی ہے۔۔۔ اچھی نہ ہوتی تو تمہیں اس روز گھر نہ لے کر جاتی۔ کبھی ہم لوگ گھر پر نہ ہوں تو تمہارا خیال رکھ سکتی ہے۔"

نیلوفر، غزل کے لیے تو ہشام کے دل میں جگہ پیدا نہ کر سکی تھی لیکن ثمرین کو گھر لے جا کر عبدالرحمٰن کے دل میں ضرور نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا۔

"اتنا بڑا گھر ہے۔ اور۔۔۔"

"ٹھیک ہے آپ لے آئیں نیلوفر کو ملک ہاؤس میں۔" ہشام نے حیرت سے اسے دیکھا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ "لیکن میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میں ممی کے پاس لاہور چلی جاؤں گی۔۔۔ آپ اس کے ساتھ خوش رہیں۔"

"یہ کیا پاگل پن ہے۔۔۔ وہ میری بیوی ہے اس کا بھی اتنا ہی حق ہے۔ جتنا تمہارا۔" وہ کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں ایک دو روز میں نیلوفر کو لا رہا ہوں یہاں۔ اور ہشام تم اپنی ماں کو سمجھاؤ۔ اگر میں اسے ملک ہاؤس نہ لایا تو وہ طلاق لے لے گی۔ اور میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میری بیوی مجھ سے طلاق لے کر کسی اور سے شادی کر لے۔" اور ہشام ثمرین کو کیا سمجھاتا وہ تو خود ملک عبدالرحمٰن کی بات سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ اسے خود میڈم نیلوفر کے ساتھ ملک ہاؤس میں رہنا قبول نہ تھا۔ چنانچہ جب ملک عبدالرحمٰن کے جانے کے بعد ثمرین لاہور جانے کے لیے تیار ہوئی تو وہ بھی ان کے ساتھ چلا آیا تھا۔ ثمرین کی ممی جوان دنوں لاہور آئی ہوئی تھیں انہیں دیکھ کر خوش ہوئی تھیں لیکن انہیں ان کا ملک ہاؤس چھوڑ کر چلا آنا پسند نہیں آیا تھا۔

"ثمرین تم نے صحیح نہیں کیا۔" انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔

"اس طرح اس عمر میں گھر چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن مرد ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"میں نیلوفر کے ساتھ نہیں رہ سکتی وہ تو میری بچوں کی زندگی عذاب بنا دے گی۔ اگر آپ مجھے اپنے پاس رہنے نہیں دیں گی تو میں کہیں اور چلی جاؤں گی۔"

تب ممی چپ کر گئی تھیں ملک عبدالرحمٰن کو اس کے اس طرح چلے آنے پر بہت غصہ تھا۔ اور وہ نیلوفر کو ملک ہاؤس میں لے آئے تھے۔۔۔ اور چاہتے تھے کہ ہشام ان کے پاس آ جائے لیکن ہشام نے انکار کر دیا تھا۔ ملک عبدالرحمٰن کا جب غصہ اترا تو وہ انہیں لینے آئے تھے۔۔۔ لیکن مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ وہ نیلوفر کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہ تھی اور نہ ہی ہشام۔ ہشام سے ان کی بات ہوتی رہتی تھی۔۔۔ اور انہوں نے ہشام سے کہا تھا کہ وہ نیلوفر کو واپس کلفٹن والے فلیٹ میں بھجوا دیں گے وہ لوگ واپس آ جائیں۔

"تمہارے ڈیڈی بہت اچھے ہیں ہشام میں ہی ان کے حقوق صحیح طرح سے ادا نہیں کر سکی۔ تم ان کے ساتھ چلے جانا۔۔۔ اور انہیں کہنا مجھے معاف کر دیں۔ اور نیلوفر کو واپس نہ بھیجیں اور تم بھی نیلوفر کا احترام کرنا۔ آپ کہاں جا رہی ہیں۔" ہشام گھبرا گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ جہاں بھی گئی تمہیں اپنا ایڈریس دے جاؤں گی اس شرط پر کہ تم اپنے ڈیڈی کو نہیں بتاؤ گے۔ اور تم جب جی چاہے ملنے آ جانا۔"

"نہیں ماما میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا اور میڈم نیلوفر کے ساتھ چند گھنٹے بھی نہیں رہ سکتا۔" یوں انہوں نے ممی کا گھر چھوڑ دیا تھا اور ملتان صالحہ کے پاس آگئے تھے۔ صالحہ ثمرین کے کالج کے زمانے کی دوست تھی اور چند دن پہلے ہی اتفاقاً" اس کی صالحہ سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اور صالحہ کے بے حد اصرار پر صالحہ کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی۔ اس کا گھر صدر میں تھا۔ یہ بہت بڑا گھر تھا ایک کنال سے بھی زیادہ رقبے پر بنے اس گھر کے اندر داخل ہوتے ہی لان میں موجود بچوں کو دیکھ کر ثمرین حیران رہ گئی تھی۔

"صالحہ یہ بچے تمہارے ہیں کیا۔" ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے اس نے صالحہ سے پہلی بات یہی کہی تھی۔

"نہیں یہ بچے ہمارے نہیں ہیں.... لیکن ہم انہیں اپنا ہی سمجھتے ہیں۔" صالحہ نے اسے بتایا کہ اس نے بھی اپنے فرینڈز کو اس لیے اپنے گھر نہیں بلایا تھا کہ وہ اپنے خاندان کی واحد نارمل لڑکی تھی اس سے بڑے اس کے دو بہن بھائی اور اس کے چچا کی دونوں بیٹیاں اور پھوپھی کا اکلوتا بیٹا سب "شاہ دولے" بچے تھے۔ شاید یہ ان کا کوئی خاندانی پرابلم تھا۔ وہ چھوٹی سی تھی جب اس کی والدہ کے انتقال کے بعد اس کی بہن کو کسی ادارے میں بھیج دیا گیا تھا کیونکہ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ بھائی کا انتقال والدہ کی وفات سے چند ماہ پہلے ہوگیا تھا.... جس طرح اس کی بہن کو زبردستی گاڑی میں ڈالا گیا تھا۔ جس طرح جانے سے پہلے وہ روئی اور چیخی تھی اس نے سوچا تھا کہ جب وہ بڑی ہو جائے گی تو اپنی بہن کو واپس لے آئے گی۔

اسے بہن تو نہیں مل سکی تھی لیکن اس کی ملاقات حافظ حیات سے ہوئی تھی.... حافظ حیات نے یہ ادارہ اپنے گھر کے اندر ہی بنا رکھا تھا۔ ان کے اس ادارے میں اس وقت چھ بچے تھے۔ جن میں دو ان کے اپنے بہن اور بھائی تھے یہ دونوں بچے منگول تھے.... صالحہ کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ وہ خوب صورت تھی ایجوکیٹڈ تھی لیکن برادری والے ڈرتے تھے کہ کہیں اس کے ہاں بھی ایسے ہی بچے نہ پیدا ہوں۔ صالحہ کے ایک چچا بھی ایسے ہی تھے.... حافظ حیات کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ کہ لوگ اپنی بیٹی دیتے ہوئے ڈرتے تھے.... سو دونوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا اور سوچا کہ وہ اپنی اولاد کی خواہش نہیں کریں گے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں ایسے ہی بچوں کے لیے وقف کردی تھیں۔ صالحہ اور حافظ حیات دونوں ٹیچر تھے.... اس وقت ان کے پاس دس بچے تھے۔

"ہمارے وسائل محدود ہیں۔ اس لیے ہم زیادہ بچے نہیں رکھتے۔" اپنی مدد کے لیے انہوں نے ایک مرد اور ایک عورت ملازم رکھی ہوئی تھی۔

ان دنوں ممی سبین کے پاس واپس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں اور اسے مجبور کر رہی تھیں کہ وہ واپس کراچی چلی جائے۔ اس نے وہاں ہی بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا تھا۔ اور صالحہ سے کہا۔

"یہاں قریب ہی اگر کوئی گھر کرائے پر مل جائے تو میں بھی تمہارے ساتھ اس کار خیر میں حصہ لینا چاہتی ہوں۔ میری اپنی بیٹی بھی ایسی ہی ہے۔" "ہم نے اپنے گھر کا فرسٹ فلور کرائے پر دے رکھا تھا۔ چند دن پہلے ہی خالی ہوا ہے تم چاہو تو یہاں آجاؤ۔" صالحہ نے خوش دلی سے کہا تھا اور یوں وہ ممی کو بتائے بغیر کہ وہ کہاں جارہی ہے یہاں شفٹ ہوگئی تھی ہشام اس کے ساتھ ہی تھا وہ اس کے اصرار کے باوجود کراچی نہیں گیا تھا۔ زندگی کو جینے کا ایک مقصد مل گیا تھا اور وہ بہت مطمئن اور پرسکون تھی۔ صالحہ اور حافظ صاحب اپنی جاب پر چلے جاتے وہ نیچے آجاتی اور بچوں کے مسائل دیکھتی۔ صالحہ اور حافظ حیات ان کے آنے سے بہت خوش تھے۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں ماما۔" ہشام نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا۔ تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ ڈیڈی سے ناراض نہیں ہیں تو میں انہیں بتادوں کہ ہم کہاں ہیں۔"

"نہیں شامی پلیز نہیں۔"

"وہ بہت اکیلے اور تنہا ہیں۔"
"کیوں نیلوفر ہے نا ان کی تنہائی دور کرنے کے لیے۔"
"نیلوفر کا چیپٹر ہمیشہ کے لیے کلوز ہو چکا ہے۔ ڈیڈی نے مجھے بتایا ہے۔" ہشام نے اپنی سم تبدیل کر لی تھی لیکن جب اسے عبدالرحمٰن سے بات کرنا ہوتی تو پرانی سم استعمال کر لیتا۔
"نہیں..... تم اپنے ڈیڈی سے کہو میری وجہ سے نیلوفر کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ اسے لے آئیں اگر وہ ناراض ہو گئی ہے۔" ثمرین نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے نیلوفر پر کوئی ظلم ہو اسے بددعاؤں سے خوف آتا تھا۔
"پتا نہیں وہ ناراض ہوئی ہے یا ہمیشہ کے لیے ڈیڈی نے انہیں فارغ کر دیا ہے۔ مجھے ڈیڈی نے تفصیل نہیں بتائی۔ لیکن وہ بہت پریشان تھے اور....."
ثمرین نے اس کی بات کاٹی۔
"نہیں یہاں بہت خوش ہوں بہت پرسکون ہوں۔ ان معصوم، معذور بچوں کے لیے کام کر کے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ میں نے اللہ کے دیے ہوئے تحفے کو ٹھکرایا تھا ناہشام، تو مجھے لگتا ہے میں ان بچوں کا خیال رکھوں گی ان سے محبت کروں گی تو میرا اللہ مجھے معاف کر دے گا اور جب اللہ نے مجھے معاف کر دیا تو وہ بھی..... مجھے معاف کر دے گا۔"
"اس نے اور ڈاکٹر احسن نے آپ کو معاف کر دیا ہے ڈیڈی نے بتایا تو تھا آپ کو۔"
"ہاں لیکن ہشام اگر وہ مجھے معاف کر دیتا دل سے تو میرے پاس آتا مجھے ماما کہتا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس نے مجھے معاف نہیں کیا اور وہ کر بھی کیسے سکتا ہے۔ تم چلے جاؤ اپنے ڈیڈی کے پاس وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔"
"میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" ثمرین کی بات سن کر ہشام نے حتمی لہجے میں کہا وہ خود بھی تو موحد کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے موحد سے معافی بھی نہیں مانگی تھی اور وہ امل سے بھی نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ وہ امل کے لیے اپنے دل میں چھپے چور جذبوں سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ بے خودی میں انہیں عیاں نہ کر بیٹھے۔ امل نے ساری عمر بولٹن میں نہیں رہنا تھا..... اور نہ ہی موحد عمر بھر ثمرین سے دور رہ سکتا تھا..... وہ عثمان ملک کا بیٹا تھا لے پالک ہی سہی لیکن ان کی نسبت سے بہر حال وہ عبدالرحمٰن ملک کے گھرانے سے بھی جڑا ہوا تھا۔ تو یہی بہتر تھا کہ وہ یہاں سب سے الگ خاموشی سے زندگی گزار دیں..... لیکن اسے عبدالرحمٰن کا بھی خیال تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عبدالرحمٰن ان سے ملتے رہیں اور وہ بھی۔
"ڈیڈی ہم سے ملنا چاہتے ہیں ماما۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ ہم کہاں ہیں۔"
"تم نے بتا دیا۔" ثمرین پریشان ہو گئی۔
"آپ کی اجازت کے بغیر کیسے بتا سکتا تھا لیکن اگر آپ اجازت دیں تو....." ہشام نے اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔
"نہیں شامی مت بتانا۔ وہ آئیں گے تو ساتھ چلنے پر اصرار کریں گے۔ میں انکار کر کے ان کی گناہ گار نہیں ہونا چاہتی۔ اگر انہوں نے غصے میں کچھ غلط منہ سے نکال دیا تو..... نہیں شامی بس چاہتی ہوں کہ ہمیشہ ان کا نام میرے نام سے جڑا رہے وہ نیلوفر کے ساتھ خوش رہیں۔ میں یہاں بہت سکون میں ہوں۔ تم ضرور اپنے ڈیڈی سے جا کر مل آؤ۔ اور تمہیں جانا بھی چاہیے ہشام۔" ثمرین کھڑی ہو گئی۔
"میں ذرا نیچے صالحہ کی طرف جا رہی ہوں۔" ہشام نے سر ہلایا اور سوچنے لگا کہ اسے ڈیڈی سے ملنے جانا چاہیے یا نہیں۔

☆ ☆ ☆

وہ Trafford centre کے I Max سینما میں 3-D موی "Bat Man Superman Verces" دیکھ رہے تھے۔ سنسنی سی محسوس کرتے ہوئے امل نے موحد کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے وہ

ساکت بیٹھے تھے۔ انہوں نے آج ایک یادگار دن گزارا تھا اس سے پہلے وہ اتنا زیادہ وقت اکٹھے نہیں رہے تھے۔ وہ دونوں ٹرین سے مانچسٹر آئے تھے۔ موحد پہلے اسے Chill Factor لے گیا تھا وہاں وہ ہر گیم سے لطف اندوز ہوئے تھے۔ پھر موحد اسے Trafford Centre لے کر آیا تھا۔ اتنا خوب صورت مال وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ جب وہ دوستوں کے ساتھ مانچسٹر آئے تھے تو وہ Arndol میں اور "وکٹورین گیلری" میں گئے تھے یہ دونوں مال بھی بہت خوب صورت تھے لیکن Trafford کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ اس کے فوڈ مارٹ میں فش اینڈ چپس کھانے اور کافی پینے کے بعد موحد نے پوچھا تھا۔ کہ کیا وہ 3-D مووی دیکھے گی۔ اس نے کبھی 3-D نہیں دیکھی تھی۔۔۔۔ لاسٹ ایئر اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ انہوں نے یہاں مانچسٹر میں ہی Sineplex (سینما کا نام ہے) میں Focus دیکھی تھی اور ڈیڑھ دو گھنٹے کی یہ مووی دیکھتے ہوئے سب نے کتنا انجوائے کیا تھا۔۔۔۔ ہنسی قہقہے، ریمارکس خاص طور پر سعد کا برجستہ تبصرہ لیکن آج وہ خاموشی سے سامنے نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی وہ خوف زدہ ہو کر موحد کے ہاتھ پر اپنی گرفت سخت کر لیتی۔ اور تین گھنٹے بعد جب وہ باہر آئے تھے تو دونوں نہیں جانتے تھے کہ فلم کی اسٹوری کیا تھی۔ سارا وقت وہ اس احساس میں گھرے رہے تھے کہ وہ پہلی اور آخری بار یوں اکیلے مووی دیکھ رہے ہیں موحد یقین کے ساتھ اور امل کچھ متذبذب سی لیکن دونوں کے دل میں ہی احساس جاگزیں تھا۔۔۔۔ وہ بس ایک دوسرے کی رفاقت کو محسوس کر رہے تھے۔

اس احساس کو زیادہ سے زیادہ محسوس کرنا چاہتے تھے یہ ایک خوب صورت دن تھا لیکن اس خوب صورت دن میں انجوائے کرتے ہوئے بھی اداسی کے ایک غبار نے انہیں اپنے حصار میں لیے رکھا تھا۔ یہ غبار اس لیے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ پھر ان کی زندگی میں ایسا کوئی دن نہیں آتا۔۔۔۔ رات دس بجے جب وہ بولٹن اسٹیشن پر اترے تو بولٹن میں بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اسٹیشن سے گھر تک دونوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گھر کے پاس پہنچ کر امل نے موحد کی طرف دیکھا۔

"آج کے دن کے لیے تھینک یو موحد۔"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے برآمدے میں مین ڈور سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ گیٹ سے اوپر شیڈ تھا اور یہاں بارش کی پھوار نہیں پڑ رہی تھی۔ موحد نے اس کے تھینک یو کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا اور خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ کر اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اسے اب امل سے وہ سب کہہ دینا چاہیے جو کہنے کے لیے آج صبح اس کے پاس آ کر سیڑھی پر بیٹھا تھا۔ پھر شاید موقع نہ ملے۔ دو دن بعد عثمان ملک آ رہے تھے۔ شاید ان کے ساتھ ڈاکٹر احسن بھی ہوں۔ گیٹ کے اوپر لگے بلب کی روشنی امل کے چہرے پر پڑ رہی تھی اس کے بالوں پر اٹکے بارش کے قطرے اس روشنی میں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ جبکہ وہ قدرے اندھیرے میں کھڑا تھا۔

"تم چلی جاتیں پاکستان۔ یہاں بور ہوتی رہو گی۔ گریجویشن سریمنی (گریجویشن کی تقریب) کے بعد میں اور سعد بھی چلے جائیں گے۔ ابھی تو کافی چھٹیاں ہیں۔" اس نے تمہید باندھی۔

"اصل بات کرو موحد! یہ بات تم پہلے بھی کہہ چکے ہو۔" وہ بے حد سنجیدہ تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اصل بات۔۔۔" موحد نے اپنے لبوں پر زبان پھیری۔

کیا کسی کو موت کا سندیسہ دینا آسان ہوتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ امل شفیق کے لیے بھی اس کی بات کو قبول کرنا اور سہنا آسان نہیں ہو گا لیکن وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ اور اسے امل کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا ہی تھا۔

"امل اب یہ کہنا بے کار ہے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تم اس مختصر سے عرصے میں میرے دل کے کتنے قریب ہو گئی تھیں کیونکہ۔۔۔"

"کیونکہ تم نے مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے کیونکہ تم آج کے بعد کبھی مجھ سے نہیں ملو گے۔" امل نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"لیکن کیوں موحد کیا صرف اس لیے کہ تم میرے کچھ قریبی رشتوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتے۔ کبھی انہیں دیکھنا نہیں چاہتے۔" وہ ذرا سا سانس لینے کو رکی۔

"تم کہو گے تو میں وہ سارے رشتے چھوڑ دوں گی۔ کبھی نہیں ملوں گی نہ کبھی تم سے کہوں گی کہ تم ان سے ملو لیکن پلیز اس طرح خود کو مجھ سے الگ مت کرو۔ میرے اندر اپنی محبت کا چراغ جلا کر اسے اتنی بے دردی سے پھونک مار کر مت بجھاؤ۔"

وہ سوچتا تھا اگر کبھی امل شفیق نے اس سے کھل کر اعتراف محبت کیا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جائے گا آج وہ اعتراف کر رہی تھی اور وہ ساکت کھڑا تھا۔

"میں تم سے کوئی قربانی نہیں لینا چاہتا امل۔ میں جانتا ہوں وہ سب بچپن سے تمہارے ساتھ ہیں۔ تم ان سے کتنی محبت کرتی ہو۔ کتنی حساس ہو ان کے لیے لیکن میں کبھی بھی دوبارا ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ میں انہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔۔۔ حالانکہ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے اس کے لیے جو انہوں نے میرے ساتھ کیا لیکن میں اپنے دل کو ان کے لیے کشادہ نہیں پاتا۔"

"محبت تو نام ہی قربانی کا ہے موحد جس محبت میں قربانی کا جذبہ نہ ہو وہ بھلا کیسی محبت ہے۔ محبوب کی خوشی کے لیے اپنی خوشی تج دینے کا نام ہی محبت ہے۔ یہی تو محبت ہے موحد۔" امل کا اعتراف اسے اذیت دے رہا تھا۔

"لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں تمہارے رشتوں سے ہرگز بھی جدا نہیں کرنا چاہتا۔"

رشتے دار اہم ہوتے ہیں موحد لیکن ان کا چوبیس گھنٹے کا ساتھ نہیں ہوتا۔۔۔ ان سے میل ملاقات بعض اوقات مہینوں سالوں بعد ہوتی ہے۔ کسی خوشی کے موقع پر۔۔۔ میں یا تم ہر وقت عبدالرحمٰن انکل کے گھر پر نہیں ہوں گے۔۔۔ ہمارا اپنا ایک گھر ہوگا اور تم ان کے گھر جانے اور ان سے ملنے کے لیے مجبور نہیں ہو گے پھر۔۔۔ وہ جو تمہارے دل میں کچھ اور ہے وہ بھی بتا دو۔" وہ پھر اندازہ لگا رہی تھی۔

"ہشام تم سے بہت محبت کرتا ہے امل۔ تم اس سے شادی کرلینا۔ وہ تمہاری جدائی برداشت نہیں کرپائے گا۔ ٹوٹ جائے گا۔ وہ اور تم بچپن سے ساتھ ہو۔ میرا اور تمہارا ساتھ تو بہت تھوڑا سا ہے امل مجھے بھولنا تمہیں مشکل نہیں ہوگا۔" اپنی بات کر کے وہ رکا نہیں تھا اور اس نے مڑ کر ساکت کھڑی امل کو بھی نہیں دیکھا تھا اور اس کے گھر کی سیڑھیاں اتر کر تقریباً دوڑتا ہوا اپنی سیڑھیاں چڑھ کر مین ڈور کو دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

مسز امیت کی خراب کی ہوئی بیل کو آج تک سعد اور موحد نے تبدیل نہیں کیا تھا وہ جانتی تھی لیکن اس وقت اسے یاد نہیں تھا۔ بہت دیر تک وہ بیل پر انگلی رکھے کھڑی رہی۔ اس کا دل جیسے کٹ کٹ کر گرنے لگا۔

وہ دروازہ نہیں کھولے گا۔ اس کی وضاحت نہیں سنے گا اس نے فیصلہ کرلیا ہے اسے چھوڑ دینے کا اس نے بیل سے ہاتھ ہٹالیا۔ موحد عثمان اس کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ ہمالیہ جیسا اونچا نارسائی کا پہاڑ ان کے درمیان میں جانے کہاں سے آگیا تھا۔

موحد عثمان اس کی زندگی میں نہیں رہا تھا تو بھلا اس کی زندگی میں کیا رہ گیا تھا۔ وہ دروازے کے پاس سے لوٹ آئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی زندگی میں تھا ہی کیا۔ دادی، شاہی، پھوپایا اور اب موحد عثمان اس کے دل کی اولین خواہش اس کی پہلی محبت۔

پتا نہیں اسے اس سے کب محبت ہوئی تھی۔۔۔۔ جب پہلی بار اس نے حیران پریشان سا پارک میں بیٹھے دیکھا تھا۔ ہوسٹل کے لڑکوں کے شور شرابے سے پریشان۔

یا پھر جب اس کے کچن میں کھڑے ہو کر پہلی بار

اس کے لیے کافی بتائی تھی اور اس نے اپنی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے شادی کی درخواست کی تھی۔یا پھر جب اس نے اسے اپنی ماما کے متعلق بتایا تھا پتا نہیں کب لیکن امل شفیق کو موحد عثمان سے محبت ہو گئی تھی۔۔۔ اور محبت کے اس سفر میں وہ تنہا نہیں تھی موحد عثمان کو بھی اس سے محبت تھی یہ بات وہ جانتی تھی لیکن موحد عثمان نے اسے چھوڑ دیا تھا اپنی محبت کو چھوڑ دیا تھا۔

وہ رو رہی تھی۔۔۔ اور سڑک پر سیدھی جا رہی تھی۔۔۔ یہ سڑک پارک کی طرف جاتی تھی لیکن رات کے اس پہر جب پارک کے گیٹ بند ہو چکے تھے وہ کہاں جا رہی تھی۔۔۔ وہ خود نہیں جانتی تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک سڑک پر مڑ گئی۔ یہ سڑک کہاں جاتی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔ بارش لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور وہ بلند آواز میں روتی ہوئی انجانی سمت جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ صوفے کی پشت سے سر لگائے تھوڑی سی ٹانگیں پھیلائے نیم دراز تھا۔ آنسو مچل مچل کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہے تھے اور وہ بار بار انہیں پیچھے دھکیل دیتا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتا تھا کہ یہ فیصلہ خود اس کا اپنا تھا لیکن وہ اندر سے سارے کا سارا بھیگ گیا تھا۔ اس نے امل کو خود سے الگ کر دیا تھا۔ اسے ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ لیکن کیا وہ اس محبت کو بھی ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ سکتا تھا جس کی جڑیں اس کے اندر بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سعد اس سے خفا ہو کر اپنے کمرے میں بند ہو چکا تھا لیکن وہ لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا لیکن اس کی آواز ضرور سنی تھی۔ اس نے اسے بہت کرب سے پکارا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ رو رہی ہو گی۔ بہت رو رہی ہو گی۔ انکل شفیق بھی نہیں تھے۔

ایک لمحہ کے لیے اس کا جی چاہا کہ وہ اس کے پاس جائے اسے تسلی دے لیکن وہ اس سے کیا کہے گا اس کے پاس کہنے کے لیے ہے ہی کیا۔ وہ رو رہی تھی اور اس کے آنسو جیسے اس کے دل پر گر رہے تھے۔ یہ کیسی محبت تھی اس کی کہ اس نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیے تھے۔ اس ہنس مکھ سی شوخ لڑکی کو آنسوؤں کا تحفہ دیا تھا۔ اس نے شدت سے آنکھیں میچ لیں۔

کیا وہ اسے بھلا سکے گا۔ کبھی نہیں وہ اسے کبھی نہیں بھلا سکتا لیکن وہ اسے اپنی زندگی میں بھی شامل نہیں کر سکتا تھا۔ شاید انہیں اس طرح ملنا اور اس طرح جدا ہونا تھا۔ اس کے لبوں سے باوجود ضبط کے سسکی نکلی اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تب ہی سعد کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور وہ بدحواس سا اسے پکارتا ہوا باہر آیا۔

"موحد۔۔۔ موحد۔" اس نے آنکھیں کھول کر خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ امل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ زخمی ہے موحد۔۔۔ ابھی ابھی جواد کا فون آیا ہے وہ اپنے والد کو لے کر اسپتال گیا ہوا تھا۔ اس کے والد اس کی گریجویشن سرمنی میں شرکت کرنے کے لیے آج صبح ہی پاکستان سے آئے ہیں اور انہیں اچانک استھما (دمے) کا اٹیک ہو گیا تو انہیں اسپتال لے جانا پڑا وہاں امل کو زخمی حالت میں لایا گیا۔" اس کے سامنے وہ ساکت بیٹھا تھا جیسے اس کے جسم و جاں سے یک دم طاقت ختم ہو گئی ہو۔ اس نے سعد کی باقی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا اس کی سماعتیں اسے وصول نہیں کر رہی تھیں۔

"امل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ زخمی ہے۔" اس کے بعد اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔

"جواد نے اسے پہچان کر ہمارے علاوہ کئی دوسرے پاکستانی طلبا کو بھی فون کیا ہے۔ اس کا بہت سارا بلڈ ضائع ہو گیا ہے۔ ہیڈ انجری ہے۔" بات کرتے کرتے سعد نے یک دم چونک کر موحد کی طرف دیکھا۔

"موحد۔۔۔ موحد تم میری بات سن رہے ہو نا امل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" سعد نے اسے جھنجوڑا۔

"ہاں۔" اس نے سعد کی طرف دیکھا۔

"وہ بولٹن رائل اسپتال میں ہے۔"

"بولٹن رائل اسپتال۔" اس نے دہرایا اور کھڑا ہو گیا۔

"نہیں۔" اس کے لبوں سے نکلا۔ "اسے کچھ نہیں ہو سکتا سعد۔ نہیں اسے کچھ نہیں ہو گا۔" وہ تقریباً دوڑتا ہوا لاؤنج سے نکل کر لابی میں آیا۔ سعد اسے روکتا رہ گیا۔

"موحد۔۔۔ موحد رکو۔" لیکن وہ سعد کے روکنے کے باوجود تیزی سے دوڑتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی بجلی چمک رہی تھی اور وہ برستی بارش میں اندھا دھند رائل اسپتال کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

"نہیں امل کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں بھی نہیں رہوں گا۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غلط سوچا تھا میں نے۔ غلط کہا تھا۔ موحد عثمان امل شفیق کے بغیر مر جائے گا۔" وہ رو رہا تھا اور سڑک پر بھاگتا ہوا جا رہا تھا۔ جب تک سعد جوتے اور برساتی پہن کر باہر نکلا وہ موسلا دھار بارش میں ایک ہیولا کی طرح اسے بھاگتا نظر آیا تھا۔

"موحد۔۔۔ موحد رکو۔" سعد نے اسے پکارا۔ لیکن وہ سعد کی آواز نہیں سن رہا تھا اور برستی بارش میں بھاگ رہا تھا۔ اللہ کو پکارتا روتا ہوا۔ جب سعد نے اس کے پاس آ کر گاڑی روکی تھی اور اسے زبردستی بازو سے پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا تھا۔ وہ جب اسپتال پہنچے تو چند پاکستانی طلبا جو نزدیک رہتے تھے وہاں پہنچ چکے تھے۔ جن لڑکوں کا بلڈ گروپ میچ کرتا تھا ڈاکٹر ان کے بلڈ کا سیمپل لے رہا تھا کہ تاکہ چیک کیا جا سکے کہ ان کا خون میچ تھا کوئی بیماری تو نہیں تھی۔۔۔ وہ بھی سعد کے ساتھ لیب میں چلا گیا تھا۔

"پلیز میرا بلڈ لے لیں بھلے سارا بلڈ لے لیں۔ خون کا آخری قطرہ تک نکال لیں لیکن امل کو بچا لیں۔" لیب انچارج نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ "ابھی ضرورت نہیں ہے مزید۔ ریلیکس ینگ مین۔"

وہ اس کے کندھے تھپتھپا کر چلا گیا تھا۔ سعد اسے باہر اسپتال کے لان میں لے آیا تھا۔ کسی نے پروفیسر شفیق کا پوچھا تھا۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ وہ پروفیسر شفیق کی بیٹی ہے۔۔۔ کوئی پوچھ رہا تھا۔

اس وقت برستی بارش میں آخر وہ کہاں جا رہی تھی وہ بھی نہیں جانتا تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اس نے اس کے دل کو دکھ پہنچایا تھا اس نے اس سے زندگی چھین لینے کی بات کی تھی۔

وہ ہولے ہولے پیچھے ہٹتا گیا وہ ان کے درمیان سے نکل گیا۔ سعد نے اسے جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لپکا اور جب وہ لان کے ایک اندھیرے کونے میں اپنا سر ایک درخت کے تنے سے ٹکرا رہا تھا تو سعد نے پیچھے سے جا کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"کیا کر رہے ہو موحد۔"

"سعد وہ چلی جائے گی وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلی جائے گی۔۔۔ اس سے کہو وہ ایسا نہ کرے میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ موحد عثمان امل شفیق کے بغیر مر جائے گا سعد۔" وہ بلک بلک کر رو رہا تھا اور سعد اسے گلے سے لگائے۔ ہولے ہولے تھپک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو یہ کوئی حتمی بات نہیں ہے کہ جس فیملی میں کچھ بچے ابنارمل ہوں تو سب ہی ایسے ہوں۔ تاہم اکثر خاندانوں میں مسلسل ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں۔" حافظ حیات نے ہشام کی طرف دیکھا۔ "جیسے صالحہ کی فیملی میں۔۔۔ لیکن ہمارے خاندان میں دور دور تک کوئی منگولین بچہ نہیں تھا لیکن میرے والدین کے گھر ہوئے۔۔۔ یہ اللہ کی حکمتیں ہیں ہشام ہم انسان ان کو نہیں سمجھ سکتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی ایک وجہ کزن میرج ہے لیکن میں اسے نہیں مانتا۔۔۔ صالحہ کی برادری والے اس کے گھر رشتہ لے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ان کا ڈر صحیح تھا۔ ہو سکتا تھا کہ صالحہ کے ہاں بھی ایسے ہی بچے پیدا ہوتے اور ہو سکتا ہے بالکل نارمل ہوتے۔" ہشام نے ان کی بات پوری توجہ سے سنی تھی۔ "ہمارے خاندان میں بھی کئی نسلوں میں عجو

اور عفان جیسے بچے نہیں ہیں نہ ڈیڈی کی فیملی میں نہ ممی کی۔ تو اب کیا میرے۔۔۔۔"
وہ جھجک گیا اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
"میں نے کہا نا ہشام یہ مفروضہ بھی ہو سکتا ہے اور حقیقت بھی۔ ہو سکتا ہے تمہارے سارے بچے نارمل ہوں۔"
"تو پھر اچھا ہے کہ اہل نے مجھ سے شادی سے انکار کر دیا کیا خبر۔" ہشام نے سوچا۔ وہ یک دم بے چین سا ہو گیا تھا۔
"تم اپنے ڈیڈی سے مل کر آئے ہو پھر بھی بے چین لگتے ہو کیا ان کے پاس رہنا چاہتے ہو۔" حافظ حیات نے بغور اسے دیکھا۔ ہشام کی حافظ صاحب سے کافی دوستی ہو گئی تھی وہ اکثر ان کے پاس جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ وہ حافظ قرآن تھے اور اکثر اس سے دین کی اور قرآن کی باتیں کرتے تھے۔ انہیں کے کہنے پر وہ عبدالرحمٰن سے ملنے گیا تھا۔
"باپ کا بھی اولاد پر حق ہوتا ہے ہشام انہیں دکھ مت پہنچاؤ۔ ان کے پاس جا کر رہو ان کے دل کو چین پہنچاؤ۔"
اور وہ پورا ایک ہفتہ ان کے پاس حویلی رہ کر آیا تھا۔ وہ اس کی پڑھائی کے متعلق پریشان تھے لیکن اس نے انہیں مطمئن کر دیا تھا کہ اس نے وہاں ہی ایڈمیشن لے لیا ہے۔ ان کا موڈ خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔
"چلو اپنی ماں کو خدمت خلق کرنے دو کچھ روز میں بھی ذرا بہت مصروف ہوں اسپتال کی تعمیر آخری مراحل میں ہے۔۔۔۔ فارغ ہو کر پھر اسے واپس لانے کے مشن پر کام کرتا ہوں۔"
"اور میڈم نیلوفر۔"
"خلاص۔" انہوں نے خالص عربی انداز میں کہتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔
"یار وہ کچھ زیادہ ہی چوڑی ہو گئی تھی۔ ملک ہاؤس میرے نام کر دیں۔ گاؤں کی پراپرٹی میں بھی میرا حصہ رکھیں اور یہ کہ غزل اور ہشام کا بیاہ کر دیں۔" اس نے برا اسا منہ بنایا تھا۔
"تو بس میں نے قصہ ہی ختم کر دیا اور کلفٹن والا فلیٹ دے کر فارغ کر دیا۔" اس نے آکر ثمرین کو بتایا تو اسے افسوس ہوا تھا کہ لالچ نہ کرتی تو گھر نہ اجڑتا۔
"کیا بات ہے ہشام بیٹا تم بہت بے چین اور مضطرب رہتے ہو۔۔۔ کیا تم نے کسی کو کھویا ہے۔" وہ چونکا۔ اور حافظ صاحب کے نرم لہجے سے وہ بکھر گیا۔ دل پر اتنا بوجھ دھرا تھا آج تک وہ کسی سے اپنے دل کی بات نہیں کر سکا تھا اور پھر اہل کے سوا اور کون تھا جس سے دل کی بات کرتا۔ اس نے ہر بات حافظ حیات سے کہہ دی تھی۔ اور انہوں نے بہت تحمل سے اس کی بات سنی تھی۔
"دراصل نامحرم رشتوں میں اتنی قربت اور بے تکلفی سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پھوپھی زاد بہن تھی لیکن تمہاری محرم نہیں تھی یہ والدین کا فرض ہوتا ہے کہ بچوں کو ان نزاکتوں سے آگاہ کریں۔ عورتوں کو اس لیے مردوں سے نرم لہجے میں بات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ رشتے ناطے باہمی رضامندی سے ہوتے ہیں۔ تم نے بتایا کہ تمہاری کزن تمہارے متعلق اس طرح نہیں سوچتی تو تمہیں چاہیے کہ اس کا خیال ذہن سے نکال دو۔" حافظ صاحب ہولے ہولے کہہ رہے تھے اور ان کا ہر لفظ اس کے دل پر اثر کر رہا تھا وہ اس وقت لان میں بیٹھے تھے اور دو منگول بچے لان میں بال سے کھیل رہے تھے۔ حافظ حیات غالباً ان کو ہی لان میں لے کر کھلانے لائے تھے اور ہشام بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔
"بابا۔ بابا۔" دس گیارہ سال کا بچہ حافظ صاحب کو بلا رہا تھا وہ اٹھ کر اس کے پاس گئے ہی تھے کہ ثمرین اندرونی گیٹ کھول کر باہر آئی۔ اس نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔
"ہشام تم فارغ ہو تو میرے ساتھ چلو۔"
"آپ کہاں جا رہی ہیں۔"
"آج دو نئے بچے آئے ہیں۔ ان کے لیے کچھ

شاپنگ کرنا تھی۔"

"چلیں۔" وہ کھڑا ہو گیا اور حافظ صاحب کو بتا کر ثمرین کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ثمرین نے مڑ کر گیٹ پر لگی تختی کو دیکھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ طمانیت اور سکون سے بھرپور مسکراہٹ۔ اور وہ ہشام کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

☆ ☆ ☆

Bellezud چرچ میں آج خوب رونق تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بولٹن یونیورسٹی کے طلبا کی گریجویشن سرمنی Bellezud چرچ میں ہو رہی تھی۔ چرچ کو خوب صورتی سے سجایا۔ دیواروں کو فریش پھولوں سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ گریجویٹ اپنے اپنے گاؤن پہنے شاداں و فرحان نظر آرہے تھے۔ حسب معمول والدین کے لیے اوپر چیئرز تھیں جبکہ گریجویٹ نیچے تھے۔ امل والدین والے حصے میں بیٹھی بہت اشتیاق سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ پہلی بار ایسی کسی تقریب میں شریک ہو رہی تھی اس کے دائیں طرف ڈاکٹر عثمان اور بائیں طرف محسنہ اور ڈاکٹر احسن اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ تقریب میں شرکت کے لیے سعد کے ابو بھی آئے ہوئے تھے اور سعد نے ان کے ساتھ ہی واپس جانا تھا اور پھر جہاں کہیں ایڈمیشن ملتا وہاں آنا۔ امل کے چہرے پر نقاہت تھی لیکن اس کی آنکھوں کی وہ شوخ چمک لوٹ آئی تھی اور وہ تھوڑا سا آگے کو جھکی اسما کو بتا رہی تھی۔

پتا ہے امی یہ جن لڑکوں کی ٹوپیوں پر گولڈن ٹسلز ہیں نا ان سب نے آنرز کے ساتھ اپنی ڈگری لی ہے اور جن کی ٹوپیوں پر بلیک ٹسلز ہیں وہ بس کامیاب ہو گئے ہیں۔ اور تم نے دیکھا سعد' موحد' جواد سب کی ٹوپیوں پر گولڈن ٹسلز ہیں اور آنر کے ساتھ ڈگری لینے والوں میں زیادہ پاکستانی ہیں۔ میرے پاکستان میں بہت ٹیلنٹ ہے۔ تم نے ارفع کے متعلق تو سنا ہوگا نا۔ میرے پاکستان میں ارفع جیسے بہت سارے بچے ہیں۔ بہت ذہین ٹیلنٹڈ۔"

موحد نے آج بہت دنوں بعد امل کے لبوں سے میرے پاکستان کی بات سنی تھی اور اس کی آنکھیں فخر سے چمک رہی تھیں اور لبوں پر فخریہ مسکراہٹ تھی۔ اور اس نے ایک سال خود کو اس کی ان باتوں سے دور رکھا تھا۔

موحد جو ڈاکٹر عثمان سے کوئی بات کرنے آیا تھا اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ وہ ہمیشہ یوں ہی مسکراتی رہے۔ اس رات اسپتال میں وہ آس پاس موجود لوگوں کی پروا کیے بغیر کئی بار رویا تھا۔ اور ہر بار اس نے دل میں عہد کیا تھا کہ ایک بار امل ٹھیک ہو جائے تو وہ پھر کبھی اس سے دور ہونے کا نہیں سوچے گا۔ وہ اڑتالیس گھنٹے جب اسے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھا گیا تھا وہ اس کی زندگی کے مشکل ترین لمحے تھے۔ ہر لمحہ اسے لگتا جیسے ابھی اس کا دل بند ہو جائے گا۔ وہ تڑپ تڑپ کر روتا تھا اور اللہ سے اس کی زندگی کے لیے دعائیں مانگتا تھا۔ اور جب امل کو ہوش آگیا تھا اور اسے روم میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ تو بے شمار بار اس نے اعتراف کیا تھا۔

"امل میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم کبھی مجھ سے دور مت جانا۔"

"میں تم سے دور نہیں ہوئی تھی موحد تم خود مجھ سے دور جا رہے تھے۔ تم نے خود ہی فیصلہ کر لیا۔ تم نے مجھ سے پوچھا تو ہوتا کہ میں شامی سے شادی کرنا بھی چاہتی ہوں کہ نہیں لیکن تم نے مجھے فیصلہ سنا دیا۔" امل کو بھی موقع ملا تھا شکوے کرنے کا۔

"اور شامی وہ بھلا کیوں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"وہ غلط فہمی تھی یا نہیں امل۔ لیکن تم مجھے سزا دینا چاہتی تھیں۔ اپنی زندگی ختم کر کے مجھے مارنا چاہتی تھیں۔" ان دنوں اسے اپنے جذبات پر اختیار نہیں رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ سارا وقت اس کے روم میں بیٹھا رہتا۔

"نہیں مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی

ہوں میں تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ تمہیں بتانا چاہتی تھی شادی کے متعلق کہ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے لیکن تم نے دروازہ نہیں کھولا تو مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ میرا دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ میرے وجود کے اندر جیسے بم بلاسٹ ہو رہے تھے۔ میرے آنسو رکتے نہ تھے۔ میں رو رہی تھی اور چل رہی تھی بارش بہت تیز تھی۔ پھر کسی موڑ سے وہ دو لڑکے نکلے تھے۔ وہ کالے تھے۔۔۔۔ مگر۔۔۔ میں ڈر گئی۔ اور روڈ پر بھاگنے لگی۔ انہوں نے مجھے آواز بھی دی تھی۔۔۔۔ میرے پیچھے آرہے تھے اور پھر میں اچانک سڑک پر نمودار ہونے والی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ میں اچھل کر نیچے گری تھی اور گرنے سے پہلے میں نے سوچا تھا۔

"چلو اچھا ہے۔۔۔ تمہارے بغیر جی کر کیا کرتی۔ لیکن دادی۔۔۔ مجھے دادی کا بھی خیال آیا تھا۔"

"ہے۔۔۔ موحد وہاں کیا کر رہے ہو۔ ادھر آؤ نا۔" کسی نے موحد کو آواز دی تو وہ چونکا۔

"پاپا سے ضروری بات کرنے آیا تھا۔" وہ مڑا اور جاتے جاتے سنا وہ اسما سے کہہ رہی تھی۔

"تم آؤ نا ابھی کبھی ہمارے کراچی میں۔ میرے دوشنیوں کے شہر کی روشنیاں اگرچہ دھندلا گئی ہیں پھر بھی وہ ہمارا کراچی ہے۔ عروس البلاد۔" اب بھلا بے چاری اسما کو کیا پتا "عروس البلاد" کا مطلب اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور وہ اپنی سیٹ پر چلا گیا۔ کچھ دیر میں تقریب شروع ہونے والی تھی۔

"ڈاکٹر احسن۔" ڈاکٹر عثمان نے ڈاکٹر احسن کو مخاطب کیا۔

"آج رات شفیق بھائی کی طرف چلنا ہے۔ آپ کو یاد ہے نا۔"

"بالکل یاد ہے ڈاکٹر عثمان۔"

"پاپا نے تو مجھے نہیں بتایا کہ آپ لوگ آرہے ہیں۔" امل پریشان سی ہو گئی۔ "میں ڈنر کے لیے کچھ تیار کر آتی۔ لیکن خیر میں کرلوں گی کچھ "آپ آئیں گے تو پھر ڈنر ہمارے ساتھ ہی کریں۔" اس نے ڈاکٹر احسن اور محسنہ کی طرف دیکھا۔ "ویسے آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے۔ مجھے سب کچھ بنانا آتا ہے۔ ایمرجنسی میں ایک ڈش تو آپ کی پسند کی بنا سکتی ہوں آخر پہلی بار ہمارے گھر آئیں گے۔"

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں چندا۔ ابھی تم ہسپتال سے آئی ہو۔ ڈنر کی دعوت شفیق بھائی ہمیں دے چکے ہیں اور یقیناً" انہوں نے کہیں آرڈر کر دیا ہوگا۔" محسنہ نے اسی کے رخسار کو انگلیوں سے چھوا اور ڈاکٹر محسن نے مسکرا کر اسے دیکھا "یقیناً" یہ بے حد پیاری لڑکی ان کے موحد کے ساتھ بہت سجے گی۔ اور سامنے دیکھنے لگے کہ تقریب کا آغاز ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دادی مجھے آپ کے بغیر بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ لیکن وہ عثمان انکل آپ کو پتا ہے نا وہ موحد کی یہ خوشی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور انہوں نے پاپا سے کہہ کر منگنی کے بجائے نکاح کا پروگرام بنا لیا ہے۔ رخصتی دو سال بعد میری پڑھائی ختم ہونے کے بعد۔" امل صوفے پر بیٹھی فون گود میں رکھے دادی سے بات کر رہی تھی۔

"ویسے تو اچھا ہے دادی کیا خبر دو سال تک موحد کا ارادہ بدل جاتا۔ لیکن میرے پاس ڈھنگ کا ایک کپڑا بھی نہیں ہے اتنا افسوس ہو رہا ہے نا مجھے کیا اب میں نکاح پر جینز پہنوں گی۔ بھلا کس نے جینز والی دلہن دیکھی ہوگی کبھی میں نے آپ سے کہا بھی تھا زویا پھپھو سے کہہ کر اچھا سا ڈریس بھجوا دیں مجھے۔"

"بیٹا! اب انٹرنیٹ پر ڈریس بھیجا جاسکتا تو بھجوا دیتی تجھے۔ اب دو دن میں کوئی جن یا پری ہی لے جاسکتی تھی تیرا ڈریس۔"

دادی کو خود اس کے اس ایمرجنسی نکاح میں شریک نہ ہو سکنے کا افسوس تھا۔

"یہ نکاح اپنے پاکستان میں ہوتا تو میں نے تو سوچ رکھا تھا ویسا ہی کلیوں والا فراک بنواؤں گی جو زویا پھپھو کی نند نے اپنی شادی پر لیا تھا خیر اب مجبوری ہے بلیک جینز پر ریڈ شرٹ پہن لوں گی اور اوپر ریڈ اسکارف لے لوں گی کچھ تو دلہنوں والا ٹچ آجائے گا ریڈ کلر سے۔ ہیں

# ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

## ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

### نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر:03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

تا دادی! اب اگر ابھی نکاح سے منع کرتی تو کیا خبر موحد کا دماغ پھر خراب ہو جاتا ابھی تو میرے ایکسیڈنٹ نے اس کا دل نرم کر دیا ورنہ۔۔۔ خیر شادی تو میں پاکستان میں ہی کروں گی۔"

"کیا پتا تیرے باوا کا تیری رخصتی بھی وہاں ہی فرنگیوں کے دیس میں کر دے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا دادی میں بھلا شامی کے بغیر شادی کر سکتی ہوں۔ ایک ہی تو میرا بھائی ہے۔"

"ہائے بے چارہ بچہ جانے تمرین کہاں لے گئی۔ لو بھلا کوئی دوسری عورت کے لیے گھر خالی چھوڑتا ہے۔ خالی گھر پر تو کوئی بھی قبضہ جما لیتا ہے وہ تو عبدالرحمن بھلا مانس ہے جو انتظار کر رہا ہے تمرین کا۔"

"اچھا پاپا کا بل بن رہا ہو گا۔"

"سنو۔۔۔ سنو اہل یہ زویا کہہ رہی ہے۔ وہاں بھی پاکستانی ڈریس مل جائیں گے۔ سب مل جاتا ہے شفیق کو کہو لے آئے گا۔"

"اچھا دادی۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔ "میں موحد سے پوچھتی ہوں اسے ضرور پتا ہو گا پاکستانی برائیڈل ڈریس کہاں سے ملیں گے۔" اور کچھ ہی دیر بعد وہ باڑ کے اوپر سے سعد کو آواز دے رہی تھی جو کہیں جانے کے لیے باہر نکلا تھا۔

"سنو ذرا موحد کو تو بلا دو باہر مجھے ضروری بات کرنی ہے۔"

"تو ادھر ہی آکر بات کر لو نا۔"

"بدھو کل میرا نکاح ہے اور میں آج تمہارے گھر کیسے آسکتی ہوں۔ دادی نے منع کیا ہے۔ پھر عثمان انکل کیا کہیں گے۔ تم موحد کو بلا دو نا۔" اور سعد مسکراتا ہوا موحد کو بلانے چلا گیا تھا۔ موحد کے باہر آتے ہی اس نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"تم مجھے ہر لباس میں اچھی لگو گی۔ بھلے نائٹ ڈریس میں ہمارا نکاح ہو جائے۔" موحد کی شوخ نظروں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"پلیز موحد! پاپا کو نہیں پتا نا ان چیزوں کا۔ تم بتا دو۔"

"فکر نہ کرو پاپا نے محسنہ آنٹی کو تمہارے نکاح کا جوڑا اور جیولری لینے کے لیے کہہ دیا ہے۔"

"سچ۔۔۔" وہ خوش ہو گئی۔

"اور تم کیا پینٹ شرٹ میں دولہا بنو گے۔ سعد تم اپنے دوست کے لیے شیروانی اور کلاہ کا بندوبست کر دو نا۔"

"اس کے بابا ہیں نا۔ تم بے فکر رہو وہ سب بندوبست کر لیں گے۔"

"اچھا۔" وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا تھا۔ محسنہ آنٹی اس کے لیے بہت خوب صورت لائٹ گرے اور میرون کے امتزاج کا خوب صورت کام والا گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجاما لائی تھیں۔ ساتھ بڑا سا دوپٹا تھا۔ اس نے اپنی چند کلاس فیلوز کو بھی بلا رکھا تھا۔ انڈیا کی شہانہ گل نے اسے تیار کیا تھا وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ موحد بھی پورا دولہا بنا ہوا تھا آف وائٹ شیروانی۔ میرون اور آف وائٹ کلاہ اور یہ ڈاکٹر عثمان کی خواہش تھی۔ وہ بے حد شان دار لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر عثمان ملک اور ڈاکٹر احسن نے ایک ساتھ ہی ماشاءاللہ کہا تھا۔

شفیق احمد نے بہت اچھا انتظام کیا تھا۔ ان کے کافی کولیگز اور دوست مع فیملی انوائٹڈ تھے۔ موحد کے دوست بھی تھے۔ کھانا بہترین تھا۔ کھانے اور نکاح کے بعد جب مہمان رخصت ہو گئے اور بڑے الگ ہو کر بیٹھ گئے تو موحد کے دوستوں نے گانے گا کر اور بھنگڑے ڈال کر خوب رونق لگائی۔ سعد مسلسل موحد کو چھیڑتا رہا اور اہل کو بتاتا رہا کہ جب وہ ہسپتال میں تھی تو وہ کیسے دیوانہ بنا ہوا تھا اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو اس نے تو مجنوں بن کر جنگل کی طرف نکل جانا تھا۔

سب ہنس رہے تھے۔ ہنسی مذاق کر رہے تھے اور اہل شفیق کو ہشام یاد آرہا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک اس کی ہر خوشی میں شریک ہونے والا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی میں اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اور پتا نہیں وہ کہاں تھا۔

☆ ☆ ☆

"ماما میں نے موحد کو فرینڈ شپ کے لیے ریکویسٹ بھیجی ہے۔" کمرے میں ادھر ادھر سے اپنی چیزیں اکھٹی کرتے ہوئے ہشام نے ثمرین سے کہا۔ جو اس کے بیڈ پر بیٹھی اسے چیزیں اکھٹی کر کے بیگ میں رکھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"موحد کو؟ لیکن کیوں؟"

"بس یونہی۔ اس سے باتیں کرنے کے لیے اور مجھے اس سے سوری بھی کرنا ہے۔ آپ میڈم نیلوفر کے گھر تھیں نا تو میں نے غصے میں اسے پتا نہیں کیا کیا کچھ کہہ دیا تھا۔ میں سمجھتا تھا آپ اس کی وجہ سے چلی گئی ہیں۔"

"لیکن موحد عثمان نام کے تو نہ جانے کتنے لڑکے ہوں گے فیس بک پر۔" ثمرین نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں ہیں لیکن موحد عثمان بولٹن ایک ہی ہے اور کوئی، پندرہ دن پہلے ایک اسٹیٹس بھی لگایا تھا اس نے اپنے اور امل شفیق کے نکاح کا۔ اس نے سب دوستوں سے خوشیوں کے پائیدار رہنے کی دعا کی درخواست کی تھی۔" اس نے بیگ کی زپ بند کی اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"موحد اور امل کا نکاح۔" ثمرین کو حیرت ہوئی۔ "تمہیں یقین ہے شامی کہ یہ اپنے موحد اور امل ہیں۔"

"ہنڈریڈ پرسنٹ آپ دعا کیجئے گا ماما ان کی خوشیوں کے لیے۔" ثمرین نے اس کے چہرے پر سے کچھ کھوجنا چاہا۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ ہشام اور امل... امل اور ہشام لیکن اس کی آنکھوں میں بلا کی طمانیت اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"میں تو کچھ اور سوچتی تھی ہشام۔ تم دونوں ایک دوسرے سے اتنے کلوز تھے۔ اور پھر امل، عفان اور عجو سے کتنا پیار کرتی تھی۔ اس نے کبھی ان سے نفرت اور بے زاری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ تو میں..."

"امل موحد کو بہت پسند کرتی تھی ماما۔" ہشام نے ثمرین کی بات کاٹی۔ "اس نے دادی سے کہا تھا اسے موحد کے علاوہ اور کسی سے شادی نہیں کرنی۔"

"اور تم۔" ثمرین نے بے وقوفوں کی طرح پوچھا۔

"مجھے امل بہت عزیز ہے اور میں اس کی خوشی میں خوش ہوں۔" اس کا لہجہ بہت سادا اور نارمل تھا۔ ثمرین نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا اور کچھ نہ پا کر بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ امل کو اپنی بہو بناؤں گی۔"

"امل اب بھی آپ کی بہو ہی ہے۔ موحد بھی تو آپ کا ہی بیٹا ہے نا۔" ہشام نے پھر اس کی بات کاٹی تو ثمرین کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ گہری ہوئی اور اس نے ہشام سے پوچھا۔

"تمہارا کتنے دن کراچی ٹھہرنے کا پروگرام ہے۔"

وہ بی ایس سی کے پیپرز دے چکا تھا اور اب صبح عبدالرحمن کے پاس جارہا تھا۔

"پتا نہیں۔ شاید کچھ زیادہ دن رہ جاؤں۔ ڈیڈی چاہ رہے تھے کہ رزلٹ تک میں ان کے پاس ہی رہوں۔" وہ ذرا سا افسردہ ہوا۔

"آپ بھی چلیں نا ماما۔ میڈم نیلوفر کو ملک ہاؤس میں لانے کی بہت سزا بھگت لی ڈیڈی نے۔"

"میں... میں اب کیسے جاسکتی ہوں اپنے ڈیڈی کو کہنا مجھے معاف کردیں۔ میں یہاں "دست مسیحا" کے بچوں کی دیکھ بھال میں بہت سکون محسوس کرتی ہوں۔ یہ میرا زاد راہ ہیں آخرت میں نجات کا ذریعہ۔"

"دست مسیحا" صالحہ اور حافظ حیات کے اس ادارے کو یہ نام ثمرین نے دیا تھا۔ جب سے گھر کے گیٹ پر "دست مسیحا" کی تختی لگی تھی لوگ نہ صرف اس ادارے کو جاننے لگے تھے بلکہ مخیر حضرات اس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ بچوں کی تعداد پندرہ ہو چکی تھی۔ مزید ایک ملازمہ بھی رکھ لی گئی تھی۔

"لیکن ماما حافظ صاحب کہہ رہے تھے کہ عورت کو اپنے شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق ادا کرنے کا

حکم دیا گیا ہے۔ اسے تو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر چھوڑنے کا بھی حکم نہیں ہے۔ اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ثمرین بہن کو اپنے شوہر کے پاس چلے جانا چاہیے۔ بچوں کے لیے زندگی وقف کرنے کا جذبہ قابل قدر ہے لیکن اول خویش بعد درویش۔ ویسے وہاں رہ کر بھی تو ہم "دست مسیحا" کی مالی مدد کرسکتے ہیں بلکہ کافی زیادہ مدد کرسکتے ہیں اور ہم وہاں گاؤں میں عثمان چاچو کے ہسپتال کے ساتھ ایک اور "دست مسیحا" کی بنیاد رکھ سکتے ہیں اور ڈیڈی کی اجازت سے وقتاً "فوقتاً" آپ یہاں بھی آسکتی ہیں۔" ثمرین نے ہشام کی لمبی بات بہت خاموشی سے سنی تھی۔

"تو کیا خیال ہے ماما ڈیڈی سے کہوں کہ وہ آکر آپ کو لے جائیں۔ ناراض انہوں نے آپ کو کیا ہے تو منانا بھی تو انہیں چاہیے نا۔" ان کو خاموش دیکھ کر ہشام نے پھر کہا اس کا لہجہ بے حد خوشگوار تھا اور لبوں پر مسکراہٹ۔ اس نے اٹھ کر ٹیبل پر پڑی سندھی ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھی۔

"میں نیچے جارہا ہوں حافظ صاحب کے پاس مغرب کی اذان ہونے والی ہے پھر نماز پڑھ کر ہی آؤں گا۔"

ثمرین نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک خاص چمک اور روشنی تھی۔ اور ماتھے پر مدھم سا سجدوں کا نشان۔ ثمرین نے نگاہیں جھکالیں کہ کہیں اسے اس کی نظر ہی نہ لگ جائے۔

"پھر آنے تک آپ سوچ رکھیے گا۔ اللہ کے ہاں بھی سرخرو ہوں گی اور۔۔۔۔" اس نے شرارت سے ثمرین کو دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ ثمرین گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆ ☆ ☆

سعد نے ایک مارکیٹ کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کی۔

"آگے شاید گلیوں میں گاڑی نہ جاسکے تو یہاں سے پیدل چلتے ہیں۔"

"تم نے جواد سے اچھی طرح ایڈریس سمجھ لیا تھا نا۔"

"ہاں۔ ہاں سات نمبر گلی 118 نمبر مکان۔" سعد نے نیچے اتر کر موحد اور امل کو بھی اترنے کے لیے کہا۔

"چند سال پہلے میں ادھر آیا تھا تو یہاں اچھی خاصی ویرانی تھی اور اب ہر طرف کوٹھیاں ہی کوٹھیاں۔" سعد نے گاڑی لاک کی۔

امل اور موحد سعد کی شادی میں شرکت کے لیے لاہور آئے ہوئے تھے۔ سعد کی شادی اچانک ہی طے پاگئی تھی۔ موحد اور امل کے نکاح کے ٹھیک ایک ہفتے سعد نے دبئی سے فون کیا تھا کہ اس کی خالہ کو (جن کی بیٹی سے بچپن سے ہی سعد کی بات طے تھی) اچانک ہی خدشہ لاحق ہوگیا ہے کہ سعد دوبارہ یہاں سے جاکر کہیں کسی گوری سے بیاہ نہ رچالے اور انہوں نے شادی پر اصرار کیا ہے اور ابو امی کو بھی کوئی خاص اعتراض نہیں ہوا۔ لہٰذا ٹھیک دس دن بعد شادی ہے اور اگر وہ اس کی شادی میں شریک نہ ہوئے تو وہ نہ صرف ان کی شادی کا بائیکاٹ کرے گا بلکہ زندگی بھر ان سے بات نہیں کرے گا۔ شادی چونکہ لاہور میں ہونا تھی اس لیے امل بہت خوش تھی۔

میں نے آج تک لاہور نہیں دیکھا اسی بہانے لاہور دیکھ لوں گی۔ البتہ موحد تھوڑا تذبذب میں تھا۔ لیکن جب عثمان ملک نے بھی کہا کہ چلا جائے تو وہ تیار ہوگیا۔ یوں بھی سعد جیسے مخلص دوست کو وہ ناراض نہیں کرسکتا تھا۔ سو وہ آج صبح پہنچے تھے تین دن بعد سعد کی بارات تھی موحد تو صرف پانچ دن کے لیے آیا تھا۔ ولیمہ کے بعد اسے واپس چلے جانا تھا جبکہ امل نے باقی ماندہ چھٹیاں حیدر آباد زویا پھپھو کے گھر دادی کے ساتھ گزارنا تھیں۔ یوں بھی موحد کے برمنگھم جانے کے بعد اس کا بولٹن میں دل نہیں لگتا تھا۔ یونیورسٹی بند تھی اور بولٹن موحد عثمان کے جانے کے بعد بہت ویران اور اداس تھا۔

کیا اسے بولٹن صرف اس لیے اچھا لگتا تھا کہ وہاں موحد عثمان تھا۔ امل نے چلتے چلتے موحد کی طرف دیکھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ آج صبح ہی

لاہور پہنچے تھے اور سعد نے بتایا تھا کہ کل مایوں، پرسوں مہندی پھر بارات اور پھر ولیمہ کا فنکشن ہے۔ یعنی چار دن مصروف اور پھر ہماری واپسی تو میں لاہور کب دیکھوں گی۔ وہ افسردہ ہوگئی تھی۔

اگر تم تھکی ہوئی نہیں ہو تو چلو لاہور کی ایک جھلک دیکھ لو مجھے جواد کو کارڈ دینے جانا ہے۔ سعد نے آفر کی تھی۔ جواد آج کل ادھر ہی ہے۔ ویسے اس نے یو اے ای اور سعودیہ وغیرہ میں اپلائی کر رکھا ہے جاب کے لیے لیکن اس کے فادر چاہتے ہیں کہ وہ یہاں ہی جاب کرلے۔ سعد نے تفصیل بتائی تھی۔

"اے آپ ہی آپ کیوں مسکرا رہی ہو۔" موحد نے اس کی طرف دیکھا تو وہ چونکی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بولٹن کیوں بھیجا تھا؟"

"اس لیے کہ مجھے تم سے ملنا تھا۔" موحد نے برجستہ جواب دیا۔ اور وہ ہنس پڑی وہ ادھر ادھر گھروں کے نمبر دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔ سعد نے جو ایک قدم ان سے پیچھے تھا۔ قریب آکر پوچھا۔ "یہ ہنسی کس بات پر آرہی ہے۔"

"ہم تمہاری شادی پر خوش ہو رہے ہیں۔" امل نے جواب دیا۔

"ویسے موحد تم نے بھی نکاح کے ساتھ ہی رخصتی کروالینی تھی۔ خواہ مخواہ اتنا انتظار۔" سعد نے شرارت سے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"خبردار!" امل چلتے چلتے رک گئی تھی۔ "نکاح تو ایمرجنسی میں ہوا لیکن رخصتی میں شامی کے بغیر ہرگز ہرگز نہیں کرواؤں گی۔"

"اور اگر شامی کا دس سال تک پتا نہ چلا تو کیا دس سال انتظار کرنا پڑے گا۔" موحد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو کرلینا انتظار۔" امل کی آنکھوں میں مان تھا یقین تھا۔

"کرنا پڑے گا۔ اب تو بندھ گئے زنجیروں

میں۔" موحد نے جان بوجھ کر لہجے میں بے بسی پیدا کی۔

"اس لیے تو نکاح سے منع نہیں کیا کہ کہیں بعد میں مکر نہ جاؤ۔" امل کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"یہ رہا۔ 111 نمبر بس اسی اسٹریٹ پر آگے 118 نمبر ہوگا۔" سعد نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ امل نے 111 نمبر کے گیٹ پر نظر ڈالی۔ گیٹ پر سیاہ نیم پلیٹ پر گولڈن حروف میں "دست مسیحا" لکھا تھا۔

"دست مسیحا" بڑا منفرد سا نام ہے۔ وہ اب گیٹ کی طرف رخ کرکے ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔

"شاید یہ کسی ڈاکٹر کا گھر ہے یا کوئی کلینک۔" موحد نے تبصرہ کیا۔ تب ہی ذیلی گیٹ کھول کر کوئی باہر نکلا۔

"ہشام۔ شامی!" امل کے لبوں سے نکلا۔ ہشام کے سر پر ابھی تک نماز کی ٹوپی تھی۔ وہ نماز پڑھ کے آیا ہی تھا کہ ثمرین نے اسے اپنے فون کے لیے کارڈ لانے کو کہا کیونکہ اسے عبدالرحمن کو فون کرنا تھا۔

"تم..... یہاں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"یہاں چھپے ہوئے ہو۔ مجھے بھی نہیں بتایا۔ تم تو ہر بات مجھے بتاتے تھے۔ آتے ہوئے بتا دیتے کہ تم....." وہ اس کے بازو پر مکے مار رہی تھی۔

"اور تم نے بھی تو مجھے نہیں بتایا اور میرے بغیر نکاح کرلیا اور شادی بھی کرلیتیں ایک دن۔" ہشام مسکرا رہا تھا۔

"ہرگز نہیں۔ پوچھ لو موحد سے اور سعد سے بھی گواہی لے لو میں نے کہہ دیا تھا کہ تمہارے بغیر ہرگز رخصتی نہیں کرواؤں گی۔"

"مبارک ہو موحد۔"

ہشام نے حیرت زدہ کھڑے موحد کو آگے بڑھ کر گلے سے لگاتے ہوئے خوش دلی اور گرم جوشی سے مبارک باد دی۔ موحد نے دیکھا اس کی آنکھوں میں طمانیت تھی اور چہرے سے سچی خوشی جھلکتی تھی۔

"اور یہ تم اتنے کیوں چمک رہے ہو کیا فیر اینڈ لولی

لگانے لگے ہو۔" امل اس کے روشن چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ "کہیں اپنی محبت تو نہیں مل گئی۔" ہشام کے دل میں ایک ٹیس سے اٹھی۔ چبھن سی ہوئی لیکن وہ جانتا تھا ایک روز یہ چبھن بھی نہیں رہے گی۔

"محبت بھی اپنے وقت پر مل ہی جائے گی امل۔"

"تم کچھ صوفی صوفی سے نہیں لگنے لگے ہو ہشام۔ قناعت پسند اور مگن مگن سے۔" امل کی وہی اندازے لگانے کی عادت۔

"چلیں نا آپ سب لوگ اندر ماما سے نہیں ملیں گے۔" ہشام نے سب کی طرف باری باری دیکھا تو امل کو سعد کا تعارف کروانا یاد آیا۔

"یہ سعد ہے اور ہم لوگ اس کی شادی میں شرکت کے لیے لاہور آئے ہیں۔" ہشام نے مسکرا کر سعد سے ہاتھ ملاتے ہوئے مبارک باد دی۔

"امل سے تمہارا بہت ذکر سنا تھا شامی۔" سعد کی زبان چل پڑی تھی۔ وہ اب اس فلمی سچویشن پر تبصرہ کر رہا تھا۔ سب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ ہشام کی ہمراہی میں پورچ کی سیڑھیاں چڑھ کر لاؤنج میں داخل ہوئے۔ بالکل سامنے نیچے کارپٹ پر بچوں میں گھری ثمرین بیٹھی بچوں کو غبارے پھلا پھلا کر دے رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں ایک غبارہ تھا۔

"ماما۔" ہشام کے بلانے پر ثمرین نے سر اٹھا کر دیکھا اور غبارہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی تھی اور مبہوت سی اپنی جگہ پر کھڑی موحد اور امل کو دیکھ رہی تھی۔

"ایک... دو... تین... چار..." امل ثمرین کو بھول کر ان ایک جیسی شکل و صورت کے بچوں کو حیرت سے گن رہی تھی۔ موحد وہاں ہی لاؤنج کے دروازے پر کھڑا ثمرین کو دیکھ رہا تھا۔

"امل تم نے ایک نظم سنائی تھی۔"

کہیں کوئی "دست مسیحا" نہیں ہے۔

اس نے ذرا کی ذرا حیران کھڑی امل کو دیکھا

لیکن "دست مسیحا" تو ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق سے محبت کرنے والا میرا رب، جب ڈاکٹر احسن اور ثمرین احسن کو موحد دیتا ہے تو موحد کے لیے ڈاکٹر عثمان ملک اور زینب عثمان کو "دست مسیحا" بنا دیتا ہے۔ بجو اور عفان کے لیے اور ان جیسے کئی بچوں کے لیے ثمرین ملک اور عبدالستار ایدھی جیسے لوگ "دست مسیحا" بنا کر اس دنیا میں بھیج دیتا ہے۔" اس نے عقیدت سے ثمرین کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ ساکت کھڑی موحد کو دیکھتی تھی۔ اور اسے آنسو بہاتے دیکھ کر کچھ بچے اس کے بازوؤں سے لپٹ رہے تھے کچھ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

"ماما۔" موحد نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"میری جان۔" ثمرین نے بے تاب ہو کر اپنے بازو پھیلائے اور موحد دوڑ کر اس کے پھیلے بازوؤں میں سمٹ گیا۔ "تم نے مجھے معاف کر دیا۔ اپنی مجرم ماں کو معاف کر دیا اب اللہ بھی مجھے معاف کر دے گا۔" ثمرین روتے روتے کہہ رہی تھی۔ اور امل کی گنتی جاری تھی۔

"چھ، سات، آٹھ۔" ایک ہی جیسی ہیت کے ملتے جلتے بچے عفان اور بجو کی طرح اس نے دوبارہ سے گنتی شروع کی۔ "اللہ یہ ثمرین آنٹی نے صرف ایک سال میں اتنے بچے۔" اور پھر اس کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اسے اس طرح ہنستے دیکھ کر سب نے اس کی طرف دیکھا اور یہ جانے بغیر کہ وہ کیوں اس بری طرح ہنس رہی ہے۔ وہ سب بھی ہنسنے لگے اس ہنسی میں بچوں کی ہنسی اور تالیاں بھی شامل تھیں۔

✲ ✲

شہزادی کائنات

یوں تو موازنہ نامی کئی ایک افسانے شائع بھی ہوئے ہوں گے اور قارئین نے بامشکل یا باخوشی مزے لے کر پڑھے ہوں گے۔ مگر کیا کیجئے یہ عورت ذات جو ہوتی ہے۔ شاید موازنے کرتے کرتے ختم ہو جائے گی۔ اور بھئی اس میں بے چاری عورت کا بھی کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ حالات و واقعات ہی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ از خود ہی اس موازنے نامی افسانے کا عنوان بن جاتی ہے۔ جس طرح میں بھی.....

ہماری شادی کو ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا ہو گا کہ خاندان میں میلاد کی ایک محفل آ گئی۔ اتفاق سے میری نند جس کی شادی میرے ساتھ خاندان میں ہی ہوئی تھی اسے بھی جانا تھا۔ وہ ہمارے ہی گھر آ گئی کہ مل کر چلیں گے۔ جانے کی تیاری میں جب اس نے مجھے کاسنی اور بلیک کلر کا ڈریس استری کرتے دیکھا تو تعریفی انداز میں مسکرائی اور گویا ہوئی۔

"اچھا تو یہ پہننے کا ارادہ ہے۔ بہت اچھا لباس ہے۔ میں اور امی جا کر خود خرید کر لائے تھے۔"

"تم کیا پہن رہی ہو۔" میں نے سادگی سے بات برائے بات پوچھا۔

"میں تو اپنا شیفون کا بلیو کلر کا سوٹ پہن رہی ہوں۔ جو امی نے میری خواہش پر ہی جہیز میں لے کر دیا تھا' پورے پانچ ہزار کا لیا تھا۔ امی نے جوں ہی سنا میری چوائس ہے تو جھٹ سوٹ پیک کروا لیا۔" منیعہ کے ذہن میں ماں کی محبت شاید عکس بن کر لہرائی' تو واقعہ شیئر کر لیا۔ مگر میرے اندر کی عورت شاید پہلی بار جاگی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میری بری میں تو کوئی دو تین ہزار سے زیادہ کا سوٹ نہیں تھا۔ یک دم مجھے اپنا لباس برا لگنے لگا۔ جو کہ میں نے ابھی محبت سے استری کیا تھا۔ ایسا بالکل نہ تھا کہ منیعہ اور امی کی چوائس اچھی نہ تھی۔ سوٹ میرے بھی سارے خوب صورت تھے مگر شاید اتنے بڑھیا نہیں......

عورت اور موازنہ زندگی بھر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ میرے شوہر عظیم اور منیعہ دو بہن بھائی ہیں۔ عظیم اکلوتے تھے مگر ان کے لیے میری ساس کا رویہ سخت تھا۔ وہ اکلوتے بیٹے کو ڈھیل دینے کی قائل نہیں تھیں۔ شاید اسی لیے عظیم اچھی عادات کے مالک تھے اور مجھے اس معاملے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کے کوئی بارہ بجے ہوں گے میں آخری کچن سمیٹ رہی تھی' میری ساس دوڑی دوڑی میرے پاس چلی آئیں۔

"منیعہ کا فون آیا ہے۔ اس کی حالت خراب ہے کچھ الٹیاں وغیرہ بھی صبح سے آ رہی ہیں پیٹ میں بھی بہت درد ہے میں نے تو جھٹ اس کے میاں سے کہہ دیا کہ یہیں لے آؤ۔" بچی کا ماں کے پاس دل بہلا رہے گا۔"

"ہاں آپ نے صحیح کیا۔ اچھا ہے دو سراہٹ سے اس کا دل بھی بہل جائے گا' پھر صبح ہم کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے چلیں گے۔" میں نے ساس کی ہاں میں

ہاں ملائی۔ اور مڑ کر ساس بہن میں چائے کا پانی رکھنے لگی۔ کیونکہ شاہد صاحب ان دامادوں کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، جو ذرہ برابر بھی تکلف نہیں کرتے۔

"ارے مجھے تو لگ رہا ہے، کچھ چکر شروع ہو گیا ہے۔" ساس صاحبہ کچھ رازداری سے گویا ہوئیں۔

"چکر....." میں بڑبڑا کر رہ گئی خاک پلے نہ پڑا۔

"مطلب نئے مہمان کی آمد کا سلسلہ ہے۔" انہوں نے میری ناسمجھی پر ماتھے پہ ہاتھ مار کر تاسف کا اظہار کیا۔

"اچھا اگر اس طرح کی بات ہے یہ تو بہت خوشی کی بات ہوگی۔ میں نے دلی مسرت سے کہا۔

"ارے وہی تو! تم اچھی سی چائے بناؤ خوشی کا موقع ہے مٹھائی بھی نکال لینا جو عظیم کل لے کر آیا تھا۔" وہ تو کہہ کر چلی گئیں۔ مگر میں حیران ہو گئی کہ کل تک تو وہ مٹھائی کسی کام کی نہیں تھی عام سی سوئیٹ مارٹ سے خریدی ہوئی لگی تھی۔ اب یکایک کیسے لائق اور قابل ہو گئی کہ اتنی بڑی خوشی کے موقع پر کھایا جائے۔ بس جی یہ جو سسرال نام کی ایک کٹھن گھیری ہے، کبھی ہم لڑکیاں سمجھ لیتی ہیں اور کبھی الجھی ہوئی نگاہوں نا سمجھی کے جذبات لیے، تکر تکر حالات و واقعات کا جائزہ لیتی رہ جاتی ہیں۔

☆ ☆ ☆

"میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ کوئی کارمینا ہے تو دے دو۔" میری شکل پر بارہ بجے ہوئے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی سنبعہ کے سسرال والوں کو دعوت سے فارغ کر کے کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹی تھی، مگر پیٹ کے درد نے چین نہ لینے دیا۔ تو سنبعہ کی طرف چلی گئی جو کہ آرام سے لیٹی ہوئی سیب نوش کر رہی تھی۔

"پتا نہیں، ہے کہ نہیں دیکھتی ہوں امی کے سامان میں....." وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ اس سے گولی لے کر کھائی اور اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ آج امی نے سنبعہ کی خوشی کے سبب دعوت کا انعقاد کیا تھا۔ جس کا مطلب تھا اب سنبعہ بیمار ہے اس سے کام وغیرہ کے معاملے میں احتیاط برتی جائے۔ مگر سنبعہ کی ساس بھی بے حد چالاک کہہ لیں یا زیرک خاتون تھیں۔ انہوں نے جو دعوت میں بہو کو ناز سے چلتے پھرتے دیکھا تو واپسی پر بجائے سنبعہ کو چلنے کا کہتیں امی سے فرمانے لگیں۔

"اے بہن ہمارے ہاں تو پہلا بچہ میکے میں ہوتا ہے۔ تو شروع کے تین ماہ سنبعہ آپ کے گھر رہے گی، اور پھر آخری دو ماہ بھی آپ کے زیر سایہ رہے گی ساس کے گھر رہ کر بچی کو صحیح سے آرام مل جائے گا، ورنہ تو آپ جانتی ہیں دوسروں سے لاپروائی ہو سکتی ہے، مگر ماں سے نہیں۔ اور جہاں تک ہماری محبت کی بات ہے تو ہم اپنی بچی سے ملنے آتے رہیں گے۔" ان کے یہ جملے سن کر امی کو جیسے یک گونہ سکون ملا ہو مگر میرا تو ان کے الفاظ کے چناؤ پر داد دینے کا دل چاہا۔ کیسے موصوفہ نے بہانے سے بیمار بہو کو فارغ کیا کہ اپنے گھر رہے گی، میاں کی منہ چڑھی کے لاڈ اٹھانے پڑیں گے۔ سو بہتر ہے چھٹکارا پالوں۔

☆ ☆ ☆

"کیسی لڑکی ہو تم کو اپنے وجود میں ہوتی تبدیلیوں کا احساس تک نہ ہوا اب آئی ہو پہلی بار۔" لیڈی ڈاکٹر نے جو اس کا الٹراساؤنڈ کیا تو تیسرے ماہ کی نوید ملی۔

"بس ڈاکٹر گھریلو مصروفیت میں الجھ کر کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" میں منمنا کر بے چارگی سے بولی تھی۔

"اچھا اب تمہیں یہ میڈیسن لکھ کر دے رہی ہوں ریگولر کھاتی رہنا۔ اور چند احتیاطی تدابیر ہیں ان پر عمل کرنا جیسے..... بھاری چیز نہیں اٹھانا۔ سیڑھیاں نہیں چڑھنا، ہیل والی سینڈل مت پہننا، پہلی دفعہ کا معاملہ ہے احتیاط نہ ہو تو آپریشن کی نوبت آسکتی ہے اس لیے احتیاط ضرور کرنا۔" روایتی جملے بول کر اس نے لیٹر پیڈ پہ چند ڈاکٹری لکیریں کھینچیں۔ میڈیسن کے لیے میں میڈیکل اسٹور کی جانب جانے لگی۔ تب

ہی سنیعہ منہ بنا کر بولی۔

"یہ ڈاکٹر تو بس اچھے خاصے انسان کو بیمار حکیم بنادیتے ہیں۔" میں نے مجبوراً "اکلوتی نند کی تائید میں سرہلایا۔ ورنہ دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ تائید کروں کہ ڈاکٹر بھی محض ڈگریاں لیے نہیں بیٹھے سوجھ بوجھ اور مریض کی کنڈیشن سے حالات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ گھر آکر امی اور عظیم کو بتایا کہ وہ پیٹ کا درد اس وجہ سے تھا' تو دونوں خوش ہو گئے۔ مگر امی ویسے خوش نہیں تھیں جیسے کے سنیعہ کی دفعہ میں ہوئی تھیں۔ نا کوئی عظیم سے مٹھائی پر اصرار کیا' نہ ہی کوئی زیادہ ذکر کیا۔

"اب تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" میرے اندر کی عورت پھر جاگی۔ میں نے دل میں سوچا چلو میں یہ بات کر کے دیکھتی ہوں بیٹی اور بہو کے لیے کوئی فرق تو نہیں ہے۔

"عظیم میں امی کے گھر رہنے چلی جاؤں۔" لاؤنج میں صوفے پر براجمان شوہر کو میں نے مخاطب کیا۔

"چلی جاؤ میں رات کو تمہیں آنٹی کے گھر چھوڑ آؤں گا۔" میری بات کا جواب دے کر وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر شاید امی سے برداشت نہیں ہوا تو بول اٹھیں۔

"کیا ہو گیا عظیم! تم کو تو معلوم ہے لوگوں کی عادت باتیں بنانے کی ہوتی ہے۔ سب کہیں گی نند گھر میں آئی اور بھاوج میکے چلدی اور میری بہو کے متعلق کوئی اس طرح کی بات کرے' مجھ سے برداشت نہ ہو گا۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے' کشف تم بعد میں چلی جانا' جب بیچ میں سنیعہ اپنے گھر چلی جائے گی اور اچھا نہیں لگے گا وہ ہمارے گھر آئی ہوئی ہے۔ اور تم گھر پر نہ رہو۔" میں امی کی چالاکی پر ششدر رہ گئی کس مہارت سے بیٹے کا دل بھی اپنی بات سے متفق کروالیا' کمال ہے۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی مارکیٹ چل رہی ہیں۔" سنیعہ نے کمرے میں آکر جھانکا۔

"کب چلو گی؟"

"ابھی چلتے ہیں پھر شام تک واپسی آنا ہو گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں عبایا پہن کر آتی ہوں۔" میں نے حامی بھرلی یہ سمجھے بغیر کہ جانا میرے لیے مہنگا پڑ جائے گا۔ شاپنگ کرتے کرتے شام کے چھ بج گئے رکشا کر کے گھر کو لوٹے تو میرا روم روم درد کر رہا تھا۔ مگر میری آواز نکلنے سے پہلے سنیعہ حلق خراش آہ بھر کر بولی۔

"اوئی ماں کتنا تھک گئی ہوں میں۔۔۔"

"کشف' بہن کو کیری کا شربت نکال کر دو فریج سے' دھوپ بھی تو کتنی تھی بچی کملا کر رہ گئی۔" سنیعہ کو فریج سے کیری کا شربت نکال کر دیتے ہوئے میں نے چکن کا پیکٹ بھی نکال لیا اور خود کچن میں گھس گئی۔ مگر اندر کی عورت جو کبھی موازنے پر اتر آئی۔

"کیا تھا جو بیٹی کی کملائی صورت کے ساتھ بہو کا بھی مرجھایا چہرہ بھی دکھائی دے جاتا۔"

☼ ☼ ☼

چوتھا ماہ لگتے ہی' سنیعہ کی ساس آکر اسے لے گئیں۔ اس کے جانے کے چند روز ہی گزرے ہوں گے۔ میں نے عظیم سے لاڈ سے کہا۔

"میں امی کے گھر چلی جاؤں اب تو سنیعہ بھی چلی گئی۔ امی کہہ رہی تھیں۔ پہلا بچہ میکے میں ہوتا ہے۔"

"اوفوہ! کشف کردی نا تم نے وہی ٹپیکل عورتوں والی بات' اگر سنیعہ اپنے گھر چلی گئی ہے تو اس سے تمہارے جانے نہ جانے کا کیا تعلق ہے' اور پھر امی اکیلی ہو جائیں گی اور ہمارے خاندان میں پہلا پوتا سسرال میں ہوتا ہے۔" عظیم اپنی بات کہہ کر رکے نہیں' باتھ روم میں گھس گئے۔ جبکہ میں ورطہ حیرت میں ڈوب گئی کہ جب تک نند صاحبہ موجود تھیں تو تعلق تھا' اب یک دم تعلق ٹوٹ گیا۔ واہ! مولا کی شان' اور پہلا پوتا۔ پھر ایک روز مجھے اپنے اندر کی عورت

جاتی محسوس ہوئی جب سنبعہ سے ایک گھنٹے کال پیکیج پر بات کرنے کے بعد میری ساس انتہائی معصومیت اور بے چارگی لہجے میں سمو کر بولیں۔

"کتنا اندھیر ہے دوسرے کی بیٹی کو اپنی بیٹی نہیں سمجھتے۔"

"کیا ہوا امی سنبعہ نے کچھ کہا ہے؟" میں بھانپ گئی۔

"ہاں نادیکھو، پہلے اس کی ساس اپنی نند کے گھر اپنی لڑکیوں اور سنی کو لے گئیں۔" پھر وہاں جاتے جاتے گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا پھر بھی ہار نہ مانی موئے رکشے میں لاد کر لے گئیں۔ اتنے جھٹکے لگتے ہیں رکشے میں، مگر نا بابا اپنی بیٹی ہوتی تو احساس بھی ہوتا پھر وہاں سے آکر موصوفہ کے کمر میں درد ہو گیا لڑکیوں کو امتحان کے بخار نے آلیا اور میری معصوم بچی کو جھاڑ جھو نکنا پڑا۔ نازک پھول سی میری بچی تم تو خود اس کنڈیشن سے گزر رہی ہو اندازہ کر سکتی ہو وہ کتنا ادھ مری ہو گئی ہو گی۔ میں تو کل ہی جا کر اسے لے آؤں گی۔" وہ تو کہہ کر ٹھنڈی ہو گئیں مگر میرے اندر کوئی جذبہ دہکنے لگا۔ بے اختیار وہ شاپنگ والی شام یاد آگئی جب میرے بھی اتنے ہی ماہ ہوئے تھے اور مجھے بھی گھر آکر جھاڑ جھو نکنا پڑا تھا۔ اس وقت دوسرے کی بیٹی کا احساس نہ ہوا۔

☼ ☼ ☼

دن ہفتے اور ہفتے ماہ بن کر گزرتے رہے۔ سنبعہ بھی ہمارے گھر آکر رہنے لگی تھی۔ موازنے کی ہوا چلتی رہی، دعوے دردجگاتے رہے وقت کا کام ہے گزرنا سو گزر گیا۔ اور ایک سنہری شام میں میری گود میں تمام دردوں کو دھکیل کر میرا چاند سا بیٹا عثمان آگیا عظیم نے جھک کر میری پیشانی چوم کر میرا شکریہ ادا کیا۔ امی کا دل نہ بھرتا عثمان کو گود میں لیے رکھتی تھیں اور اس معصوم سے باتیں کرتی جاتیں۔ جلد تیرا بھائی دنیا میں آجائے گا۔ پھر تو اس کے ساتھ کھیلا کرنا، لڑنا بالکل نہیں وغیرہ وغیرہ۔ زچگی کے دن بھی بے سروپا گزرے، سنبعہ بیمار تھی، امی بزرگ، بے چاری کیا کیا دیکھتیں۔ گھر بھر نے لگا، کام اور ھورے پڑے رہتے۔ ساتویں دن کے بعد میں نے بیڈ کو اللہ حافظ کہا اور زندگی میں جت گئی۔

☼ ☼ ☼

انسان اپنی تمام محنت کر لیتا ہے مگر جب مقدر میں ناکامی کا منہ دیکھنا لکھا ہو تو بشر لاکھ سر پٹخے کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی صورت حال کا سامنا ایک بات سے ہوا، جب سنبعہ نے دردوں سے لڑتے ہوئے ایک مردہ بچی کو جنم دیا۔ ہم سب کے چہرے تاریک ہو گئے الفاظ گم ہو گئے۔ سنبعہ کو نیند کا انجکشن لگا کر ڈاکٹر نے سلا دیا وہ بچی کا منہ بھی نہ دیکھ سکی۔ نیند اس کی ضرورت بن گئی تھی ورنہ دماغ کی رگ پھٹنے کا اندیشہ تھا۔ عظیم، ابو اور سنبعہ کا شوہر شاہد اس کے بھائی بچی کو دفنا کر آگئے۔ میں عثمان کی وجہ سے اسپتال نہ ٹھہر سکی اور گھر آگئی۔ دوسرے دن سنبعہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ میرے گلے لگ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ساری محنت ساری تکلیف اکارت گئی تھی۔ میں نے تڑپ کر عثمان کو اس کی گود میں ڈال دیا۔ دو ماہ کا عثمان اس کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کو چومتے ہوئے بولی۔

"بھابھی تم کامیاب رہیں، تمہاری جھولی میں رب کی نعمت ہے، اللہ تمہاری جھولی بھری رکھے۔ میں ناکام ٹھہری۔" میرے اندر کی عورت کے منہ پر طمانچہ لگا۔ اور اس وقت دوسرا طمانچہ لگا۔ جب میری ساس نے بتایا کہ ڈاکٹر نے ریزن دیا ہے زیادہ آرام سے بچہ ڈل ہو گیا تھا اسی وجہ سے پیدائش کے وقت صحیح طور سے سانسیں نہ لے سکا۔ لڑکیاں عام طور پر پہلی مرتبہ کی وجہ سے حد سے زیادہ آرام کر لیتی ہیں۔ جس کا خمیازہ بھگتنا نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے مگر میری سنبعہ نے اتنا آرام کہاں کیا تھا کہ اس کو یہ تکلیف دہ خمیازہ بھگتنا پڑا۔ میری ساس مجھے بتاتے ہوتے رو پڑیں۔ میں بھی قدرت کے اس وار پر انگشت بدنداں تھی اور میرے اندر کی عورت کو فرصت نہیں تھی کہ اس حیرت کے سمندر سے نکل کر امی کی بات کا آخری جملہ نوٹ کر کے موازنہ کرتی۔

☼ ☼

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

شبینہ گل

تیرے بن جینا ہے ایسے
دل دھڑکا نہ ہو جیسے
عشق ہے کیا دنیا کو
ہم سمجھائیں کیسے

اور وہ بھی دنیا کو سمجھا نہیں پائی تھی۔ کیونکہ عشق دنیا نے نہیں کیا تھا' اس نے کیا تھا اور فریدون نے کیا تھا۔ وہ... لانگومہ خان' وہ فریدون خان کی جان تھی۔ اس کا دل' اس کی دھڑکن' اس کی روح' اس کا لہو اور اس کے لہو میں بہنے والا ہر خوب صورت جذبہ تھی وہ۔ وہ اس کے لیے دیوتا تھا' اس کی سانسوں کی مہک تھا' اس کی دھڑکن کی روانی تھا' اس کے چہرے کی دھنک تھا۔ وہ دونوں دو الگ ذات نہیں تھے' ایک ذات تھے' برستی بارش میں مدغم ہو جانے والے آنسوؤں کی طرح' فریدون' آنسو تھا' لانگومہ اس کو ڈھانپ لینے والی بارش تھی۔ وہ دو دیوانے تھے پاگل تھے سودائی تھے اور کیوں نہ ہوتے؟... میاں بیوی کو اللہ پاک نے اگر ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے تو وہ دونوں اس کی عملی تفسیر تھے اور کیا ہی اعلا تفسیر تھے' اگر کوئی سنے تو تحیر سے انگلی کاٹ ڈالے۔ کیا ایسا پیار بھی کسی نے کیا ہو گا؟ پوری کہانی پڑھ کر یہ مت کہنا کہ یہ سراسر بے وقوفی تھی اور لانگومہ کو ایسی بے وقوفی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ دل والے اس محبت کو سلام پیش کریں گے۔ یہ لازوال اور حقیقی عشق کی داستان ہے۔ کیا آپ پڑھنا پسند کریں گے؟ اس کا حرف حرف دل سے نکلا ہے۔

افسر خان اور بختاور کے کچے آنگن اور تیار چھتوں والے چھوٹے سے گھر میں بنا چمن کے تین پھول تھے۔ بریخنہ' لانگومہ اور بریال۔ تینوں میں محض سال سال بھر کا فرق تھا۔ یہ مہر و وفا' خلوص و ہمدردی سے گندھے لوگ تھے۔ جہاں مفاد سے زیادہ وفا کی اہمیت تھی۔ دولت سے زیادہ انسانیت اہم تھی اور تکبر سے زیادہ رشتے اہم تھے۔ بریخنہ خوب صورت' سادہ بھولی' محنتی' سنجیدہ اور صابر بچی۔ اور تھال کو الٹ دو تو لانگومہ... خوب صورت' نڈر' نخرے... میں لاثانی' ناز و ادا سے پُر' مگر محنتی' باوفا' لیکن شوخ و شنگ بچی۔ بریال... بالکل ویسا جیسے دو بہنوں کے اکلوتے بھائی کو ہونا چاہیے۔

بریخنہ بچپن ہی سے اپنے تایا زاد دوراب خان سے منسوب تھی اور بریال اپنی خالہ زاد ریانہ سے منسوب تھا۔ کسی کھونٹے سے آزاد اگر تھی تو لانگومہ۔ اسی لیے شوخ تتلی کی طرح اڑی اڑی پھرتی۔

افسر خان کی گاؤں میں ہی کریانے کی چھوٹی سے دکان تھی۔ پیٹ حلق تک نہیں بھرتا تھا لیکن محروم بھی نہ رہتا تھا۔ بختاور نے اپنی بیٹیوں کو کپڑے کی اوڑھنی تو بلوغت کے دور میں اوڑھائی لیکن قناعت کی چادر بچپن ہی سے ان کے سروں پر تان دی تھی۔ قلت میں سکون تھا' بہتات کے رتجگے نہ تھے۔

لانگومہ نے اٹھارہ کے سن کو چھوا تو اس کے حسن کے چرچے گاؤں بھر میں سوغات کی مانند بکھر گئے۔ چرچے تو سنے تھے پر حقیقت میں جب روبرو اسے گل مینا نے دیکھا تو وہ دیوانی ہو اٹھی۔ گدڑی میں لعل۔ اس

کے زرخیز دماغ نے کئی کڑیاں ملائیں' مفادات کے تانے بانے مستقبل کے اندیشوں سے جوڑے تو ہر طرح سے اس سوچ کو بہترین پایا اور یوں اپنے اکلوتے لاڈلے فریدون خان کا رشتہ ڈال دیا۔ گاؤں بھر کے لوگ دنگ رہ گئے۔ وہ فریدون جس کے لیے لڑکیاں قطار میں کھڑی تھیں' وہ بن مانگے اس غریب غیارن کے آنگن میں جا پہنچا۔ کئی ایکڑ اراضی کے زمیندار خان شیردل خان کا اکلوتا اور انتہائی وجیہہ سپوت۔۔۔ یہ بھلا کیا انہونی ہوئی تھی۔۔۔ لیکن بختاور نے بھاؤ سے انکار کردیا۔ رشتہ اپنے جیسوں میں جڑتا بھلا لگتا ہے۔ اس وقت تو افسر خان نے بھی تائید کی۔ لیکن گل مینا نے ان کی گویا چوکھٹ ہی پکڑلی۔ اصرار بڑھا اور پھر خان شیردل خان نے خود افسر خان کو بلاوا بھیج دیا تب وہ انکار نہ کرسکا۔ گھر آیا تو بختاور بی بی بھری بیٹھی تھی۔
"افسر خان۔۔۔ کچھ تو عقل سے کام لیا ہوتا۔ ایک

بیٹی چوڑی والوں کو دی ہوئی ہے۔ دوسری خان کو دے دی۔ ساری عمر کا تعلق ہے' گل کلاں کو بہنیں ملیں گی تو ایک کے ہاتھ میں کانچ کی چوڑی دوسری کے ہاتھ میں سونے کی۔ ایک کے تن پر گلی گلی پھرنے والی عورت سے خریدا کپڑا اور دوسری کے تن پر شہر سے خریدا کمخواب بنارس کا لبادہ۔ جذبات مجروح ہوں گے تعلقات میں دیوار اٹھ جائے گی' لین دین کے موقع پر ایک کا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے گا دوسری ہمیشہ جھکے سر ملے گی۔ اور پھر خدا جانے دونوں لڑکوں کے کیا مزاج ہوں۔" بختاور بولتے بولتے ہانپ گئی تو افسر خان مسکراتے ہوئے پاس دھری پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور رسان سے بولا۔

"رشتہ داریاں پیسے کی بنیاد پر نہیں نبھائی جاتیں۔ اور ویسے بھی لڑکے دونوں ہی اچھے سلجھے مزاج کے ہیں۔ دراب' تم جانتی ہو' نہ اسے چوڑی والا ہونے پر کوئی احساس کمتری ہے اور نہ ہی فریدون میں خان ہونے کی اکڑ ہے۔"

بختاور ماں تھی نا۔۔۔ مطمئن تو نہیں ہوئی مگر خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر پھیلا ناراضی بھرا تذبذب جا نہ سکا۔ بیٹیوں کے نصیبوں سے ڈر ہی لگتا ہے۔ تو بس رشتہ طے ہو گیا۔ بریخنہ خوش تھی کہ اس کی لاڈلی بہن کو اس کے نخروں کے مطابق بر ملا۔ حالانکہ یہ صرف مذاق کی بات تھی۔ ورنہ گل لالکومہ میں بھی کم نہ تھے کسی بھی طرح کے ماحول میں ڈھل جانے کے۔ وہ جو سب سے نازک مزاج لگتی تھی' قدرت اسی سے دنیا کا سب سے کٹھن کردار ادا کروانے جا رہی تھی۔۔۔ کچے آنگن میں پانی کا چھڑکاؤ کر کے چارپائیاں بچھاتی ہوئے گنگنانے والی الھڑ لالکومہ بے خبر تھی۔ اسے تو بس ایک بات کی خوشی تھی' اور وہ یہ کہ فریدون خان بلا کا خوب صورت اور وجیہہ مرد تھا۔ جب بھی اس کی شادی کا ذکر چھڑتا تو تصور میں آتا اس کا خوبرو سراپا لالکومہ کو اندر ہی اندر گدگداتا۔ وہ ہنستی اور پھر ہنستی چلی جاتی۔ اسے نہ اس کے مال دولت سے سروکار تھا نہ شان و شوکت سے۔ وہ تو چھوٹی سی لڑکی تھی جو بس حسین سپنے بنتی تھی جن میں اس کے سنگ شہزادہ ہوتا۔ اس کے سپنوں میں پیسہ لٹانے اور مالکن بن بیٹھنے جیسی خواہش کا تو گزر بھی نہ تھا۔ اسے تو اپنے شہزادے کے دل کی مالکن بننا تھا۔ جو وہ بنی بھی۔

❋ ❋ ❋

حسب روایت پہلے بریخنہ کی شادی ہوئی۔ ویسے تو وہ دونوں بہنوں کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے تھے لیکن اب اس قدر طبقاتی فرق کی وجہ سے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ گل مینا شادی سے پہلے لالکومہ کی ساس کی حیثیت سے تحائف کا انبار لے کر آئی تھی جن میں بھاری قیمتی جوڑے' زیورات' چادریں' شالیں' دیگر اشیائے ضروریہ کے ساتھ ساتھ مٹھائیوں اور پھلوں کے ٹوکرے بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک خطیر رقم لفافے میں رکھ کر بختاور کو تھمائی کہ بریخنہ بھی ان کی بیٹی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کی شادی بھی دھوم دھام سے ہو۔ بختاور کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس نے چہرے پر آئی خفگی کو چھپانے یا دور کرنے کی کوئی سعی نہیں کی اور صاف صاف کہہ دیا۔

"گل مینا بہن' ہم غریب ضرور ہیں لیکن لالچی نہیں۔ آپ یہ تحائف بھی لالکومہ کی بری میں ڈال دیں' بریخنہ ہمارے جیسوں کے گھر جا رہی ہے' ہم اسے یہ سب دے کر اپنے جہیز اور بری کو کم قیمت نہیں بنانا چاہتے' اس سے موازنے کی دوڑ شروع ہو جائے گی اور میری سادہ دل بریخنہ کے لیے مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔" گل مینا نے منت کی' اصرار کیا' دھونس جمایا' پھر شوہر کی مدد سے زور دیا لیکن اس بات پہ تو افسر خان بھی بختاور کا ہمنوا تھا۔ یوں گل مینا کے حد درجہ اصرار پر بختاور نے سب سوغاتوں میں سے بس ایک ایک چیز اٹھائی اور باقی چھوڑ دیں۔ اور رقم کا لفافہ جوں کا توں واپس کر دیا۔ سامان میں سے ایک جوڑا گل مینا نے نکال کر لالکومہ کو زبردستی تھما دیا۔

"یہ تم نے بہن کی شادی میں پہننا ہے اور یہ میرا حکم ہے۔" لالکومہ کا دل تو بلیوں اچھلنے لگا۔ گہرے نیلے

رنگ کا تاروں بھرا زرتار لباس‘ اس نے تو کبھی خواب میں بھی ایسے ملبوسات نہ دیکھے تھے۔ اس بات پر بختاور بھی خاموش ہو گئی۔ کچھ بھی تھا وہ لالکومہ کی ساس تھی اور اس کے معاملے میں وہ جو بھی کرتی بختاور روک ٹوک نہیں کر سکتی تھی۔

پھر گل مینا تو باقی سامان اٹھوا کر چلی گئی اور لالکومہ وہ زرتار لباس تن سے لگائے سنگھار میز کے دھبوں اور داغوں بھرے آئینے کے سامنے مختلف زاویوں سے دیکھے جاتی اور ہنستی جاتی۔ اور پھر جب اس نے بریخنہ کی شادی پہ وہی لباس زیب تن کیا تو شعاعیں اس کے چہرے سے پھوٹتی تھیں اور پاؤں اس کے زمین پر نہ پڑتے تھے۔ بختاور نظر بھر کے اس کی طرف دیکھ نہ پا رہی تھی کہ اسے نظر ہی نہ لگ جائے اور جب گل مینا آئی تو اسے خود سے چمٹا کر چٹاچٹ چوم چوم کے منہ سرخ کر ڈالا۔ پھر بٹوے میں ہاتھ ڈال اور جتنے پیسے ہاتھ میں سمائے‘ اس کے صدقے میں نوکروں اور بچوں میں بانٹ دیئے۔ لالکومہ شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھی اور دیکھنے والوں کو اس کے نصیبوں پر رشک آ رہا تھا۔ اتنا کچھ دیکھ کر بھی کسی کو یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ لڑکی خان کے گھر کی رونق بننے جا رہی ہے۔ لیکن اصل بھید تو رب ہی جانے‘ یا وہ بندہ خود۔

☼ ☼ ☼

بریخنہ اور دراب بچپن سے جانتے تھے کہ ان کا نصیب اللہ نے ساتھ ساتھ لکھا ہے‘ سو ان کے مسائل بھی سانجھے تھے اور محبت بھی۔ مہووفا ماں نے اس کے پلوسے باندھ کے بھیجی تھی تو محنت کشی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ تایا اور اب سسر شمروز خان اور دراب خان گھر میں چوڑیاں بنا کر سر پر ٹوکری رکھے گلی گلی پھر کر فروخت کرتے تھے۔ اس کی تائی زرغونہ بی بی بھی ساتھ مدد کرواتی تھی۔ وہ ہمیشہ سے جانتی تھی کہ اس نے بھی ان کے ساتھ مدد کروانی ہے۔ تایا تائی بہت دکھی تھے‘ اولاد کے حوالے سے وہ ہمیشہ دکھ اٹھاتے آئے تھے۔ دراب خان ان کا بڑا بیٹا تھا اور وہی چھوٹا بھی تھا۔ اس کے بعد زرغونہ کی گود میں یکے بعد دیگرے سات بچے آئے لیکن ایک سال سے زیادہ کسی کی بھی عمر نہ تھی۔ یوں دراب اکیلا ہی رہ گیا۔ اللہ بڑا رحیم و کریم ہے‘ اگر ایک طرف سے دکھ کی آزمائش ڈالتا ہے تو دوسری طرف سے ایسا نوازتا ہے کہ انسان سارے دلدر بھول جاتا ہے۔ شمروز اور زرغونہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کی ساری حسرتیں پوری کرنے کو ہی اللہ نے ان کے گھر بریخنہ جیسی رحمت بھیجی ہے‘ جو آنے والے سالوں میں ان کے گھر کو نعمتوں اور رحمتوں سے بھر دے گی۔

☼ ☼ ☼

بریخنہ کی شادی کے محض چند روز بعد ہی لالکومہ کی رخصتی رکھی گئی۔ افسر خان اور بختاور نے سادگی پر زور دیا تھا اور یہ بات گل مینا اور شیر دل کو بھی صاف لفظوں میں بتادی تھی۔

”ہم غریب لوگ ہیں‘ ہمیں عیاشی بھری تقریب پر مجبور مت کرنا‘ خان صاحب ہم سے آپ لڑکی رخصت کرالینا اس کے بعد آپ کی اپنی مرضی آپ جو چاہو کرو پھر ہم کچھ نہیں کہیں گے۔“ اور گل مینا نے فراخ دلی سے قبول کر لیا تھا۔ اس نے جہیز کے نام پر ایک چھلا تک لینے سے انکار کر دیا تھا اور بصد اصرار بختاور کو راضی کیا تھا کہ وہ کچھ نہ بنائے۔ بختاور نے بادل ناخواستہ لالکومہ کا سامان بھی بریخنہ کو دے دیا تھا۔ گل مینا نے ایک روز اپنے گھر دعوت کا اہتمام کر کے بختاور کو وہ ڈھیروں ڈھیر سامان دکھایا جو اس نے لالکومہ کے لیے خرید رکھا تھا۔ اور وہ سب کچھ اتنا قیمتی اور عمدہ تھا کہ بختاور خود کو بیچ کر بھی خرید نہ پاتی۔ لالکومہ کو قدر دان سسرال مل رہا تھا‘ بس اسی سوچ نے اس کے لبوں پر قفل ڈال دیا۔ اگر جو وہ اس قدر دانی اور فراخ دلی کی وجہ جان لیتی تو ہیروں میں تول کر بھی بیٹی دینے پر راضی نہ ہوتی۔

بختاور نے اپنے طور پر جو سرخ جوڑا لالکومہ کی رخصتی کے لیے بنوایا تھا وہی اسے پہنانے کا ارادہ تھا

لیکن رخصتی سے محض چند گھنٹے قبل ایک خاص ملازمہ گل مینا کی جانب سے آئی جو نہایت بھاری کامدار سرخ جوڑا' بھاری جڑاؤ زیورات کا ڈھیر اور میک اپ کا سامان لائی اور اس نے خود لائکومہ کو سنوارا۔ گھر میں موجود مہمان رشتہ دار انگشت بدنداں تھے اور بختاور حواس باختہ کہ اس قدر قیمتی زیورات میں سے ایک بھی ادھر ادھر ہو گیا تو کیا ہوگا۔

کچھ لائکومہ خوب صورت تھی' کچھ کم عمری کا روپ اور سونے پر سہاگہ ملازمہ کی مہارت اور بیش قیمت ملبوس اور زیورات کا کمال۔۔۔ لائکومہ پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔ شادی شدہ لڑکیاں اسے فریدون کے حوالے سے چھیڑ رہی تھیں' بربختہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر صرف اور صرف قرآنی آیات کا ورد کرکے اس پر دم کرتی جارہی تھی۔

کسی منچلی نے صدا لگائی کہ باہر مردانے سے خبر آئی ہے کہ فریدون بھی سفید کلف لگے کرتا شلوار میں سیاہ واسکٹ اور سفید پگڑ پہنے کندھوں پر مردانہ چادر ڈالے آفت لگ رہا ہے۔ پٹھانوں میں خاص طور پر گاؤں گوٹھ میں بارات کے ساتھ دولہا کے جانے کا بھلا کب رواج تھا' لیکن وہ تو خان کا بیٹا تھا اور گل مینا بہت کچھ خانان کے اصولوں سے ہٹ کر کر رہی تھی۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بھر بھر کے خوشیاں دینا چاہتی تھی۔ وہ خوشیاں جو اس کا مقدر نہیں تھیں۔

ماں تو ماں ہوتی ہے۔ ایک طرف اگر گل مینا تھی جو ناممکن کو ممکن بنانے پر تلی تھی تو دوسری طرف بختاور تھی۔۔۔ کہ جب لائکومہ کو رخصتی کے لیے اٹھایا گیا تو اس کے دل کو بے چینی لاحق ہو گئی' یوں لگا کچھ ہونے والا ہے' یک بیک اسے لگا جیسے کسی نے گہری نیند سے جگا دیا ہو اور اس نے نیند میں ہی اپنی بیٹی کی قسمت کا فیصلہ کر ڈالا ہو۔ وہ تڑپ کر آگے بڑھی' اس کا جی چاہا وہ رخصتی روک دے' یہ رشتہ توڑ دے۔ وہ خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں پارہی تھی۔ وہ آگے بڑھ رہی تھی کہ روتی ہوئی بربختہ اس کے گلے آ لگی' وہ پھر چونکی۔۔۔ اور بس۔۔۔ گل مینا' لائکومہ کو لیے دہلیز پار کر گئی۔۔۔ اور بختاور کو لگا اس کا دل جسم سے الگ ہو گیا۔ اور پھر یہ کیفیت تاعمر اس کے ساتھ رہی۔۔۔ جب تک کہ اس نے اس کی وجہ جان نہ لی۔۔۔ اور وجہ جانی تو۔۔۔ سانسیں ہموار ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

پور پور سجی' سرتاپا سونے میں لدی لائکومہ سسرال میں شاندار استقبال کے بعد اب اپنے انتہائی پرتعیش کمرے میں مسہری پر براجمان اپنے دل کے شہنشاہ کی راہ میں پلکیں بچھائے محو انتظار تھی۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس کی سبک رفتار جھیل جیسی دھڑکنوں میں خوف و جھجک کا بھاری پتھر آگرا۔ دھڑکنیں کانوں میں آکر بجنے لگیں۔ وہ دوزانو بیٹھی تھی اور گھونگھٹ گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔ اس لیے وہ محسوس تو کرسکتی تھی دیکھ نہیں سکتی تھی۔ آہٹ کے بعد کا وقفہ طویل اور معنی خیز تھا۔ وہ پاس آکے بیٹھا تھا۔۔۔ پھر توقف۔۔۔ معنی خیز۔ پھر نہایت احتیاط اور آہستگی سے گھونگھٹ اٹھایا' اس نے شرم و حیا سے آنکھیں میچ لیں۔ سختی سے۔۔۔ اب بھی خاموشی اور توقف۔۔۔ صرف معنی خیز نہیں' ناقابل برداشت بھی تھا۔ سختی سے میچی آنکھیں ڈھیلی پڑیں' پھر ذرا سا کھلیں مگر پلکیں نہ اٹھیں۔ بیٹھا تو تھا۔۔۔ مگر ساکت۔۔۔ دھیرے دھیرے ہمت مجتمع کی اور پلکیں اٹھائیں۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ یونانی دیوتا' وہ آن بان والا شہزادہ۔۔۔ پر افسوس کہ مردانہ وجاہت پر مثالیں استعارے اور تشبیہات بہت کم ہیں۔ دونوں کی نظریں ملیں لیکن پھر جھک نہ سکیں۔۔۔ سب کچھ تھا اس شہزادے کی نظروں میں۔۔۔ بس پیار محبت ستائش بے قراری اور خماری۔۔۔ کچھ بھی نہ تھی۔ لائکومہ کی سہمی سہمی حیا بار آنکھوں میں تعجب اور الجھن کے رنگ اترے' تو فریدون نے نظر چرالی۔

پھر اس کے لب ملے' آواز گونجی۔ خوب صورت مسحور کن مردانہ آواز۔ لیکن وہ مسحور نہیں ہوئی' منجمد ہو گئی۔ آس پاس کے منظر ہوا میں تحلیل ہو گئے اس کا

وجود خلا میں معلق ہوگیا' صرف ایک اس کی آواز تھی جو اس کے منجمد وجود کے ارد گرد بگولوں کی طرح طواف کررہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا' وہ سن رہی تھی۔ اور اس نے کون سا داستان امیر حمزہ سنائی تھی۔ چند جملوں پر مشتمل نوحہ تھا اور بس۔۔۔ لیکن سننے والی کو صدیوں پر محیط لگا۔ کب آنکھوں کی حیرت دھچکے میں بدلی' کب دکھ میں ڈھلی اور پھر اذیت کے بے کراں سمندر سے ڈوبتی ڈولتی ہچکولے کھاتی آنکھوں میں ننھی بدلیوں میں آچھپی اور وہ بدلیاں کب برسیں دونوں کو احساس نہ ہوا۔ گھٹاؤں نے مزید قطرے سینچے اور موسلا دھار بن موسم برسات نے فریدون کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔

پھر اس نازک کلی سی لائلومہ نے اپنے کومل جذبوں کو بن روزن کے چٹانی قلعے میں مقید کرکے چابی تقدیر رقم کرنے والے فرشتے کو تھمادی اور اپنے خالی ہاتھوں میں اپنے ہمسفر کے ہاتھ لے کر اسے فکر ذات سے آزاد کردیا۔ اور وہ جو زمانوں سے رتجگوں کا ساتھی تھا' اس رات اپنی بدنصیب ہم سفر کے مہربان کندھے پر سر رکھے پرسکون نیند سویا۔

☼ ☼ ☼

فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو اپنے کندھے پر نظر پڑی۔ وہ اونچا لمبا وجیہہ مرد بچوں کی مانند اس سے چمٹا گہری نیند میں تھا۔ عہد وفا کی اس دیوی کا دل سکون اور محبت سے لبریز ہوگیا۔ اس نے آہستگی سے اس کا سر ہٹا کر تکیے پر ڈالا اور غسل خانے کی طرف چل دی۔ نہا دھو کر تازہ دم ہوئی پھر فریدون کو جگایا۔ اس نے سراپا اسے تعجب سے دیکھا پھر آنکھوں میں اترا سوال پڑھ کر وہ مسکرادی۔

"گھر میں مہمان ابھی موجود ہیں سو رسم دنیا تو نبھانی ہے نا۔ کیونکہ بھرم ہمارے دلوں کے ہیں۔" اس کی بات مبہم تھی مگر مفہوم پانی سا شفاف۔ فریدون چند لمحے سوچ میں پڑ گیا۔ ایک ہی رات نے اس ان پڑھ لڑکی کو دنیا کے سارے اسباق پڑھا کر عقل کی ڈگری تھمادی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مسرت نے حیرت کو دھکیلا تو وہ اٹھ بیٹھا۔ لائلومہ جائے نماز بچھا کر اب دوپٹا لپیٹ رہی تھی۔ وہ غسل خانے میں گھس گیا۔

نماز پڑھ کر دونوں' گل مینا کے پاس گئے تو وہ اپنے کمرے میں شیر دل خان کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔ ان دونوں کا جائزہ لیتی گل مینا کے چہرے کے تاثرات جھماکوں کی صورت تیزی سے بدلے۔ پیالی کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ وہیں تھم گیا۔ لائلومہ ان کے ایک ایک تاثر کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس نے سلام کرکے ان کے آگے سر جھکایا تو وہ چونکیں' سر پر ہاتھ پھیر کر دل سے دعا دی' پھر سرے دعا لے کر وہ گل مینا کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ فریدون باپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ گل مینا نے دیکھا اس کا خوب صورت چہرہ آج روشن روشن لگ رہا تھا۔ بے قرار دل آہستہ آہستہ تھمنے لگا۔ انہوں نے چینک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"چائے پیوگی لائلومہ۔" اس نے برق رفتاری سے ساس کے بڑھتے ہاتھ کو تھاما اور چوم لیا۔

"میں خود ڈال لیتی ہوں ماں جی' یوں اچھا محسوس نہیں ہوتا۔" اس کے لہجے کی مٹھاس نے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر دیے۔ گل مینا نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر انڈیلے اور مسکرائیں۔ سکون اطمینان اور تسلی کسی قلعی کی صورت ان تینوں کے چہروں پر پھیل گیا۔

"میرا فیصلہ درست تھا۔" گل مینا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سکون بھری سانس خارج کی۔

"میرا فیصلہ درست تھا۔" لائلومہ نے سب کے چہروں کو دیکھ کر سوچا اور اور اطمینان سے چائے پیالیوں میں انڈیلنے لگی۔ فیصلے کے کاغذ پر قبولیت کی مہر ثبت ہوئی اور ایک انوکھے بندھن کا آغاز ہوگیا۔ اس روز چائے کا ذائقہ پہلی بار ان سب کو الگ سا لگا تھا۔ مزید خوش گوار اور شیریں۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کی تقریب شاندار تھی' یادگار تھی اور لاجواب تھی۔ لائلومہ کی سج دھج بھی بارات سے کئی گنا بڑھ کر

تھی۔ گلابی اور سبز امتزاج کے بھاری کامدار غرارے میں بھاری جڑاؤ زیورات میں وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ گل مینا کے دیئے گئے تحائف میں سے ایک خوب صورت سا جوڑا پہنے بریخنہ بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ بختاور نے بیٹی کے چہرے پر خوشی سکون واطمینان دیکھا لیکن پھر بھی اس کے دل کو بے چینی و بے سکونی کا مرض لاحق ہوا تھا نہ اس کا خاتمہ ہوا نہ کمی آئی۔ وہ دل کو مطمئن کرنے میں ہنوز ناکام تھی۔

☆ ☆ ☆

پل بھر ٹھہر جاؤ
دل پہ سنبھل جائے
کیسے تمہیں روکا کروں
میری طرف آتا
ہر غم پھسل جائے
آنکھوں میں تم کو بھروں
بن بولے باتیں تم سے کروں
گر تم ساتھ ہو
اگر تم ساتھ ہو

فریدون دنوں میں لائکومہ کا دیوانہ ہوا تھا تو لائکومہ بھی لمحوں میں اس کے عشق کی اسیر زادی بنی تھی۔ دونوں کا ایک دوسرے کے بنا پل نہ گزرتا۔ باپ زمین دار تھا فریدون کو کام کاج کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن وہ معاملات کی دیکھ بھال میں باپ کی مدد بھرپور طریقے سے کرتا تھا البتہ جب سے شادی ہوئی تھی وہ گھر سے نہ نکلا تھا۔ کچھ لوگوں نے زن مرید کہا کچھ نے اس کی مردانگی پہ چوٹ کی لیکن ادھر پروا کسے تھی۔ جب ماں باپ کو اعتراض نہ تھا' تو کسی اور کو کیوں ہوتا۔ گل مینا نے بھی بیٹیوں کی طرح اس کے لاڈ اٹھانے شروع کردیے تھے۔ بلاشبہ وہ بہت نرم خو' تابعدار' صابر اور محبت کرنے والی لڑکی تھی وہ۔ جس گھر بھی جاتی دنوں میں سب کو اپنا گرویدہ بنا لیتی' لیکن یہاں وہ کوئی جتن نہ بھی کرتی تو اسے سب کا پیار ملنا ہی تھا۔ گل مینا جسے بھی بہو بنا کر لاتی اسے پیار محبت دینا ہی تھا' لیکن وہ بھی ویسی ہی نکلی اس بات کا یقین نہ تھا۔ اب لائکومہ ان کی اس درجہ محبت اور ناز برداری کی اصل وجہ جانتی تھی اس لیے اسے خوشی نہ ہوتی بلکہ دکھ ہی ہوتا تھا اس محروم ماں پر۔ لیکن وہ اس خاندان کو دکھ دینے کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی۔ گل مینا بر ملا کہتی۔

"اتنا خیال میں نے فریدون کا کبھی نہ رکھا ہوگا جتنا لائکومہ رکھتی ہے۔" وہ آبدیدہ ہوجاتی۔ جانتی تھی کہ یہ سراسر مبالغہ ہے۔ بھلا ماں سے بڑھ کر وہ کیسے خیال کرسکتی تھی۔ ماں تو پیدائش سے بھی پہلے سے خیال رکھتی آرہی ہوتی ہے۔ لیکن گل مینا اس کی احسان مند کیوں تھی وہ جانتی تھی۔ وہ آتے جاتے اسے گلے لگا لیتی چٹاچٹ چوم لیتی' اکثر وہ شرمندہ ہوجاتی۔

"یوں شرمندہ نہ کیا کروں ماں جی۔"

"شرمندہ تو میں ہوں لائکومہ......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چل دیتی۔ لائکومہ دکھ میں گھری کھڑی رہ جاتی۔

☆ ☆ ☆

اور پھر وقت کا تو کام ہے گزرنا۔ سال بیتا اور بریخنہ کی جھولی میں ایک بیٹے کا تحفہ ڈال گیا۔ لائکومہ تحائف کا ڈھیر لیے بہن کے گھر گئی وہاں ماں سمیت کئی رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی اور ان کے سوالات کے لیے وہ جواب کے طور پر مسکراہٹ پہلے ہی چہرے پر سجا کر لے گئی تھی۔ اتنی وافر مسکراہٹ جتنی مقدار اور شدت سوالات کی ہوئی تھی۔ جتنے لوگ اب تک بریخنہ کی خوش خبری کے منتظر تھے' اس سے فراغت پائی تو جی جان سے لائکومہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ بس پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ کوئی دیسی ٹوٹکے بتاتا' کوئی روحانی وظائف' دم درود بتاتا' کوئی جھاڑ پھونک والے بابا کا پتا بتاتا۔ بعض خیر خواہوں نے تو حد ہی کردی۔ تعویزات تک اٹھا لائے۔ کوئی پینے کا کوئی پہننے کا۔ یہ دور بے حد کٹھن تھا۔ لائکومہ صبر و ضبط سے سب کچھ لے لیتی۔ پھر رات گئے جب ملازمین اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تو وہ یہ تعویزات باورچی خانے میں لے جاکر

چولہے میں جلا آتی۔ راکھ کو نل کے نیچے بہا کر تمام ثبوت مٹا کر وہ نکلتی تو گل مینا کو باورچی خانے کی چوکھٹ پر کھڑا پاتی۔ نظریں ملتے ہی گل مینا نظریں چرا لیتی اور وہ تیزی سے نکلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی جاتی۔

ان سب باتوں سے فریدون بے خبر نہ تھا۔ اب وہ اداس اور کھویا کھویا رہتا۔ لائلومہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ وہ خوش رہے، لیکن یہ سب اتنا آسان نہ تھا۔ اس روز بھی وہ تعویذ جلا کر کمرے میں آئی تو فریدون کی نگاہوں کا خالی پن اس کے اپنے دل کو خالی کر گیا۔ محبت کی انگلی تھامے وہ آگے بڑھی اور اپنے محبوب کا ہاتھ تھام کر اسی محبت کے سہارے اسے لیے باہر چمن میں چلی آئی۔ دونوں خاموشی سے نم نم گھاس پر چہل قدمی کرنے لگے۔ خاموشی اتنی تھی کہ گھاس پر پڑنے والے جوتوں کی سرسراہٹ بھی بخوبی سنائی دے رہی تھی۔

بہتی رہتی
نہر ندیا سی تیری دنیا میں
میری دنیا ہے تیری چاہتوں میں
میں ڈھل جاتی ہوں تیری عادتوں میں
گر تم ساتھ ہو

وہ گلابوں کی کیاری کے پاس آن رکی تو اس کا ہاتھ تھامے فریدون بھی تھم گیا۔ وہ اس کے پہلو سے ہٹ کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ روبرو، آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ نگاہوں میں محبت بھرے، محبت سے بولی۔

"یہ گلاب دیکھ رہے ہیں نا... یہ میری محبت کی مثال ہیں۔ خوب صورت، مسحور کن اور... قریب ترین۔ قابل رسائی۔" پھر اس نے سر اٹھا کر چمکتے چاند کو دیکھا۔

"اور وہ چاند دیکھیں... وہ عشق وہ جنون جو آپ کو تڑپاتا ہے۔ دور، بے حد دور۔ ناقابل تسخیر۔ اسے چھوڑ دیں۔ اس عشق کو میری محبت کے گلاب پر فوقیت مت دیں۔ چاند تو مانگے کی روشنی سے چمکتا ہے۔ گلاب کی خوشبو مانگے کی نہیں۔ اس کی قدر کریں۔" فریدون کی آنکھوں میں امید نہیں تھی۔

"لیکن گلاب، چاند اور کھلا آسمان مل کر ہی تو خوب صورت منظر کو مکمل کرتے ہیں نا میری لیلیٰ۔" وہ کھل کر مسکرائی۔ لیلیٰ پکارنے کا مطلب تھا وہ موڈ میں آرہا تھا۔

"حسن ہمیشہ کاملیت میں تو نہیں ہوتا نا خان جی۔ ادھورے پن کا اپنا حسن ہے... میٹھی میٹھی کسک، چبھن، عشق کی جلن، وصل کی تڑپ، یہ سب نہ رہے تو پھر کیا رہا زندگی میں۔ جمود... خواہشات کا خاتمہ، دعاؤں اور تمناؤں کی موت۔ ادھورے پن کی کشش مجھ سے پوچھیں۔" کہتے کہتے اس نے نرمی سے فریدون کے ہاتھ تھام لیے وہ پھر سے ایک منطق کھینچ لایا۔ اس کی باتوں سے قائل ہوجانے کے باوجود وہ کچھ دیر روٹھا ہی رہنا چاہتا تھا تقدیر سے، پھر بولا۔

"لیکن گلاب کو پانی نہ ملے تو وہ مرجھا بھی جاتا ہے۔" لائلومہ مسکرائی جیسے بڑے کسی بچے کی احمقانہ بات پر مسکراتے ہیں۔ پھر انگلی سے گلاب کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں یہ گلاب پانی نہ ملنے سے مرجھا جاتا ہے، لیکن پانی ملتے رہنے کے باوجود بھی یہ ایک دن ضرور مرجھاتا ہے جب اس کی زندگی خاتمے کو پہنچتی ہے۔ پھر اسے کوئی چیز بچا نہیں سکتی، لیکن خاتمے کے بعد بھی یہ خوشبو دیتا رہتا ہے۔" پھر وہی انگلی اپنی طرف موڑی۔

"لیکن اس گلاب کو آپ کی محبت اور یقین کا پانی نہ ملا تو یہ صرف اس وقت مرجھائے گا۔ ورنہ مر کر بھی خوشبو دے گا۔ یہ میرا دعوا نہیں یقین ہے۔" اس کے لفظوں کے فسوں اور لہجے کی سحرانگیزی نے فریدون کو جکڑ لیا۔ ایک بار پھر خاموشی راج سنبھالے بیٹھ گئی۔ وہ دونوں تو خاموش تھے، لیکن ماحول بولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، مدھر گھنٹیاں، دل فریب گنگناہٹیں، رات کے گھور اندھیرے میں فریدون کو لگا نور کے اجالے پھلجھڑیوں کی صورت بکھر بکھر کر پھیل رہے ہیں۔ کیا کسی نے اس قدر دل فریب انداز میں بھی کسی کے زخموں پر پھاہے رکھے ہوں گے جیسے لائلومہ رکھتی تھی۔

تیری نظروں میں ہیں تیرے سپنے

تیرے سپنوں میں ہے ناراضی
مجھے لگتا ہے کہ باتیں دل کی
ہوتی لفظوں کی دھوکے بازی

یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھتی اس کی آنکھوں کی محرومیاں پڑھتی لائکومہ اچانک سے مسکرائی تو خاموشی کا کانچ چٹخا اور وہ بھی گویا تنویمی کیفیت سے آزاد ہوا۔

"باتوں میں تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"اور میری جیت آپ کی مسکراہٹ ہے، آپ کے دل کا سکون ہے۔" وہ اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر بولی تو فریدون نثار ہو گیا۔ اس نے فرط محبت سے اس کا ماتھا چوما اور سینے سے لگالیا۔ اس کے سینے میں منہ چھپائے اس نے ان چند لمحوں کا فائدہ اٹھا کر امڈتے آنسو حلق سے نیچے دھکیلے اور نئے سرے سے خود کو مضبوط کرلیا۔ اپنے کمرے کی چمن کے رخ کھلنے والی کھڑکی میں رتجگوں کی ماری دو آنکھوں نے یہ منظر دیکھا اور ڈبڈبا گئیں۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے گرد بازو لپیٹے اندر جاتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سکون اترا، نیند کی پری نے اس کی پلکوں پر بوسہ دیا تو وہ بوجھل ہو گئیں۔ وہ بستر پر جا لیٹی اور لمحوں میں سو گئی۔

☼ ☼ ☼

ایک اور سال بیتا اور برخنہ کی گود میں جڑواں بیٹے ڈال گیا۔ زرغونہ بی بی اور شمروز خان تو نہال ہو گئے۔ برخنہ پر کوئی بوجھ نہ تھا۔ زرغونہ پوتے پا کر اس عمر میں پھر سے جوان ہو گئی تھی۔ بھاگ بھاگ کر پوتوں کے کام کرتی، ان کو سنبھالتی اور ذرا بھی نہ تھکتی۔ بچوں کے ساتھ اللہ نے بچوں کا رزق دگنا تگنا کر کے بھیجا۔ دراب کا کام اتنا بڑھا، منافع اتنا ملا کہ اس نے ایک چھوٹی سی دکان کرائے پر لے لی اور چوڑیوں کے علاوہ بھی نقلی زیورات دکان میں سجالیے۔ ایمان دار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کنبہ قناعت پسند بھی تھا اور قناعت میں اللہ برکت ڈالتا ہے۔ خوش حالی اور مسرت نے ان کے در پر ڈیرا ڈال لیا۔ ایک بار پھر لائکومہ سوالات کی زد میں آ گئی۔ اس بار برخنہ رہ نہ سکی اور اپنا تیسرا بیٹا لائکومہ کی گود میں ڈال دیا۔

"بس کرو لائکومہ، میرا بچہ تم لے لو، اللہ مجھے نواز رہا ہے تو میں تمہیں کیوں نہ دوں۔ میرا یہ تحفہ قبول کرلو۔" لائکومہ ضبط کے کون کون سے مراحل سے گزری یہ صرف وہی جانتی تھی۔ اس نے آرام سے بچے کو اٹھا کر واپس برخنہ کی گود میں ڈال دیا اور مضبوط لہجے میں بولی۔

"نہیں برخنہ۔ بچہ انسان ہوتا ہے، اسے بے جان تحفہ نہ بناؤ کہ اٹھا کر اگلے کو یوں دے ڈالو۔ میں ایک ماں سے اس کا بچہ نہیں لے سکتی چاہے اس کے پاس بچوں کا ڈھیر لگا ہو، میں ایک بچے کو اس کی ماں سے جدا نہیں کر سکتی چاہے وہ اتنا کم سن ہی کیوں نہ ہو کہ ماں کا مفہوم نہ سمجھتا ہو۔" زرغونہ بی بی نے دیکھا تو اس نے بھی اصرار کیا، اس نے بھی تو اولاد کا دکھ دیکھا تھا وہ لائکومہ کا دکھ سمجھتی تھی، جتنا وہ جانتی تھی۔ دراب البتہ خاموش تھا۔ تکلیفیں اٹھا کر پیدا ماں کرتی ہے، پالنے کی مشقت بھی سب سے زیادہ اسی کے حصے میں آتی ہے، لیکن کسی اور کی جھولی میں اپنی اولاد ڈالنے کے لیے پہاڑ جیسا حوصلہ بھی وہ ماں ہی کرتی ہے، باپ کا دل ایسے معاملوں میں سکڑ جاتا ہے، خود غرض ہو جاتا ہے۔ پھر برخنہ بھی خاموش ہو گئی۔ بہن کی محرومی دور کرنے کے چکر میں کہیں شوہر نہ بدظن ہو جاتا۔ لائکومہ نے ماننا تو ویسے بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

بریال اور اریانہ کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ بختاور نے لائکومہ کو مشورے اور ضروری تیاری کے لیے بلوایا تھا۔ برخنہ کی ذمہ داریاں بہت تھیں۔ گو کہ بچے تو زرغونہ سنبھالتی تھی، لیکن برخنہ بچوں کو چھوڑ کر کبھی نہیں آتی تھی۔ بختاور نے خود ہی اسے زحمت نہ دی۔ رات رکنے کو لائکومہ بھی راضی نہ ہوتی تھی، لیکن دن گزارنے ضرورت کے تحت آجاتی تھی۔ تب اس روز بختاور نے موقع جان کر اس سے باز پرس

شروع کی۔

"تم نے اب تک اپنا علاج کیوں شروع نہیں کیا؟"

"ماں' سلیمہ دائی کو دکھایا تھا کہہ رہی تھی سب ٹھیک ہے اللہ کی طرف سے دیر ہے۔"

"تم فریدون سے کہو شہر لے کے جائے تمہیں۔"

"ہاں ماں لے جائیں گے جلد ہی تم پریشان نہ ہو۔ اچھا بتاؤ جوڑے کتنے رکھے اریانہ کے؟" اس نے اچانک سے تھیلے اٹھا اٹھا کر کھولنے شروع کردیے تو بختاور کا دھیان بٹ گیا' لیکن جھوٹ کے پاؤں تو ہوتے نہیں۔ لانگومہ نے جلدی میں سلیمہ دائی کا نام لے لیا تھا وہ شہر کی ڈاکٹر کا بہانہ بناتی تو چل جاتا۔ سلیمہ دائی کا تو ہر وقت کا آنا جانا تھا۔ چند دن بعد ہی وہ محلے کے ایک گھر میں ایک عورت کو دیکھنے آئی تو بختاور نے بلاوا بھیجا۔

"سلیمہ میری لانگومہ کے لیے کوئی سبیل نکال کوئی تو حل ہوگا کوئی وجہ کوئی مشورہ' دوا یا علاج؟" بختاور نے تو اسی تناظر میں سوال کیا تھا کہ وہ لانگومہ کا جائزہ لے چکی ہے' لیکن وہ چھکی' ہنسی ہنس کر بولی۔

"بخت بی بی وہ خان کی بہو ہے' گل مینا خانم بھلا مجھے اپنے گھر میں بھی گھسنے دے گی کیا؟ وہ تو خود بھی شہر سے علاج کرواتی تھی تو بہو کو بھی وہیں لے کر جائے گی تم میرا نام تجویز کرکے اپنی بے عزتی نہ کرواتا۔" وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی مگر بختاور کے کانوں میں دھماکے ہورہے تھے اس کو رخصت کرتے سمے جو بے چینی اس کے دل کو لاحق ہوئی تھی اس میں یکایک اضافہ ہوگیا۔

"لانگومہ نے جھوٹ کیوں بولا؟ حقیقت کیا ہے؟" لیکن ان سوالات کے جوابات لینے کا ابھی موقع نہ تھا۔ بریال کی شادی سر پر تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے دل کو سمجھایا کہ شادی گزر جائے تو وہ لانگومہ سے تفصیل ضرور پوچھے گی' لیکن ہر کام ویسے نہیں ہوتا جیسے ہم سوچ لیتے ہیں۔

ادھر بریال کا ولیمہ ختم ہوا ادھر اطلاع آئی کہ شیر دل خان کو کسی نے قتل کردیا۔ فریدون اور لانگومہ سب چھوڑ چھاڑ کر گھر بھاگے۔ شیر دل خان روایتی سخت گیر اور ظالم زمین دار نہ تھا اس لیے اس کی کسی سے دشمنی نہ تھی۔ تدفین' تفتیش سے اہم تھی اس لیے تفتیش کو پس پشت ڈال کر پہلے اسے آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے کام مکمل کیے گئے۔ گل مینا مسلسل بے ہوش تھی اور اکیلی لانگومہ زنانے میں گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ فریدون باہر کے معاملات دیکھتا غم بھی نہیں منا پا رہا تھا۔ حل کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ جب تک وہ لوگ فارغ ہوئے وہ ملک سے باہر فرار ہوچکا تھا۔ چند لوگ تھے جو اتفاقیہ گواہ بن گئے تھے۔ وہ فریدون کے خیر خواہ تھے اور انہوں نے اسے جتایا کہ یہ کام ان کے منشی ریاض کا تھا۔ شیر دل خان دس پندرہ دنوں سے طبیعت میں کچھ گرانی محسوس کررہا تھا تو گھر پر آرام کرتا رہا' درمیان میں شہر جاکر ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔ کوئی تشویش ناک بات نہ تھی اس لیے کسی کو کوئی پریشانی نہ تھی۔ سب کچھ معمول پر تھا۔ فریدون معاملات سنبھال لیا کرتا تھا' لیکن وہ بریال کی شادی میں مصروف ہوگیا۔ ریاض ان کا پرانا آدمی تھا اس لیے وہ لوگ بے پروا تھے۔ اور یہی حد سے بڑھا ہوا اعتماد انسان کو بعض اوقات وہاں لا کے مارتا ہے کہ بندہ پانی بھی نہیں مانگ سکتا۔

منشی نے نجانے کب غیر قانونی ہتھکنڈے اپنا کر تمام جائیداد اپنے نام کروائی تھی۔ اس نے یہ کام نہایت تسلی اور خاموشی سے یوں کیا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ اتنی ہی خاموشی سے اس نے آدھی سے زائد جائیداد کا سودا بھی کردیا اور جب تک شیر دل خان کو معلوم ہوا صرف ان کا گھر ہی باقی بچا تھا۔ اس بات پر شیر دل خان اور ریاض میں ہاتھا پائی ہوئی' ان کے بیشتر ملازمین معمولی زمین یا رقم کے عوض بک گئے تھے' یوں ریاض کے اشارے پر ایک نامعلوم سمت سے آنے والی گولی شیر دل خان کی زندگی کا خاتمہ کرگئی۔ زن' زر' زمین ہمیشہ ہی دشمنیوں کی وجہ رہے۔ ریاض کے پیچھے بڑے بڑے زمین داروں کا ہاتھ تھا۔ کچھ تعلقات اگر تھے تو شیر دل خان کے تھے' فریدون زمین جائیداد کے

معاملات میں صرف تب ہی دیکھ بھال کا کام دیکھتا تھا جب شیر دل موجود نہ ہوتا۔ اسے خود نہ تو زیادہ سمجھ تھی نہ کبھی اتنی فکر کی کیونکہ ریاض نے کبھی بھی ایسی کوئی حرکت نہ کی تھی جس سے اس کی ایمان داری پر شیر دل ذرہ بھر بھی شبہ کرتا۔ اندھا اعتماد کھو دیتا ہے۔

محض پندرہ دن کے اندر اندر ان کی حویلی کا مالک بھی آگیا اور حویلی خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ زندگی نے صرف پندرہ دنوں میں انہیں تخت نشین سے خاک نشین کر دیا۔ وہ حقیقت میں سڑک پر آگئے۔ نوکر تو خود ان کی حویلی میں رہائش پذیر تھے وہ بھی دربدر ہوگئے' لیکن وہ غریب لوگ تھے' انہیں مشکل نہ ہوئی۔ مشکل تو ان کے لیے تھی جو سختیوں کے عادی نہ تھے۔ اور وہ صرف دو لوگ تھے۔ گل مینا اور فریدون۔ لائکومہ تو عادی تھی۔ اس کڑے وقت میں بھی اسی نے سہارا دیا۔ اسی کے حوصلہ دلانے پر فریدون نے مالک حویلی سے گزارش کی کہ وہ حویلی کے ساتھ سامان بھی خرید لے' وہ بمشکل راضی ہوا اور تمام سامان کی آدھی قیمت لگا کر پیسے تھما دیے۔ اس وقت یہ بھی غنیمت تھا۔ وہ چند دن انہوں نے بختاور اور افسر خان کے گھر پر گزارے۔ بختاور نے گل مینا کو سنبھالا اور لائکومہ اور افسر خان' فریدون کو حوصلہ دیتے۔ لائکومہ نے اپنا سارا زیور فریدون کے آگے رکھ دیا۔ گل مینا نے اپنا آدھے سے زیادہ زیور اسے دے دیا تھا اور مزید بھی بنوایا تھا' اس نے بھی بقیہ زیور لا کے رکھ دیا۔ فریدون کا ڈوب مرنے کو دل چاہ رہا تھا' لیکن مجبوری تھی۔ تمام زیور بیچ کر اتنے پیسے ملے کہ اس سے بریال اور افسر خان نے دوڑ دھوپ کر کے انہیں ایک چھوٹا سا مکان دلا دیا' جس کی بیٹھک کو دکان کی شکل دے کر انہوں نے اس میں کریانے کا سامان ڈال دیا۔ گزر بسر کا سبب بھی تو کرنا تھا۔ وسیع و عریض حویلی سے اس چھوٹے سے مکان تک کا سفر بے حد کٹھن لگا' مگر بہت تیزی سے طے ہوا۔ لائکومہ ساس اور شوہر دونوں کو قناعت کے وہ اسباق پڑھاتی جو وہ بچپن سے سیکھتی آئی تھی۔

بریخنہ کو اللہ نے ایک بار پھر بیٹا عطا کیا اور اریانہ کی گود میں بیٹی آگئی۔ لائکومہ اور فریدون اب معاش اور بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔ فریدون کو کام کا تجربہ نہ تھا۔ اس لیے آئے روز نقصان اٹھاتا۔ کاروبار مزید پیسا مانگتا ہے' جواب اس کے پاس نہ تھا۔ وہ لوگ اب اس حال کو پہنچ چکے تھے کہ مستحق زکوۃ ہوگئے۔ کچھ رشتے داروں نے کرم کیا کہ اپنی زکوۃ انہیں دے دیا کرتے تھے۔ یوں زندگی کی گاڑی گھسٹ رہی تھی۔ گل مینا اکثر فریدون کے پاس بیٹھ کر روتی اور سوال کرتی۔

"ہم نے تو آج تک کبھی کسی نوکر کی بھی دل آزاری نہ کی تھی' کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی' پھر ہمارے ساتھ یہ سب کیوں ہوا؟" فریدون عجیب سی نظروں سے ماں کو دیکھتا پھر بولتا۔

"ہاں ماں تم یہ کہہ سکتی ہو کہ ہم نے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی' لیکن یہ نہیں کہہ سکتی کہ کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔" اور گل مینا کا جسم برف بن جاتا۔ وہ سرسراتے لہجے اور خوف زدہ انداز میں پوچھتی۔

"کیا یہ اس کی بددعا ہے فریدون؟"

"وہ بددعا نہیں دیتی ماں' یہ اللہ کی پکڑ ہے۔ ہمارا احتساب۔" اس کا لہجہ مزید ٹھنڈا ہو جاتا۔ گل مینا پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ لائکومہ بے خبر اپنے کام کاج میں مگن رہتی۔

بریخنہ کا پانچواں بیٹا پیدا ہوا تو اس بار دراب نے خود وہ بچہ لائکومہ کی گود میں ڈالا' لیکن ایک بار پھر لائکومہ نے واپس کر دیا۔ بریخنہ کے آنسو نکل آئے۔ کیا سوچا تھا بختاور نے رشتے طے کرتے وقت اور آج ان دونوں کے بیچ طبقاتی فرق کا تھال کیسے الٹ گیا تھا۔ مقام عبرت تھا' عروج و زوال کے اس الٹ پھیر پر دنیا حیران تھی۔ اریانہ کو بھی اللہ نے بیٹا دیا تھا۔ دراب کا کاروبار پھیلتا جا رہا تھا' چوڑیوں کی ٹوکری پھیل کر بڑی سی دکان پر محیط ہوگئی تھی اور سادی چوڑیاں اب نت نئے ڈیزائن کے سیٹ میں تبدیل ہوگئی تھیں۔ زیورات کی تمام چیزوں میں اندا بدلنے لگے تھے۔ نئے

رواج فروغ پانے لگے تھے۔ اب درواب لاہور سے مال لاتا تھا۔ اس عرصے میں اریانہ کے جڑواں بیٹا اور بیٹی پیدا ہوئے۔ زندگی کا رخ اس طرف ہوتا تو وہ مسکرا دیتی، جو وہ فریدون کے گھر سے ہو کر گزرتی تو اپنا احساس دلائے بنا گزر جاتی۔

اس لیے پرسکون تھی، اور اسی لیے ان دونوں کو سنبھالے رکھتی۔

زندگی فریدون کے لیے ہمیشہ سے بے دردی کا سلوک کرتی آئی تھی۔

✡ ✡ ✡

پیار کی ان راہوں میں
ملتے ہیں کتنے دریا
لاکھ طوفانوں میں بھی دل کو
مل جاتا ہے ذریعہ
اس دل کے ارادوں میں
ہے اتنا اثر
لہروں سے کناروں پر
کرتا ہے سفر
او خدا ابتدا سے کیا لکیروں میں لکھا
ہم نے تو
ہم نے تو بس عشق ہے کیا

وہ جیسے فرض عبادت کرتی تھی ٹھیک اسی طرح فریدون سے محبت بھی فرض عبادت سمجھ کر کرتی۔ عقیدت سے۔ لگن سے۔ وہ جیسا بھی تھا اس کا شوہر تھا، وہ اس کا لباس تھی اور اسے اس لباس پر معمولی سا دھبا بھی گوارا نہ تھا۔ گل بینا کبھی کبھی شدت جذبات سے مغلوب ہو کر دونوں ہاتھوں میں اس کا کومل چہرہ تھام لیتی، اسے بوسے دیتی، خود سے سوال کرتی کہ کیا یہ پری پیکر پھول چہرہ اس ظلم کا مستحق تھا۔ جواب نہ ڈھونڈ پاتی تو اسے خود میں بھینچ کر ایسا روتی کہ اسے بھی رلا دیتی۔

فریدون بھی دن رات مغموم رہتا، کبھی ٹھیک ہو جاتا ہنستا مسکراتا، باتیں کرتا اور کبھی اچانک یاسیت کا دورہ پڑتا تو کئی کئی دن خاموش گزار دیتا۔ کبھی ایسی تڑپ کا شکار ہوتا کہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر لاکومہ سے معافیاں مانگتا، کبھی ماں کا ضمیر جھنجوڑتا۔ سکون ان کے دلوں سے رخصت ہو چکا تھا۔ لاکومہ بے قصور تھی معصوم تھی،

✡ ✡ ✡

میرا تم سے جو ناتا ہے
کبھی بھی اس زمیں پر
کسی بھی دوسرے سے ہو نہیں سکتا
کہ تم سا دوسرا کوئی
کبھی بھی ہو نہیں سکتا
مگر پھر بھی
کہیں کوئی جو تم دیکھو
کہیں کچھ بھی سنو ایسا
مجھے تم کہہ سنانا

"یہ تم نے لکھی ہے؟"
"ہاں۔"
"پر تم تو ان پڑھ ہو۔"
"جب استانی سے قرآن پاک پڑھنا سیکھا تھا تو لکھنا بھی سیکھ لیا تھا، ادھر ادھر سے اخبار کے تراشے، کبھی ردی میں پڑے بچوں کے قاعدے کے پھٹے صفحے، جو بھی ملتا پڑھنے کی کوشش کرتی۔ بریال پڑھا لکھا ہے، میرا شوق دیکھ کر اس نے مجھے تھوڑا بہت پڑھایا۔ پھر ابا کتابیں لے آئے۔ بریال کو شاعری پسند تھی، وہ اپنے لیے کتابیں لاتا تو میں بھی پڑھتی۔ سمجھ نہ آتی تو وہ دوستوں کی طرح سمجھاتا۔ بس سنتی رہتی تھی۔ لکھا کبھی کچھ بھی نہیں۔ یہ تو بس یوں ہی....." چمکتی دھوپ میں چھت پہ دونوں چارپائی ڈالے بیٹھے تھے جب لاکومہ نے یہ کاغذ نکالا۔ ابھی نظم ادھوری تھی، وہ یادوں میں کھو گئی، بچپن کی یادیں لڑکپن کی باتیں۔ اس کے چہرے پر سنہری روشنی بکھری تھی۔ اتنے برسوں بعد بھی وہ اتنی ہی حسین تھی کہ فریدون کی نظر نہ ٹھہرتی تھی۔

"آگے سناؤ۔" وہ چونکی پھر کاغذ پر نظر جمائی۔

کہ جب میں تم کو دیکھوں تو
میری آنکھوں میں کیسے دیپ جلتے ہیں
میرے اندر
کیسا اجالا پھیل جاتا ہے
تمہیں سوچوں تو جیسے
آسماں سے زمیں تک
چاندنی کے روشن دھارے
بہنے لگتے ہیں
کہیں کوئی کہ جیسے
رنگوں کی بارش
ہونے لگتی ہے

"تم اتنا اچھا کیسے لکھ سکتی ہو جھوٹی۔" اس نے اسے گھورا تو لانگومہ ہنس دی۔

"اسے میرا لکھا سمجھیں بھی مت۔ میں نے تو بس ٹوٹے پھوٹے کچھ لفظ لکھے تھے' بریال کو دکھائے تو اس نے لے لیا پرچہ۔ ایک ہفتے بعد مجھے دیا تو ان لفظوں میں پھول کھل رہے تھے۔ میرے سادہ سے الفاظ کو اس نے بڑی خوب صورتی سے تھوڑا سا تبدیل کیا اور دیکھیں اتنی خوب صورت نظم بنادی۔ ورنہ پہلے تو یہ بس تحریر تھی۔" فریدون مسکرادیا۔

"یہ تم نے کس کے لیے لکھی؟" آنکھوں میں شرارت تھی۔ لانگومہ بھانپ گئی تو اٹھلا کر بولی۔

"گاؤں کا ایک خوب صورت جوان ہے میرا دیوانہ ہے عرصے سے۔" فریدون نے زوردار قہقہہ لگایا پھر مصنوعی سنگین تاثرات چہرے پر لاکر آگے کو جھکا اور بولا۔

"مجھے پتا بتاؤ آج ہی اسے قتل کروادوں گا۔"

"قتل تو وہ کب کا ہوچکا....." لانگومہ کی آنکھوں میں شرارت بھری تو فریدون نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔

چھوٹے سے گھر کے صحن میں بیٹھی۔ چاول چنتی گل مینا نے اس کے قہقہے بنا کسی رکاوٹ کے سنے تھے اور اس کے چہرے پر پھیلا اضطراب کم ہوا تھا۔ ایک سکون بھری سانس خارج کرکے اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر بے ساختہ رب کا شکر ادا کیا۔ اب لانگومہ کے قہقہے سنائی دیے تو وہ زیر لب مسکرادی۔

"کتنی لمبی نظم ہے۔" فریدون اشتیاق سے بولا۔

"میری محبت کی عمر سے کم لمبی ہے۔" وہ صرف مسکرادیا۔ محبت سے۔

تمہارا نام لینے سے
لبوں سے پھول جھڑتے ہیں
ہوائیں گنگناتی ہیں
فضائیں رقص کرتی ہیں
محبت کے کسی رنگوں میں
ایسا رنگ جو دیکھو
مجھے تم کہہ سنانا پھر
محبت کا کوئی روشن ستارہ
تم سا دیکھو تو
ذرا سی دیر کو رک کر
ذرا سا غور کرلینا
تمہارا عکس ہوگا وہ
وہ تم سا تو ہوگا
مگر وہ تم نہیں ہوگے
مگر ایسا کبھی بھی
ہو نہیں سکتا
کہ جس کے ہونے سے
ہوائیں رقص کرتی ہیں
فضائیں گنگناتی ہیں
نظر میں دیپ جلتے ہیں
لبوں سے پھول جھڑتے ہیں
وہ تم سا دوسرا کوئی
کبھی بھی ہو نہیں سکتا

وہ اپنی محبت کا اظہار کرتے کبھی نہ تھکتی تھی۔ محبت کو اظہار یا تجدید کی بار بار ضرورت نہیں ہوتی' لیکن بعض اوقات معاملات ایسے ہوجاتے ہیں کہ محبت کا اظہار' اظہار کم اور محبوب کے لیے طاقت زیادہ بن جاتا ہے۔ زندہ رہنے کی طاقت' جینے کا ولولہ اور زندگی کے لیے سانس جیسا ضروری بن جاتا ہے۔

فریدون کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ لائکومہ کی محبت کا اظہار اس کے لیے ٹوٹے دل کا مرہم تھا۔

☼ ☼ ☼

شادی کو بارہ برس بیت گئے تھے۔ لائکومہ اٹھارہ سالہ دوشیزہ سے تیس سالہ خاتون کے روپ میں ڈھل گئی تھی لیکن آج بھی لڑکی لگا کرتی تھی۔ اپنی عمر سے کافی کم۔ بریخنہ کو پانچ بچوں کی پیدائش نے قدرے فربہ کردیا تھا لیکن اس کی فربہی میں بھی کشش تھی۔ دلاور کا کاروبار اب جیولری کے ایک بڑے ڈیلر اسٹور میں تبدیل ہوچکا تھا۔ اب دراب چائنہ سے بھی مال لاتا تھا۔ قسمت نے بارہ سالوں میں اسے ککھ پتی سے لکھ پتی بنادیا۔

بریال اور اریانہ کے بھی اب تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ شموز، افسر خان اور زرغونہ بی بی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ اولاد کے غم سہارنے کو ابھی بختاور اور گل مینا کی زندگیاں باقی تھیں۔ بریخنہ اور دراب کی ترقی اور لائکومہ اور فریدون کی لازوال محبت گاؤں والوں کے لیے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرگئی تھی۔

کچھ عرصے سے لائکومہ کو پیٹ میں تکلیف رہنے لگی تھی لیکن پے در پے پریشانیوں اور مالی محتاجی کی وجہ سے وہ اظہار نہیں کرپاتی تھی۔ گاؤں کی کسی دائی کو دکھانے میں بس ایک امر مانع تھا اور شہر کی ڈاکٹر تک پہنچ کے وسائل نہ تھے۔ گھریلو ٹوٹکے آزماتی رہتی تھی، کچھ عرصے دبا رہتا پھر ابھر آتا۔ لیکن اب ایک ہفتے سے ان ٹوٹکوں سے بھی افاقہ نہ ہو رہا تھا۔ اس روز پہلی بار اس نے گل مینا کو بتایا تو وہ بھی پریشان ہوگئی۔ وہ درد سے بے حال ہو رہی تھی۔ اسے لٹا کر گل مینا قہوہ بنانے چل دی تب بریخنہ نے گھر میں قدم رکھا۔ اب چھپانا بے سود تھا۔ اور بتایا تو بریخنہ برس پڑی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو لائکومہ۔ ہر درد کو سہ کر خاموش رہ کر کون سے تمغے لینا چاہتی ہو۔ بے وقوف عورت کیا خبر اللہ نے اپنا کرم کیا ہو۔" قہوہ لے کر اندر آتی گل مینا تک بات من میں گزر گئی۔ بریخنہ کی اس پر نظر پڑی تو فوراً بولی۔ "خالہ جی کچھ آپ ہی سمجھائیں اپنی اس کم عقل بہو کو۔ میں ابھی اور اسی وقت اسے اپنے ساتھ شہر لے جارہی ہوں، ایک بڑی اچھی ڈاکٹر ہے وہاں میں بھی کبھی جاتی ہوں اس کے پاس۔ چلو اٹھو لائکومہ۔" وہ قطعیت سے کہتی کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ لائکومہ نے بے بسی سے گل مینا کی طرف دیکھا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"چلی جاؤ بیٹی اللہ رحم کرے کرم کرے۔"

"فریدون۔۔۔" وہ ہکلائی۔

"کیا فریدون؟" بریخنہ غرائی پھر فریدون کو آواز لگائی جو دکان پہ بیٹھا تھا۔ "میں تمہاری بیوی کو لے کر شہر جارہی ہوں اسپتال۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ مجھے امید ہے تمہیں اعتراض نہیں ہوگا۔" بریخنہ نے کبھی اس انداز سے بات نہیں کی تھی۔ فریدون نے سر اثبات میں ہلادیا اور واپس چلا گیا۔

اس وقت ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون سی قیامت ان کی منتظر ہے۔ اگر لائکومہ کو ذرا سا بھی گمان ہوتا تو وہ بہن کو ناراض کردیتی مگر ڈاکٹر کے پاس نہ جاتی۔ لیکن ہونی کو بھلا کون ٹال سکا ہے۔ دلاور گاڑی چلا رہا تھا وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھیں۔ لائکومہ کا دل گہرائیوں میں ڈوبا چلا جارہا تھا، درد وہ بھول چکی تھی۔ اب یہ نئی کیفیت اسے بے حال کررہی تھی۔ گھر میں چارپائی پر لیٹا فریدون بھی سوچوں میں گم تھا۔ اس کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ ایک عجیب سی اداسی، مایوسی اور کھر تھا جو پل پل دور ہوتے ان نفوس کو اپنی لپیٹ میں لیتا جارہا تھا۔ گاڑی جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی لائکومہ کو یوں لگ رہا تھا کہ عارضی طور پر بڑھتا ہوا یہ فاصلہ ان دونوں کے بیچ دائمی جدائی کا عندیہ دے رہا ہے۔ وہ جیسے تنویمی۔ کیفیت کے زیراثر تھی۔ کب اسپتال آیا، کب وہ اترے، کب بریخنہ اس کا ہاتھ تھامے اندر لے گئی، کب اور کتنی دیر وہ دونوں انتظار گاہ میں بیٹھیں، کب اس کی باری آئی ؟ اسے ایک پل کی بھی سمجھ نہ آسکی۔ وہ بس جیسے

اپنے گھر سے نکالے قدم کے اس لہجے کے زیر اثر تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کا جسم یہاں آگیا وہ خود وہیں رہ گئی۔ فریدون کے پاس۔ ڈاکٹر نے جب اسے چیک اپ کے لیے لٹایا تب وہ اس کیفیت سے آزاد ہوئی۔ اسے چیک کرتی ڈاکٹر جھٹکا کھا کر سیدھی ہوئی۔ پھر بری طرح اسے گھورا۔ "تم نے کہا' بلکہ برِخنہ نے کہ تم شادی شدہ ہو۔ کتنے سال ہوئے تمہاری شادی کو؟" ڈاکٹر کے سخت انداز پر وہ گھبرا گئی۔

"بارہ سال۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی تو ڈاکٹر کو کرنٹ لگا۔

"بارہ سال۔" وہ بری طرح چیخی۔ پھر یک دم دروازے کی طرف بڑھی۔ لائلومہ نے ہراساں ہو کر بے اختیار میز کا سہارا لیا۔ ڈاکٹر اب برِخنہ کو پکار رہی تھی۔ برِخنہ حواس باختہ سی آئی۔

"کیا ہوا ڈاکٹر کیا کوئی بڑا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی پہلے تو تم مجھے ایک بات بتاؤ۔" ڈاکٹر دروازہ بند کرا کے اپنی کرسی پر آبیٹھی تو وہ دونوں بھی آبیٹھیں۔

"جی پوچھیے۔" برِخنہ سہم کر بولی۔ لائلومہ کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔ عمر بھی کی ریاضت مٹی میں ملنے والی تھی۔

"فریدون خان مجھے معاف کر دینا۔" وہ دل ہی دل میں کرلائی۔

"تم گاؤں کے لوگ اس قدر سفاک اس قدر ظالم بھی ہو سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اپنی پیاری بیٹی کو ایسے شخص کے پلے باندھتے تم لوگوں کا دل نہیں کانپا۔ تف ہے تم لوگوں کی عقل پر اور لعنت ہے سوچ پر۔" برِخنہ بری طرح پریشان ہو گئی۔

"ہوا کیا ہے ڈاکٹر کھل کر بتائیں کیا اس کا شوہر اس پر تشدد کرتا ہے؟۔ وہ تو بہت اچھا ہے اسے بہت چاہتا ہے بہت محبت کرتا ہے۔" وہ بے ربطگی سے بولے جا رہی تھی۔ ڈاکٹر استہزائیہ ہنسی۔

"وہ تو محبت کرے گا ہی' پر مجھے تو تم لوگوں کی محبت پر شک ہے۔"

"برائے مہربانی آپ کھل کر بات کریں۔" برِخنہ کو اب ناگواری کا احساس ہوا۔

"برِخنہ بی بی تمہاری یہ بہن آج بھی کنواری ہے۔" الفاظ تھے یا آتش فشاں برِخنہ کو لگا اس کے جسم پر سے بھاری ٹرک گزر گیا ہو۔ دھڑام کی آواز کے ساتھ لائلومہ کرسی سمیت زمین بوس ہو گئی۔ اس سے زیادہ کی اس میں تاب نہ تھی۔ وہ خوش نما لباس جس سے اس نے اپنے محبوب کو ڈھانپا تھا وہ بیچ چوراہے میں تار تار ہوا تھا۔ برسوں سے سیدھی کھڑی چٹان آج ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج اپنے رنگوں سے بچھڑی ہیں یہ تصویریں<br>
ہاتھوں میں کہیں ٹوٹ رہی ہیں مل کر وہ تقدیریں<br>
دنیا یہ جیت گئی دل ہار گیا<br>
نہیں سوچا تھا مل کر بھی ہوں گے جدا<br>
او خدا<br>
بتا دے کیا لکیروں میں لکھا<br>
ہم نے تو<br>
ہم نے تو بس عشق ہے کیا

بارہ برس قبل ایسا ہی ایک آتش فشاں گل مینا پر بھی پھٹا تھا۔ جب شادی پر مسلسل اصرار اور فریدون کے مسلسل انکار کی تکرار بڑھی تو غصے میں آ کر فریدون نے ماں کو اس ہولناک حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ اکیلی سہار نہیں سکی تو اس نے شیر دل خان کو بتایا۔ وہ بھی دکھی تو ہوا لیکن یوں ایک لڑکی کی زندگی برباد کرنے کے حق میں بھی نہ تھا۔ لیکن اسے اولاد سے زیادہ دنیا والوں کی فکر تھی۔ دنیا کیا کہے گی۔ یہ مختصر سا جملہ کتنے مظالم کو ہوا دیتا ہے یہ کوئی نہیں سوچتا۔ روز حشر اللہ کیا کہے گا یہ بھی کوئی نہیں سوچتا۔ وہ اونچا لمبا مرد بلک بلک کر ماں کے آگے رویا کہ کل میری زندگی میری ذات تماشا بن جائے گی تب تم سہہ نہیں پاؤ گی لیکن وہ نہ مانی بلکہ اسے منانے کا ہر ممکن ہتھکنڈا آزمایا۔ سال و دولت کا خمار گل مینا پر حاوی تھا۔ اس کی سوچ صرف یہ تھی

کہ غریب گھر کی لڑکی کا منہ بند کرنا آسان رہے گا۔ وہ اس چیز کو ظلم نہیں مان رہی تھی۔ پھر اسے لائلومہ نظر آگئی تو وہ مزید خود غرض ہو گئی۔

"یہ راز پھیلانے والا نہیں ہے ماں۔ خدا جانے آنے والی کس مزاج کی ہو' وہ ایک نہ ایک دن دل میں دبی اس چنگاری کو گاؤں کے سامنے ہوا دے کر شعلہ بنا دے گی اور میرا وجود خاکستر کر دے گی۔ میں تو بے موت مارا جاؤں گا نا۔" وہ منت کر رہا تھا۔

"لائلومہ غریب گھر کی لڑکی ہے' اسے اور اس کے گھر والوں کو پیسہ دے کر منہ بند کروایا جا سکتا ہے۔ زیادہ شور کیا تو بچہ گود لے دیں گے۔ ہمارے پاس کوئی کمی تو نہیں ہے۔" فریدون نے زخمی نگاہوں سے ماں کو دیکھا تو وہ قدرے شرمندہ ہوئی۔ "اگر میری شادی کرنی ہی ہے تو بانجھ عورت سے کرو۔ میری زندگی بھی سکون سے گزرے گی تمہاری بھی واہ واہ ہو جائے گی۔"

لیکن وہ نہیں مانی۔ کھوکھلے دلاسے دیتی رہی' پھر منتوں پر اتر آئی۔ وہ بھول رہی تھی کہ آج اگر وہ خود مختار ہے تو اسے یہ سب بخشنے والا اللہ ہے۔ ڈوریاں تو وہ ہلاتا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں یہ ہمارا کمال ہے۔ پھر جب وہ ڈوری کھینچتا ہے تو کبھی وہ پیروں کی زنجیر بن جاتی ہے اور کبھی گلے کا پھندا۔

آخری حربے کے طور پر اس نے دوپٹا بیٹے کے قدموں میں ڈال دیا اور پھر اسے ماننے ہی بنی۔ لیکن گل مینا کی ساری منصوبہ بندی انتہائی بھونڈی تھی۔ لائلومہ جیسی نیک خصلت' زبان بند بھولا کر بھی سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا تھا۔ بھانڈا پھوٹا تھا اور بیچ چوراہے پھوٹا تھا وہ بھی غیروں کے ہاتھوں۔

☼ ☼ ☼

لائلومہ کے پتے میں پتھری تھی جسے ایک چھوٹے سے آپریشن کے ذریعے بخیر و خوبی نکال دیا گیا تھا' وہ کچھ دن اسپتال میں رہی پھر اسے ڈسچارج کر دیا گیا۔ وہاں سے بریال کسی کی طرف دیکھے بنا کسی سے بات کیے بنا لائلومہ کو سیدھا اپنے گھر لے گیا۔ وہ مستقل روئے جا رہی تھی۔ لیکن کسی نے اس سے کوئی ہمدردی ظاہر نہ کی۔ چند دن بعد بریال خان نے سب کی موجودگی میں فریدون کو ماں سمیت طلب کیا۔ وہ جھکے سر کے ساتھ حاضر ہوا اور اسی جھکے سر کے ساتھ ماں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ میری ماں ہے یہ سب جانتی تھی' میں ہمیشہ شادی سے انکاری رہا۔ اس ماں نے اپنی ممتا کا واسطہ دے کر مجھ سے یہ گناہ کروایا۔ یہ ذمہ دار ہے۔" سب کو سانپ سونگھ گیا۔ گل مینا کا دل ٹکڑے ہو گیا۔ کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ یوں سر محفل ماں کا نام لے دے گا۔ لیکن شاید وہ تھک چکا تھا' ہار چکا تھا۔ وہ اس ماں سے کیا لڑتے۔ بختاور کو مستقل چپ لگی تھی۔ بربخنہ اور اریانہ جی بھر کر گل مینا سے لڑیں' لیکن وہ جواب میں چپ ہی رہی۔ پھر وہ دیوار سے کب تک سر پھوڑتیں۔ ایک ایک کر کے سب اٹھ گئے اور اسی لمحے بختاور ایک طرف کو لڑھک گئی۔ بیٹی کو رخصت کرنے والے دن جو بے چینی کا مرض اس کے دل کو لاحق ہوا تھا آج اس کی وجہ ہاتھ آ گئی تو مرض ختم ہو گیا اور اسے بھی ساتھ لے گیا۔ اس راز کے طشت از بام ہونے کے خوف سے وہ ماں بیٹے کے گھر کبھی رات نہ رکی کبھی زیادہ وقت نہ گزارا کہ ضبط کی طنابیں ساتھ نہ چھوڑ دیں۔ اور آج جب یہ راز افشا ہو کر اس کی ذات کو بے مول کر گیا تھا تو اسے صرف اور صرف اسے ماں کی ضرورت تھی جو اسے سینے سے لگا کر اس کا دکھ بانٹتی جو وہ سالوں سے اکیلی اٹھائے پھر رہی تھی۔ تو آج اس ماں نے منہ جوڑ لیا۔

سوئم ہو گیا تو لائلومہ فریدون کے ساتھ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی' ان دونوں کو اٹھتا دیکھ کر بریال کے نقوش تن گئے۔ وہ تیزی سے اٹھ کر آگے آیا اور برہمی سے بولا۔

"اب تم کہیں نہیں جاؤ گی لائلومہ' ابھی تمہارا بھائی زندہ ہے۔ تمہیں فریدون سے طلاق لینی ہو گی۔" اس کی سفاکی پر لائلومہ کا دل کٹ گیا' فریدون کا چہرہ

سرخ انگارہ ہو رہا تھا' مزید کہاں کہاں ذلت سہنا پڑے گی۔ اذیت و کرب اس کے چہرے پر رقم تھا۔ لانگومہ نے ایک بار پھر اٹل فیصلہ لیا اور بھائی کی طرف مڑ کر مضبوط لہجے میں بولی۔

"آدھی سے زیادہ عمر اس شخص کے سنگ بخوشی گزار لی جس کے ساتھ باپ بھائی نے اس وقت باندھا تھا' باقی آدھی بھی اس کے ساتھ گزرے گی۔ کل آپ نے فیصلہ لیا تھا میری زندگی کا' آج اپنی زندگی کا اگلا فیصلہ میں خود لے رہی ہوں۔ مجھے آپ کے موجودہ فیصلے سے اختلاف ہے۔ میں اس باپ کی بیٹی ہوں جس نے طبقاتی فرق پر زبان کو ترجیح دی تھی۔ میں نے بھی قسم اٹھائی ہے اسی کے ساتھ زندگی گزارنے کی' سو میں قسم پوری کروں گی' تاوقتیکہ یہ خود مجھے طلاق دے دے۔" اس کے آخری جملے پر فریدون نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اس نازک عورت کے آگے زیر بار ہی رہا تھا۔ اور اب بھی تھا۔ ہمیشہ مرد اپنی بیوی کو ہر جگہ تحفظ دیتا ہے۔ لیکن ان کا معاملہ جدا تھا۔ یہاں لانگومہ بیوی ہو کر عورت ہو کر ہر جگہ فریدون کو تحفظ دیتی تھی اس کے لیے ڈٹ جاتی تھی۔ اس نے فریدون کا بازو پکڑا اور مکمل اعتماد سے دہلیز پار کر لی۔ پیچھے کھڑے نفوس کو وہ ٹھکرا کر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

عرصہ بیتا' زندگی بیتی' سب کچھ بیتا' لیکن پھر بھی جو عشق میں بیتی' عشق ہی جانے' یا وہ جانے' جس پر بیتی زندگی کے سلسلے وہیں سے شروع ہوئے تھے جہاں سے ادھورے چھوڑ کر وہ نکلی تھی۔ اب وہ واپس بھی آگئی تھی لیکن پھر بھی نجانے کیوں چین نہیں پڑتا تھا۔ بے کلی بے چینی کا مرض جو اس کی ماں کو لگا تھا وہ اب اسے لگ گیا تھا۔ فریدون بھی بدلا بدلا سا تھا' گل مینا بھی چپ سادھے پڑی رہتی۔ گھر اسے کاٹنے کو دوڑتا۔ فریدون صبح صبح فجر کے لیے مسجد جاتا تو دن چڑھے واپس آتا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس قدر مضطرب سا کہاں بھاگتا ہے کہ جہاں سے واپسی پر اس کا چہرہ اضطراب سے خالی ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا دل اب عشق حقیقی کی جانب مائل ہوا تھا۔ وہ گاؤں کی سب سے بڑی مسجد کے مفتی غلام محمد کے پاس دل کی دوا لینے جاتا تھا اور پرسکون ہو کر آتا تھا۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معمول کے مطابق نصف شب' شہر کی گشت پر تھے جب ان کا گزر ایک گھر کے پاس سے ہوا۔ وہاں سے ایک عورت کے گنگنانے کی آواز آرہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ رک کر سننے لگے تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی المیہ گیت گا رہی تھی جس کا مفہوم کچھ ایسا تھا کہ ___ اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو آج رات میری چارپائی کے پائے ہل رہے ہوتے ___ اگلی صبح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق کروائی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر کافی عرصے سے جہاد پر ہے۔ وہ عورت نیکوکار تھی تب ہی اس نے گیت میں اللہ کے خوف سے بدکاری سے بچے رہنے کی بات کی۔ اس واقعے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً" قانون جاری کیا کہ شادی شدہ مردوں کی جہاد کی آخری مدت چار ماہ ہے' اس سے زیادہ کسی شخص کو گھر سے دور رہنے کی اجازت نہیں اور اگر کسی وجہ سے زیادہ عرصہ بیوی سے دور گزارنا مقصود ہو تو اس کے لیے وہ بیوی سے اجازت لینے کا پابند ہوگا۔"

اتنا کہہ کر مفتی غلام محمد خاموش ہوئے تو فریدون نے سر اٹھا کر یوں دیکھا گویا مزید وضاحت چاہ رہا ہو۔ وہ مزید گویا ہوئے "ایسا قانون اس لیے بنایا کہ ہر عورت اللہ کے خوف سے نفس پر اس حد تک قابو پانے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ ہمارے دین کے ہر اصول میں برائی پر قابو پانے کا عنصر غالب رہتا ہے۔ آپ کی اہلیہ بھی ان نایاب خواتین میں سے ایک ہیں جو اپنے نفس پر حکومت کرتی ہیں لیکن پھر بھی عورت کی اس صلاحیت کو آزمانا گناہ ہے۔ اس سے ان کے وجود میں بیماریاں جنم لینا شروع کر دیں گی۔ اور یہ تو آپ کی خوش بختی ہے کہ وہ اتنی نیکوکار ہیں' ورنہ خدانخواستہ وہ بدکاری کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ اور آپ کی والدہ پر دہرا گناہ آپڑتا۔ سوچیں آپ دونوں کیسا جہنم

کمانے چلے تھے۔ ماں باپ کا حکم ماننا اولاد پر فرض ہے لیکن اگر ان کا حکم دین کے اصولوں کے منافی ہو ناجائز اور گناہ پر مبنی ہو تو ان کی حکم عدولی نافرمانی کے زمرے میں نہیں آتی۔ پردہ جو اٹھنا تھا وہ تو اٹھ گیا۔ جس انا کو بچانے کے لیے یہ سب کیا گیا اس انا کی تو موت واقع ہو ہی گئی۔ اس لیے اب گناہ ثواب اور آخرت کی فکر کریں اور تلافی کریں۔"

☼ ☼ ☼

میں کیسے سوچ سکتا ہوں مجھے وہ چھوڑ جائے گا
بہت ہی باوفا وہ بے وفا ہونے سے پہلے تھا

وہ جب سے آیا تھا گم صم تھا۔ خاموش تو اب ویسے ہی رہتا تھا وہ۔ وہ باتیں وہ گپ شپ سب خواب ہو گئے تھے لیکن اس وقت اس کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جو اسے ہولا رہا تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح پہل کی اس کے پاس آ بیٹھی محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔۔۔ اس نے چھڑا لیا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ دھڑکنیں بری طرح بے ترتیب ہوئیں، آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ مسہری سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں، آج وہ اجنبی کیوں لگ رہا تھا۔

"فریدون۔۔۔" اس نے سرگوشی میں پکارا۔ اس نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی۔ اسے لگا وہ مر جائے گی۔ آج کیا ہونے جا رہا تھا۔ وہ بے چین ہوئی۔ تڑپی۔ اس کے لب ہلے، آواز نکلی، بھرپور مردانہ آواز۔ جو کسی کو بھی مسحور کر دے۔ لیکن وہ مسحور نہیں ہوئی۔ ایک بار پھر وہ منجمد ہوئی تھی، وہ مفتی صاحب کی ساری بات بیان کر رہا تھا۔ پھر بات مکمل کر کے ذرا رکا تو لائکومہ کی سانس تھمی۔

"لاعلمی اور جاہلیت کی بات اور ہوتی ہے لائکومہ۔ لیکن جب آپ کو ایک بات کا علم ہو جائے، دینی احکامات معلوم ہو جائیں اپنے گناہ پتا چل جائے تو تلافی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"نہیں۔۔۔" اس کے لب ہلے۔ "نہیں فریدون کوئی ایسی بات مت کہنا۔۔۔"

"خاموش لائکومہ۔ ہمیشہ تم بولی، میں نے سنا۔ آج میں بولوں گا، تم سننا اور مجھے معاف کر دینا۔ یہی ہم دونوں کے لیے بہترین ہے۔ تم ایک نارمل مرد کے ساتھ اپنی زندگی۔۔۔"

"فریدون۔۔۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخی تو گل مینا بھاگی آئی۔ لائکومہ نے بھاگ کر گل مینا کو بازو سے پکڑا۔

"اماں۔۔۔ اماں اسے روکو۔۔۔ اسے روکو یہ ایسی بات نہ کرے۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو دی۔ گل مینا وہیں چکرا کر زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے اعصاب میں یوں بھی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

"میں۔۔۔ فریدون خان ولد شیر دل خان۔۔۔"

"نہیں کرنا فریدون ایسا ظلم مت کرنا تمہیں تمہاری ماں کے سر کی قسم، تمہیں میری محبت کی قسم یہ نہ کرنا۔" وہ بھول بیٹھی تھی کہ قسم صرف خدا کے نام پہ اٹھانا جائز ہے۔ اس نے بلکتے ہوئے اپنا دوپٹا اتار کر اس کے قدموں میں رکھ دیا تو فریدون نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"بقائمی ہوش و حواس تمہیں، لائکومہ خان بنت افسر خان کو طلاق دیتا ہوں۔" لائکومہ نے اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی مگر نہ وہ ہلا نہ اس نے آنکھیں کھولیں نہ جب ہوا۔ لائکومہ کے آنسو جھرنے کی صورت اس کے گریبان کو بھگو رہے تھے۔ وہ بے دردی سے چہرہ رگڑ رگڑ کر آنکھوں کا دھندلا پن دور کرتی پھر چیخی۔

"طلاق دیتا ہوں۔"

"تین طلاق ایک ساتھ دینا اللہ کو ناپسند ہے فریدون۔" وہ ہچکیوں کے بیچ بلک کر بولی۔

"وہ اس صورت میں ہوتا ہے جب آپس میں جھگڑا ہو تب سوچنے کی مہلت اور وقت کی خاطر وقفہ لازم ہے۔ ہمارا ایسا معاملہ نہیں۔"

"ہے ہمارا ایسا معاملہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں فریدون مت بنو اتنے ظالم مت بنو۔" وہ

اس کے پیروں میں گر گئی۔

"اور میں تمہیں تیسری بار بھی طلاق دیتا ہوں۔"

کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکلا اور پھر گھر سے بھی نکلتا چلا گیا۔ گل مینا تیسری طلاق سن کر زمین پر ڈھے گئی اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ لائکومہ کی ہذیانی چیخوں کو سن کر پورا محلہ جمع ہو گیا۔ کسی نے بریال کو اطلاع پہنچائی تو کسی نے فریدون کو۔ بریال آیا اور بے ہوش لائکومہ کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

دنیا یہ جیت گئی دل ہار گیا
نہیں سوچا تھا کل کر بھی ہوں گے جدا
او خدا
بتا دے کیا لکیروں میں لکھا
ہم نے تو
ہم نے تو بس عشق ہے کیا۔۔۔
اور ان کا عشق انجام کو پہنچ گیا۔

☆ ☆ ☆

میری زندگی کا مجھ کو اگر اختیار ہوتا
تیری ڈھول پھر بھی بجتی تیری راہ میں ہی رلتی

وہ ویسی ہی تھی جیسی فریدون کے بغیر وہ ہو سکتی تھی۔ بے جان خوب صورت ڈیکوریشن پیس کی طرح ایک ہی جگہ منجمد۔ کسی نے کہہ سن کر اٹھا دیا تو اٹھ گئی، بٹھا دیا تو بیٹھ گئی، لٹا دیا تو لیٹ گئی۔ شروع شروع میں بریال اور اریانہ نے اسے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ آہستہ آہستہ سیٹ ہو جائے۔ لیکن یہ اس کے اختیار سے باہر کی چیز تھی۔ اس کی حالت بگڑنے لگی۔ وہ بیٹھے بیٹھے رونے لگتی بین کرنے لگتی، آدھی رات کو اٹھ کر چیخیں مارنے لگتی۔ ڈاکٹر نے شدید ڈپریشن بتایا اور ماحول کی تبدیلی کا مشورہ دیا۔ وہ سب ہی پریشان ہو گئے کیونکہ لائکومہ کہیں بھی جانے کو تیار نہ ہوتی۔ ایسے میں سب نے پھر اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا۔

اکتاہٹ بھرے بے زار سے روز و شب میں ہلچل تب مچی، جب ایک دن صبح سویرے اریانہ نے بچوں کو پیٹنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ بریال گھبرا کر کمرے سے نکلا تو اریانہ بری طرح بچوں کو مارنے کے ساتھ چیخ چلا رہی تھی غصے سے زیادہ حیرت و تعجب نے بریال کو اپنی لپیٹ میں لیا کیونکہ یہ اریانہ کا مزاج نہیں تھا۔ وہ بے حد ٹھنڈے مزاج کی بردبار و حلیم طبع لڑکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتا سمجھتا لائکومہ کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور وہ حواس باختہ سے باہر نکلی اور بچوں کی طرف لپکی۔

"یہ کیا کر رہی ہو بھابھی۔۔۔ پاگل ہو گئی ہو۔" اس نے بچوں کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے ہراساں انداز میں کہا تو اریانہ تنک کر بولی۔

"ہاں پاگل ہی تو ہو گئی ہوں، یہاں ٹھیک ہے بھی کون۔ مجھ سے اب نہیں سنبھلتے یہ بچے، سارے گھر کے کام کاج بھی دیکھو اور بچے بھی پالو۔" وہ تن فن کرتی کچن میں جا گھسی تو لائکومہ بچوں کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ بریال کو غصہ تو بے حد آیا لیکن لائکومہ کے اپنے سے باہر نکل کر احساس کی دنیا میں قدم رکھنے پر خوشی بھی ہوئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اریانہ کو ڈانٹے یا سراہے۔ اسی نا سمجھی کی کیفیت میں اس نے ناشتا کیا اور کام پر نکل گیا۔ جبکہ بچے پہلی بار ماں کے خونخوار تیور دیکھ کر بری طرح سہمے ہوئے سارا دن پھپھو سے چپکے رہے۔ اس رات جب لائکومہ بستر پر لیٹی تو دل، دماغ پر طاری ڈپریشن کا غبار بہت حد تک کم ہو چکا تھا۔ اس رات وہ نیند سے جاگ کر چیخی نہیں بلکہ سکون سے سوئی۔ اگلا دن معمول کے مطابق بور سا گزرا، وہ پھر سے کمرے میں بند ہو گئی اور پھر سے یاسیت بھری سوچوں کے گرداب میں غوطے کھانے لگی۔ اور پھر اریانہ حرکت میں آ گئی۔ اسے لائکومہ کے علاج کا کلیہ ہاتھ آ گیا۔ اب وہ کبھی سبزیوں کا ڈھیر اٹھائے اس کے کمرے میں پہنچ جاتی اور عجلت و مصروفیت کا بہانہ کر کے کہتی۔

"یہ ذرا سبزی تو بنا دو باجی مجھے ابھی اور ہزاروں کام دیکھنے ہیں۔" یوں لائکومہ شرمندہ ہو کر جلدی جلدی سبزی بناتی اور کبھی ہانڈی چڑھا دیتی تو کبھی اس کے کسی اور کام میں ساتھ لگ کر مدد کروا دیتی۔ دل میں سوال

محسوس کرنے کے بعد خود اریانہ اب اسے فارغ بیٹھنے نہ دیتی اور بریال نے بھی اس کی حکمت عملی سمجھ لی تھی۔ اس لیے وہ بھی خاموش رہتا۔ اب ذرا جو وہ فارغ بیٹھی سوچوں میں گم نظر آتی تو اور کچھ سمجھ نہ آتا تو اریانہ کسی بچے کو تھپڑ لگا دیتی‘ وہ پھپھو کے پاس شکایت لے کر پہنچ جاتا اور اس کا مراقبہ ٹوٹ جاتا۔ کبھی وہ خود اس کے پاس بیٹھ کر خاندانی رنجشوں کے قصے سناتی اور مشورے مانگتی۔ کبھی بریال کی شکایت لگا کر سمجھانے کا کہتی۔ کبھی بریخنہ کی برائی کر کے آنسو بہاتی (بریخنہ کو بھی علم تھا)۔ یوں اس نے لائلومہ کو جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی مشقتوں میں الجھا الجھا کر زندگی کی طرف واپس گھسیٹ ہی لیا۔

☼ ☼ ☼
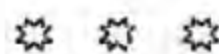
ودان خان‘ اریانہ کا تایا زاد تھا اور اس کی بیوی کشمالا اس کی چچا زاد۔ ان دونوں کا بھی بچپن سے رشتہ طے تھا اور محبت بھی تھی‘ لیکن پندرہ سال گزر جانے کے باوجود ان کی اولاد نہ ہوئی تھی اور ڈاکٹر کشمالا میں خرابی بتاتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ بانجھ کہلائی جاسکتی تھی‘ لیکن اللہ کا کرم ہو جاتا تو مسئلہ نہ تھا۔ ودان کی ماں بہنوں نے اب بری طرح اس پر دوسری شادی کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کشمالا سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اسے دکھ دینے کا سوچ بھی نہ سکتا تھا‘ لیکن جب جھگڑے بڑھے تو کشمالا نے خود اسے دوسری شادی کی اجازت دے دی۔ ماں بہنوں نے لڑکیاں دیکھنی شروع کیں تو ہر کسی کا کم و بیش ایک سا مطالبہ ہوتا کہ یا تو پہلی بیوی کو طلاق دی جائے یا اسے الگ گھر میں رکھا جائے جب کہ وہ اسے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کی اولین چاہت تھی۔ ماں اور بہنیں بھی کنواری لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں جب کہ وہ اس امر کے خلاف تھا۔ ان ہی دنوں اس نے لائلومہ کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں سنا تو اریانہ اور بریال سے بات کر ڈالی۔ اس رشتے پر اس کی ماں اور بہنیں بھی اعتراض نہ کر پائیں کیونکہ وہ کنواری بھی تھی اور اس کے ساتھ ہوئے حادثے میں اس کا قصور کم اور قربانی حاوی تھی‘ لیکن مسئلہ تو لائلومہ کی رضامندی کا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب اریانہ نے تنگ مزاجی‘ پھوہڑپن اور فسادی پن کا ڈرامہ رچایا اور لائلومہ کو زندگی کے معمولات کی طرف لوٹانے کے ساتھ اس بات کا بھی احساس دلایا کہ وہ اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کا سوچے۔ دھیرے دھیرے لائلومہ کے دل میں یہ احساس جڑ پکڑنے لگا کہ وہ تنہا ہے اور اسے مستقل سہارے کی ضرورت ہے جو بھائی نہیں ہو سکتا۔

☼ ☼ ☼

کلیوں سی پاکیزہ‘ پھولوں سی مہکتی‘ تاروں سی خوب صورت زندگی کا احساس اس کے وجود کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی اور زندگی اس کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔ اس کا ہم سفر اس کے ساتھ مسکرا رہا تھا اور زندگی کے خوب صورت ترین ثبوت اس کے سامنے رو رہے تھے۔ اس نے نکاح کے اگلے ہی برس جڑواں بیٹوں کو جنم دیا۔ نومولود شہزادوں کا رونا انہیں کھلکھلانے پر مجبور کر رہا تھا۔ حقائق کا احساس ہو جانے کے باوجود بریال کا اسے راضی کرنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا‘ لیکن بالآخر وہ مان گئی تھی اور ودان خان اسے بیاہ کر ساتھ لے گیا تھا۔ وہ جتنی خوش اطوار تھی اتنی ہی خوش اسلوبی سے کشمالا کے ساتھ رہ رہی تھی۔ بہنوں کی طرح دونوں دکھ درد بانٹا کرتیں اور جب وہ امید سے ہوئی تو کشمالا نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا لیا۔ خوش تو اسے گل مینا اور فریدون نے بھی رکھا تھا‘ لیکن ودان اور کشمالا کی سنگت نے اسے کھلتا مہکتا گلاب بنا دیا تھا جو مرجھا نہیں سکتا تھا۔ عشق اس کے دل میں فریدون کے لیے آج بھی کسی کونے میں براجمان تھا‘ لیکن سچا عشق وہ ہوتا ہے جو راہ کھوٹی نہیں کرتا‘ سہل کر دیتا ہے اور لائلومہ کی زندگی بھی سہل ہو گئی تھی۔ زندگی میں رشتوں کی درست ترتیب مسکراہٹیں بکھیرتی ہے۔ ذرا جو یہ ترتیب بگڑے تو سب

کچھ غیر متوازن ہونے لگتا ہے' مسکراہٹیں چھن جاتی ہیں۔ دونوں بیٹوں کو گود میں لیے' چہلیں کرتے ودان اور کشمالا کو دیکھتی لائکومہ کے دل میں یکایک ایک خیال گزرا۔ اس کی مسکراتی آنکھوں میں ایک پرانے درد نے انگڑائی لی اور اس نے اپنی سوچ ودان کو کہہ سنائی۔ دونوں یک دم خاموش ہو گئے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کچھ سوچا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ لائکومہ کو اس وقت ودان کی ہمراہی اور کشمالا کی محبت پر ناز ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"زندگی عیش آرام' خود غرضی اور فراغت کی نذر ہی ہوئی۔ آخری عمر میں آکے' سارے زمانے کی ٹھوکریں سہ کے بندہ اللہ اللہ کرنے بیٹھ جاتا ہے اور خود کو پارسا سمجھنے لگتا ہے۔ اسی لیے تو جوانی کی عبادت کا اتنا اجر ہے۔ میں نے بھی اپنی عمر کا سنہرا دور غفلت کی کھائیوں میں گزارا۔ اب جتنی بھی عمر باقی ہے اسے اللہ کی رضا سے گزارنا چاہتا ہوں۔ اتنے کمزور ہوئے دماغ اور ساتھ چھوڑتی یادداشت کے ساتھ میں عالم تو بن نہیں سکتا مگر مجھے اتنا دین سکھا دیں کہ اب آئندہ برس میرا ایک قدم بھی دین کے احکامات کے منافی نہ اٹھے۔"

اس نے اپنی عرض داشت مفتی صاحب کے حضور پیش کی جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور یوں اس کے غم نے اسے عشق حقیقی کے در پہ جا کھڑا کیا۔ انہوں نے فریدون کو اپنی بیٹھک میں جگہ دے دی۔ اپنی سرپرستی میں لے لیا اور یوں وہ اس خام ہیرے کو تراشنے میں لگ گئے۔

مفتی صاحب کے پاس موجود ایک چھوٹا معصوم بچہ مومن اس کا خدمت گزار تھا۔ اسے کھانا ناشتا پانی سب وہی لا کر دیتا تھا۔ ایک روز مفتی صاحب نے اسے طلب کیا اور کہا۔

"یہ بچہ مومن۔ ان بچوں میں شمار ہوتا ہے جن کے ماں باپ بچپن میں مر جاتے ہیں اور انہیں کوئی پالنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ اس بچے کی نہیں میری خوش بختی ہے کہ یہ میرے ہاتھ لگا اور اسے پال کر میں نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔ میں نے تمہاری سرپرستی کی' اب میں چاہوں گا کہ تم اس بچے کو اپنی سرپرستی میں لے لو کیونکہ اب یہ چند برس میں بالغ ہو جائے گا اور میں تین بیٹیوں کا باپ ہوں۔ میں بحیثیت مفتی کے' اللہ کے احکامات سے حرف نظر نہیں کر سکتا۔ تم با اعتماد ہو تنہا ہو۔ اب اپنی رہائش پر واپس جاؤ اور اس کی پرورش اور تربیت کرو اسے اچھا انسان بناؤ۔ اللہ کا حکم ہوا تو میں اسے اپنا داماد بنانے میں خوشی محسوس کروں گا' لیکن اس کا یہاں سے جانا ضروری ہے۔" اور یوں فریدون' مومن کو لیے اپنے ٹھکانے پر واپس آ بسا۔ مومن بے حد ذہین فطین بچہ تھا۔ ذمہ دار طبیعت کا بردبار بچہ تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ فریدون کو اس کی تربیت پر کوئی خاص محنت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مفتی صاحب نے اسے اچھی طرح تراش دیا تھا۔ وہ اسکول سے واپس آ کر اچھے بیٹوں کی طرح فریدون کے ساتھ دکان پر مدد کرواتا جو اس نے پھر سے شروع کر لی تھی۔ یوں اس کی زندگی بھی ایک ڈگر پر چل نکلی۔ اس کی سیدھی سادی چلتی زندگی میں ہلچل اس دستک نے مچائی جو سر شام اس کے گھر کے دروازے پر ہوئی۔ دروازہ کھولتے ہی اسے لگا کوئی بھاری ٹرک اسے روندتا ہوا گزر گیا ہے۔ دہلیز میں بچہ تھامے لائکومہ کھڑی تھی اور اس کے ساتھ ودان خان کھڑا اپنی حیثیت صاف واضح کر رہا تھا۔

"ہمیں اندر آنے کا نہیں کہو گے فریدون خان۔" ودان نے نرم لہجے میں کہا تو وہ ہڑبڑایا۔

"وہ۔ ہاں۔ آؤ آؤ' خوش آمدید۔" لائکومہ کی آنکھوں میں ہجر کی دھول کی بجائے ماں تا کا نور پھوٹ رہا تھا۔ فریدون نے پہلی غیر ارادی نظر کے بعد دوبارہ اس پر نظر نہیں ڈالی۔ لائکومہ کا دل احترام سے بھر گیا۔ اس نے ودان کو اشارہ کیا تو وہ بچے کو تھام کر آگے بڑھا اور اسے فریدون کی گود میں ڈال دیا۔ فریدون کو بری طرح جھٹکا لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ لالہ۔" ودان مسکرایا۔

"ہمیں اللہ نے جڑواں بیٹوں سے نوازا ہے۔ لالکومہ کی خواہش پر ہم یہ بچہ تمہیں دینے آئے ہیں۔ یہ تمہارا ہوا۔" فریدون پر لرزہ طاری ہو گیا۔

"بنا کسی ٹھوس وجہ کے بچے کو یوں ماں سے جدا کر کے کسی اور کی جھولی میں ڈال دینا۔ یہ گناہ ہے لالہ۔" لالکومہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"مجھے میری محرومیوں کا یوں احساس نہ دلاؤ۔ مجھے میرے رب نے بہت نواز دیا ہے۔" اس نے مومن کو آواز دی تو لالکومہ نے اچنبھے سے سر اٹھایا تو دس سالہ معصوم صورت مومن کو دیکھ کر لالکومہ حیرت زدہ رہ گئی' ودان بھی متعجب تھا۔ فریدون نے اسے بازو سے پکڑ کر پاس بٹھایا اور بولا۔

"میرے ایک عزیز نے اس بچے کی ذمہ داری مجھے سونپی ہے کیونکہ اس کا دنیا میں اب میرے سوا کوئی نہیں' لیکن اس بچے کے پاس تمام رشتے موجود ہیں۔ اسے لڑھکتا ہوا پتھر نہ بناؤ لالہ میں تم لوگوں کے خلوص کا مشکور ہوں۔ اسے اپنی شفقت کے سائے میں پالو۔ میں اب تنہا نہیں ہوں۔" اس نے بچے کو واپس ودان کے حوالے کیا تو اس کی آنکھوں سے اشکوں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔ فریدون کے چھوٹے سے گھر سے نکلتے ہوئے لالکومہ کے دل میں اب کوئی ملال نہ تھا۔ تین سال قبل وہ اس گھر سے تہی داماں نکلی تھی اور آج وہ مالا مال تھی۔ تین سال قبل جو دو دل اجڑ گئے تھے آج وہ اللہ کی حکمت سے جڑ کر بس گئے تھے اور وہی سب سے بڑا حکمت والا' جاننے والا' جو اس کی راہ پہ چل نکلا وہ منزل پا گیا جو اس کی رضا میں راضی ہوا وہ عشق حقیقی کو پا گیا۔ تمام رشتے اب اپنی اپنی درست ترتیب پر لگ چکے تھے۔ لالکومہ' ودان اور فریدون' تینوں کے چہروں پر سکون و اطمینان کا بسیرا اب دائمی تھا۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کررہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کے محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کرکے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہوجاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوادی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کرکے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوجاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھرسے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنادیا

گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ ــــــ کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے' اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتی ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کر دیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کرتا ہے۔ حبیبہ غصہ میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین' اماں رضیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کر دیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

سلیم کی بہن نوشین باجی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ نینا کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی مہر کو اپنے ساتھ گھر لے آئے' لیکن اس کی دادی ان لوگوں کو مہر سے ملنے سے منع کر دیتی ہیں۔

کاشف کے تعلقات رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں جو ایک ناکام اداکارہ ہے۔ وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے اور اس چکر میں کاشف سے بہت سا پیسا وصول کرتی ہے۔ رخشی کے مزید رقم مانگنے پر کاشف کا رخشی سے بھی جھگڑا ہو جاتا ہے۔ رخشی اخبار میں بیان دیتی ہے اور اس کی فوری گرفتاری کی اپیل کرتی ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر صوفیہ کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا ہے اور وہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔

شہرین کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کی بیماری سے بہت پریشان ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

پہلی قسط کا خلاصہ

"زری۔۔۔ تمہاری بات ہوئی نیہنا سے۔" امی اس کے بستر پر بیٹھی پوچھ رہی تھیں۔ وہ دونوں گھنٹہ بھر پہلے مارکیٹ سے لوٹی تھیں اور اب زری اپنے لباس اور جیولری انہیں پہن کر دکھا رہی تھی۔ زری کی انگیجمنٹ کی تقریب سادہ سے پیمانے پر ہو رہی تھی' جس میں ابا بہت ہی کم رشتہ داروں کو مدعو کر رہے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ زیادہ ہلا گلا اور خرچا شادی پر کیا جائے گا۔ اس کے باوجود زری نے مشہور ڈیزائنر کا جوڑا پسند کیا تھا' مہنگی برانڈڈ جیولری خریدی تھی۔ وہ اچھا خاصا میک اپ کر سکتی تھی لیکن اس نے شہر کے سب سے مہنگے پارلر سے اپائنٹمنٹ لی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اور ابا اس کی خوشی میں خوش تھے' لیکن دوسری جانب امی نیہنا کے لیے ازحد پریشان تھیں۔ اس کا کملایا ہوا چہرہ انہیں بے چین رکھتا تھا۔ وہ ویسی ہی تھی جیسی ہمیشہ سے تھی' دل چاہا تو کسی بات میں دلچسپی لی' دل نہیں چاہا تو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ منشا ہوئی تو مسکرا کر بات کر لی' ورنہ ہر بات کے جواب میں کاٹ کھانے کو دوڑتی نظر آئی۔ مگر وہ ماں تھیں' انہیں نظر آتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔

"نیہنا سے بات۔۔۔؟ کیا بات۔۔۔؟" زری نے کانوں میں جھمکا پہنتے ہوئے سوال کیا تھا۔ امی دل ہی دل میں زچ ہوئیں۔ زری کی بے جا فضول خرچی اور اس سے بھی بڑھ کر اس رشتے پر ضرورت سے زیادہ گرمجوشی بھی انہیں جھنجلا دیتی تھی۔ ایسی بھی کیا لاٹری نکل آئی تھی کہ وہ خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ وہ عام ماؤں کی طرح بیٹی سے توقع کرتی تھیں کہ وہ شادی بیاہ جیسے معاملات پر تہذیب یافتہ لڑکیوں کی طرح اپنے جذبات کو دل میں چھپا کر رکھے گی لیکن زری ان کے زمانے کی لڑکی نہیں تھی۔ اسے اپنی خوشی کو کھل کر منانے کی عادت تھی۔

"کوئی تو بات ہوتی ہی ہو گی تم دونوں کے درمیان۔۔۔ بہن ہے تمہاری۔۔۔ ایسے موقعوں پر تو بہنیں بہت پرجوش ہو جاتی ہیں۔۔۔ مجھے تو بہت بجھی بجھی سی لگتی ہے وہ۔۔۔" امی کے لہجے میں کھوج سی تھی کہ شاید انہیں پتا چلتا ہو لیکن نیہنا' زری سے پہلے ہی کی طرح بے تکلف ہو۔

"نہیں نہیں۔۔۔ باتیں کرتی رہتی ہے۔۔۔ مجھے کہہ رہی تھی کہ اظفر کے لیے اچھا سا گفٹ لے آنا میری طرف سے۔" زری نے انہیں جھوٹ کہا تھا۔

"مجھے تو نظر نہیں آیا کبھی کہ اس نے کسی چیز میں دلچسپی لی ہو۔۔۔ کوئی ڈھنگ کا لباس تک تو خریدا نہیں ہے ابھی تک اس نے۔" امی مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔

"اس نے پہلے بھی خریدا ہے' کچھ اپنے لیے۔۔۔ ہم لے آئیں گے نا اس کے لیے کسی بھی بوتیک سے۔۔۔ آپ جانتی تو ہیں۔۔۔ وہ شروع سے ہی موڈی ہے' پھر اس کی یونیورسٹی ہی ختم نہیں ہوتی۔۔۔ صبح کو جاتی ہے تو مغرب کے وقت گھر آتی ہے وہ۔۔۔ تھک جاتی ہے۔۔۔ پھر سو جاتی ہے نا۔۔۔" زری نے انہیں ٹالتے ہوئے کہا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اتنی خوش تھی کہ اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا نیہنا کی جانب۔۔۔ اور پھر وہ چاہتی بھی یہی تھی شادی تک نیہنا چپ ہی رہے تو اچھا ہے۔ اسے اندازہ تھا کہ نیہنا ابھی بھی اظفر کو زیادہ پسند نہیں کرتی۔ اسے اس بات کی پروا بھی نہیں تھی اور وہ چاہتی تھی شادی ہو جانے تک نیہنا سے زیادہ بحث نا ہی ہو۔

"یہ یونیورسٹی بھی جانے کب ختم ہو گی۔۔۔ بچی کملا کر رہ گئی ہے مگر پڑھائی ہے کہ ختم ہی نہیں ہو رہی۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھیں۔ زری جیولری پہن لینے کے بعد اب آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ خواہ مخواہ سینٹی ہو رہی ہیں۔۔۔ چھوڑیں پریشان ہونا۔۔۔ مجھے دیکھیں ذرا۔۔۔ کتنی پیاری لگ رہی ہوں میں۔۔۔ نظر اتار لیں میری۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ ایسا حسین مکھڑا تو سارے خاندان میں نہیں ہے کسی کا۔۔۔ دیکھیں تو سہی" وہ ان کے موڈ کو بدلنے کی خاطر شوخ لہجے میں بولی تھی۔ امی نے اسے دیکھا اور پھر دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا تھا۔ عروسی جوڑے اور جیولری میں وہ بنا میک اپ کے بھی دلہن لگنے لگی تھی۔ یہ تو سچ تھا کہ اس جیسا حسین اور طرح دار سارے خاندان میں کوئی نہیں تھا۔

"دیکھ لیا ہے بس... بتیس ہزار کا جوڑا... دس ہزار کا یہ گلوبند اور جھمکے... حسین تو لگنا ہی چاہیے تھا تمہیں... اپنے ابا کا اتنا خرچا تم نے باہر پڑی پرانی چارپائی کی آرائش پر بھی کروایا ہوتا تو وہ بھی دلہن کی طرح خوب صورت لگنے لگتی..." وہ اس کے وجود سے نظر چرا کر بیڈ سے اترتے ہوئے بولی تھیں۔ بیٹیوں کی زیادہ تعریف کی وہ قائل نا تھیں اور اس لمحے تو آنکھیں بھی بھری آئی تھیں۔ ابھی کل کی بات تھی اس بچی کو گود میں لے کر لوری دیا کرتی تھیں اسے سینے سے لگا کر ہر سرد و گرم سے بچاتی تھیں اور اب وہ ان کا آنگن چھوڑ کر جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔

وہ بھیگی ہوئی آنکھیں لے کر کمرے سے باہر آگئیں۔ ان کا دل بوجھل تھا لیکن جھنجلاہٹ بھی عروج پر تھی۔ سارا غصہ کچن میں آکر برتنوں پر نکلنے لگا تھا۔

"یا رب... یہ کیا نظام ہوا بھلا... ساری محنت کر جولاہا... ریشم لے جائیں چور" انہوں نے تاسف بھرے دل کے ساتھ سوچا تھا اور برتن مانجنے شروع کیے تھے۔

"کیسا خسارا ہے جو بابل کے حصے میں آتا ہے۔ پیدا کیا... کھلایا پلایا... پالا پوسا... بڑا کیا اور رخصت کر دیا بس جی قصہ ختم ہاتھ جھاڑے اور بیٹھ گئے... بیٹی کے ماں باپ کے حصے میں آتا ہی کیا ہے... وہ بوند پانی جو بیٹی کی یاد آتے آنکھوں سے ٹپکتے ضرور ہیں... چاہے اسے بابل کے آنگن سے رخصت کیے دس دن ہوئے یا دس سال... بیٹیاں دی تھیں تو دل بھی سخت کر دیے ہوتے" سوچتے سوچتے ان کی آنکھیں مسلسل بہنے لگی تھیں۔

جب بیٹیاں بڑی ہو جاتی ہیں تو ماؤں کے دل بہت چھوٹے ہوتے جاتے ہیں... بات بات پر بوجھل ہونے لگتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"بڑا سخت دل ہے تمہارا صوفیہ... ننھی سی جان کو وہاں چھوڑ کر عرصے سے یہاں بیٹھی ہو" حبیبہ نے طنز کو سکراہٹ کا تڑکا لگاتے ہوئے بظاہر سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ صوفیہ خاموش ہی رہی۔

"تمہیں یاد نہیں آتی اس کی" اس نے اسے خاموش پا کر ایک اور طنز کیا تھا۔ صوفیہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔" صوفیہ تڑخ کر بولی تھی۔ حبیبہ کے چہرے پر مسکراہٹ بڑھی۔

"تم بہت سخت دل عورت ہو صوفیہ... مائیں ایسی تو نہیں ہوتیں۔"

"اور یہ بات مجھے وہ عورت سمجھا رہی ہے جو خود بھی ماں بنی ہی نہیں... یہ سارا فلسفہ جو تمہارے ہونٹوں سے ابل ابل کر باہر آ رہا ہے نا... اس کا مقصد بخوبی سمجھتی ہوں میں... تم کچھ بھی کر لو، کچھ بھی کہہ لو... اب میں کاشف کو تمہارے رحم و کرم پر اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ نہیں آتی مجھے یاد اپنی بچی کی... جاؤ کر لو جو کرنا ہے" صوفیہ تڑخ کر بولی تھی۔

"او بی بی مجھ پر کیوں چلا رہی ہو۔ تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے تمہارا شوہر بھی عاجز آچکا ہے تم سے..." حبیبہ نے اطمینان سے گویا دیا سلائی جلا ڈالی تھی۔ صوفیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"حبیبہ کیڑے پڑیں گے تمہیں... تم روؤ گی ایک دن... تم عورت نہیں ہو... طوائف ہو... طوائف ہو... طوائف..." وہ غرا کر بولی تھی۔ حبیبہ نے اپنی نشست چھوڑی نا مسکرانا بند کیا، بلکہ اطمینان سے اس کی بات سنتی رہی۔ وہ خاموش ہوئی تو ذرا سا آگے کو جھک کر بولی۔

"طوائف وہ ہوتی ہے جسے پیسوں کے عوض خریدا جاتا ہے... جس کے دام دیے جاتے ہیں... اپنے شوہر سے پوچھنا کہ کبھی دھیلا بھی خرچا ہے مجھ پر... ارے میری جان... میں خرچ رہی ہوں پیسا "اس" پر... اس لیے اب

جب غصہ آئے تو مجھے نہیں کوستا بلکہ اپنی شادی کی وہ بڑی سی تصویر جو بطور خاص پاکستان سے لا کر دیوار پر ٹانگ رکھی ہے ناتم نے۔۔ اس میں اپنے پہلو میں بیٹھے شخص کی جانب منہ کر کے بولنا۔۔ تم مرد نہیں ہو۔۔ طوائف ہو طوائف۔۔ تم مرد نہیں ہو۔۔ طوائف ہو طوائف۔۔ کیونکہ حقیقت میں تو یہ بات کہہ نا سکو گی کبھی اس سے۔۔ تصویر پر ہی غصہ نکال لینا۔۔ آئی کچھ بات سمجھ میں" وہ بنا غصہ کیے کیسے سرد لہجے میں کیسی تلخ بات کہہ گئی تھی۔ صوفیہ کو لگا اس کا بلڈ پریشر یکدم ہائی ہوا ہو۔ اس کی سانس تیز تیز چلنے لگی تھی۔ اس نے حبیبہ کو کندھے سے پکڑا تھا اور تب ہی جیسے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں بالکل تاریکی تھی اور صوفیہ کی تیز چلتی ہوئی سانس کے سوا کوئی دوسری آواز نا تھی۔

وہ خواب ہی تو دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں تاریکی تھی اور بستر کی دوسری جانب خالی تھی۔ کاشف تیسرے پہر سے پہلے کبھی واپس نہیں آتا تھا۔ صوفیہ نے گہری سانس بھر کر اپنی دھڑکن کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی۔

کاشف کے اطوار اسے سخت مایوس کر چکے تھے۔ وہ پھر پرانی آزادانہ روش اپنا چکا تھا اور اب کی بار اس کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ پہلے تو بی جان کا سہارا تھا لیکن اب وہ بھی نا رہی تھیں۔ کاشف مزید منہ زور ہو گیا تھا۔

صوفیہ کو چھ مہینے ہو چلے تھے یہاں آئے اور چھ مہینوں میں وہ چھ ہزار بار اپنے آپ کو اس غلط فیصلے پر ٹوک چکی تھی۔ وہاں بھی ناخوش تھی اور یہاں آ کر بھی سخت پچھتا رہی تھی۔ ایک طرف بچی کو چھوڑ آنے کا دکھ تھا۔ چھوٹی سی بچی چھوڑ تو آئی تھی بہن کے پاس اس امید پر کہ شوہر کے پاس پہنچ کر تو سب خسارے دور ہو جائیں گے لیکن اب دل تھا کہ بچی کی یاد میں ہمکتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ یہ بات اپنے منہ سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ کاشف کے سامنے کہتی تو وہ فوراً" کہہ دیتا کہ واپس چلی جاؤ۔ وہ واپسی کا سفر بھی کس منہ کے ساتھ کرتی۔ سارے خاندان کو جتا کر آئی تھی کہ اب واپس نہیں آئے گی اور اگر آئے گی بھی تو بس مہینہ دو مہینہ قیام کی غرض سے اور پھر واپس چلی جائے گی۔ لیکن یہاں کاشف کے اطوار سب عیاں کیے دے رہے تھے۔ کاشف کے کاروبار کی برکت لوٹ آئی تھی تو ساتھ ہی اس کے سب پرانے رنگ ڈھنگ بھی پلٹ آئے تھے۔ پہلے بی جان موجود تھیں تو ایک پردہ بھی حائل تھا مگر اب وہ کھلم کھلا بہت سی برائیوں میں مبتلا تھا اور صوفیہ کو پہلے کی طرح ہی کہہ کر چپ کروا دیتا تھا کہ ہائی سوسائٹی میں موو کرنے کو یہ سب اپنانا پڑتا ہے ورنہ لوگ آپ کو کمتر تصور کرتے ہیں اور عزت نہیں کرتے۔ صوفیہ یہ سب پہلے سے جانتی تھی لیکن کاشف نے کبھی منہ سے اعتراف نہیں کیا تھا۔ لیکن اب وہ بنا کسی جھجک کے تسلیم کرنے لگا تھا کہ اس کے حلقہ احباب میں عورتیں شامل ہیں۔ صوفیہ کو سب نظر آتا تھا لیکن وہ کیا کرتی اسے کاشف سے محبت تھی اور محبت محبوب کی بہت سی خامیوں اور برائیوں پر پردہ ڈالے رکھنے کو جائز سمجھتی ہے۔۔۔ صوفیہ کڑھتی تھی، ناراض ہوتی تھی لیکن کاشف ایک بار محبت بھرے لہجے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر معافی مانگتا تھا، تاسف سے سر جھکا کر یا مسکرا کر اسے دیکھتا تھا تو صوفیہ کو اس سے زیادہ معصوم کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ حبیبہ کا اور اس کا آمنا سامنا اس عرصے میں نا ہونے کے برابر تھا۔ وہ گھر آئی تھی نا اس نے انہیں اپنے گھر انوائٹ کیا تھا اگرچہ صوفیہ اسی فلیٹ میں رہائش پذیر تھی جہاں پہلے آ کر رہی تھی لیکن اب کی بار اس نے کاشف سے کوئی سوال جواب نہیں کیے تھے۔ ویسے بھی وہ بہت جلد ناراض ہو جایا کرتا تھا اور اس کی ناراضی سے صوفیہ کا دل سہم جاتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ ایک چپ سو سکھ کے برابر ہے۔

دوسری جانب حبیبہ بھی اسی اصول پر عمل پیرا تھی۔ وہ کاشف کی بیوی نہیں تھی، لیکن محبت اسے بھی کاشف سے تھی اور محبت کی خاطر وہ اسے ٹوکتی نہیں تھی۔ اس ساری صورت حال میں سب سے زیادہ خوش کاشف تھا۔ وہ حقیقتاً "پانچوں انگلیاں گھی میں" کر کیے بیٹھا زندگی کی ہر جائز ناجائز خواہش کو پورا کرنے میں لگا تھا۔ وقت گزر رہا

تھا لیکن اسے پروا نہیں تھی کہ وہ بیٹیوں کا باپ تھا اور بیٹیاں بہت جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔۔۔

☼ ☼ ☼

دو سال پلک جھپکتے ہی گزر گئے یہ صرف کہنا آسان تھا ورنہ صوفیہ ہی جانتی تھی کہ یہ وقت اس نے کیسے گزارا ۔۔۔ دبئی شہنشاہوں کی سرزمین تھی۔۔۔ یہاں ہر چیز میسر تھی۔۔۔ وہ بھی جو حلال تھا۔۔۔ اور وہ بھی جو حرام تھا۔۔۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صوفیہ یہاں خوش باش زندگی گزارتی لیکن ایسا ہوا نہیں تھا۔

زرمین ماں باپ کی آنکھوں کا تارہ بنی محبت کے حصار میں پلتی رہی۔ کاشف نے پاکستان جانے کا پلان بنایا ہی نہیں اور صوفیہ کسی صورت اکیلے جانے پر رضامند نہ ہوئی۔ خساروں کا حساب کتاب لگانے میں ابھی کافی وقت پڑا تھا سو کسی کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ ایک جوان سے بہت دور کہیں موجود ہے۔

دبئی میں ان کی زندگی بہت پرتعیش تھی۔ کیا نہیں تھا جس کی خواہش کی جاتی اور وہ موجود نہ ہوتا۔۔۔ کہنے کو صوفیہ بہت مزے میں تھی۔ کاشف اسے ہر چیز دلانے کی کوشش کرتا تھا۔ کپڑا لتا زیور۔۔۔ کھانا پینا۔۔۔ ہر معاملے میں کاشف اس پر کھل کر درہم لٹاتا تھا۔

لیکن صوفیہ کی زندگی میں سکون نہیں تھا اور وہ شوہر کی جانب سے نہیں تھا اور یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ وہ اندر اندر ہی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ خواہش کے باوجود تیسرے بچے کی امید بھی نہ بن پائی تھی۔

یہ انہی دنوں کی بات تھی۔ کاشف رات کے آخری پہر شراب کے نشے میں دھت حبیبہ کے ساتھ کسی پارٹی سے واپس آ رہا تھا کہ اسٹیرنگ پر توازن نہ برقرار رکھ سکا اور سڑک کی دوسری لین میں گھس گیا۔۔۔ اس وقت زیادہ ٹریفک تو نہیں تھی لیکن کاشف اس قدر نشے میں تھا کہ اس کی گاڑی نے روڈ پر تین چار پولز کو ٹکر ماری اور پھر فٹ پاتھ پر چڑھ جانے کے بعد ہی توقف کیا۔

وہ اگر ہوش میں ہوتا تو شاید گاڑی سنبھال لیتا لیکن کہنے کو معمولی حادثہ بہت خطرناک ثابت ہوا۔ وہ کافی بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی تین پسلیاں ٹوٹ کر آنتوں میں گھس گئی تھیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بھی کچھ مسئلہ ہوا تھا لیکن پھر بھی ڈاکٹر پرامید تھے۔ حبیبہ بظاہر کم زخمی ہوئی لیکن اس کی چوٹیں اندرونی تھیں۔ وہ تین دن کوما میں رہنے کے بعد انتقال کر گئی۔

صوفیہ کے حلق کی ہڈی نکل تو گئی تھی لیکن بڑی ہی تکلیف کے بعد نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کھانا کھاؤ گی۔۔۔؟" امی نے پوچھا تھا۔

"نہیں۔۔۔" اس نے بنا ان کی جانب دیکھ کر جواب دیا تھا۔

"چائے پیو گی۔۔۔؟" انہوں نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔" اس کا جواب ابھی بھی نفی میں تھا۔

"کچھ تو کھا لو۔۔۔ شام اتر آئی ہے۔۔۔ بھوک نہیں لگی تمہیں۔۔۔ یا دوپہر کو کھا لیا تھا کچھ؟" امی اسی کے سامنے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔ اس نے اب کی بار سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ ان کی آنکھوں اور چہرے میں کیسی ممتا چھلکتی نظر آئی تھی۔ وہ اس کے لیے پریشان تھیں اور بس اس کا خون ایک دم پھر ابلنا شروع ہوا تھا۔

"کہہ تو دیا ہے کہ نہیں کھانا کچھ بھی۔۔۔ نہیں ہے بھوک۔۔۔ نہیں پینی چائے۔۔۔ دو منٹ سکون سے نہیں بیٹھ سکتی میں۔۔۔ کیا کیوں کیسے۔۔۔؟ بس سوال ہی سوال رہ گئے ہیں آپ کے پاس تو میرے لیے۔" وہ چڑ کر بولی تھی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر دھپ دھپ کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ امی کا منہ اتر گیا تھا۔ وہ اتنی زود رنج ہو

رہی تھیں کہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔ اس نے کمرے میں آتے ہی اپنا بیگ اٹھا کر دور پھینکا تھا اور بستر پر گر گئی۔

امی کا بجھا ہوا چہرہ آنکھوں کے سامنے نمایاں ہوا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی بھانپ چکی تھی کہ امی ٹھیک نہیں لگ رہی تھیں۔ چہرہ تھکن سے بے چین نظر آ رہا ہوتا تو صورت حال اور ہوتی اب تو وہ کچھ اداس سی لگتی تھیں اور اس سے اتنی توفیق نا ہوئی تھی کہ مسکرا کر ان کی بات کا جواب دے دیتی۔ وہ کھانے کا ہی تو پوچھ رہی تھیں۔

"کیا میں اتنی بدتمیز ہوں۔۔۔ یا پھر۔۔۔" بستر پر لیٹے لیٹے اسے سمجھ بھی نا آئی کہ اپنے لیے کیا موزوں لفظ منتخب کرے۔

محبت سے تو کوئی بھی بات کرتا تھا تو اسے غصے آنے لگتا تھا ہمدردی اسے اداکاری لگتی تھی، بالخصوص امی سے تو ہمیشہ ہی اس کی ناراضی برقرار رہتی تھی، لیکن یہ سب معاملات گھر کے اندر تک رہتے تھے۔ گھر کے باہر تو وہ عموماً "مہذب" ہی بنی رہتی تھی مگر اب یہ پردہ بھی اٹھتا جا رہا تھا۔ وہ آج جو کچھ خاور عرف پپو کے ساتھ بس اسٹاپ پر کر آئی تھی اس پر بھی شرمندگی تھی اس سے کتنی تلخ ہو گئی تھی وہ۔

"خبردار جو دوبارہ میرے راستے میں آئے تو۔۔۔ ہٹو پیچھے اب۔۔۔ علاج کرنا آتا ہے مجھے اس ہمدردی کا۔" نینا کو اپنا لہجہ یاد آیا۔

اسے خود بھی احساس تھا کہ اس نے بدتمیزی کی تھی لیکن وہ کسی غیر سے ایسے بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جانے کیسے وہ اس قدر خفا ہو گئی۔ یہ انداز تو بس اس کے بہت ہی قریبی لوگوں کے لیے مختص تھا۔ وہ اپنی امی سے اپنی بہن سے ایسے بات کیا کرتی تھی۔

"یوں بدتمیزی کی اس بے چارے کے ساتھ۔" اپنے بستر پر لیٹے اس نے سوچا تھا۔ اسے ہمیشہ سے بولنے کے بعد سوچنے کی عادت تھی، لیکن آج جو ہوا تھا وہ کچھ عجیب تھا۔ اس ایک دم ہی غصہ آگیا تھا اس قدر زیادہ کہ اسے اپنا خون کھولتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے ایسا غصہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔۔۔ وہ کچھ پریشان بھی ہو گئی تھی کہ ایسا کیوں ہوا۔۔۔

وہ یکدم ہی اپنی جگہ سے اٹھی پھر امی کے بلڈ پریشر چیک کرنے والے آلے سے چیک کیا تو بلڈ پریشر کافی ہائی تھا۔ یہ تو کبھی نا ہوا تھا پہلے اس کے ساتھ۔۔۔ وہ گھبرا سی گئی کہ جیسے اسے ہارٹ اٹیک نا ہو جائے۔۔۔ فلموں میں تو یہی دیکھا تھا کہ نوے فیصد ہارٹ اٹیکس بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے ہوتے تھے۔

وہ دوبارہ سے باہر کاؤچ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کا بلڈ پریشر پہلے تو کبھی ہائی نہیں ہوا تھا۔ یہ اس کے ساتھ کیوں ہو رہا تھا۔ وہ کچھ پریشان بھی ہوئی۔ اسی دوران امی چائے بنا کر لے آئیں اور اگرچہ اس نے اتنی بدتمیزی سے منع کیا تھا، لیکن ٹرے میں پھر بھی تین کپ تھے یعنی انہوں نے اس کے لیے بھی چائے بنالی۔ اسے شرمندگی ہوئی اس لیے اس نے بنا کوئی طعنہ دیے ان کے پکڑانے پر کپ تھام لیا تھا۔ وہ اس کے لیے کیک رسک بھی رکھ لائی تھیں جو اس نے ان کے کہے بنا ہی اٹھا لیا تھا۔

"تم کسی روز میرے ساتھ مارکیٹ کیوں نہیں چلتیں نینا۔۔۔ تمہیں اپنے لیے کچھ نہیں لینا۔۔۔ کوئی ڈریس۔۔۔ جیولری جوتے تمہیں سب کچھ لینا چاہیے لڑکی کی۔ بہن سب کی نگاہوں کا مرکز ہوتی ہے سب تمہیں دیکھیں گے۔ تمہارے کپڑے، بہت اچھے ہونے چاہئیں۔" انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔

"آپ کی مرضی ہے امی۔۔۔ جو مرضی لے آئیں۔۔۔ میں پہن لوں گی۔" وہ نا دلچسپی لیے مگر بہت فرماں برداری سے بولی تھیں۔ پہلے والی بدتمیزی کا ازالہ ایسے ہی ہو سکتا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ امی کی گود میں سر رکھ لے اور بس آنکھیں

موند کر سب بھول بھال جائے مگر ایسے چونچلوں کی عادت ہی نہیں تھی۔ امی نے کبھی گلے لگایا ہی نہیں تھا اور جب انہوں نے لگانا چاہا تھا تو اسے عادت نا رہی تھی۔۔۔ عجیب بات تھی کہ اسے اپنی ماں کے گلے لگنے میں بھی جھجک محسوس ہوتی تھی لیکن امی کے چہرے پر پھیلی پریشانی اسے ہمیشہ محسوس ہو جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا کر رہی ہو؟" سمیع نے شہرین کی پشت کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ کب سے وارڈ روب میں منہ دیے جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

"پرانے کپڑے نکال کر دیکھ رہی ہوں۔۔۔ سب تنگ ہو گئے ہیں مجھے۔۔۔ تین چار ڈریسز نکال کر پہن کر چیک کر چکی ہوں۔۔۔ ایک بھی نہیں آیا" شہرین بے چارگی سے بولی تھی۔

"جب اپنا خیال نہیں رکھو گی تو یہی ہو گا نا۔۔۔" سمیع اسے چڑاتے ہوئے بولا تھا۔ شہرین نے مڑ کر اسے دیکھا پھر ناک چڑھا کر بولی۔

"خیال رکھنا کسے کہتے ہیں۔۔۔ کیا کروں میں۔۔۔ ایکسرسائز میں نہیں کر سکتی۔ ڈائٹنگ میں نہیں کر سکتی۔۔۔ کوئی ڈائٹنگ سپلیمنٹ کی مجھے اجازت نہیں۔۔۔ ڈائٹ پلان فالو کرنا بھی میرے لیے مشکل۔۔۔ بتاؤ کیسے خیال رکھوں میں۔۔۔" اسے برا لگا تھا۔ یہ تو سچ تھا کہ اس کا وزن بڑھ رہا تھا لیکن یہ بات سرجری کے فوراً" بعد ہی انہیں بتا دی گئی تھی بعد میں کیا کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔

"اچھا ناراض تو مت ہو یار۔ نئے کپڑے بنا لو تم۔" سمیع نے تسلی دی تھی۔ وہ بھی سچ کہہ رہی تھی۔ اسے ہلکی واک اور یوگا ہی کی اجازت دی گئی تھی ڈاکٹرز کی جانب سے۔ کارڈیو وغیرہ تو وہ کر نہیں سکتی تھی۔ جس سے وزن تیزی سے کم ہونے کے امکانات تھے۔

"نئے تو بناتی ہی رہتی ہوں۔ لیکن یہ سب فارمل ویئرز تھے۔۔۔ اتنے مہنگے بنوائے تھے میں نے اور اب ان کا کیا کروں میں۔۔۔ شادی بیاہ۔۔۔ تقریبات میں پہننے والے ملبوسات ہیں یہ" اس نے ایک فینسی ایمبرائیڈڈ لباس نکال کر اپنے وجود کے ساتھ لگاتے ہوئے سمیع کو دکھایا تھا۔

"پڑے رہنے دو ایسے ہی۔۔۔ ضرورت پڑے گی تو نئے آجائیں گے۔۔۔ یہاں کون سا روز روز شادیاں منگنیاں آتی رہتی ہیں۔۔۔" سمیع لاپروائی سے بولا تھا۔

"ارے پتا تھوڑی چلتا ہے۔۔۔ اب تو دونوں طرف کے خاندان والے ملنے لگے ہیں ہم سے۔۔۔ ڈھیروں کزنز تمہارے ہیں۔۔۔ اور ڈھیروں ہی میرے۔۔۔ آخر سب ہی کی شادیاں ہوں گی۔۔۔ جانا تو پڑے گا نا۔" شہرین نے ناک چڑھا کر اسے سمجھایا تھا۔ اس کا سارا دھیان وارڈ روب اور اس میں موجود کپڑوں کی جانب تھا۔ اب اس کی صحت بھی ٹھیک ہو رہی تھی اور لاہور میں ملنا ملانا بھی دوسری طرح کا تھا۔ کراچی میں زیادہ تر دوست احباب ہی ملتے تھے' لیکن لاہور میں سسرالی خاندان والوں کا ایک جم غفیر تھا۔ اسی لیے شہرین کو فکر بھی زیادہ ہونے لگی تھی۔ اپنے بڑھتے وزن اور تیزی سے بدلتے سراپے کی وجہ سے الگ پریشانی تھی۔

"جب جانا پڑے گا تب دیکھی جائے گی یار۔۔۔ چنے منے سے کزنز ہیں سب طرف۔۔۔ ان کو بڑا ہوتے سالوں لگ جائیں گے۔۔۔ ابھی تو بند کرو اس دفتر کو۔۔۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔ شہرین ایک لباس ہاتھ میں لیے اس کے پاس آ بیٹھی۔

"جن کو آپ چنے منے کہہ رہے ہیں نا۔۔۔ کوئی بھی بیس بائیس سے کم کا نہیں ہے۔۔۔ اور لڑکیاں تو اسی عمر میں بیاہی جاتی ہیں۔۔۔ منگنی ہے میرے کزن کی۔۔۔ میں نے بتایا تھا نا مغیرہ آنٹی کا۔۔۔ ان کے بیٹے کی منگنی ہے۔۔۔ انوائٹ

کیا ہے؟ ہمیں بھی۔۔۔ یہ ساں اقبال ٹاؤن میں ہال ہے کوئی۔۔۔ وہاں ہے فنکشن۔۔۔ ہم دونوں کو بلایا ہے۔" شیرین نے تفصیل بتائی تھی۔

"اوہو تو اب سمجھ میں آیا کہ اتنی پریشان کیوں ہیں ہماری بیگم صاحبہ۔۔۔" سمیع کے چہرے پر شرارت سی چمکنے لگی تھی۔

"پریشان تو نہیں ہوں۔۔۔ لیکن اتنے عرصے بعد اس طرح خاندان کے کسی فنکشن میں جانا ہو گا تو کافی پرجوش ہوں۔۔۔ اب تم سے ملیں گے۔۔۔ ایمن کو دیکھیں گے۔۔۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے یہ سب سوچ کر۔۔۔" وہ اس کی جانب دیکھ کر بولی تھی۔

"میں تو نہیں جاؤں گا کسی منگنی وگنی پر۔۔۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ وہ اسے صرف چڑانا چاہ رہا تھا کیونکہ وہ کافی پرجوش لگ رہی تھی۔

"کیوں۔۔۔ تم کیوں نہیں جاؤ گے۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"خواہ خواہ کی شرمندگی ہو گی یار۔۔۔ تمہاری سب کزنز دیکھیں گی تو میری عقل پر ماتم کریں گی کہ اتنے ہینڈسم آدمی کو لو میرج کرنے کے لیے یہی ڈھونڈ ملی تھی۔۔۔؟" سمیع واقعی اسے صرف چڑا رہا تھا لیکن شیرین ہکا بکا ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی۔۔۔ وہ پہلے کبھی اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا۔

"سمیع۔۔۔ پہلے تو کبھی تم نے ایسے نہیں کہا تھا۔" وہ بالکل بجھ سی گئی تھی۔ سمیع مسکرایا۔

"پہلے تم ایسی تھی بھی تو نہیں۔۔۔ کہاں وہ نازک اندام سی شیرین۔۔۔ اور کہاں۔۔۔" اس نے ہنستے ہوئے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ شیرین نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی شرارتی آنکھوں کی جانب دیکھتی رہی پھر چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے سنو تو۔۔۔ ناراض ہو گئی ہو۔۔۔ ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔۔۔ سیریسلی میں مذاق ہی کر رہا تھا۔" وہ وہیں سے بیٹھے بیٹھے بول رہا تھا لیکن شیرین کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ میں نے ایسا بھی کیا کہہ ڈالا تھا۔" خاور نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اچنبھے سے سوال کیا تھا۔ نینا کے پاس اس کا نمبر تھا اور اسی نے اسے یونیورسٹی کے قریبی کیفے میں بلوایا تھا اور پھر باتوں میں اس سے معذرت بھی کر لی تھی۔

"آپ نے جو بھی کچھ کہا تھا۔۔۔ اس وقت وہ میرے اعصاب کے لیے بہت بھاری ثابت ہوا تھا۔۔۔ بس اسی لیے۔۔۔ چلیں خیر۔۔۔ جو ہوا سو ہوا۔۔۔" وہ ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولی تھی۔ یہ کیا کم تھا کہ وہ اپنے برے رویے کا ازالہ کرنے کے لیے اس طرح اس کے ساتھ کیفے ٹیریا میں آ بیٹھی تھی۔

"مگر آپ نے مجھے کل واٹس ایپ پر تو کہا تھا کہ آپ مجھے سوری کہنا چاہتی ہیں۔" اب کی بار وہ ذرا مسکرا کر بولا تھا۔

"ہاں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اتنی دیر سے میں کون سا راگ درباری سنا رہی تھی آپ کو۔۔۔" وہی چڑچڑا سا انداز جو اس کا خاصہ تھا۔ "لیکن سوری کہا تو ہے نہیں آپ نے؟" وہ شوخ ہوا تھا۔ نینا نے گھور کر اسے دیکھا۔

"دیکھیں جی۔۔۔ ویسے تو میں سوری ووری کہتی نہیں ہوں کسی سے۔۔۔ لیکن مجھے احساس ہے کہ میں نے کافی بدتمیزی کی آپ کے ساتھ۔۔۔ اس لیے کہہ رہی ہوں۔۔۔ سوری۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔ خاور نے اس کی بات کو سنا پھر بہ عجلت بولا تھا۔

"اچھا چلیں آپ مجھے بھی سوری مت کہیں۔ مجھے بھی اندازہ ہے کہ مجھے بھی آپ کو بس اسٹاپ پر مخاطب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے بہت سوچا آپ کے رویے کے بارے میں تو مجھے آپ حق بجانب لگیں۔" نمنا کو اس کی اتنی مشکل گفتگو پر ناگواری ہوئی۔

"بہر حال۔ میں نے سوری ہی کرنا تھا آپ سے۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں امید ہے آپ میری بدتمیزی کو بھلادیں گے" نمنا خشک لہجے میں بولی تھی۔

"آپ بار بار ایسے کیوں کہہ رہی ہیں۔ مت کہیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا" وہ ذرا سا شوخ لہجے میں بولا یا شاید نمنا کو ہی اس کا لہجہ شوخ محسوس ہوا۔

"دیکھیں جناب۔ ایک بات واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ میں بار بار اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں نے آپ کو اپنی بہن کی بیٹی کے حق میں بہت اچھا پایا ہے۔ بس اسی لیے عزت کرتی ہوں آپ کی۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے برے رویے کی سزا میری بھانجی کو ملے" اس نے وضاحت دی تھی۔ سامنے آکر بیٹھ تو گئی تھی لیکن لسوڑے جیسی اب یہ چپ چپ سی گفتگو اسے الجھا رہی تھی۔ اس نے تنگ کر کہا تھا۔ دوسری جانب خاور نے بھی برا منا کر اس کی جانب دیکھا۔

"آپ کا مسئلہ کیا ہے۔ کیوں آپ ہمیشہ اپنے ہی بارے میں سوچتی رہتی ہیں۔ اپنی ہی فکر میں جتلا رہتی ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو ہی اپنا نیوکلس بنا رکھا ہے۔ کیا سمجھتی ہیں آپ کہ شاید ساری دنیا آپ ہی خاطر گھوم رہی ہے۔" وہ بھی ناک چڑھا کر بولا تھا۔ نمنا کو اس کے غصے کی وجہ سمجھ نا آئی تھی۔ اس نے استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"بھلا یہ کیسے فرض کر لیا آپ نے کہ میں کسی ایرے غیرے کے برے رویے کی سزا مہر کو دوں گا۔ وہ بھتیجی ہے میری۔ میرے بھائی کی بیٹی۔ خون ہے میرا۔ اور گزشتہ کئی مہینوں سے تو وہ مجھے اتنی عزیز ہو چلی ہے کہ مجھے اپنی بیٹی ہی لگتی ہے اور آپ خواہ مخواہ میری محبت میں شیئر ہولڈر بننے آجاتی ہیں۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"آپ کی محبت میں۔۔۔؟" نمنا تڑپ کر پوچھ رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے میری اور مہر کی محبت میں۔ آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں اسے کسی کے رویے کی سزا دوں گا۔" وہ اسے گھور رہا تھا۔ نمنا نے مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"اچھا اچھا آپ خفا مت ہوں۔ وہ تو میں نے اس لیے کہہ دیا تھا کہ مہر کی فکر ہے مجھے۔"

"اونہہ۔!" خاور نے ہنکارا بھرا پھر جتا کر بولا۔

"آپ کو اس کی جتنی فکر ہے وہ تو مجھے نظر آہی رہا ہے۔ کتنا عرصہ ہو گیا خیر خیریت تو دریافت نہیں کی آپ نے۔ ورنہ یہ وہی مہر ہے جس کی محبت میں نوالہ حلق سے نا اترتا تھا آپ کے۔ اتنی فکر مند رہتی تھیں اس کے لیے۔ سوچیں ذرا وہ اگر مانوس ہو جاتی آپ کے ساتھ۔ اور آپ جب اس سے اس طرح لاتعلق ہو جاتیں جیسے اب ہیں تو کیا اثر پڑتا اس کی سائیکالوجی پر۔ بے چاری بچی تو مرجھا کر رہ جاتی۔ اور آپ فرما رہی ہیں کہ آپ اس کی خاطر سوری کہہ رہی ہیں مجھ سے۔ کیوں ذرا سی بچی کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاتی ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ ہاں شرمندگی ہوئی۔ آخر سب مہذب انسان پچھتا لیا کرتے ہیں غلطیاں کر سکتے ہیں۔ ان غلطیوں کا ازالہ بھی کر سکتے ہیں اور سوری بھی بول ہی سکتے ہیں۔ اس میں ایسا حیران کن تو کچھ بھی نہیں کہ اتنی آئیں بائیں شائیں کی جائے" وہ اسے ٹوک رہا تھا۔ نمنا چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ چھپا نا پائی۔ وہ اسے شرمندہ کرنے کی کامیاب کوشش کر چکا تھا۔

"صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔ میں واقعی مہر کو ملنے ہی نہیں آسکی۔ حالات ہی ایسے رہے گزشتہ دنوں۔ لیکن

آپ ایسے لے آئے۔ آپ تو لا ہی سکتے تھا اسے" اس نے پھر اپنا دامن بچانے کی خاطر ایک بودا سا جملہ بولا تھا۔
وہ واقعی مہر کو تو بھولی بیٹھی تھی' حالانکہ جب نوشی باجی کا انتقال ہوا تھا تو اسے خواب میں بھی مہر ہی نظر آتی تھی اور اب کتنا عرصہ ہوا تھا کبھی اس کا حال تک نا پوچھا تھا۔

"ارے یہ خوب کہی آپ نے۔ میں تو بڑا ہی مشکوک ہو چکا ہوں آپ کی نظر میں۔۔۔ آپ اگر وہی سلوک کرتیں میرے ساتھ میری بھتیجی کے سامنے جو کل بس اسٹاپ پر کیا تھا تو کیا عزت رہ جاتی میری' میری بیٹی کے سامنے۔۔۔ نہیں بھئی۔۔۔ میں یہ رسک نہیں لے سکتا" وہ صاف انکار کر رہا تھا۔ نمنا کو شرمندگی تو ہو رہی تھی ساتھ ہی زور کی ہنسی آگئی۔

"ایک بار آپ کی امی کے منہ سے سنا تھا کہ آپ چھوٹے دماغ کے ہیں۔۔۔ آپ کو باتیں دیر سے سمجھ میں آتی ہیں۔۔۔ شاید ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا بچپن میں۔۔۔ آج ان کی بات پر یقین بھی آگیا ہے" نمنا نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا لیکن اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"بڑا یاد رکھا جناب نے۔۔۔" وہ ایک بار پھر جتا رہا تھا۔ نمنا کو ہنسی تو آ رہی تھی لیکن اب کی بار اس نے فل اسٹاپ لگا لینا مناسب سمجھا۔

"اچھے انسان ہیں آپ خاور صاحب۔۔۔ اللہ خوش رکھے آپ کو۔۔۔ کبھی کبھی لے آیا کریں مہر کو ہماری طرف۔۔۔ خالہ بہت یاد کرتی ہیں اسے۔۔۔" وہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے جیسے یاد دہانی کروا رہی تھی۔ بہت دن کے بعد ایسے ہنسی تھی وہ۔

"اچھا انسان ہوں تو ایک چائے کا کپ ہی پی لیں میرے ساتھ۔۔۔ ایک سموسہ بھی کھایا جا سکتا ہے۔۔۔ آپ برا نا منائیں تو" وہ اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر بہ عجلت بولا تھا۔ نمنا نے اس کی جانب دیکھا۔ کچھ دیر سوچا پھر اپنی عادت کے برخلاف اس نے سر ہلایا تھا اور دوبارہ سے بیٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اس سے تو بہتر تھا کہ میں اس ایکسیڈنٹ میں مر ہی جاتا" کاشف چڑ کر بولا تھا۔ ڈیڑھ مہینہ گزرنے کے بعد بھی وہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوا۔۔۔ تکلیف ایسی تھی کہ کچھ کھا نہیں سکتا' ٹھیک سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹرز نے دس دن پہلے ڈسچارج تو کر دیا تھا لیکن پھر بھی احتیاط کی تاکید تھی۔ صوفیہ مکمل مشرقی بیوی کی طرح اس کی

خدمت میں دن رات جتی ہوئی تھی۔

یہ آسان مرحلہ نہیں تھا۔ شیر کی طرح دھاڑتے گھوڑے کی طرح بھاگتے تنومند شوہر کو بستر پر لاچار پڑے دیکھ دیکھ کر ہی صوفیہ کی آدھی ہمت ختم ہو چکی تھی پھر مالی مسائل بھی بے حد پیچیدہ ہوتے جاتے تھے۔ حبیبہ کے مرنے کے بعد تیسرے ہی دن اس کے قطر والے بہن بہنوئی حساب کتاب لینے آ پہنچے تھے اور یہ پاکستان نہیں تھا کہ کاشف بہت آرام سے کسی کا حق مار لیتا۔ ہر چیز باقاعدہ قانونی طریقے سے کی گئی تھی۔ دونوں پارٹنرز کے شیئرز کے حصے بخرے ہوئے تھے اور کاشف کے حصے میں بمشکل چالیس فیصد ہی آیا تھا' وہ بھی حبیبہ کے بھائی نے بے حد احسان جتا کر کہا تھا کہ وہ ترس کھا کر یہ سب دے رہا ہے۔ کاشف کے حصے میں جو بھی آیا تھا وہ بہت تیزی سے اس کے علاج پر خرچ ہو رہا تھا۔ زرمین ایک کنڈر گارٹن میں جا رہی تھی اور اس کی پوری ٹرم کی فیس جمع تھی لیکن پک اینڈ ڈراپ کی سہولت نہ ہونے کے باعث وہ بھی ہمہ وقت گھر پر ہوتی تھی۔

"ہم پاکستان چلے جاتے ہیں کاشف۔ بچے کھچے سرمائے سے وہاں کوئی چھوٹا موٹا بزنس کر لیجیے گا آپ۔ اللہ کا کرم ہے کہ اپنا گھر ہے وہاں۔ ورنہ یہاں تو کرائے اور دوائیاں ہی کھائے چلے جا رہے ہیں ہمیں" اس دن اس نے بہت امید سے کاشف کے سامنے تجویز پیش کی۔

"دماغ خراب ہے تمہارا۔ وہاں کہاں علاج کرواؤں گا میں۔ ایک بھی ڈھنگ کا ہاسپٹل نہیں ہے پورے لاہور میں" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"لیکن یہاں کے ہاسپٹل مہنگے بھی تو بہت ہیں۔ اتنا پیسا دوائیوں کی مد میں خرچ ہو رہا ہے" وہ دھیمے سے لہجے میں بولی۔ کاشف کی بیماری نے بے حد غصیلا بنا دیا تھا۔ صوفیہ کافی ڈر جاتی تھی اسے بر ہم دیکھ کر کیونکہ پھر وہ دوائیاں نہیں کھاتا تھا اور تھراپی کے لیے بھی نہیں جاتا تھا۔

"صوفیہ۔ تمہیں صرف پیسوں کی فکر ہے۔ میری نہیں۔ کیا ہو گیا اگر پیسا خرچ ہو گیا ہو۔ میرا ہی پیسا ہے۔ تم کون سا جہیز میں لے آئی تھیں جو اس قدر پریشان ہو رہی ہو" وہ سخت براماں کر بولا۔ صوفیہ زچ سی ہوئی۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔ میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا کیا کروں۔ عورت ہوں نا۔ پریشان ہو جاتی ہوں۔ وہ دو بیٹیوں کی ماں ہوں۔ ایک یہ بیٹی ہے دوسری پاکستان میں ہے کل کو ان کو بیاہنا بھی تو ہے" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کاشف نے ترخ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"کیوں تمہارے بہن بہنوئی نہیں بیاہیں گے اسے پال رہے ہیں تو پیسا بھی لگائیں وہی۔ انہیں بھی تو پتا چلے کہ نیکی کتنے کسے ہیں۔ زبانی کلامی مہاتما بنے بیٹھے ہیں"

"وہ کیوں بیاہیں گے۔ ہم ہی بیاہیں گے اولاد ہماری ہے تو" صوفیہ کی بات ایک بار پھر کاٹ دی گئی۔

"پتا نہیں وہ میری اولاد ہے بھی کہ نہیں۔ جب سے وہ ہماری زندگی میں آئی ہے۔ سارے بنتے کام بگڑ کر رہ گئے ہیں۔ عجیب نحوست اتری ہے ہمارے گھر تو اس دوسری اولاد کے بعد۔ سنا تو یہی تھا کہ بیٹیاں بڑی رحمت والی ثابت ہوتی ہیں ماں باپ کے لیے۔ یہ کیسی رحمت اتری ہے تمہارے یہاں۔ اللہ جانے تم کون سے گناہوں میں پڑی رہی تھیں جو یہ سب ہو رہا ہے" وہ اس قدر سفاک لہجے میں بولا تھا کہ صوفیہ پتھر کی ہو گئی تھی۔

☆ ☆

باقی آئندہ

مکمل ناول
بنت سحر
سانول موڑ مہاراں

"میں تو عبدل کے وجود کے ساتھ اس کا سایہ بڑی مشکل سے برداشت کرتی تھی تو اس شہری کڑی کو کیسے برداشت کرلیا حیرت ہے۔" ٹاہلی کے زرد پتے جھاڑو سے پرے دھکیلتی وہ یہ سوال خود سے کررہی تھی یا پھر چاچی سے۔۔۔ نہ تو یہ بات وہ خود سمجھی تھی اور نہ ہی چاچی کی سمجھ میں یہ بات آئی تھی۔۔۔ یکائن پر پنجرے میں لٹکتے طوطے نے صدا لگائی تھی۔

"عبدل۔۔۔ عبدل۔۔۔" سارے آنگن میں یہ آواز کسی مدفون خوشبو کے جھونکے کی مانند پھیلی تھی۔۔۔ سانس۔۔۔ راگ۔۔۔

"ائے ہے۔۔۔ اس مردود کو چپ کرواؤ۔۔۔ قرآن پڑھ رہی ہوں توجہ ہٹ رہی ہے۔" چاچی نے دہائی دی تھی۔۔۔ وہ جھاڑو پٹختی طوطے میاں تک گئی اور اسے زور کی "چپت" لگا آئی تھی۔ خاموشی ٹھہر گئی۔ ٹاہلی کے پتے گرنے لگے تھے۔ وہ جھنجلاتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ "پہلے انسان توجہ منتشر کرتے تھے اب پرندے بھی یہ شوق فرمانے لگے۔ واہ مولا تیرے رنگ۔۔۔" سارے پتے سمیٹ کر پھینک آئی تھی۔ نظریں نکلتے سورج پر تھیں۔ آسمان سنہری ہو رہا تھا۔

"خود چلا گیا مگر یادیں یہی چھوڑ گیا۔۔۔ جانتی ہوں سارے مجھے جلانے کے بہانے ہیں۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" خیال جھٹکا گیا۔ چاچی قرآن پڑھ کر دعا سے فارغ ہو کر وہیں آن بیٹھی تھیں۔

"خزاں کے موسم میں تو یونہی گند پھیلتا ہے۔" بغور اسے دیکھا گیا۔ موڈ کا جائزہ لینا مقصود تھا۔

"بہلا رہی ہیں مجھے۔۔۔؟" آگے پکی سیانی بیٹھی تھی۔ جھٹ بوجھ گئی۔ وہ پھر شرمندہ نہ ہوئی تھیں۔

"میں کیوں بہلانے لگی۔۔۔" صاف مکر گئیں۔

"بیٹا جو آپ کا ہے۔۔۔" کیسا انداز تھا۔۔۔ کیسا جواب تھا۔۔۔ وہ لاجواب کرنے کی سوچنے لگیں۔

"سارے قصور اس کی طرف نکلتے ہیں۔۔۔ میرے کھاتے میں رتی برابر کھوٹ نہ پائیں گی۔" ٹھنک کر کہا گیا۔

"جتا رہی ہو۔۔۔؟" سوالیہ نظر اٹھی تھی۔

"سمجھا رہی ہوں۔۔۔" جوابی نظر سامنے تھی۔

"ہونہہ خود کو سمجھا لیا۔۔۔؟" سوال نیزے کی انی کی طرح کلثوم کے سینے میں کھبا تھا۔ برداشت کر گئی۔

"پچھلے ہفتے کی شام کو جب اس کا خط آیا تھا تب ہی سمجھا لیا تھا۔" ایسا لاپروا انداز میں جواب۔۔۔ چاچی نے باریک بینی سے سنار بن کر جانچا جیسے سنار خام سونے کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔

"ہیں۔۔۔ تو پھر کل رات چوری چوری سیڑھیوں پر کس کا سوگ منایا جا رہا تھا۔۔۔؟" انداز سرسری ہوتے ہیں مگر سوال سرسری نہیں ہوتے۔۔۔ یہ بھی نہ تھا۔ شہتوت کے پتوں کی اوٹ سے خاکستری چڑیاں "لگی چھپی" کھیل رہی تھیں۔ اور چاچی، بھتیجی بھی یہی کر رہی تھیں۔

"ماں کی یاد آ گئی تھی۔" کلثوم نے کلائی میں سونا کنگن گھما دیا۔۔۔ کھن۔۔۔ کھن۔۔۔ طوطے میاں نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر برا منہ بنا کے چپ بیٹھا رہا۔۔۔ بے چارہ پانچ منٹ سات سیکنڈ پہلے کی "چپت" نہیں بھولا تھا۔ وہ اس کا کنگن والا ہاتھ تھام کر بولی تھیں۔

"میں نے کہا تمہیں ماں بن کر نہیں پالا جو تجھے ان کی یاد آئی۔۔۔ میں نے فرق نہ رکھا مگر تو "فرق" کر گئی کلثوم۔۔۔" وہ پھپک پھپک کر رو دی تھیں۔ کلثوم نے دہل کر انہیں دیکھا تھا۔

"چپ کر جائیں چاچی۔۔۔ اللہ کے واسطے۔۔۔" ہاتھ جوڑے۔۔۔ منت کی۔۔۔ مگر ہاتھ جھٹک دیے اور منتیں بے اثر۔۔۔

"چاچی۔۔۔ دل اجڑنے پر اصلی مائیں ہی یاد آتی ہیں۔۔۔ رہی بات فرق کی تو آئندہ یہ بات آپ کے منہ سے نہ نکلے۔" دونوں ایک دوسرے کے آنسو پونچھنے لگی تھیں۔ ہر بار ایسا ہوتا تھا۔ اب بھی ہوا تھا۔ بات بدل گئی۔

"کم بخت۔۔۔ رحمو نے ٹیوب ویل کا انجن نہیں بدلا سارے گاؤں میں صور اسرافیل کا سماں چلا۔۔۔" وہ سخت عاجز آئی ہوئی تھیں۔ انہیں شور شرابے سے بڑی چڑ تھی۔

"جا کلثوم لسی لے آ۔۔۔ کچھ تو کلیجہ ٹھنڈا ہو۔"
وہ مجبوراً دلا چھا تجمل رہی تھیں۔۔۔ وہ برآمدے میں رکھے فریج سے لسی کا جگ اٹھا لائی اور برف بھی کوٹ کر ڈال دی تھی۔۔۔ ہلکی ہوا سے سفیدے کے لانبے پتے بجنے لگے تھے۔ سیٹی سے۔۔۔
"یہ شازلی نہیں آئی کافی دن سے۔۔۔" چاچی نے فٹافٹ لسی کا گلاس چڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔
"ہاں۔۔۔ اپنے مامے کے پنڈ گئی ہوئی ہے۔۔۔ کل آئے گی۔" جوتے سے مٹی کریدتی وہ بتا رہی تھی۔ آم کی موٹی شاخ سے بندھا خالی جھولا ہل رہا تھا۔ یہ بھی چاچی نے اس کے لیے باندھا تھا۔ اس وقت اسے بڑی ہنسی آئی تھی۔
"اچھا۔۔۔ میں صغراں کے گھر سے ہو آؤں۔۔۔ بیمار رہی اتنے دن ورنہ اس کے طعنے سہنے کی سکت نہیں مجھ میں۔۔۔ تم گھر کا خیال رکھنا' میں دو گھڑی لگا کر آئی۔۔۔"
وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کشمیری سیب سی رنگت دہک رہی تھی۔
"دو گھڑی صرف۔۔۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا تھا اور یہ وہ اکثر کرتی رہتی تھی۔
"ایں۔۔۔ میری باتاں نہ پکڑ لیا کر۔۔۔" جھلاتی ہوئی بیرونی دروازے کی طرف لپکی تھیں۔
"اور سنیں۔۔۔"
"آئے ہائے وہی پیچھے سے پکارنے کی پرانی عادت۔۔۔"
وہ جل سی گئی تھیں۔
"اب کیا ہے۔۔۔؟" رنگت دھوپ میں تپ رہی تھی۔۔۔ پسینہ صاف کیا تھا۔
"جلدی آئیے گا۔۔۔ ہانڈی بنا دوں گی۔۔۔ روٹی پکانے کی باری آج آپ کی ہے۔" تفصیلات کسی غیر ملکی نیوز کاسٹر کی طرح بیان کی گئیں۔۔۔ چاچی نے سارے جہاں کی مسکینیت چہرے پر طاری کر لی تھی۔
"فرق کی بات نہ کیا کر پھر۔۔۔ ماں تو' تو بھی نہیں سمجھتی مجھے۔۔۔ گلاں کروا لو بس۔۔۔"
"میں فرق کرتی ہوں۔۔۔؟" وہ اٹھی۔۔۔ سینے پر شہادت کی انگلی رکھی اور حتی المقدور صدماتی آواز نکالی تھی۔
"کہیں جا رہی ہوتی ہوں تو رکاوٹ نہ ڈالا کر۔۔۔ دروازہ بند کر لے۔" روانگی کو قدم تیار تھے۔ وہ پیچھے سے دروازہ بند کرنے کو آگے بڑھی تھی۔ دروازے میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ وہ چادر ٹھیک کرتی گلی میں جا رہی تھیں۔۔۔ جب پیچھے سے آواز آئی تھی۔
"اماں۔۔۔" پلٹیں۔ ٹھٹک گئیں۔۔۔ آنکھیں برسنے کو تیار۔۔۔ بڑی مشکل سے ڈپٹا اور کلثوم کو اشارہ کر کے کہا تھا۔
"جھلی نہ ہو تو۔۔۔ چل ویڑھے لگ جا۔۔۔" وہ دروازہ بند کرتی اندر آ گئی تھی۔ ٹیوب ویل کی آواز ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔۔۔ گھر۔۔۔ گھر۔۔۔ گھر ہوا چلتی تو جیسے ہوا میں کھٹے لیموں کے سفید پھولوں کی باس تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا تھا۔ "دونوں" کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر طوطے میاں کا راگ شروع ہوا تھا۔
"عبدل۔۔۔ عبدل۔۔۔" وہ بکائن کے پاس آئی۔۔۔ پنجرے کو اوپر سے باہیں تھما دیا۔
"آج تمہارا کھانا پینا بند۔۔۔" فریادی نے دہائی دی تھی۔
"ٹیں۔۔۔ ٹیں۔۔۔ ٹیں۔۔۔" اور وہ زمانے بھر کی بے نیازی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔۔ برآمدے کے ستونوں کے پار سے نارنجی سورج ابھر کر آیا تھا۔ سلوٹ زدہ دھوپ انگڑائیاں لیتی آنگن میں براجمان ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

السلام علیکم۔۔۔!
جانتا ہوں جواب میں تم سلامتی نہیں بھیجو گی۔۔۔ چلو اتنا تو تمہارا بھی حق ہے۔۔۔ خیر اتنی بھی حقوق کی باتیں نہیں کرتا۔۔۔ جانتا ہوں تم سے ہار جاؤں گا۔۔۔ بس فی الحال بتانا یہ مقصود ہے کہ تم اور اماں جن افواہوں کو سن رہی ہو وہ سچ ہیں۔۔۔ جانتا ہوں تمہیں بہت تکلیف ہو رہی ہو گی' مگر کلثوم میں مجبور ہو گیا تھا دل کے ہاتھوں۔۔۔ جان تو دل مر جائے تب بھی نکل

جاتی ہے نا۔۔۔ تو میں کیسے دل مار دیتا۔۔۔ ماریہ میرے ساتھ ہی یونی میں پڑھتی ہے۔۔۔ بہت خوب صورت ہے یا پھر شاید مجھے ہی خوب صورت لگتی ہے۔۔۔ محبت ہوتی ہی ایسی ہے اور جلد تم اور اماں جب شہر آؤ گی تو خود دیکھ لینا۔۔۔ آخر رشتے کی بات کرنے تم نے اور اماں نے ہی جانا ہے۔۔۔ اور چلو آسانی ہوئی کہ "منگیتر" کا ٹھپا ہم دونوں کے وجود سے ہٹ گیا اور بھئی ہم دونوں کون سا ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ ہماری لڑائیوں سے تو زمانہ واقف ہے نا۔۔۔ خیر۔۔۔ مجھے تم سے ایک فیور چاہیے پلیز جب میں ایک ماہ بعد آؤں تو اس وقت تک تم اماں کو مناسب لفظوں میں یہ سب بتا دینا اور میں اچھی طرح جانتا ہوں اماں تمہاری بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔۔۔

اپنا خیال رکھنا اور اماں کا بھی۔۔۔!

خدا حافظ

کلثوم نے پتھرائی ہوئی نظروں سے اترتی شام کو دیکھا تھا اور شاید یہ اداس "شام" تو اس کے اپنے وجود میں بھی اتر آئی تھی۔۔۔ کتنے اشتیاق اور کتنی چاہ سے اس نے ناکافی روشنی میں آنکھیں جوڑ جوڑ کر وہ خط پڑھا تھا۔

وہ لفظ۔۔۔ آہ۔۔۔ "ہم دونوں کون سا ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔۔۔؟" لفظ جیسے زہر بن گئے تھے نیل و نیل کر دینے والے۔۔۔ وہ بڑبڑائی تھی۔۔۔

"ہاں۔۔۔ تم کون سا محبت کرتے تھے۔۔۔" ستون سے ٹیک لگالی۔۔۔ شام کی بیرن ہوا نے خاکی لفافہ دیکھا اور اس کو جا لیا۔۔۔ وہ بیٹھی رہی۔

"محبت تو میں نے کی تھی۔۔۔ کلثوم بنت خادم نے۔۔۔ اور مجھے تو آج خبر ہوئی۔۔۔ علم ہوا۔۔۔ کب کیسے مجھے عبدل سے محبت ہو گئی اور محبت تو نشانیاں بھی نہیں رکھتی۔۔۔ سارے اندازے غلط۔۔۔" آدھا گھنٹا بیٹھی رہی۔۔۔ سوچتی رہی۔۔۔ ہاتھوں کی لکیروں کو گھورتی رہی اور آنکھوں میں بادل اترے۔۔۔ بارش ہوئی تھی ٹپ۔۔۔ ٹپ۔۔۔ ٹپ۔۔۔

"چلو۔۔۔ منگیتر کا ٹھپا تو اترا۔۔۔ بڑا بوجھ تھا اس تعلق کا۔۔۔" وہ مسکرانے کی کوشش کرتی رہی۔۔۔ کوئی چوتھی کوشش کامیاب ہوئی تھی۔۔۔ پھیکی۔۔۔ کھوکھلی مسکراہٹ۔۔۔ اداس شام کی چوکھٹ پر اداس مسکراہٹ مردہ پڑی ہے۔

☆ ☆ ☆

"یو آر ویری اسپیشل!" (تم بہت خاص ہو) یہ جملہ ماریہ افتخار نے بریسلیٹ گھماتے ہوئے اس کی طرف قدرے جھک کر کہا تھا۔ وہ یہ کئی بار کہہ چکی تھی اور شاید یہ اس کا فیورٹ (پسندیدہ) جملہ تھا۔ وہ مسکرایا تھا۔

"مائی پلیژر" (میری خوش قسمتی ہے) وہ سارے کیفے ٹیریا میں جمع تھے اور انہیں عبدل اپنی پوزیشن آنے کی ٹریٹ دے رہا تھا۔ زین نے عبدل کو دیکھا تھا۔

"میں تو چکن جل فریزی ہی لوں گا۔"

"ضرور۔۔۔" وہ جواباً بولا تھا۔ تراشیدہ مونچھیں۔۔۔ روشن پیشانی۔۔۔ واقعی وہ مقابل کو ٹھٹکا دینے والا مرد تھا۔ ویٹر کو آرڈر لکھوا دیا گیا تھا اور وہ سب اب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بیک گراؤنڈ میں ہلکا ہلکا میوزک بج رہا تھا۔ ماریہ نزاکت سے اورنج جوس کے سپ لے رہی تھی۔

"تمہارا آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے۔۔۔؟" یہ سوال ماریہ نے کیا تھا۔

"آئی تھنک میں اچھی سی جاب ہی کروں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ زین کی زبان میں کھلی ہوئی تھی۔

"اور شادی۔۔۔! آئی مین ذرا اپنے آئیڈیل سے تو تعارف کرواؤ۔" سوال کافی اہم تھا اور جواب اہم ترین۔۔۔ عبدل نے گہری نظر ماریہ پر ڈالی تھی جو نزاکت سے گلاس کو ٹشو پیپر سے صاف کر رہی تھی۔

"پر اعتماد۔۔۔ بولڈ اور خوش شکل" وہ مسکرایا تھا۔۔۔ چمچ ٹکرانے کی آوازیں۔۔۔ اسٹوڈنٹ میٹنگز۔

"چراغ لے کر ڈھونڈو گے۔۔۔؟"

”نہیں۔۔۔ زمین پر ہی مل جائے گی۔“ وہ بڑا اعتماد تھا۔۔۔ جیسے وہ واقعی یہ کر لے گا۔ شہریار نے بڑ فخر کی بائٹ لے کر کہا۔

”چھوڑو۔۔۔ یہ شیخ چلی کے قصے۔۔۔ یہ بتاؤ سر انصاری کی اسائنمنٹ مکمل کی ہے؟“ شہریار کو دوسروں کے موڈ بگاڑنے اور اپنی چھوڑنے میں ملکہ حاصل تھا۔ اور وہ اکثر یہی کرتا رہتا تھا۔ زین کو غصہ آیا تھا۔

”تم تو ہو ہی کنویں کے مینڈک۔۔۔ بس فائلز' اسائنمنٹ' ورک' سے نکلتے ہی نہیں اور دنیا جہان کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔“ شہریار کو بھی تپ چڑھی۔

”اور یہ دنیا جہان کی باتیں تم لوگ کینٹین کے علاوہ کلاس رومز میں بھی کرتے رہتے ہو۔۔۔ سوائے مستقبل کا سوچو۔“ ان کی بحث طول پکڑنے لگی تھی۔۔۔ ماریہ نے گلاس میز پر پٹخ دیا تھا۔

”آؤ عبدل۔۔۔ ہم باہر چلتے ہیں۔“ وہ دونوں باہر آگئے تھے۔ بڑے بڑے لان میں اسٹوڈنٹس کی قطاریں جمع تھیں۔۔۔ بحث۔۔۔ سیاسی ایشوز۔۔۔ ٹارگٹ کلنگ۔۔۔ ماریہ نے ہینڈ بیگ کو جھلاتے ہوئے اپنی مسکارہ لگی پلکوں سے اسے دیکھا تھا۔ ”تو تمہیں اپنا آئیڈیل مل گیا۔۔۔؟“

”یس آئی گوٹ اٹ“ (ہاں مجھے مل گیا ہے۔) وہ دلکش انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ دونوں درختوں کی قطاروں کے نیچے رکھے بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔

”کون ہے وہ۔۔۔؟“ وہ سوال کر رہی تھی۔ اس کے بوب کٹ بال اڑ رہے تھے۔

”جلد تمہیں ملواؤں گا۔“

”او کے۔۔۔ مجھے ویٹ (انتظار) رہے گا۔“ وہ بھی جواباً“ مسکرائی تھی۔ سنہری دھوپ روش پر گر رہی تھی۔۔۔ تب ہی عبدل کے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی۔ کلثوم کا ٹیکسٹ تھا وہ ماریہ کو محتاط سا دیکھتا میسج اوپن کرنے لگا تھا۔ وہ اکثر ٹیکسٹ کرتی رہتی تھی۔

”تم شرمندہ ہو۔۔۔؟“ ٹیکسٹ اوپن ہوا تھا۔

”نہیں تو۔۔۔“ عبدل نے ٹائپ کیا تھا۔

”مجھے لگا شاید ہو دو ہفتے تو گزر گئے تم آئے ہی نہیں۔“ کیسا جواب تھا۔

”اماں ناراض تو نہیں۔۔۔؟“ سوال کیا۔

”میں نے منالیا تھا۔۔۔ مان گئیں۔“ عبدل خوش ہوا تھا۔۔۔ ماریہ نے بغور اس کا چمکتا چہرہ دیکھا تھا۔

”تم نے کیا کہا تھا۔۔۔؟“

”میں نے کہا پردیسی پرندہ ہے۔۔۔ اڑ ہی جانا تھا۔۔۔ میں کون سا اس سے محبت کرتی ہوں۔“ ادھر وہ آنسو بڑی مشکل سے روک پائی تھی۔

”تمہیں شکریہ کہوں۔۔۔؟“

”کوئی ضرورت نہیں۔۔۔“ بات ختم۔۔۔ وہ ماریہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سنہری دھوپ میں نہائے وہ دونوں سونے کے مجسمے لگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

کلثوم کی اماں تو کینسر جیسے موذی مرض کی وجہ سے چل بسیں۔۔۔ اور رہ گئے ابا تو وہ بھی ان کے بعد جیسے ٹوٹ کر رہ گئے تھے بمشکل۔۔۔ تین سال اور جی پائے تھے۔ تب ہی سے کلثوم چاچی کے پاس رہنے لگی تھی اور یہ بات ننانوے فیصد سچ تھی کہ چاچی نے اسے کبھی بھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔ چاچی کا ایک ہی اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔ عبدل۔۔۔ عبدل اور کلثوم کی ہونے والی ہر لڑائی میں چاچی کلثوم کا ساتھ دیتی تھیں اور طرف داری کرتیں۔۔۔ وہ غصے ہوتا تھا۔۔۔ نتھنے پھولنے پچکنے لگ جاتے تھے اور تپے تپے لہجے میں سوال و جواب کرتا تھا۔

”تیرا سگا بیٹا میں ہوں یا وہ کلثوم تیری سگی اولاد ہے۔۔۔“ ان پر چڑھ دوڑتا۔۔۔ اور وہ مسکرائے جاتیں۔

”تیری پاس تیری ماں ہے اور وہ تو اکیلی ہے۔۔۔“ وہ بحث کرتا تو وہ نرمی اور لجاجت سے اسے سمجھا دیتی تھیں۔ خیر۔۔۔ ایک بات تو طے تھی وہ دونوں جگ سے نرالے تھے۔ ایسی ایسی باتوں پر لڑائی جھگڑے کرتے تھے جن پر گزری صدیوں میں کسی نے تیوری بھی نہ چڑھائی ہوگی۔۔۔ چولہے پر کھڑے وہ چاچی کا دل دہلائے

رکھتے تھے۔

"اماں کے ساتھ پیڑھی پر میں بیٹھوں گا۔" تیز لہجہ عبدل کا ہوتا تھا۔

"نہیں... چاچی کے ساتھ میں بیٹھوں گی۔" منمناتی ہوئی آواز کلثوم کی ہوتی تھی۔ جب وہ دونوں کی بحث سے سخت قسم کی عاجز ہوتی تھیں تو توے کی طرف اشارہ کرتیں۔

"آؤ... اس پر بیٹھ جاؤ تم دونوں۔" کلثوم ہکا بکا۔

"چاچی... اس پر..." وہ حیرت کی پوٹلی بن جاتی تھی۔ اور عبدل اماں کو بے یقین نظروں سے دیکھتا تھا۔

"اماں... توں تاں جھلی ایں۔" (اماں... تم تو پاگل ہو۔) پھر دونوں ایک ساتھ چلاتے تھے۔

"ہم نے نئیں بیٹھنا توے پر... سڑ جائیں گے۔"

وہ ہنسی چھپاتی ہوئی پھونکنی سے پھونکیں مارتی بجھتی آگ کو جلاتی تھیں۔ اور وہ دونوں بر آمدے کے جنوبی طرف بنی سیڑھیوں پر اپنی باتوں میں لگ جاتے تھے...

سیڑھیوں کے اوپر ٹین کی چادر سے ڈھکا زرد بلب جل رہا تھا۔ ملگجی زرد سی روشنی سیڑھیوں پر قطرہ قطرہ گرتی تھی۔ وہ دونوں تارے گنتے رہتے... چاچی دودھ کاڑھ رہی ہوتی تھیں۔

"وہ بڑا سا روشن تارہ دیکھ رہے ہو...؟" بڑا اور روشن تارہ ہمیشہ کلثوم کو ہی نظر آتا تھا۔

"کون سا...؟" وہ جھنجلا کر پوچھتا تو وہ اس کی انگلی پکڑتی اور تارے کی "سیدھ" دکھاتی تھی۔

"اچھا... وہ... ہاں دیکھ لیا۔"

"پتا ہے وہ کون ہے...؟" تجسس بھرا انداز... زرد روشنی انار کے پھولوں پر پڑتی تھی۔

"کون ہے... ارے تارہ ہے۔" وہ حیران ہو کر اس کی شوق سے لبریز آنکھوں کو دیکھتا تھا۔

"وہ میری اماں ہیں۔" بڑا اداس اور رقت آمیز سا لہجہ تھا... آنکھیں جل تھل کو تیار...

"ایں... کس نے کہا...؟" عبدل نے مسکراہٹ دبائی تھی... کالے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

"چاچی کہتی ہیں۔" کلثوم کی بات پر وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنستا گیا... یہاں تک کہ آنکھیں پانی سے بھر گئیں وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اماں کی طرف آیا تھا... جو، اب انگارے، بجھا رہی تھیں۔

"اماں... نے جھوٹ کہا تم سے۔" وہ رونی صورت بنائے اس کے ساتھ کھڑی تھی... وہ اماں سے مخاطب ہوا تھا۔

"اماں... وہ تارہ دیکھ رہی ہیں، جو سب سے کم روشن ہے۔" انہوں نے ہاتھ کا چھجا بنا کر تاروں بھرے آسمان کو دیکھا تھا... تارے ہی تارے... اور جانے عبدل کون سا تارہ دکھا رہا تھا۔

"ہاں... دیکھ لیا..." آنکھیں دکھنے لگیں تو انہوں نے بہلاوے کی خاطر کہہ دیا تھا۔

"پتا ہے... وہ کون ہے...؟" پوچھا گیا... نظریں ہنوز اسی تارے پر تھیں۔

"کون ہے...؟" وہ حیران ہوتی پانی پینا چھوڑ کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

"وہ ابا ہیں..." مسکراتے ہوئے بتفاخر سے یہ نئی دریافت اماں کے حضور پیش کر دی گئی تھی۔

"ایں..." وہ ضبط کی تفسیر بن گئیں... آخر تپ کر چمٹا اٹھایا تھا۔

"ادھر آ... ٹانگیں توڑوں تمہاری۔" وہ بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا... قہقہہ لگایا تھا۔

"جب چاچی آسمان پر چمک سکتی ہیں تو ابا کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اندر بھاگ گیا تھا... اور وہ وہیں کھڑی تھی... گم سم سی... ساکت... ٹپ سے آنسو گرا تھا۔

"آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا نا..." وہ دھک سے رہ گئیں۔ ٹوٹا لہجہ... لرزتی آواز...

"نہیں کلثوم... وہ میں..." وہ بچی تھی... نفی میں سر ہلاتی ہوئی کھیس تان کر سو گئی تھی اور اس بات پر وہ پورا ہفتہ ان سے ناراض رہی تھی۔ پہلے ان کی طرف منہ کر کے سوتی تھی اور اب وہ کروٹ بدل لیتی تھی۔

جب پرانے چھپر میں بلی نے بچے دیے تو وہ بہل گئی تھی۔ تب اس کا سکوت ٹوٹا تھا۔ جب وہ زیادہ خوش یا

اداس ہوتی تھی تو انہیں "اماں" کہہ کر بلاتی تھی۔ چاچی نے اماں تک کا سفر بڑی مشکل سے کیا تھا۔ وہ اس کی ہر ہر رمز سے واقف تھیں۔ ایک بات تو جیسے آفاقی سچائی بن گئی تھی کہ انہوں نے کلثوم کو ہمیشہ عبدل پر فوقیت دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آج میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" یہ دھمکی آمیز لہجہ کلثوم کا تھا۔ جو اپنی کتابیں پتھر پر رکھ کر پسینہ پونچھ رہی تھی۔ وہ دونوں گھنے پیپل کے نیچے دم لینے کو رکی تھیں۔ سورج جیسے آگ اگل رہا تھا۔ سارے کھیتوں پر پیلی دھوپ سونے کی مانند بکھری ہوئی تھی۔ پگڈنڈیاں مردہ سی اپنی جگہ لیٹی ہوئی تھیں۔ چڑیاں نڈھال سی ادھر ادھر اڑی پھرتی تھیں۔ وہ اور شازلی اسکول سے آرہی تھیں۔ لو کے تھپیڑوں نے خون سا نچوڑ کے رکھ دیا تھا۔

"میڈم ریحانہ نے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ جو میں آتی صدیوں تک یاد رکھوں گی۔ سارا قصور عبدل کا ہے۔ میں تو گھر سے مشروم کی ڈائیگرامز کی بکس ہی بنا کر گئی تھی، مگر جب میم نے چیک کیں تو مشروم حشرات کا لبادہ اوڑھے پڑے تھے۔ سب عبدل کا کیا دھرا ہے۔ آج میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔" وہ سخت سے بھی سخت ترین غصے میں تھی۔ شازلی اپنا بستہ تھامے بیٹھی تھی جس کی زپ پھر سے خراب ہو چکی تھی اور یہ ہفتے میں چار بار تو ضرور ہی ہوتا تھا۔

"اپنے ساتھ ظلم کرو گی۔" شازلی صاحبہ نے کمال اطمینان سے اسے گوش گزار کیا۔ ہلکی ہوا نے پیپل کے پتوں کو جلترنگ بجانے پر آمادہ کیا تھا۔ مشرق سے بادل چوٹیاں نکال رہے تھے۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ خاک نہ سمجھی۔

"جوان جہان منگیتر کو قتل کرتے تمہیں ذرا لاج نہ آئے گی۔" زپ پر ہلکے ہلکے دباؤ دیتی وہ کلثوم کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ جو اہرام مصر کی "ممی" میں ڈھل چکی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اس پر "سفوف حیرت" چھڑکا گیا تھا۔ وہ ریگ پگڈنڈی نے کروٹ لی تھی۔ مٹی اڑنے لگی تھی۔

"منگیتر۔۔۔ تمہیں کس نے کہا۔۔۔؟" سرسراتی آواز جیسے اندھے کنویں سے رائی۔۔۔

"تمہاری چاچی نے ہی اماں سے کہا۔ وہ تو اماں بڑی آپا سے ذکر کر رہی تھیں تو میں نے سن لیا۔" وہ پوری توجہ سے زپ ٹھیک کر رہی تھی۔ جب ٹھیک نہ ہوئی تو بھیڑا منہ بنا کر "مصری ممی" کو مدد طلب نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی اور بستہ اس کے ہاتھوں سے لے لیا تھا۔ ہفتے کے چار دنوں میں بستے کی مرمت ہوتی تھی پہلے شازلی خود طبع آزمائی کرتی تھی۔۔۔ جب اپنا خون خشک کر لیتی تو مدد کے لیے کلثوم کو کہتی تھی۔ شازلی کپڑے جھاڑتی اٹھی اور دو تین پتھر اکٹھے کیے اور چل دی۔

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟" کلثوم نے آواز لگائی تھی۔

"وہ دیکھو۔۔۔ سرخ رسیلے بیر تم زپ ٹھیک کرو میں بیر توڑ لاتی ہوں۔" سرخ بیروں سے لدے درخت پر پتھر مار کر وہ بیر گرا رہی تھی اور اوڑھنی میں جمع کر رہی تھی۔ پتھر سے زپ کو ٹھیک کرتی وہ ہاتھ پر پتھر لگا بیٹھی تھی۔۔۔ "اوئی۔۔۔ سی" ہاتھ کو منہ میں رکھ لیا تھا۔ ذہن کی صاف سلیٹ پر عبدل کا چہرہ ابھرا۔۔۔ نکھرا۔۔۔ اونچا قد۔۔۔ روشن پیشانی۔۔۔ سیاہ سحر طاری کرتی آنکھیں۔۔۔ وہ یونانی دیوتا نہیں تھا، مگر اس سے کم بھی نہیں تھا۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔۔۔ یوں لگا تھا جیسے شہنائیاں بجنے لگی ہوں۔۔۔ کلثوم نے دھڑ دھڑ کرتے دل پر ہاتھ رکھا تھا اور چور نظروں سے شازلی کی طرف دیکھا جو سرخ بیر گنتی اس کی طرف ہی آرہی تھی۔

"ٹھیک ہوئی زپ۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ ہو گئی۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔ چالیس بیر ہیں۔ میں گنتی کر چکی ہوں۔ ایک حصہ میرا اور ایک تمہارا۔۔۔ بیس تمہارے، بیس میرے۔" کلثوم نے اپنا حصہ اٹھا لیا تھا۔۔۔ وہ دونوں بستے اٹھاتی پگڈنڈی پر چل رہی تھیں۔

"تمہیں پتا نہیں تھا۔۔۔؟" شازلی کو سخت حیرت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوئی تھی۔ اس کا مطلب واقعی وہ لاعلم تھی۔
"نہیں۔" بڑا سرسری انداز تھا۔ شاید ہر کوئی ایسے موقعوں پر یہی کرتا ہے۔
"ویسے تمہاری اور عبدل کی جوڑی خوب جچے گی۔ چاند سورج کی جوڑی۔" مدح سرائی تھی یا رشک۔۔۔ کچھ تو تھا جنگلی کبوتر ان کے سر سے پھر کر کے اڑ گئے تھے اور کبوتر تو کلثوم کے بھی اڑے تھے۔ وہ گھر گئی تو جب جب عبدل کو دیکھتی یوں لگتا چاروں طرف سے ستار بج رہی ہوں۔۔۔ ہائے۔۔۔ یہ کیسا احساس تھا وہ جب پانچوں بار عبدل کو چوری دیکھتی پائی گئی تو اس نے پکڑ لیا۔
"ہاں۔۔۔ ذرا آج میرے سر سے مرچیں گھما کے آگ کے حوالے کر دیجیے گا۔" مویشیوں کو بھوسا ڈالتی وہ رکی تھیں۔
"وہ کیوں۔۔۔؟"
"مجھے نظر لگنے کا خطرہ ہے آج۔" گھنی مونچھوں تلے لب مسکرا اٹھے تھے۔۔۔ وہ موجان سے جل گئی تھی۔
"مجھے کالے کوے نے کاٹا ہے جو تمہیں نظر لگاؤں گی۔" جلتے توے پر دل گرا تھا۔ بھن کر رہ گیا جیسے۔
"میں نے تمہارا کب کہا۔۔۔؟" یا حیرت۔۔۔ لاعلمی ایسی کہ ہر کوئی اش اش کر اٹھے۔ وہ پاؤں پٹختی اندر جانے لگی مگر تھمی۔۔۔ رکی اور مڑ کر اسے دیکھا تھا۔
"سنو۔۔۔ کہا جاتا ہے جب نظروں کی چوری پکڑی جائے تو اسے محبت کہتے ہیں۔" سورج جیسے کلثوم کے گرد گول گول گھومنے لگا تھا۔۔۔ وہ جلی۔۔۔ بھڑکی۔۔۔ اور ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اس انگاروں بھری دوپہر میں محبت بڑی چوری اور چپکے سے آئی اور کلثوم کے وجود میں حلول کر گئی تھی۔ بڑا زور کا مشک تھا محبت کا۔۔۔ بڑی ہمت اور بہادری سے چھپایا مگر یا حیرت۔۔۔ تاڑنے والی نظر تاڑ ہی گئی۔۔۔ وہ لاعلم رہا۔۔۔ اور چاچی سارے سراغ پا گئی تھیں اور اس دن کے بعد کبھی کلثوم کی عبدل سے لڑائی نہ ہوئی۔۔۔ وہ اس کے لیے کوئی سراغ نہ چھوڑنا چاہتی تھی۔ خاکستری چڑیاں بھید بھری کہانیاں سینے میں چھپائے کرلاتی رہ گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

بارش ٹوٹ کر برسی تھی اور خوب برسی تھی۔۔۔ لڑکیوں کی سریلی چیخیں۔۔۔ قہقہے۔۔۔ یونیورسٹی روڈ پر جشن کا سا سماں تھا وہ دونوں شیڈ کے نیچے کھڑے تھے۔ وہ دوپٹے کا پانی نچوڑ رہی تھی۔ وہ پوری بھیگی ہوئی تھی۔
"پاپا۔۔۔ اتنی تیز بارش ہے۔۔۔ ڈرائیور کو آج ہی لیو پر جانا تھا۔۔۔ او کے۔۔۔ اچھا میں وین یا بس سے آ جاؤں گی۔" وہ ہینڈ بیگ میں موبائل رکھتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔۔۔ وہ بھی بھیگا ہوا رومال سے چہرہ پونچھ رہا تھا۔ یونیورسٹی روڈ کے لمبے سرو قامت درخت جھکے کھڑے تھے۔ سفیدے کے بیجوں سے سڑک اٹ چکی تھی۔
"ہیلو۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ وہ ایک خوش شکل اور کافی پُراعتماد سی لڑکی تھی۔۔۔ گہری آنکھیں تھیں۔
"ہائے۔" وہ بھی چونک کر متوجہ ہوا تھا۔ کچھ لڑکیاں جو بس کا انتظار کر رہی تھیں وہ اب رجسٹر کے کاغذ پھاڑ پھاڑ کر کاغذی کشتیاں بنا کر بارش کے پانی میں تیرانے لگی تھیں۔
"میں ماریہ افتخار ہوں۔" وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی۔ نظریں عبدل پر ہی تھیں۔
"آئی ایم عبدل۔" عبدل نے تعارف کا سلسلہ آگے بڑھایا تھا۔ چند ثانیے خاموشی ہوئی۔۔۔ آوازیں آئیں۔
"بہت بارش ہوئی آج تو۔" وقت گزارنے کی کوشش تھی شاید۔
"جی۔۔۔ شکر ہے موسم خوش گوار ہو گیا۔۔۔" وہ بھی مسکرا دیا تھا۔ بارش کے پانی پر کاغذی کشتیاں ہلکی سرد ہوا سے ہچکولے کھانے لگی تھیں۔۔۔ یوں لگتا تھا کوئی پینٹ شدہ منظر ہو۔
"یہ یونیورسٹی لائف بھی نا کتنی پیاری ہوتی ہے۔۔۔ ہر فکر۔۔۔ ہر پریشانی سے آزاد۔" ماریہ گہری سوچ میں

تھی۔ اس کے بالوں کی لٹوں سے پانی ٹپ ٹپ گرنے لگا تھا۔ فنانس کی مہرین موبائل اس کی طرف بڑھا کر بولی تھی۔

"پلیز۔۔۔ عبدل۔۔۔ ایک پک لینا اچھی سی۔۔۔ میں ایف بی پر اپلوڈ کروں گی۔" کلک۔۔۔ منظر قید۔۔۔ وہ شکریہ کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔

"آپ نے سچ کہا۔۔۔ یہی تو زندگی کا وہ فیز ہوتا ہے جب لمحوں میں ساری زندگی جی لی جاتی ہے۔" عبدل نے زندگی کا فلسفیانہ نقشہ کھینچا تھا۔ ماریہ متاثر ہوتی نظر آئی تھی۔

"یہی زندگی ہوتی ہے۔۔۔ پھر پریکٹیکل لائف میں نہ وقت ملتا ہے اور نہ ہی عمر اجازت دیتی ہے۔" یاسیت تھی اس کے لہجے میں۔۔۔ بریسلیٹ گھماتی رہی۔

سفیدے کے پتے اڑتے ہوئے شیڈ کے نیچے آن ٹھہرے۔۔۔ زرد۔۔۔ شاید انہیں کوئی بیماری لگی ہوئی تھی۔ درختوں کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔۔۔ سفیدوں کے تنوں پر ابھار سا دکھائی دیتا تھا۔ آخر بس آگئی تو دھمک چیل ہوگئی اور سارے اسٹوڈنٹس فائلز سنبھالتے دوڑے تھے۔ وہ اور ماریہ بھی اکٹھے سوار ہوگئے تھے۔۔۔ عبدل کو ہاسٹل جانا تھا۔ ساری لڑکیاں ٹپے ماہیے گاتی رہیں۔

شاید۔۔۔ موسم کا اثر تھا۔۔۔ یہ ماریہ اور عبدل کی پہلی ملاقات تھی۔ اور آنے والے وقت میں یہ پہلی ملاقات پہلی نہ رہی تھی۔۔۔ وہ ایک ہی کلاس میں تھے۔ میل ملاپ بڑھنے لگا تھا۔ وہ اچھے دوست تھے اور یہ سلسلہ محبت تک کیسے پہنچا عبدل بے خبر تھا۔ رہی بات ماریہ کی تو وہ ایک پہیلی بن گئی تھی۔۔۔ وہ اسے نہیں بوجھ سکا تھا۔ عورتیں پہیلیاں ہی تو ہوتی ہیں۔۔۔ کبھی آسان۔۔۔ کبھی مشکل اور کبھی بہت مشکل۔۔۔ اور ماریہ افتخار تو بہت مشکل پہیلی تھی اور دوسری طرف کلثوم تھی۔۔۔ ایک ایسی آسان پہیلی جو پل میں ظاہر ہو۔۔۔ سمجھ لی جائے۔ مگر عبدل نے کبھی اسے نہ پڑھا تھا۔۔۔ تو پھر کہاں کی کلثوم۔۔۔ اور کہاں کی محبت۔۔۔ حق ہا۔۔۔

✡ ✡ ✡

"تیرا دماغ تو نہیں چل گیا کلثوم۔۔۔؟" ان کے دل پر سے تو رولر کوسٹر سب ہی پار پار کرتے گزر گئے تھے۔۔۔ سینہ توڑ کر باہر آتے دل پر جیسے بمشکل بند باندھا تھا انہوں نے۔۔۔

"ہاں۔۔۔ چل گیا ہے۔" مکمل اطمینان کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔۔۔ بے نیازی کی ایسی جھلک چاچی خاک ہونے کو تھیں۔

"وہ میرا بیٹا ہے کلثوم کوئی شے نہیں جو تو ہرایرے غیرے کو تحفہ کرتی پھرے۔" زمانے بھر کی رقت طاری کرلی گئی تھی۔

"جب خط لکھنے والے نے خود کہہ دیا کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تو میں کرہی کیا سکتی تھی۔" کمال ہے جو ذرا بھی لہجہ کانپا ہو۔

فسادی پرندہ راگ الاپنے لگا۔۔۔ "عبدل عبدل۔۔۔!" وہ آرام سے زمین پر بیٹھی لکیریں کھینچتی رہی۔۔۔ یوں مگن اور منہمک جیسے صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہو۔

"خط پڑھنے والی تو محبت کرتی ہے نا۔" کروشیا رکھتی انہوں نے اس دھاتی مجسمے میں دڑاڑ ڈالی تھی۔

"محبت۔۔۔" وہ جیسے نیند سے جاگی ہوئی شہزادی بن گئی ہے۔ "محبت تو دان کردی۔" جامن کے سائے لمبے ہونے لگے تھے۔ صحن میں چڑیاں پھدک رہی تھیں۔

"معاف نہیں کروں گی اسے۔" وہ رونے لگی تھیں۔۔۔ وہ ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتی رہی۔۔۔ دیکھتی رہی۔

"معاف کردیں۔۔۔ اور اس خوف سے آزاد ہوجائیں کہ اگلے جہاں آپ کا گریبان پکڑ کر کہوں گی کہ چاچی ماں کے درجے تک نہیں پہنچ سکیں۔۔۔ خود اجازت دے رہی ہوں۔" سارے قصور معاف یا حیرت۔۔۔

"لال جوڑے میں اسے دیکھ کر پہلے غشی تم پر ہی طاری ہوگی۔"

"کسے دیکھ کر۔۔۔؟"

"اس شہری کڑی نوں دیکھ کر۔۔۔ کیا نام تھا اس

گا۔۔۔؟" وہ سوچ ہی سڑک پر کھڑی ہو گئیں۔ مگر تانگہ کی سواری نہ گزری تھی۔

"ماریہ افتخار نام ہے۔ کیسا پیارا نام ہے نا۔۔۔؟" منہ میں شیرینی گھلنے کے سے تاثرات تھے۔

"ہاں۔۔۔ بہت پیارا نام ہے۔ ماریہ عبدل۔۔۔" انہوں نے پینترا بدلا تھا۔ ہوا انگاروں کے تھال تھامے آئی اور یوں لگا ایک ایک کر کے سارے تھال کلثوم پر الٹے جا رہے ہوں۔۔۔ کھال ادھڑنے لگی۔ وہ نمک ہو گئی تھی اور وہ سمجھ گئی تھیں۔

"نام کی شراکت برداشت ہو نہیں سکتی اور زعم دیکھو محبت دان کرنے کی باتیں۔" ٹھاہ کر کے پہلا نیزہ دل میں گھسا۔۔۔ شہر دل جیسے لال سیال سے رنگ گیا ہے۔

"ہاں۔۔۔ آسان تو نہیں ہوتا۔۔۔ نہ تو محبت کسی کے حوالے کرنا اور نہ ہی اس خسارے کو بیان کرنا۔۔۔ ہائے نی کلثوم بڑا اوکھا روگ لا لیا نی۔۔۔" اشک کی آواز کے ساتھ چاندی کی پائل ٹوٹی تھی۔۔۔ ننھے چاندی کے گھنگھرو مٹی میں رل کر رہ گئے۔ نمک کا مجسمہ دیکھتا رہا۔۔۔ "جب دل ٹوٹا ہو تو ٹوٹی پائل کی طرف نگاہ کہاں جاتی ہے۔۔۔؟" حق ہا۔۔۔ سہ پہر برگزیدہ پہر کی طرح دھرتی پر اتری تھی۔۔۔ ہلکا نارنجی سورج کپاس کے خوشوں میں رنگ بھرنے لگا۔ سفید میں نارنجی رنگ کی جھلک۔۔۔ اداسی سرچڑھی شراب لگنے لگی۔۔۔ حواس گم کرنے والی۔۔۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں ٹاہلی کی قطاروں کے درمیان بہتے پانی کے نالے پر بیٹھی تھیں۔۔۔ خاکستری چڑیا شرماتی لجاتی آتی اور نالے میں ڈبکی لگا کر اڑن چھو ہو جاتی تھی۔

"تم نے جوابی خط نہیں لکھا۔۔۔" شازلی نے پانی میں ابھرتے عکس کو دیکھا تھا۔

"نہیں۔۔۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"کیا کہتی۔۔۔؟" سوال اوپر سوال۔۔۔

"تو پھر تم نالہ کیوں محبت کرتی۔۔۔؟" وہ جھنجلا گئی تھی۔۔۔ جوابا" کلثوم ہنسی تھی۔

"محبت کی کہاں وجہ ہوتی ہے۔۔۔ میں اس کے سامنے لاجواب نہیں ہونا چاہتی۔"

"اسے بتا دو کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔۔۔"

"بہت دیر ہو چکی۔۔۔ جس دروازے پر دستک دینی تھی وہ کسی اور کی دستک پر کب کا کھل چکا۔" ہاتھوں کی لکیروں کو کھوجتی ہوئی وہ شازلی کو بڑی بے بس سی لگی تھی۔۔۔ نامرادی سی۔۔۔

"تم نے اس کو پہلے کیوں نہ بتایا۔۔۔؟" شازلی کو افسوس ہوا۔۔۔ درختوں کی لمبی قطاروں پر نظریں جمی تھیں۔

"وقت کا انتظار کرتی رہی۔۔۔ مگر وقت تو آیا ہی نہیں۔" پہلی ٹوٹی ہوئی کانچ کی چوڑی نالے میں گری تھی۔

"میں اب شاید اسے کبھی بھی یہ نہ کہہ سکوں۔۔۔ دل جیسے مردہ ہو گیا ہے۔۔۔ شاید نہ تو وہ پہلے میرا تھا اور نہ ہی اب میرے حصے میں آیا ہے۔۔۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔۔۔" ٹوٹا لہجہ۔۔۔ دوسری چوڑی بھی نالے میں گری تھی۔۔۔ پانی کانچ کو لے کر سرکنے لگا مگر گیلی مٹی میں ٹوٹی کانچ کا جیسے مقبرہ سا بنتا گیا۔

"یہ کیوں نہیں کہتیں کہ ماریہ سے اس کو محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔"

"یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔۔۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟" حیرت تھی یا کچھ اور۔۔۔ جو بھی تھا لاجواب تھا۔

"ہر کوئی اپنے دل کے اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔" وہ سچ کہہ رہی تھی۔۔۔ خاموشی آئی اور چلتے پانی پر ٹھہر گئی۔ لمحے رک گئے۔۔۔ سر پر سہ پہر کھڑی تھی۔۔۔ ٹھنڈی دھوپ کی طرح۔۔۔

"چاچی کیا کہتی ہیں۔۔۔؟" خاموشی ناگواری سے منہ بناتی رفوچکر ہو چکی تھی۔

"وہی جو تم کہتی ہو۔۔۔" وہ مسکرائی تھی دھیرے سے۔۔۔ بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔ شازلی نے پانی میں

چلتے اپنے ہاتھ روکے تھے۔

"مثلاً" کیا۔۔۔؟"

"یہی کہ خط لکھنے والے کو معافی قطعاً" نہ دی جائے۔۔۔" پھروہی مسکراہٹ۔۔۔

"ایں۔۔۔ خط لکھنے والے کو۔" وہ خاک نہ سمجھی تھی۔۔۔ حیرت تھی اس کے چہرے پہ۔۔۔

"وہ غصے میں جیسے نام بھول جاتی ہیں۔۔۔ میں جانتی ہوں وہ میری طرف داری کریں گی۔۔۔ بڑی خوف زدہ رہتی ہیں مجھ سے۔" کلثوم کے چہرے پر ان کی محبت پھیلی تھی۔۔۔ سرعت سے۔۔۔

"تم سے۔۔۔؟" یہ کیسی عجیب بات تھی۔۔۔ یوں بھی ہوتا تھا۔۔۔ ہیوں بھی ہو سکتا تھا۔۔۔؟

"ایک بار میں نے انہیں کہا تھا کہ وہ ہمیشہ میری چاچی ہی رہیں گی کبھی بھی اماں نہیں بن سکیں گی۔"

"تم نے انہیں طعنہ مارا تھا۔۔۔ انہیں۔۔۔؟" شازلی کے جواب بھی سوال ہوتے تھے اور سوال تو سوال ہی ہوتے تھے۔

"ہاں۔۔۔" بے نیازی۔۔۔ چوڑیوں پر مٹی ٹھہر گئی تھی۔

"تم دونوں چچی، بھتیجی کم اور گوڑی سہیلیاں زیادہ لگتی ہو۔۔۔" وہ ہنسی تھی۔

"ہم سہیلیاں ہی تو ہیں۔۔۔" پانی میں غوطے لگاتی نڈھال چڑیا بھی واقف تھی کہ۔۔۔ ہاں وہ سہیلیاں ہی تو تھیں۔

☼ ☼ ☼
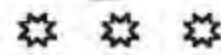
تانگے کی ٹک ٹک ان کے دروازے کے سامنے ٹھہر گئی تھی۔۔۔ وہ نلکا چلاتی وضو کر رہی تھی۔ جامن اور آم کے پیڑوں میں مقدس فجر کا اندھیرا سویا ہوا تھا۔۔۔ بڑے زور کی دستک ہوئی تھی۔ چاچی سو رہی تھیں۔۔۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔۔۔ وہ دروازہ کی طرف آئی۔

"کون۔۔۔؟" اس نے اپنی آواز دھیمی رکھی تھی۔

"میں ہوں۔۔۔" وہ عبدل تھا وہ پہچان گئی تھی۔

"میں کون۔۔۔؟" ادھر وہ حیران کھڑا تھا۔

"کلثوم۔۔۔ میں ہوں عبدل۔" ناراض سا لہجہ تھا۔۔۔ اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ کندھے پر بیگ رکھے اندر آ گیا تھا۔۔۔ بلیک اینڈ وائٹ پینٹ شرٹ میں وہ کافی تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" وہ آگے چل رہا تھا اور وہ پیچھے پیچھے تھی۔

"اچھی ہوں۔" اس نے جواب دیا تھا۔۔۔ وہ ہنسا تھا۔

"وہ تو تم ہو۔۔۔" وہ بیگ ایک طرف رکھتا کھاٹ پر لیٹ گیا تھا جس پر کچھ دیر پہلے وہ لیٹی ہوئی تھی۔۔۔ وہ نماز ادا کر کے آئی تو وہ غنودگی میں تھا۔

"چائے بناؤں۔۔۔؟" وہ چونکا تھا۔

"ہاں۔۔۔ اور یہ بیگ اور جوگرز اندر رکھ دو۔۔۔ سوالٹی چپل بھی نکال دو میرے۔" وہ سرہلاتی سامان اندر رکھ آئی تھی۔۔۔ چپل اس کے سامنے رکھے اور خود برآمدے میں گیس سلنڈر پر چائے بنانے لگی تھی۔ وہ نلکے پر منہ دھو رہا تھا۔۔۔ منہ دھو کر اس کی طرف آیا۔

"تولیہ کہاں ہے۔۔۔؟" پوچھا گیا۔

"الگنی پر ہے۔۔۔ اتار دیتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تھی۔ اس نے روک دیا اور خود تولیہ اتار کر منہ پونچھنے لگا۔ وہ آنچ بڑھا رہی تھی۔ وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ اس پر دوسری نظر نہ ڈال سکی تھی۔

"کیا مصروفیات ہیں آج کل۔۔۔؟"

"بس بی اے کی تیاری۔۔۔" وہ میٹرک کرنے کے بعد اب پرائیویٹلی اے کر رہی تھی۔

"گڈ۔۔۔ اماں کیسی ہیں۔۔۔؟" بڑا محتاط سوال تھا اور محتاط سوالوں کے جواب بھی محتاط ہی ہوا کرتے ہیں۔

"بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔ تم سے ناراض نہیں ہیں۔۔۔" گیس کے شعلے پر نظریں جمائے وہ بولی تھی۔

"اور تم۔۔۔؟" دوسرا محتاط سوال۔۔۔ خیر۔۔۔ اس کا جواب سرسری سا ہی تھا۔

"میں کیا اور میری ناراضی کیا۔۔۔" تھکن تھی یا کچھ

اور۔۔۔ وہ نہ سمجھ سکا۔۔۔ یہ پہیلی بوجھنا مشکل تھا۔

"شکریہ کلثوم۔" فل سائز مگ میں چائے انڈیلتی وہ چونکی۔۔۔ ہاتھ ہلا تھوڑی سی گرم چائے ہتھیلی لال کر گئی۔ وہ بمشکل سسکی دبا سکی تھی۔۔۔ وہ ادھر متوجہ نہ تھا۔

"محبتوں میں خساروں کے جواب شکریہ ہوتے ہیں یا حیرت۔" وہ سوچ ہی سکی بس۔۔۔

"وہ کیسی ہے۔۔۔؟" کلثوم کے سوال کی اور وہ بھی اس وقت، وہ توقع کر ہی نہیں سکتا تھا اور وہ ایک بات تو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ وہ ہمیشہ خلاف توقع ثابت ہوتی تھی۔

"ماریہ ٹھیک ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔۔۔ چائے کے سپ لیتا ہوا وہ اب بھی برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"محبوب کے نام سے چہروں پر یونہی روشنیاں پھوٹا کرتی ہیں۔" وہ چائے کا مگ رکھتا جا کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس نے جھاڑو اٹھالی تھی۔ فجر گزرنے لگی۔۔۔ مشرق کے پار سحر ہونے کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

☼ ☼ ☼

گھر کے عقبی حصے کی جانب وہ اپنے پھول پودوں کے ساتھ مصروف تھی۔۔۔ ساتھ ساتھ کھاد بھی ڈال رہی تھی۔ وہ اب اس کے ساتھ مدد کم اور باتیں زیادہ کر رہا تھا۔

"پتا ہے کلثوم۔۔۔ میں نے پہلی بار اسے برستی بارش میں دیکھا تھا۔۔۔ محبت تو شاید مجھے اس سے بعد میں ہوئی۔" گلاب کو ٹٹولتی وہ اس کو دیکھنے لگی تھی۔

"اور تمہیں حیرت ہوگی۔۔۔ کہ میں نے اس سے ابھی اظہار محبت نہیں کیا۔۔۔" وہ گلاب کو دھاگے سے سہارا دے کر باندھتا ہوا بتا رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ ابھی تک نہیں بتایا۔۔۔" اب وہ انگور کی بیل کا جائزہ لینے میں مگن تھی۔۔۔ شہد کی مکھیوں بھنبھنا رہی تھیں۔ اسے شدید سے شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں۔۔۔ پہلے میں تم سے اور اماں سے بات کرنا چاہتا تھا۔" گلاب سنبھل گیا تھا، مگر وہ نہ سنبھل سکی تھی۔

"اظہار میں دیر کرو تو پھر بہت دیر ہو جایا کرتی ہے عبدل۔۔۔ خیال رکھنا کہیں دروازہ بند ہی نہ ہو جائے۔" کیا تھا اس لہجے میں سسکی۔۔۔ اذیت۔۔۔ جو بھی تھا جان لیوا تھا۔ وہ چونکا تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔" وہ گڑبڑا گئی تھی۔۔۔ دھوپ چھپنے لگی اور بادل آسمان پر ٹھہرنے لگے تھے۔

"بڑی فلسفی ہو گئی ہو۔۔۔؟" تصدیق چاہی گئی۔

"ہاں۔۔۔ ہو گئی ہوں۔" تصدیق کر دی گئی۔ بادل ہوا کو بھی ساتھ لائے تھے۔ خوشبوؤں کا اکٹھ جمع ہو گیا تھا۔ وہ بالوں کی لٹ پیچھے کرتے ہوئے ٹھٹکی تھی۔

"تمہارا آئیڈیل کیسا ہے۔۔۔؟" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔۔۔ وہ جیسے ہکلائی تھی۔

"آئیڈیل۔۔۔ میں نے کبھی نہیں بنائے عبدل۔۔۔ کیا فائدہ ایسی بات سوچنے کا جو پوری نہ ہو سکے۔" وہ سچ کہہ رہی تھی۔۔۔ کیا فائدہ۔۔۔ حق ہا۔۔۔ ٹماٹروں پر شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔

"تم بتاؤ۔۔۔ میں تلاش کر کے لاؤں گا۔" شرارتی لہجہ۔۔۔ وہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئی تھی۔

"تم بھی نا۔۔۔ چھوڑو عبدل۔۔۔" ہنستے ہنستے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور وہ آنسو ہی تھے۔ تب ہی وہاں چاچی آئی تھیں۔

"عبدل تمہیں مختار بلا رہا ہے۔۔۔ دروازے پر کھڑا ہے۔۔۔ مل آؤ۔" وہ مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ گیا تھا۔ چاچی ہری مرچیں اور ٹماٹر توڑنے لگی تھیں۔

"ہنسی میں آنسو تو مت چھپاؤ۔۔۔ میں نے دیکھ لیے۔۔۔ دیکھنے والا تو جا چکا۔" دھک۔۔۔ دھک۔۔۔ کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔۔۔ دل جلتے توے پر جل سڑ رہا تھا۔ وہ شاکی انداز میں دیکھنے لگی تھی۔

"اماں۔۔۔ طنز کر رہی ہیں۔۔۔؟" وہ ٹھٹکی تھیں۔۔۔ ایک لفظ ٹھٹکا گیا تھا۔ اماں۔۔۔

"نا۔۔۔ کلثوم نا۔" وہ نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔۔۔ رخ موڑ گئیں۔

"آپ بھی آنسو نہ چھپائیں۔۔۔ میں نے دیکھ لیے ہیں آج تو یہ بات مان ہی لیں کہ ہم دونوں اچھی اداکار نہیں ہیں۔" وہ ہنسی تھی اور وہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس دی تھیں۔

"وہ جھلی ہے تو کلثوم۔۔۔" بادل نے آنکھ کھولی اور برس پڑا تھا۔ سبزہ جیسے لہک اٹھا تھا۔ وہ دونوں اب عقبی حصے میں صحن کی طرف چلی آئی تھیں۔ اور یہ بھی آفاقی سچائی ہی سمجھ لیں کہ وہ چچی بھتیجی "گوڑی سہیلیاں" تھیں۔ بارش برس رہی ہے۔ دھرتی کے ساتھ ساتھ دل بھی بھیگ رہے ہیں یادوحشت۔

☼ ☼ ☼

"کورٹ میرج بھی کر آئے ہو گے پھر تو۔۔۔" بڑے ہی پرسکون انداز میں میزائل داغا گیا تھا۔ وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"ارے اماں۔۔۔ کیا کہتی ہیں۔۔۔ میں بھلا ایسے کیسے کر سکتا ہوں۔" انداز میں بڑی حیرت تھی۔

"محبت کرلی تو یہ بھی کر گزرو گے۔۔۔" انداز اب بھی پرسکون ہی تھا۔ سیب کاٹتی کلثوم کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

"اتنا بھی برا نہیں ہوں۔" وہ ناراض سا گویا ہوا تھا۔

"اتنے اچھے بھی نہیں تم۔" الفاظ کلثوم کے تھے۔۔۔ سکنجبین کا گلاس پکڑے وہ گومگو کیفیت میں تھا۔

"میں اکیلا یہ کیسے کر لیتا۔۔۔ سب کچھ آپ نے اور کلثوم نے طے کرنے جانا ہے۔۔۔ میں یہاں سے جاتے ہی ماریہ سے بات کروں گا۔" سوئی بڑے زور سے چبھی تھی۔۔۔ خون انگلی پر ابھر آیا تھا۔

"لے لو۔۔۔ ابھی بات ہی نہیں کی۔۔۔" وہ ناراض سی بولی تھیں۔

"بس اماں۔۔۔ میں پہلے آپ دونوں سے بات کرنا چاہتا تھا۔" اچٹتی سی نظر کلثوم پر ڈالی گئی تھی۔

"لیکن۔۔۔ ساری برادری نے پوچھا ہے کہ یتیم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔۔۔ کیا کہتی۔۔۔ منہ سیے چپ چاپ بیٹھی رہی۔" وہ جیسے رو دینے کو تھیں۔۔۔ وہ چور نظر یتیم لڑکی پر ڈال کر رہ گیا تھا۔ وہ جیسے اس سب سے انجان نظر آتی تھی اور یہ بے نیازی کتنے کتنے پہاڑ توڑے ہوئی تھی فقط وہ جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ چار دن رہ کر چلا گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اپنے پیچھے خاموشیاں چھوڑ گیا تھا۔ وہ دل کا کیا کرتی۔۔۔ بس ٹوٹا ہوا نہ جڑ سکا۔۔۔ وہ عبادتوں میں دل لگانے لگی تھی۔

"اب اتنے لمبے وظیفے' منتا جاتیں کیوں۔۔۔؟" گوڑی سہیلی پوچھتی۔۔۔ تسبیح کے دانے گراتے ہاتھ رک جاتے۔

"بے فکر رہیں۔۔۔ عبدل کا دل پھیرنے کے لیے نہیں کر رہی۔" بڑا پکا لہجہ تھا ذرا بھی لرزش نہ تھی۔

"تو پھر۔۔۔؟" خفا سے لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

"بس دل کا سکون چاہتی ہوں۔" آنکھ سے آنسو ٹپک کر تسبیح کے دانوں پر جا گرا تھا۔

"اللہ تمہیں صبر دے۔۔۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی تھیں۔۔۔ کہنے کو کچھ بھی نہ تھا۔۔۔ خاموشی کا طویل وقفہ۔

"فون کرنا آج اسے۔۔۔ پتا تو چلے آخر ماریہ سے بات کی بھی یا نہیں۔"

"پوچھا تھا میسج کر کے مگر اس نے ابھی بات نہیں کی۔"

"کیوں۔۔۔؟" سوال تھا۔

"کہتا ہے جلد کرے گا۔" جواب ملا تھا۔

وہ چند ثانیے کچھ سوچتی رہیں۔۔۔ پیشانی پر شکنیں ابھرتی اور بگڑتی رہیں۔

"جانے وہ شہر کی لڑکی یہاں گزارہ کر پائے گی بھی یا نہیں۔۔۔ الگ ماحول' نئے لوگ۔۔۔ سہولیات کا فقدان۔۔۔" آخر میں ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی۔۔۔ وہ تسبیح کے دانے گھما کر سر اٹھاتی ہوئی بولی تھی۔

"محبت سب کروالیتی ہے۔" اس بھید بھری نے بھید سے پردہ اٹھایا تھا۔

"ہاں۔۔۔ محبت ہی توسب کروالیتی ہے۔" وہ یہ کہتی ہوئی اٹھ گئی تھیں۔۔۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔۔۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔۔۔ اور ان کے پاس شاید سننے کو کچھ نہیں تھا۔۔۔ ساری بات محبت کی "قسم" سے شروع ہوتی تھی۔۔۔ اور ختم بھی دل کے مرنے پر۔۔۔ اس نے بڑے حوصلے اور صبر سے اپنے آپ کو جوڑ کر رکھا تھا۔۔۔ اور خود کو "خود" ہی جوڑنے والے جب ٹوٹتے ہیں تو پھر باقی کچھ نہیں رہتا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔!

☆ ☆ ☆

"تم نے اس سب کو غلط سمجھا عبدل۔۔۔ تم میں کوئی کمی نہیں۔۔۔ بس یہ ہے کہ تم میرے آئیڈیل پر پورے نہیں اترتے۔" لفظ کب انگارے بنتے ہیں آج پتا چل رہا تھا۔۔۔ خبر ہو رہی تھی۔

"اگر فرض کرو ہم دونوں میرج کر بھی لیں تو پھر۔۔۔ کیا ہوگا۔ میں گاؤں میں زندگی نہیں گزار سکتی۔۔۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔۔۔ نہ میرے لیے اور نہ تمہارے لیے۔۔۔" ماریہ افتخار کے الفاظ۔۔۔ جیسے عبدل کی جان نکل گئی تھی۔ آئس کریم پارلر میں بجتا بیک گراؤنڈ میوزک جیسے صور اسرافیل میں ڈھل رہا ہے۔

"میں تمہیں چاہتا ہوں۔۔۔ تم سے محبت کرتا ہوں ماریہ۔۔۔" وہ لفظ "محبت" پر زور دے کر بولا تھا۔ مسکراتی آنکھیں اس پر اٹھی تھیں۔۔۔ گہری سیاہ۔

"مجھ سے یہی بات ہفتے میں چار بار تو ضرور کوئی نہ کوئی کہتا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"میں "کوئی" نہیں ہوں۔"

"میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔۔۔ ہم اچھے دوست ہیں۔" عبدل کو لگا جیسے پارلر کے براؤن درودیوار پر۔۔۔ مناظر ابھر رہے ہوں۔

ماریہ اور عبدل کو لائبریری میں اکٹھے دیکھا جاتا تھا۔۔۔ نئی کتاب۔۔۔ نئی بحث۔ سرسید روڈ کی لمبی سڑکوں پر واک کرتے ہوئے۔ چیز پوائنٹ سے چپس لے کر انجوائے کرتے ہوئے۔۔۔ بھیگی شاموں میں انہوں نے "سینما ہاؤس میں لاتعداد فلمز ایک ساتھ دیکھی تھیں۔۔۔ ہاسٹل روڈ کے سامنے بنی پارک میں رکھے بنچوں پر ڈسپوزیبل کافی کپ کا ڈھیر ان ہی کا لگایا ہوا تھا۔۔۔ جہاں بیٹھ کر وہ کافی پیتے تھے۔ سیاسی ریلی میں ان کی شرکت لازمی ہوتی تھی مگر یہ الگ بات تھی کہ وہ دونوں ریلی میں بھی اپنے قصے جاری رکھتے تھے۔۔۔ بغیر ارد گرد چلتے اسٹوڈنٹس کی گھوریوں کی پروا کیے۔۔۔!

ہاں۔۔۔ تو وہ سب "دوستی" کے زمرے میں آتا تھا۔۔۔ پارلر کی گلاس ونڈ کے باہر مصنوعی روشنیاں تھیں اور عبدل کے اندر شام اتر آئی تھی۔۔۔ گہری۔۔۔ سیاہ۔۔۔ ہر طرف اندھیرا تھا جیسے۔۔۔

"آئی ایم سوری۔" ماریہ نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔۔۔ آئس کریم پگھل چکی تھی۔ پارلر کی ست رنگی روشنیوں میں وہ جیسے کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ پھر۔

"اٹس اوکے۔۔۔" وہ چاہ کر بھی مسکرا نہ سکا تھا۔۔۔ بڑا مشکل تھا۔ ہاں۔۔۔ مشکل ہی تو ہوتا ہے۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں عبدل۔"

"کوئی بات نہیں ماریہ۔۔۔"

"ہم اچھے دوست تو ہمیشہ رہیں گے نا۔"

"شیور۔۔۔"

وہ پارلر سے نکل رہے تھے۔۔۔ عبدل نے کوٹ کی پاکٹ سے رنگ نکال کر دروازے کے پاس رکھے ڈسٹ بن کی طرف اچھال دی تھی۔ وہ دونوں آگے بڑھ گئے تھے عبدل شکستہ چال چلتا ہوا جا رہا تھا۔۔۔! محبت کی جنگ ہارنے والوں کی چال میں یوں ہی لڑکھڑاہٹ ہوا کرتی ہے۔۔۔! جب محبت کی "قسم" مات کی "قسم" میں ڈھلتی ہے تو واقعی باقی کچھ نہیں رہتا۔۔۔! ڈسٹ بن کی طرف اچھالی گئی وہ رنگ فرش پر پڑی ست رنگی روشنیوں میں چمک رہی ہے۔۔۔! اور ان دونوں کے قدم دور ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔ پارلر میں انگلش میوزک کی دھن بج رہی ہے۔

"Leave Me Alone"۔۔۔! شام ڈھل رہی ہے۔۔۔!

✲ ✲ ✲

"ڈیئر ڈائری۔۔۔!"

میں خوش ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں اس کی خوشی میں خوش ہوں۔۔۔ شاید اسے ہی تو محبت کہتے ہیں۔۔۔ کاش میں کبھی عبدل کو اپنے جذبات بتا سکتی مگر شاید میں اتنی بہادر کبھی تھی ہی نہیں۔۔۔ اب بھی نہیں ہوں (کھوکھلا قہقہہ)۔۔۔ اگر میں کبھی اسے بتا سکی تو میں جانتی ہوں وہ ششدر رہ جائے گا۔۔۔ وہ کبھی بھی نہیں سوچ سکتا میں اس سے محبت بھی کر سکتی ہوں۔۔۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے پندرہ گھنٹے تو ضرور ہی ہماری لڑائیاں رہی ہیں۔۔۔ خیر۔۔۔ یہ محبت بھی بڑی چھپی رستم نکلی جانے کیسے دل تک آگئی۔۔۔؟۔۔۔ خبر بھی نہ ہونے دی۔۔۔ پتا ہی نہیں چلا۔۔۔ دل سے محبت مٹانے کا ریموور تو نہیں ہوتا۔۔۔ مگر دل کو سکون دینے کے کئی بہانے ہوتے ہیں۔۔۔!

تمہاری کلثوم۔

یہ کلثوم کی ڈائری کا ایک صفحہ تھا جو عبدل کو ساکت کر گیا تھا۔۔۔ وہ حیرت میں تھا۔۔۔ شاید اسے حیران ہی ہونا چاہیے تھا۔۔۔ اسے اماں اور کلثوم کی گفتگو یاد آئی تھی۔۔۔!

"چاچی۔۔۔ قسم لے لیں جو میں نے اسے بددعا دی ہو۔۔۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"وجھلی۔۔۔ تمہارا قصور تو نہیں۔۔۔ مقدر کی باتیں ہیں انسانوں کا کیا زور۔۔۔" وہ جانے کس سوچ میں گم تھیں۔

"کبھی دل میں یہ خیال نہ لایئے گا کہ میں کچھ ایسا کروں گی۔۔۔ رقابت کبھی پیدا نہیں ہوئی میری دل میں اس کے لیے۔۔۔ عبدل نے میرے ساتھ اپنا ماں جیسا سگا رشتہ بانٹا ہے۔۔۔ اسے دکھ میں دیکھ کر دل کٹنے لگتا ہے۔ کبھی سوال اٹھے تو میری یہ صفائی یاد رکھیے گا۔۔۔" وہ ہاتھ جوڑے بیٹھی تھی۔۔۔ وہ لرز گئیں۔۔۔

"نا۔۔۔ کلثوم۔۔۔ نا۔۔۔ جھلی نہ ہو تو۔۔۔" وہ گلے لگی بیٹھی تھیں۔۔۔ حق ہا۔۔۔ دو گوڑی سہیلیاں۔۔۔! وہ سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔۔۔ تاریک رات کے اوپر روشن ستاروں بھرا آسمان کھڑا تھا۔۔۔! وہ ساتھ والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"تم نے مجھ سے کیوں نہیں کہا۔۔۔؟" وہ اس کے سوال پر چونکی تھی۔۔۔!

"کیا نہیں کہا۔۔۔؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی تھی۔۔۔ وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"یہی کہ مجھ سے محبت کرتی ہو۔۔۔ اور میرے لیے جان بھی دے سکتی ہو۔۔۔" مکمل اطمینان تھا اس کے سوال میں وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔۔۔ وہ جانتا تھا۔۔۔ جان گیا مگر کیسے۔۔۔؟ وہ ہکا بکا بیٹھی تھی یوں لگا جیسے صدیوں کا سفر طے کر کے آئی ہو۔۔۔ تھکن۔۔۔ نڈھال آسمان کے تارے شریر ہنسی ہنسنے لگے تھے۔۔۔ روشنی گھٹنے بڑھنے لگی تھی۔۔۔! ہوا خوشبوئیں اٹھائے اڑی اڑی پھرتی تھی۔

"یہ سچ ہے کہ محبت کرتی ہوں۔۔۔ یہ جھوٹ ہے کہ۔۔۔ جان نہیں دے سکتی۔۔۔" وہ بمشکل بولی تھی۔

بھید بھری کے بھید ایسے کھلے تھے کہ بس۔۔۔! وہ اس کے قریب سیڑھی پر بیٹھ گیا تھا۔۔۔ اونچا لمبا قد۔۔۔ مہک اڑاتا وجود۔۔۔ محبت کی عدالت۔۔۔ یا پھر کچھ اور۔۔۔؟

"تم نے پہلے کیوں نہیں کہا کلثوم۔۔۔؟" عبدل کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ بمشکل وہ سن سکی تھی۔

"کیا کہتی۔۔۔ دیر بہت ہو گئی۔۔۔" ہتھیلیوں پر ڈالی گئی نظر اس پر جا ٹھہری تھی۔۔۔!

"دیر تو اب بھی نہیں ہوئی۔" وہ مسکرایا تھا۔۔۔ خوب صورت ہنسی تھی۔۔۔ زرو بلب میں لگا دھاتی رنگ گول گھومنے لگا تھا جیسے۔۔۔ گول گول گھومتی روشنیوں کے جھرمٹ میں وہ بیٹھا تھا۔

"تسلی دے رہے ہو۔۔۔" شاکی انداز۔

"نہیں۔۔۔ سمجھا رہا ہوں تمہیں۔۔۔" وہ بولا تھا۔۔۔ خاموشی چپکے سے آئی اور پاؤں پسارے سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"تم نے پہلے کہا ہوتا تو پلٹ کر ماریہ کو دیکھتا ہی نہیں۔"

"دل پر کہاں اختیار ہوتا ہے۔۔۔" وہ رات میں جگنو ڈھونڈنے لگی تھی۔

"تمہاری محبت میں اتنا اثر تو ہوتا نا۔۔۔ جو مجھے باندھے رکھتی۔" وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"شاید۔۔۔" وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔۔۔ وہ چند ثانیے سوچتا رہا پھر بولا۔

"شاید۔۔۔ کچھ وقت لگے یادوں کو دفنانے میں۔۔۔ مگر بہر حال ایسا ضرور ہو گا۔"

"دل رکھ رہے ہو میرا۔۔۔؟" بہت ضروری سوال تھا۔۔۔ جواب بھی اشد ضروری۔

"نہیں۔۔۔ تم غلط سوچ رہی ہو۔۔۔ میں اماں سے بات کروں پھر۔۔۔؟" وہ جھک کر پوچھنے لگا تھا چنبیلی کی خوشبو چاروں طرف پھیلنے لگی ہے۔۔۔ شہر محبت کی رونمائی کا منظر ہے۔۔۔!

"کیا کہو گے انہیں۔۔۔؟" وہ پوچھنے لگی تھی۔

"کہوں گا مسافر اپنی منزل تک لوٹ آیا ہے۔۔۔ وہ مان جائیں گی نا؟" وہ جواب چاہ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ مان جائیں گی۔" وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔۔۔ تاروں کی روشنی بڑھنے لگی۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ دودھیا روشنی۔۔۔!!! وہ چلتے چلتے رکی تھی۔۔۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔

"سنو۔۔۔ پتا ہے اماں کو کیا کہوں گا۔۔۔؟"

"کیا کہو گے۔۔۔؟"

"کہوں گا مجھے کلثوم سے محبت ہو گئی ہے۔" اطمینان سے کہا گیا۔ وہ ساکت کھڑی تھی۔

"واقعی یہ کہو گے۔۔۔؟" وہ بے یقین تھی۔

"ہاں۔۔۔ کیونکہ بعد میں محبت ہو ہی جاتی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"تمہاری محبت بڑی اثر رکھتی ہے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے تھے۔۔۔ زرو بلب کی روشنی میں انار کے پھول جل اٹھے تھے۔ محبتوں کا بندھن دلوں کے جڑنے سے وجود میں آتا ہے اور ان کے دل جڑنے لگے تھے۔۔۔! "آسمانوں پر ٹہلتی ہوئی روحیں جب ایک ہوتی ہیں تو تب زمین زادوں پر "محبت" کا نزول ہوتا ہے۔" اور دور کہیں دلکی دھن بجتی ہے۔

سانول موڑ مہاراں۔۔۔!!!

سانول موڑ مہاراں۔۔۔!!!

✡ ✡

عابدہ احمد

# طلوعِ آرزو

رات کے تین بج چکے تھے۔ صبح کا ستارہ آسمان کی گود میں منہ چھپائے کھڑا تھا۔ فضا میں ابھی بھی خنکی کا اثر تھا۔ سردیوں کی رخصت میں بس تھوڑے سے ہی دن رہ گئے تھے۔ نظروں کو خیرہ کردینے والی روشنیاں اس حویلی کے در و بام سے لپٹی ہوئی تھیں۔ اس محل نما حویلی کے ایک کونے میں ذرا ہٹ کے بنا ہوا مردان خانہ بڑے بڑے ایمپلی فائرز سے تھرتھرا رہا تھا۔ حویلی کے سبھی جوان بیاہے کنوارے مرد اس ہال کے بیچوں بیچ ناچتے تھرکتے تین شعلوں کو گھیرے اپنا خون گرما رہے تھے۔ آب خبائث کو پینے پلانے کا شوق دل کھول کر پورا کرنے والوں میں سے جب کوئی منچلا آپے سے باہر ہوتا تو ان میں سے ایک تھرکتے شعلے کو چھونے کی کوشش کرتا تو وہ شعلہ یک دم رک جاتا۔ اپنا آپ چھڑاتا۔ دیکھنے والے قہقہے لگا کر "جی او شیرا" "خوش کیتا ای" کی تانیں اڑا رہے تھے۔

"یار! چل نکل یہاں سے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ہمیں ڈھونڈنا شروع کردے۔" یہ سرگوشی اس ہال سے ملحقہ اسٹور روم میں مختلف چیزوں کو اوپر نیچے رکھ کر بنائی گئی چڑھائی پہ چڑھی ہال میں جھانکتی صبا کی تھی۔ جہاں پہ اک دھماچوکڑی سی مچی تھی۔ سب اپنے آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے۔

"ایک منٹ! ذرا مجھے اس آصف کے بچے کے کرتوت تو ریکارڈ کرنے دے۔" اپنے موبائل سے اندر کی فلم بناتی ہما نے دانت کچکچائے تھے۔

"یار! اپنے ساتھ کیوں میرا بھی کباڑا کروائے گی؟" صبا سرگوشی میں ہی غرائی تھی۔ اس کا ایڈونچر ان دونوں کی شامت لاسکتا تھا۔ پچھلے دس منٹ سے وہ دونوں حویلی کے اس چور راستے کا استعمال کرتے ہوئے یہاں موجود تھیں۔ چچا کے سب سے آخری اور لاڈلے بیٹے (جو کہ کچھ گھنٹوں پہلے رخصت کروائی گئی اپنی دلہن کو چھوڑ ان ناچنے والیوں کو داد تحسین دے رہا تھا۔) کی شادی تھی اور ویسی ہی شان و شوکت سے جیسی کہ اس حویلی کے مکینوں کی ہمیشہ سے ہوتی آئی تھیں۔ وہ کبھی بھی ادھر کا رخ نہ کرتی۔ ہمیشہ ہی شادی کی رات اس حویلی کے مردوں ہی ناچنے والیاں بلا کر شغل میلہ کرتے آئے تھے سو اب بھی۔ لیکن وہ شاید اپنے منگیتر آصف فیاض کے لیے زیادہ ہی پچی ہو رہی تھی۔ جو اس محفل کا ایک حصہ تھا۔

"ہوں جھوٹا لپاڑی۔" فلم بناتے بناتے ہما نے ہونٹ کا اوپری کونا مزید اوپر اٹھایا۔ اسے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ باوجود کوشش کے وہ ان ناچنے والیوں کی شکلیں نہیں دیکھ پا رہی تھیں کہ ہال کے اس حصے میں اسٹیج کچھ اس طرح سجایا گیا تھا کہ ان رقاصاؤں کی ان دونوں کی طرف پشت تھی۔

"تم میری جان ہو' زندگی ہو' تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہے۔" وہ منہ بگاڑ بگاڑ کر جلن نکالنے لگی۔ "پوچھتی ہوں نا میں اس سے۔ کیسے مست ہاتھی کی طرح جھوم رہا ہے کمینہ۔"

"چل بھیا! چل یہاں سے۔" اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر صبا نے کہا۔ صبا کو اب کوفت ہونے لگی تھی۔ اگر گھر کی خواتین میں سے کوئی اٹھ گئی نا تو دونوں نے گنجا ہو جانا تھا۔

"چلتے ہیں' تھوڑا صبر کرلے۔" اس نے اسے گھرکی دی۔ پیچھے دیکھے بغیر وہ یونہی پنجے اٹھائے گردن اونچی کیے فلم بنانے میں اور صبا اس کی ڈھٹائی کو سات سلام پیش کرنے میں جانے اور کب تک مصروف رہتی کہ اپنے پیچھے اچانک اٹھنے والی قدموں کی چاپ نے ان دونوں کی روحیں ایسے فنا کردیں' جیسے سچ مچ کا موت کا فرشتہ آن کھڑا ہو۔

"کیا کرنے کو اور کوئی کام نہیں رہ گیا تم لوگوں کے پاس۔" ابرار بھایا گرجے تھے۔ دونوں اسی فریز انداز میں صرف اپنی گردنیں پیچھے گھمانے کے قابل ہو سکی تھیں۔

"سوری بھایا!" کورس میں بولیں۔

"چلو بھاگو یہاں سے۔ آئندہ میں تم لوگوں کو اس طرف آتا نہ دیکھوں۔" ابرار بھایا نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ اتنی جلدی خلاصی۔ وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگیں۔

"بے وقوف لڑکیاں۔" ابرار نے ان کے پیچھے جملہ پھینکا اور خود بڑھ کر اس روشن دان سے یونہی اندر جھانکا۔ اس کا لمبا قد... اسے کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یونہی ہال میں بپا ہنگامے پہ ناگواری سے نظر دوڑاتے اس کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اپنے ایک کزن شہباز کی مدہوش بانہوں میں مچلتی اس ڈانسر کو دیکھ کر جو اپنا آپ چھڑانے میں بے حال ہوئی جا رہی تھی وہ دوسری وہ مسکراتے ہوئے اپنا رقص جاری رکھے ہوئے تھیں۔ ان کے ساتھ آئے مرد گردن کندھوں کے درمیاں لٹکائے بڑے مزے سے ان پہ نچھاور کیے گئے نوٹ فرش سے اٹھانے اور تھیلے میں منتقل کرنے میں مصروف تھے۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین کرنا مشکل ہو گیا۔ میک اپ کی گہری تہوں میں چھپا اس کا چہرہ وہ ایک لمحے میں پہچان چکا تھا۔ یہ سب ناقابل برداشت تھا وہ بھی ان لوگوں کی ایسی محفلوں اور مستیوں کا حصہ نہیں بنا تھا لیکن اب...

وہ آندھی طوفان بنا غضب سے سرخ پڑتی آنکھیں لیے اسٹور روم سے ملحقہ واش روم جس کا ایک دروازہ ہال میں بھی کھلتا تھا دھکیل کر شہباز کے سر پر جا پہنچا جو ابھی بھی اسے اپنے شکنجے میں کسے گول گول گھوم رہا تھا۔ باقی سب بے ہنگم ناچ اور چیخ چیخ کر اس کی ہمت بندھا رہے تھے۔ اپنے طاقت ور بازوؤں کی پھڑکتی مچھلیوں کا سارا زور آزماتے اس نے اس ڈانسر کو شہباز کے چنگل سے رہائی دلوائی تھی۔

"چھوڑو اسے... ہوش کر۔" اسے کھینچ کر اپنے پیچھے کھڑا کیا اور دوسرے ہاتھ سے لڑکھڑاتے اور اس افتاد کو سمجھتے شہباز کو جھنجوڑ ڈالا۔ ساری دھما چوکڑی وہیں منجمد۔ کسی نے دھما دھم بجتے اعصابی فائرز کا سوئچ آف کر دیا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"خیر ہے؟"

"کوئی مسئلہ ہے۔" بھانت بھانت کی بولیاں۔

وہ لب بھینچے کسی بات کا جواب دیے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ان سب کے درمیان سے اسے نکال لے گیا۔ اس کا کسرتی جسم دراز قد اور کراٹے کی بلیک بیلٹ یافتہ کم از کم جاننے والوں میں سے کوئی اس سے کبھی الجھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اب بھی سب سر جھٹک کچھ نہ سمجھتے ہوئے کندھے اچکا کر دوسری وہ تھرکتی مچھلیوں کے گرد ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

سیاہ لیموزین اس حویلی کے بیرونی پھاٹک سے زن سے نکلی تھی۔ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر لب بھینچے بیٹھا ابرار اور ساتھ کی سیٹ پہ سر جھکائے بیٹھی صبیحہ لب چبا چبا کر سرخ کر چکی تھی۔ گاڑی جانے کہاں اڑی جا رہی تھی رات کے اندھیرے میں...

"کب سے کر رہی ہو دھندا۔" گمبھیر خاموشی میں اس کی چیختی آواز گونجی تھی سوال تھا کہ کوڑا۔ اسے بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ اس کی دھیرے دھیرے ڈوبتی ابھرتی سانسیں بالکل ڈوب گئیں۔

"دھندا..." جھکے چہرے پہ سجے بھرے بھرے ہونٹوں پہ ایک پانی کا قطرہ آٹھہرا۔

"ہاں دھندا!" وہ شاید اپنی زبان ہی چبا جاتا۔ وہ اس وقت اتنے غصے میں تھا وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

"دھت تیری..." ابرار نے اسٹیرنگ وہیل پہ زور سے ہاتھ مارا۔

"دھندا نہیں کرتی میں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں تم تو تسبیح نماز پڑھانے آئی تھیں نا۔" اس کے لہجے کے زہریلے پن سے اس کی نس نس نیلی ہو گئی۔ وہ چپ رہی۔ سر جھکا ہوا ہاتھوں کی انگلیاں موڑ موڑ شاید وہ توڑ ڈالتی۔

"دیکھنے سے کہاں سے ہو؟ کیا اس بازار سے...؟" تفتیش شروع ہو چکی تھی۔ ناک کی سیدھ میں دیکھتے ابرار کے جبڑے کی ہڈیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ اس نے پانی پانی ہوتی آنکھ سے اسے دیکھا۔ جواب تھا پر دینے کی ہمت نہیں۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں؟" گاڑی کو بیچ سڑک پر ایک دم سے بریک لگا تھا اور اسے زور کا جھٹکا۔

"سی۔" ابرار نے اس کا بازو پکڑ کر کئی جھٹکے دے ڈالے۔

"جواب دو۔ بولو۔"

"نہیں۔ میں ایک۔ ایک شریف۔ خاندان۔"

"او شٹ اپ۔" وہ دھاڑا تھا۔

"اپنی غلاظت کو شرافت کا جھوٹا لبادہ مت پہناؤ۔" ایک اور دھاڑ۔

"غلاظت کون سی ابرار سیال! اگر ناچنا غلاظت ہے تمہاری بہن کا فن بھی ایک غلاظت ہے۔" وہ چیخی تھی۔ بہن کا طعنہ سن کر وہ تڑپا نہیں ٹھنڈا ہو گیا، جیسے اس نے میٹھی پھوار برسائی ہو۔ جیسے وہ ہوش میں آیا ہو۔ "اب کیا ہوا؟ ابرار سیال" ٹپ ٹپ برستے آنسوؤں کے برعکس لہجہ ہموار تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے لہو لہو آنکھوں سے اسے دیکھتا کوئی اجنبی ہی محسوس ہوا تھا۔ "اپنی بہن پہ بات آئی تو۔"

"بند کرو بکواس اپنی۔" اس کی بات مکمل نہ ہو سکی۔ اس کے آنسوؤں سے تر چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ در آئی تھی۔ "تم جانتی ہو ابرار سیال ایسا نہیں۔" اب کے اس کے لہجے میں اکڑ کا عنصر شامل نہیں تھا۔

"میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟ کم از کم یہ والا روپ تو پہلے نہیں دیکھا کبھی۔" اپنی گود میں دھرے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں جکڑے ہوئے وہ بولی تھی۔

"بتایا تو تم نے بھی نہیں ان دو سالوں میں کبھی کہ۔" اس سے آگے وہ لب بھینچ گیا۔

"کہ میں دھندا کرنے والی ہوں۔" ضبط کی انتہا پہ وہ جا کھڑی ہوئی۔

"نہیں۔"

"پھر کیا۔" اس کا دل ہمکا تھا جاننے کو۔

"یہی کہ تمہارے گھریلو حالات کیسے ہیں؟" اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا، اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ دو سال سے وہ اس کے دل میں ڈیرہ جمائے بیٹھی تھی۔ ملاقاتیں، تاروں بھرے آسمان کے نیچے گھنٹوں پہ محیط باتیں۔ کوئی ایسا لمحہ اس کی گرفت میں نہیں آ سکا جب اس نے اپنی محبوبہ سے ہٹ کر اس کے کسی بھی مسئلے کے متعلق ایک لفظی سوال ہی پوچھا ہو اور دوسری طرف بھی صرف محبوبہ بنے رہنے پہ ہی اکتفا کیا گیا تھا۔ بال کی کھال نکالنے والا اگر وہ ہوتا تو شاید۔

"ہاہاہا۔" روتی آنکھوں سے ہنستے ہونٹ۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ "کبھی کچھ پوچھا ہوتا صاحب تو بتانے کی ہمت کر ہی لیتی۔ ایک مردہ باپ اور معذور ماں کی چار کم سن جوان بیٹیاں اس معاشرے میں کیسے گزارہ کر سکتی ہیں؟" اس کا سوال بڑا کڑوا تھا۔ وہ اندر سے مل کر رہ گیا۔ محبت اب تاویلیں گھڑ رہی تھی۔ لیکن۔ ہاں اس نے نہ کبھی سوچا، نہ پوچھا۔ بس اس کی نظر میں وہ ایک دل نشین، طرح دار محبوبہ تھی۔ کئی بار ان کے گھر گیا۔ اچھا خاصا بڑا گھر تھا، زندگی کے سارے لوازمات سے سجا۔ وہ چاروں بہنیں اچھے اسکول و کالج میں تھیں۔ جس کالج میں وہ پڑھتی تھی وہ کسی نتھو خیرے کی پہنچ سے باہر تھا۔ باپ تھا نہیں۔ کیسے کماتی ہیں؟ کون سرپرست ہے؟ کوئی سوال نہیں آیا اس کے ذہن میں کبھی۔ وہ تو بس اس چاند کے گرد چکور کی طرح چکراتا رہا، سب کچھ بھلائے۔ اب الجھے ریشم کے سرے اس کے ہاتھ آتے جا رہے تھے۔ اس نے اپنے بال دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیے۔ وہ ساتھ بیٹھی اس کی ایک ایک جنبش کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بے چین تھا۔ پریشان تھا۔

"کچھ تو کہا ہوتا۔" وہ بولا تو صدیوں کی تھکن تھی۔

"کیسے کہہ دیتی؟ کوئی تمغہ تھا کیا؟ ماتھے کا کلنک۔ کیسے اپنے منہ سے؟" اس کے لہجے میں ابرار کے ساتھ مل کر دیکھے گئے سارے خوابوں کی کرچیاں تھیں۔ کتنی دیر گزری۔ آسمان پہ صبح کا نور پھیلنے لگا۔ پرندے اپنے گھونسلوں سے اپنا نصیب تلاشنے نکل کھڑے ہوئے۔ ونڈ اسکرین سے نظر آتا کھلے شیشے کی

بوتل میں بھرے نیلے پانی کے عکس جیسا آسمان۔

"کچھ اور نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔" وہ اٹکا تھا گہرا سانس بھر کر چپ ہو رہا۔

"نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔" وہ اس کا سوال اس کے ہونٹوں سے اچک کر کے گئی۔۔۔ کیسا چٹان لہجہ تھا اس کا۔ "نہیں کر سکتی۔۔۔ کچھ اور۔۔۔ کچھ اور میں پورا پڑتا۔۔۔ لاچار ماں اور چار جانوں کا۔۔۔" الجھے، بے ربط جملے اس کی ذہنی کشیدگی کا ثبوت تھے۔

"کچھ اور کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ بولتے بولتے رکی تھی۔ دونوں میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"ایک کم سن میٹرک کی طالبہ۔۔۔ جس کا باپ دیار غیر سے ایک لاش کی صورت میں آئے۔۔۔ جس کی ماں صدمے سے فالج کا شکار ہو جائے۔۔۔ وہ کچھ اور کیسے ڈھونڈتی؟ کچھ اور میں کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے بہتر یہی سمجھا کہ اپنا رقص بیچوں۔ جسم کی بجائے۔۔۔ بڑے گناہ سے بچنے کے لیے چھوٹے گناہ کا راستہ اپنا لیا۔۔۔ کیا غلط کیا صاحب۔۔۔؟" ہونٹ کھلتے وہ بول نہیں رہی تھی۔۔۔ کرلا رہی تھی۔ اب اس کے گپ چپ بیٹھنے کی باری تھی۔ کیا کیا نہ سوچ رکھا تھا؟ وہ کبھی اپنے اور اس کے بیچ کے طبقاتی فرق کو خاطر میں نہ لایا تھا۔

رئیس باپ کا شاہ خرچ سپوت، علم کے ساتھ ساتھ مردانہ وجاہت کی دولت سے مالا مال۔۔۔ بے شمار لڑکیاں اس کی نظر سے پھسلی تھیں۔ اس نے نہیں پڑاؤ نہ ڈالا تھا۔ اسے صنف نازک بھی متاثر نہ کر پائی تھی۔ ملک کے بہترین تعلیمی اداروں سے حاصل کی گئی مختلف ڈگریوں کے انبار لگاتا۔۔۔ جسمانی طاقت میں یکتا۔ اسے کسی نظر کا تیر، کسی زلف کا بادل، کسی کا لمس نہ پگھلا سکا۔

بہن کے کالج میں ہونے والے کلچرل شو میں شریک کلاسیکل موسیقی پہ محو رقص اس مورنی پہ وہ دل و جان سے فدا ہو چکا تھا۔ کھٹا کھٹ کتنی تصویریں وہ اس کی لے چکا تھا۔ وہ اس کی آئیڈیل تو نہیں تھی، لیکن اسے دیکھ کر اسے یہی لگا تھا کہ اگر کوئی آئیڈیل بنایا ہوتا

تو وہ اس خاکے میں فٹ بیٹھتی۔ اتنے بڑے کالج میں اسے ڈھونڈنے میں اسے بالکل تردد نہیں کرنا پڑا تھا۔ جیسے ہی صبا کو موبائل میں سیوڈ اس کی تصویریں دکھائیں وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"یہ تو میری کلاس فیلو ہے۔ صبیحہ۔ صبیحہ نام ہے اس کا۔" جوش سے تمتماتا چہرہ لیے وہ بولی تھی۔

"تھینکس گاڈ۔" بے ساختہ گہرا سانس بھرا تھا۔ اس کی تلاش میں وہ کنوؤں میں بانس ڈلوانے سے بال بال بچا تھا۔

"بھائی! آپ کو یہ پسند ہے۔" صبا نے بغیر ہچکچاہٹ کے پوچھا تھا۔ اس کا رعب تھا' لیکن ڈر نہیں۔ سارے میں وہ "جینٹل مین" کے نام سے مشہور تھا۔ نرم دل' کھرا' سچا۔ شفیق سیال کا اکلوتا سپوت' جتنا بیٹا مہربان فطرت کا تھا اتنے ہی شفیق سیال عاجز بندے تھے۔ ایک بڑی جاگیر کے مالک' ستھری علاوات' اعلا اخلاقیات کی دولت سے اپنے بچوں ابرار اور صبا کو بھی مالا مال کیا تھا۔ کوئی "میں" نہیں تھی ان سب میں اور خاص کر ابرار سیال میں تو بالکل نہیں۔

"بتائیں نا۔" جواب کی منتظر صبا کو اس کی تاخیر ناگوار گزری تھی۔

"تو اور کیا بد ہو؟ ایسے ہی اس کی تصویریں اٹھائے پھر رہا ہوں۔" وہ بڑی ادا سے سینے پہ ہاتھ رکھ کر بولا تھا۔

"اوووو۔" صبا کے گول ہونٹ اور گھومتی آنکھیں دیکھ کر اس نے ایک چپت اسے رسید کی تھی۔ اسی کھی کھی میں ابرار کا جان دار قہقہہ بھی شامل ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

بعد کے مراحل کتنے آسان ثابت ہوئے تھے۔ صبا کو صبیحہ سے دوستی کرنے میں زیادہ تردد نہ کرنا پڑا۔ وہ بڑی ہنس مکھ سی لڑکی تھی۔ اسے بھایا کی پسند بھائی تھی۔ اونچا لمبا قد' سنہری رنگت' شفاف بڑی بڑی آنکھیں' اپنے لمبے سیدھے بالوں کی طرح وہ بھی سیدھی سادی تھی۔

"چلے گی۔" وہ خوش تھی۔

اب بھایا باقاعدگی سے اپنی لیموزین لیے ان کے کالج کے گیٹ کے سامنے آکھڑے ہوتے۔ آفس' دوست سب ہی بھولا ہوا تھا اسے۔ محبت کو کسی لاڈلے بچے کی طرح وہ پال رہا تھا۔ صبیحہ کو صبا مختلف بہانوں سے کھینچ کھینچ کر اس کی گاڑی میں لے آتی۔ نظریں ملتی' صبیحہ کا دل کتنی دھڑکنیں دھڑکنا بھول جاتا۔ اس کا دل بھی محبت کے نغمے پہ جلد دھڑکنے لگا۔ شروع میں وہ بہت ڈری گھبرائی۔

"اتنا بڑا آدمی جو اگر اسے اس کی چھوٹائی (جاب) کا پتا چل جاتا تو؟" کیسے سوالوں کے بھوت اسے آ ڈراتے۔ دل اس کی طرف دھمکتا اور دماغ۔ عقل کا چراغ لیے آس پاس چکراتا رہتا۔ وہ کیا کرتی؟ ابرار کی محبت کی گرمی اس کے ارادوں کی چٹان کو پگھلانے لگی۔ عقل کا چراغ دھیرے دھیرے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ جوانی کی محبت بڑی بے خوف ہوتی ہے۔ سرور آور وہ اس نشے میں ڈوب کر ہر خوف سے بے نیاز ہو گئی۔

کیا اس کا محبت کرنے پہ کوئی حق نہیں؟ یہ سوال اس نے خود سے کئی بار پوچھا۔ جواب ایک ہی "ہاں اور بس ہاں" "تو پھر ڈر کیسا؟" اور ابرار ویسے بھی ایک کھلے دماغ کا سلجھا ہوا جوان تھا۔

"میں جلد یہ چھوڑ دوں گی۔" ہمیشہ کی جھوٹی تسلی۔ یہ "کمبل" تو ایسے چمٹا تھا کہ توبہ ہی بھلی۔ یہ نجی محفلوں میں ناچنے کا پیشہ اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ جیسے گوشت خور جانور گھاس لاکھ چاہنے پہ بھی نہیں کھا سکتا۔ چاہے بھوکا مر جائے۔ ویسے ہی وہ اس کمبل سے پیچھا نہ چھڑا سکی۔ ابھی تک تو اس کی تعلیم بھی مکمل نہ ہوئی تھی۔ یہ کام چھوڑ دیتی تو ایک اس ڈگری کی آس بھی ختم ہو جاتی۔ جس سے وہ اس معاشرے میں کوئی اچھی جاب حاصل کر کے شریف لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتی۔

"بس جلد ہی۔" کا عزم کرتے کرتے وہ آج کہاں آ

پہنچی تھی۔ فیصلہ تو اسی منصف نے کرنا تھا جس نے محبت کا طوق اس کے گلے میں سجایا تھا۔ اب چاہے اس طوق کو تمغہ بنا دیتا یا پھندا۔۔۔ وہ منتظر تھی۔۔۔ عدالت لگ چکی تھی۔

"فیصلہ کرو صاحب۔ میں تیار ہوں۔" جی کڑا کر کے اس نے کہا تھا۔ اب اور انتظار کرنا تھا۔ فیصلہ کرنا اتنا آسان کہاں ہوا کرتا ہے؟ بڑے پینڈے پار کرنے پڑتے ہیں' سود و زیاں کے گوشوارے کھنگالنے پڑتے ہیں۔

"تم بتا سکتی تھیں مجھے۔۔۔ دو سال۔۔۔ صبح۔" وہ اسے یونہی پکارا کرتا تھا۔ کیسی بے بسی تھی۔۔۔ کچھ لاعلمیاں انسان بہا چلنے پر نہ نگل سکتا ہے' نہ اگل۔۔۔

"اپنا دریدہ بدن ننگا کرنا آسان ہوتا ہے کیا؟" سرد ٹھٹھرتا لہجہ۔۔۔ ابرار کو جھرجھری سی آئی تھی۔ اس کی بھی کیا غلطی تھی؟ شاید وہ بھی یہی کرتا ان حالات میں جو صبح نے کیا تھا۔ وہ اس کی مجبوری سمجھ رہا تھا۔ ابتدائی صدمے سے باہر آ کر وہ سوچ رہا تھا۔ منطق اور دلیل سے۔

ہاں' باپ نے عرصہ پہلے اپنی پسند کی شادی کرنے کی اسے اجازت دے رکھی تھی۔۔۔ جو بھی جیسی بھی۔۔۔ بس وہ پسند تو کرے۔۔۔ اسے معلوم تھا گھر میں کوئی اعتراض کرے بھی تو اس کی مرضی اور پسند کو ہی مقدم جانا جاتا تھا۔ ابو اور اس نے کبھی صبا کے رقص کے شوق پہ نا پابندی لگائی' نہ اعتراض کیا۔۔۔ بلکہ ایک کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں اس کا خصوصی ایڈمیشن کروایا تھا۔۔۔ اسی بات کا حوالہ تو صبح نے دیا تھا کہ اگر تمہاری بہن کرے تو فن اور ہم جیسی کریں تو طوائف۔۔۔ وہ پابندیاں لگانے والا نہیں تھا۔ صبح مکمل طور پر آسمان پہ نمودار ہو چکی تھی۔ کاسنی رنگ کا آسمان کتنا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ رات یونہی کار میں بیٹھے بیٹھے بیت گئی تھی۔ وہ دونوں کچھ ہی گھنٹوں میں کتنی مسافتیں طے کر آئے تھے۔ تھکن عمر رسیدگی کی طرح ان کے چہروں پہ چپکی پڑی تھی۔

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ تمہیں میرا سارا خاندان شادی میں ناچتے دیکھ چکا ہے۔ مجھے دنیا کیا کہے گی کا خوف بھی نہیں۔ یہ بھی میرے لیے ذرہ برابر اہمیت کا حامل نہیں کہ میرے باپ کے سر پہ رکھی عزت کی اونچی دستار تمہارے ساتھ شادی کرنے پہ داغ دار نہ ہو جائے۔" فیصلہ سناتا منصف ایک پل کو رکا تھا۔ اس کی کھلی آنکھوں میں بجی پتلیاں شاید پتھرکی ہو چکی تھیں۔۔۔ شاید وہ ساری ہی پتھر کی ہو چکی تھی۔ صرف سماعتیں متحرک تھیں۔ "ان دو سالوں میں ہم دونوں نے کتنی تنہائیاں بانٹیں۔۔۔ کتنے قربت کے لمحات ہمارے درمیان رقص کرتے رہے۔۔۔ دوریوں کا بھوگ بھی کاٹا۔۔۔ ہم مکمل جیسے۔۔۔ ہر ہر پل۔۔۔" وہ پھر رک گیا۔ اس کا دل بھی رک گیا۔۔۔ کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔۔۔ وہ کیا کہنے والا تھا؟

"میں مکمل جینا چاہتا تھا تمہارے ساتھ۔۔۔" اس کا سکواول اک چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ یہ "تھا" اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ "میں دنیا کو فیس کر سکتا ہوں۔۔۔ مگر میں خود سے نظریں نہیں چرا سکتا۔ میں تمہارے ساتھ مکمل نہیں جی سکتا۔ یہی سوچ ہمارے بیچ دیوار بن جائے گی۔ میرے علاوہ۔۔۔ مجھ سے پہلے کبھی کہیں کسی کا لمس تمہارے بدن پہ جاگا ہو۔" اس کی بھیگی آنکھیں دیکھنا صبح کے لیے بہت اذیت ناک ہو رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ باخدا صاحب۔۔۔" وہ اسے کیسے یقین دلاتی۔ "وہ نہیں ہو گی ایسی بات۔۔۔ مجھے یقین ہے تمہارا۔۔۔ لیکن میرا خود پہ اختیار نہیں۔۔۔ میں تمہیں اذیت کے سوا کچھ نہ دے پاؤں گا۔۔۔ میری محبت بھی مجھ سے تمہیں ملنے والی اذیت کا مداوا نہیں کر پائے گی۔" فیصلہ ہو چکا تھا۔ اب اور کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ ایک مرد کی "مردانگی" نے "محبت" کو چاروں خانے چت کر دیا تھا۔ اب انہیں ساری عمر اس ایک لمحے کے زیر اثر کی گئی آرزو کا طواف کرنا تھا۔

☆ ☆

شعاع عمیر

## القرآن

☆ اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ انعام ۔ ۱۷)

☆ اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ (سورۃ الحجرات ۔ ۱۲)

## منافق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں' وہ ہو بہو منافق ہے اور جس شخص کے اندر ان میں سے کوئی (ایک) خصلت پائی جائے' اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی تاوقتیکہ وہ اسے چھوڑ نہ دے (وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔)

۱۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔

۲۔ جب بات کہے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے۔

۴۔ اور جب جھگڑے تو فاجرانہ حرکتیں (گالی گلوچ کرے"

(بخاری ، مسلم مسکوۃ ص ۔ ۱۷)

## حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

1۔ جب جسم موت کے لیے ہے تو اللہ کی راہ میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔

2۔ سردار بننا چاہتے ہو تو جدوجہد کو اپنا معمول بناؤ۔

3۔ اس چیز کے درپے نہ ہو' جسے تم نہیں پاسکتے یا نہیں سمجھ سکتے۔

4۔ اپنے کام کے صلے کی واجب سے زیادہ امید نہ رکھو۔

5۔ ظالموں کے ساتھ رہنا بذات خود ایک جرم ہے۔

فوزیہ ثمروٹ۔۔۔۔ گجرات

## عورت اور مرد

عورت کو بڑا آرام ہے۔ اسے پوری دنیا میں ایک آدمی اچھا لگتا ہے اور باقی سارے مردوں سے اسے نفرت ہو جاتی ہے۔ مرد کو عورت ذات سے پیار ہے یہ کسی روپ میں کہیں بھی ہو اسے اچھی لگے گی۔ (بانو قدسیہ)

اقرا امتیاز۔۔۔۔ سرگودھا

## جن کے دل میں اللہ ہو!

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک یہودی آیا اور کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ مسلمان جب عبادت کرتے ہو تو برے برے خیالات آتے ہیں جبکہ ہم عبادت کرتے ہیں تو ہمیں نہیں آتے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: اگر ایک گھر فقیر کا

ہو اور ایک گھر امیر کا تو چور کہاں جائے گا۔"

یہودی نے کہا: "امیر کے گھر میں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تبھی تو شیطان ان کو ستاتا ہے جن کے دل میں اللہ ہو جن کے دل میں اللہ نہیں ہو تا وہاں شیطان کا کیا کام۔"

سیدہ رملہ بخاری۔۔۔ جہلم

## بیوہ اور یتیم

ایک مشہور پادری اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مجمع میں چندے کی درخواست کی اور ساتھ ہی کہا کہ جو بیوہ اور یتیم ہوں وہ چندہ نہ دیں۔ آپ یقین نہیں کریں گے سارا مجمع ہی بیوہ عورتوں اور یتیموں کا نکلا۔

یاسمین حنفی۔۔۔ کراچی

## بابا بھلے شاہ

پڑھ پڑھ کتاباں علم دیاں توں نام رکھ لیا قاضی
ہتھ وچ پھڑ کے تلوار نام رکھ لیا غازی
مکے مدینے گھوم آیا تو نام رکھ لیا حاجی
او بھلیا حاصل کی لیتا؟ جے توں رب نا کیتا راضی

## قرآنی معلومات

☆ قرآن مجید میں چار مسجدوں کے نام ہیں۔

☆ مسجد الحرام مسجد اقصیٰ مسجد قبا مسجد ضرار

قرآن مجید میں چار شہروں کے نام ہیں۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ بابل۔ مصر

☆ قرآن مجید میں چار پہاڑوں کے نام ہیں۔ طور سینا۔ الجودی۔ الصفا۔ المروۃ۔

☆ قرآن مجید میں چار دھاتوں کے نام ہیں۔ سونا، چاندی، تانبا، لوہا۔

☆ قرآن مجید میں چار سبزیوں کے نام ہیں۔ پیاز، لہسن، ککڑی، ساگ

ریما نور رضوان۔۔۔ کراچی

## موتی مالا

☆ اچھے کے ساتھ اچھے رہو مگر برے کے ساتھ برا مت کرو کیونکہ تم پانی سے خون دھو سکتے ہو مگر خون سے خون نہیں۔

☆ جن کے دل کے آئینے اجلے ہوں، ان کے مقدر کبھی دھندلے نہیں ہوتے، جو ہم کھو دیتے ہیں قدرت نے پہلے سے ہمارے لیے بہترین چن رکھی ہوتی ہے۔

☆ غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تکلیف بھی دور کرے گا۔

☆ نیک لوگوں کی محبت میں ہمیشہ بھلائی ملتی ہے کیونکہ جب ہوا پھولوں سے گزرتی ہے تو وہ بھی خوشبو دار بن جاتی ہے۔

طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیر والا

## سیاست

ایک کمیونسٹ صدر نے کمیونسٹ وزیر اعظم سے پوچھا "کامریڈ! تمہیں معلوم ہے کہ بلی کو مرچیں کیسے کھلانا چاہیے؟"

"بلی کو مرچیں کھلانے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں" وزیر اعظم نے جواب دیا "ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسے چاروں شانے چت کر دیا جائے پھر اس کے منہ میں مرچیں ٹھونس دی جائیں۔"

"یہ طریقہ ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔ دشمن اخبارات شور مچائیں گے کہ ہم تشدد پسند ہیں اور کمزور کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر دبا لیتے ہیں۔"

"دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم مچھلی کے پیٹ میں مرچیں بھر دیں اور مچھلی کو بلی کے سامنے ڈال دیں۔ وہ خود ہی ہنسی خوشی مچھلی کو ہڑپ کر جائے گی۔"

"دنیا ہمیں پہلے ہی فریبی اور دھوکے باز کہتی آ رہی ہے کامریڈ، بلی کو مرچوں بھری مچھلی کھلائی تو اور زیادہ بدنامی ہوگی۔ ایسا طریقہ بتاؤ جس پر عمل کر کے ہم بلی کو مرچیں بھی کھلا دیں اور دنیا والے بھی ہم پر انگشت نمائی نہ کر سکیں۔"

"مجھے تو بس یہی دو طریقے آتے ہیں۔"
"کہو' مانتے ہو؟"
"ہاں کامریڈ۔ہار مانتا ہوں۔"
صدر نے کہا۔ دیکھو کامریڈ! انسان کی آنکھوں میں مرچیں جھونکنا یا بلی کو مرچیں کھلانا ایک ہی طریقے سے ممکن ہے۔ بلی کی دم پر پسی ہوئی مرچوں کا لیپ کر دو' وہ اپنی رضا اور خوشی سے ساری مرچیں چاٹ لے گی اور انسان کے ہاتھ میں مساوات فیکٹری کی پسی ہوئی مرچوں کا ڈبا تھما دو' وہ رغبت اور چاؤ سے پورا ڈبا اپنی آنکھوں میں جھونک لے گا۔

صغریٰ یاسین۔۔۔ دادو

## لڑکی کا ابا

کوچہ یار میں میں نے جو جبیں سائی کی
اس کے ابا نے میری خوب پذیرائی کی
میں تو سمجھا تھا کہ وہ شخص مسیحا ہو گا
اس نے پر صرف میری تارہ مسیحائی کی
(ضیاالحق قاسمی)

## سب کو خوش رکھنا

ایک شیخ نے اپنے مرید کو خرقہ خلافت عطا کیا اور اسے کسی بستی میں تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد شیخ کو اطلاع ملی کہ ان کا مرید بڑا کامیاب ہے سب لوگ اس سے خوش ہیں۔ شیخ نے مرید کو طلب کیا اور کہا کہ خرقہ خلافت واپس کر دے۔ مرید نے شیخ سے ناراضی کا سبب دریافت کیا۔ شیخ نے کہا سنا ہے کہ "سب لوگ تجھ سے خوش ہیں۔"
مرید نے کہا "آپ کی مہربانی ہے۔" شیخ نے غصے سے کہا کہ "سب لوگوں کا تجھ سے خوش ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ تم نے سچ بولنا چھوڑ دیا ہے۔"

کوثر پروین۔۔۔ ملسی

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

لوگوں سے یاد نہ کرنے کا شکوہ مت کر کیونکہ جو انسان اپنے رب کو بھول سکتا ہے۔ وہ سب کو بھول سکتا ہے۔

سیدہ نسبت زہرہ۔۔۔ کہروڑ پکا

## انداز

خاتون سیکرٹری نے کہا۔ "میرا باس بہت شریف آدمی ہے اس کے ساتھ کام کر کے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کی شرافت کو باقی رکھنے کے لیے ہفتے میں ایک دو بار مجھے اس کے منہ پر چانٹے بھی لگانے پڑتے ہیں۔"
سہیلی نے پوچھا "تنخواہ میں اضافہ کیسے کراتی ہو؟"
خاتون سیکریٹری مسکرا کر بولی "جب تنخواہ میں اضافہ کرانا ہو تو پھر میں چانٹے سے گریز کرتی ہوں۔"

رو ملیحہ مسور۔۔۔ کراچی

## بڑے لوگ بڑی باتیں

☆ زندگی کی عظمت علم میں نہیں' عمل میں پنہاں ہے۔ (تھامس ہنری)
☆ زندگی کے بارے میں ایک چیز دلچسپ ہے اگر آپ ماسوائے بہترین کچھ اور قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔۔۔ تو آپ اکثر اس کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ (ڈبلیو ہیرٹ)
☆ انسان وہی کچھ ہوتا ہے جو کچھ وہ اعتقاد رکھتا ہے۔ (اینٹون چیک ہوو)
☆ دماغ کا اپنا ایک مقام ہے یہ جنت کو دوزخ اور دوزخ کو جنت بنا سکتا ہے۔ (جان موکٹن)
☆ عیب' نقائص ہرگز تلاش نہ کریں بلکہ ان کی اصلاح کریں۔ (ہنری فورڈ)
☆ لوگوں کی صحت ایک ایسی حقیقی بنیاد ہے۔ جس پر ان کی خوشی اور بطور ایک ریاست ان کی تمام طاقت کا انحصار ہے۔ (بنجمن ڈسرلی)
☆ محض ایک ہی کامیابی وجود پذیر ہے' آپ اس قابل ہوں کہ اپنی زندگی اپنی طرز پر گزار دیں۔ (کرسٹو فر مورلے)

## لفظوں کے موتی

☆ وقت ہمارے پاس ایسے آتا ہے جیسے کوئی دوست بھیس بدل کر اور تحفے لے کر آتا ہے۔ اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو چپ چاپ وہ اپنے تحفوں کے ساتھ واپس چلا جاتا ہے۔ اس دنیا میں اپنا ہر دن یہ سمجھ کر گزار دو کہ یہ تمہارا آخری دن ہے۔

☆ علم انسان کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کنول کے پھول کے لیے پانی۔

☆ پانی کی ایک بوند میں نمک ملا دیا جائے تو وہ آنسو نہیں بن جاتا۔

☆ جو شخص نگاہ کی التجا کو نہ سمجھے اس کے سامنے زبان کو شرمندہ مت کرو۔

☆ امید اس پرندے کی مانند ہے جو صبح کاذب میں ہی روشنی کے احساس سے چہچہانے لگتا ہے۔

☆ دنیا ہمیشہ اپنی حالت پر قائم رہے گی لیکن اس قفس کے اسیر بدلتے رہیں گے۔ قانون قدرت ہمیشہ کسی جاندار کو قید نہیں رکھتا۔

☆ اللہ کو گناہ گار توبہ کرنے والے کی آواز سے زیادہ پیاری اور کوئی آواز نہیں۔

نوشین اقبال نوشی ۔گاؤں بدر مرجان

## بیوی...... مفکرین کی نظر میں

☆ دوسری تمام چیزیں تو قسمت اور محنت سے ملتی ہیں لیکن بیوی آسمانی تحفہ ہے۔ (پوپ)

☆ اگر جنت میں مجھے میری بیوی نہ ملے تو وہ میرے لیے جنت نہ ہوگی۔ (جیکسن)

☆ ایک خوب صورت مگر غریب بیوی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی عالیشان عمارت بغیر فرنیچر کے ہو۔ (فلر)

☆ لمبی عمر پانے کے لیے بیوی بے حد ضروری ہے' اس لیے کہ آدمی کی آدھی پریشانیاں اور اس کا دو تہائی غصہ تو وہ بے چاری بھگت لیتی ہے۔ (چارلس ڈیو)

☆ میری زندگی کا ایک حسین پہلو یہ ہی کہ میرے گھر سے نکلتے اور گھر میں داخل ہوتے وقت میری بیوی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ (ولسن)

آمنہ ملک..... کراچی

## بے چارگی

کال بیل بجی۔ صاحب خانہ نے دروازہ کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ غریبانہ سے حلیے کا ایک نوجوان دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا۔ وہ شائستہ اور عاجزانہ لہجے میں بولا۔

"سر! معاف کیجئے گا..... میں نے آپ کو زحمت دی۔ دراصل بہت سخت ضرورت کے تحت میں آپ سے ایک چیز مانگنے آیا ہوں۔"

وہ صاحب ذرا چڑ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "اگر کچھ مانگنے آئے ہو تو کم از کم تمیز سے تو کھڑے ہو جاؤ' تم تو دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے لاٹ صاحب کی طرح کھڑے ہو' انسان جب کسی سے کچھ مانگنے جائے تو اس کے رویے میں کچھ عاجزی ہونی چاہیے۔"

نوجوان نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "سر! پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہونا میری مجبوری ہے' اگر میں نے جیبوں سے ہاتھ باہر نکالے تو پتلون نیچے گر جائے گی۔ اس پتلون کے لیے بیلٹ مانگنے ہی تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

عمارہ ناصر..... کراچی

## کوئی اور تھا

مرے چار سو جو کھلا رہا وہ جمال تو کوئی اور تھا
مرے خواب جس میں الجھ گئے وہ خیال تو کوئی اور تھا
یہاں کس حساب کو جوڑتے
میرے صبح شام بکھر گئے!
جو ازل کی صبح کیا گیا وہ سوال تو کوئی اور تھا!
جسے تیرا جان کے رکھ لیا وہ ملال تو کوئی اور تھا

(امجد اسلام امجد)

بشریٰ محمود

**رُباب راجپوت،کی ڈائری میں تحریر**
**فیض احمد فیض کی نظم**

گر مجھے اس کا یقیں ہو میرے ہمدم میرے دوست
گر مجھے اس کا یقیں ہو کہ تیرے دل کی تھکن
تیری آنکھوں کی اُداسی، تیرے سینے کی جلن
میری دلجوئی، میرے پیار سے مٹ جائے گی
گر میرا حرف تسلی وہ دوا ہو جس سے
جی اُٹھے پھر تیرا اُجڑا ہوا بے نور دماغ
تیری پیشانی سے دُھل جائیں یہ تذلیل کے داغ
تیری بیمار جوانی کو شفا ہو جائے
گر مجھے اس کا یقیں ہو میرے ہمدم، میرے دوست
روز و شب، شام و سحر میں تجھے بہلاتا رہوں
میں تجھے گیت سناتا رہوں ہلکے شیریں
آبشاروں کے، بہاروں کے، چمن زاروں کے گیت
آمدِ صبح کے، مہتاب کے، سیاروں کے گیت
پر میرے گیت تیرے دُکھ کا مداوا ہی نہیں
نغمہ جراح نہیں، مونس و غم خوار سہی
گیت نشتر تو نہیں، مرہم آزار سہی
تیرے آزار کا چارہ نہیں نشتر کے سوا
اور یہ سفاک مسیحا میرے قبضے میں نہیں
ہاں مگر تیرے سوا، تیرے سوا، تیرے سوا

---

**نادیہ نجمہ،کی ڈائری میں تحریر**
**شکیب جلالی کی غزل**

دُنیا والوں نے چاہت کا مجھ کو صلہ انمول دیا
پیروں میں زنجیریں ڈالیں، ہاتھوں میں کشکول دیا

اتنا گہرا رنگ کہاں تھا، رات کے میلے آنچل کا
یہ کس نے رو رو کے گگن میں اپنا کاجل گھول دیا

یہ کیا کم ہے اس نے بخشا اک مہکتا درد مجھے
وہ بھی ہیں جن کو بس رنگوں کا اک چمکیلا خول دیا

بیتے لمحے دھیان میں آکر مجھ سے سوالی ہوتے ہیں
تو نے کس بنجر دھرتی میں من کا امرت ڈول دیا

اشکوں کی اُجلی کلیاں ہوں یا سپنوں کا کندن پھول
الفت کی میزان میں، میں نے جو تھا سب کچھ تول دیا

---

**صدف عمران،کی ڈائری میں تحریر**
**پروین شاکر کی نظم**

**اعتبار مت کرنا**

یہ جھکی جھکی آنکھیں
یہ رُکا رُکا لہجہ
لب پہ بار بار آ کے
ٹوٹتا ہوا فقرہ
گرد میں اَٹی پلکیں
دُھوپ سے تپا چہرہ
سر جھکائے آیا ہے
اک عمر کا بھولا
دل ہزار کہتا ہے
ہاتھ تھام لوں اس کا

چوم لوں یہ پیشانی
تو اٹھنے نہ دوں تنہا
کوئی دل سے کہتا ہے
سارے حرف جھوٹے ہیں
اعتبار مت کرنا!
اعتبار مت کرنا!

---

## عینی، کی ڈائری میں تحریر

فاطمہ نجیب کی غزل

کبھی سوچتی ہوں خدا کرے
تجھے عشق ہو تو پتا چلے

اٹھے پھر دھواں دل زار سے
تیرے سامنے یہ متاع جلے

نہ ہو تجھ سے کوئی غرض مجھے
نہ نظر کروں تیرے حال پر

دے صدائیں تجھ کو لگی لگی
مجھے ڈھونڈتا پھرے دربدر

تو جو جاگے نیند سے چونک کر
تیری آنکھ میں ہی سوال ہوں

نہ ملوں تو درد ہو لادوا
تجھے رتجگوں کے ملال ہوں

یونہی ہاتھ دل پہ دھرے دھرے
میری یاد، تو جگا کرے

پڑھے تسبیح پھر میرے نام کی
تو نماز عشق ادا کرے

---

## مدیحہ، کرن، کی ڈائری میں تحریر

جواد اشرف کی نظم

کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
کوئی ایک لفظ تو ایسا ہو جو قرار ملے
کہیں ایسی رت بھی ملے ہمیں جو بہار ہو
کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ ہمیں پیار ہو
کوئی ایسا شخص تو یوں ملے کہ چراغ جاں
اسے نور دے اسے تاب دے بنے کہکشاں
کوئی غم ہو جن کو کہا کریں غم جاوداں
کوئی یوں قدم ملائے کہ بنے کارواں
کوئی ایک شخص تو ملے کہ سکوں ملے
کہ جو عکس ذات ہو بہو
مرا آئینہ میرے روبرو
کوئی رابطہ جس میں نہ میں نہ تو
سر خامشی کوئی گفتگو
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے

شگفتہ سلیمان

کرن رحمٰن ____________ فیصل آباد

ملے خود سے تو پوچھیں گے
کہاں کھو آئے اپنا دل
کس کو ہم نے کب چاہا
بس اس کا ہم نے رکھا دل

مدیحہ فہید، ایمان ____________ مدینہ کالونی

کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ میری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی
اس ترک رفاقت پہ پریشاں تو ہوں میں
اب تک کے ترے ساتھ پہ حیرت بھی بہت تھی

نادیہ، نجمہ ____________ کراچی

اپنا آپ مٹا ڈالا اس بیکار سی خواہش میں
میرا ذکر کتابوں میں ہو میرا نام رسالوں میں

ارم ذوالفقار ____________ کراچی

ہر کوئی رو کر دکھائے یہ ضروری تو نہیں
خشک آنکھوں میں بھی سیلاب ہوا کرتے ہیں

فریحہ ظفر ____________ کراچی

مدتوں ذہن میں گونجوں گی سوالوں کی طرح
یاد آؤں گی گزرے ہوئے سالوں کی طرح
جس روز ڈوب جائے گا خورشید انا
مجھ کو دہراؤ گے محفل میں مثالوں کی طرح

صدف عمران ____________ کے ڈی اے سوسائٹی

ہو سکے تو روح میں سمالو ہمیں
دل و نگاہ کے رشتے تو ٹوٹ جاتے ہیں

افشاں جعفری ____________ کراچی

محبتوں پر بہت اعتماد کیا کرنا
جو بھلا چکے ہیں ہمیں انہیں یاد کیا کرنا
وہ بے وفا ہے مگر اب ذرا سوچ
ذرا سی بات پر اتنا فساد کیا کرنا

غزل ____________ لاڑکانہ

حسن بڑھا دے ذات کا وہ غم اچھا لگتا ہے
اس کی آنکھ میں ہلکا سا نم اچھا لگتا ہے
بڑی بڑی رنجش کی باتیں اس کو یاد نہیں
اور ذرا سی بات پہ برہم اچھا لگتا ہے

صائمہ ____________ اسلام آباد

ابھی تک اس نے کوئی بھی تو فیصلہ نہ کیا
وہ چپ ہے مجھ کو ہر طرح آزما کے بھی

عالیہ خاتون ____________ سیلی

کسی سے ربط بہم استوار بھی نہ کیا
فرار بھی نہ ہوئے کھل کے پیار بھی نہ کیا
بہت اکیلی وہ بدنصیب ہے جس نے
تمام عمر کوئی انتظار بھی نہ کیا

افشاں ____________ راجن پور

مجھ سے بچھڑ کے تو بھی روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تیری خواہشوں میں ہوں

روبینہ ناز ____________ جہلم

کیوں چپکے سے وہ لوگ اتر جاتے ہیں دل میں
جن لوگوں سے قسمت کے ستارے نہیں ملتے

بینا ظفر ____________ کراچی

جو خامشی کے نگر میں مقیم ہوتے ہیں
وہی تو اصل میں روح کلیم ہوتے ہیں
میں پوچھتا ہوں پتنگوں کو اس لیے محسن
کہ روشنی کے پیمبر عظیم ہوتے ہیں

سمی ظفر ____________ کراچی

خیالوں میں ذرا ہم نے تمہارا تذکرہ چھیڑا
تصور میں تمہارے شہر سے ہو کر پلٹ آئے

عائشہ ـــــــــــــ گوجرہ

ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آجائے تو گھر ویرانے ہوجاتے ہیں
ہر ایک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتے ہی
راتیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہوجاتے ہیں

تحریم ـــــــــــــ کراچی

یہ مرجاتی ہے اپنی موت خود ہی
محبت کا کوئی دشمن نہیں ہے

ناہید ام ـــــــــــــ کراچی

تیرا نام آیا جو میری زباں پر
ہوا گنگنا دی، فضا مسکرا دی
زباں بندیوں سے نہیں راز چھپتے
نگاہوں نے ساری کہانی سنا دی

ایمان سرفراز ـــــــــــــ پتوکی

مجھے یقین ہے کہ تم منفرد ہو اوروں سے
تمہیں گماں ہے شاید میں اوروں جیسا ہوں

بینش مدثر ـــــــــــــ فیصل آباد

ہر زخم کی آغوش میں ہے درد تمہارا
ہر درد میں تسکین کا احساس بھی تم ہو

رمشا ـــــــــــــ بھائی پھیرو

ٹھہری ہے خاموشی ہی گر طرز گفتگو
عجیب شخص ہے، پھر تالیاں بجاتا ہے

رباب ـــــــــــــ پھول نگر

تم اگر یاد رکھو گے تو عنایت ہوگی
ورنہ ہم کو بھی کہاں تم سے شکایت ہوگی
زندگی درد کے صحرا کا عنواں ہی تو ہے
تم اگر بھول بھی جاؤ تو روایت ہوگی

کرن گل ـــــــــــــ قصور

پروں سے باندھ کر پتھر مجھے اڑاتا ہے
عجیب شخص ہے، پھر تالیاں بجاتا ہے

رعنا سرفراز ـــــــــــــ کراچی

گوزہ گر میری ایک خواہش ہے
مجھ میں اب دل کہیں نہ رکھنا

صائمہ جبی ـــــــــــــ کراچی

مجھ سے مخلص، نہ واقف میرے جذبات سے تھا
اس کا رشتہ تو فقط اپنے مفادات سے تھا
اب جو بچھڑا ہے تو کیا روتی جدائی پہ تیری
یہ اندیشہ تو ہمیں پہلی ملاقات سے تھا

شہناز ناز ـــــــــــــ گھارو

بچھڑتے وقت سے اب تک میں یوں نہیں رویا
وہ کہہ گیا تھا یہی وقت امتحان کا ہے

گڑیا شاہ ـــــــــــــ کھرونڈ پکا

عزائم جن کے اونچے اور اونچا بخت ہوتا ہے
زمانے میں انہی کا امتحان سخت ہوتا ہے

خدیجہ سلیم ـــــــــــــ کراچی

تم نے یہ کیسا رابطہ رکھا
نہ ملے ہو اور نہ فاصلہ رکھا

نادیہ نجمہ ـــــــــــــ گلستان جوہر

زندگی تجھ سے کیا امید وفا رکھوں
جب سبھی مجھے چھوڑ گئے دوست پرانے میرے

ہمزہ، اقرا ـــــــــــــ کراچی

عمر کی زد میں اگر بگڑ جائیں
پھر کہاں قسمتیں سنورتی ہیں
ذکر تجدید دوستی نہ کرو
اب یہ باتیں گراں گزرتی ہیں

ثمرہ عبید ـــــــــــــ کے ڈی اے

اگرچہ غم بھی ضروری ہے زندگی کے لیے
مگر یہ کیا کہ ترستے رہیں خوشی کے لیے

بیا اسامہ ـــــــــــــ فیصل آباد

فلک سے توڑ لایا ہوں مگر پھر سے نئی ضد ہے
تارے میں نہیں لیتی مجھے تو چاند لا کر دو

رباب علی ـــــــــــــ پتوکی

ہم کو معلوم تھا انجام محبت ہم نے
آخری حرف سے پہلے قلم توڑ دیا

# کچھ ہوتی چپے ہیں

ادارہ

## آزمائش

آزمائش بالکل دلدل کی طرح ہوتی ہے' اس میں سے انسان صرف اپنے بل بوتے پر نہیں نکل سکتا' کوئی رسی چاہیے ہوتی ہے کسی کا ہاتھ درکار ہوتا ہے اور اس وقت وہ رسی اور ہاتھ مذہب کا ہوتا ہے۔ رسی اور ہاتھ نہیں ہو گا تو آپ دلدل کے اندر جتنے جتنے ہاتھ پاؤں ماریں گے اتنا ہی جلد ڈوبیں گے پانی میں ڈوبنے والا شخص زندہ نہیں تو مرنے کے بعد اوپر آجاتا ہے مگر دلدل جس شخص کو نگل لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے اسے دوبارہ ظاہر نہیں کرتی۔۔۔ لیکن جو شخص ہاتھ اور رسی کے ذریعے دلدل سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے' وہ اگلی کسی دلدل سے نہیں ڈرتا۔۔۔

(عمیرہ احمد۔۔۔ ایمان امید اور محبت)

گل شاہ۔۔۔ وہاڑی

## لاحاصل محبت

لاحاصل محبت انسانی وجود کو ایک قبرستان بنا دیتی ہے جس میں وہ اپنی تشنہ خواہشات اور نامکمل آرزو کی قبریں اٹھائے پھرتا ہے۔

(آمنہ ریاض۔۔۔ لاحاصل وفا)

خالدہ عزیز۔۔۔ اسلام آباد

## حلال مرغ

میں اس وقت پندرہ سولہ برس کا تھا اور پہلی مرتبہ ولایت جا رہا تھا۔ جہاز میں میری برابر کی نشست پر ایک مولانا براجمان تھے' وہ خاصے معصوم تھے۔ میں نے دریافت کیا کیوں چچا جان آپ کس سلسلے میں انگلستان جا رہے ہیں تو کہنے لگے۔

"بیٹا میں کافروں کو مسلمان کرنے جا رہا ہوں۔"

میں نے پوچھا۔

"آپ کو انگریزی آتی ہے؟" کہنے لگے۔

"نہیں آتی' جس کو مسلمان ہونا ہو گا اسے خود بخود میری زبان سمجھ آجائے گی۔" ہم کراچی سے تہران' قاہرہ ایتھنز کرتے روم پہنچے' ایئرلائن کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مسافر حضرات ایئرپورٹ کے ریستوران میں اپنی مرضی کا کھانا تناول فرمائیں بل کمپنی کے ذمے ہو گا۔ ریستوران میں بیٹھے تو میں نے چکن روسٹ کا آرڈر دیا۔

"مولانا آپ کیا کھائیں گے؟" میں نے اپنے ہم سفر چچا جان سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"اس گوری لڑکی سے کہو کہ میرے لیے ابلی ہوئی سبزیاں لے آئے کیوں کہ گوشت تو یہاں حلال نہیں ہو گا۔" میں نے بھی بھوک کی وجہ سے اس طرف دھیان نہ دیا تھا۔ بہرحال خوشبودار مرغ کے گرد انڈے اور آلو کے قتلے اور سلاد وغیرہ بہار دکھا رہے تھے۔ جبکہ گوری لڑکی نے ایک پلیٹ مولانا کے آگے رکھ دی جس میں ایک ابلی گاجر اور دو ابلے ہوئے آلو پڑے تھے۔ سفری چچا جان نے گاجر کھانے کی کوشش کی مگر میرے روسٹ سے ان کی نظر نہ ہٹتی تھی۔ بالآخر انہوں نے گرج دار آواز میں کہا۔

"برخوردار! اس گوری ہوٹل والی زنانی' سے کہو' میرے لیے بھی یہی مرغی لے آئے۔ یہ شکل سے حلال لگتا ہے۔"

مستنصر حسین تارڑ۔۔۔ چک چک

امبر گل۔۔۔ جھڈو سندھ

## دو نصیحتیں

البتہ والد صاحب اپنے خاموش انداز میں بڑے خوش نظر آتے تھے' ان کے ہونٹوں پر مسرت کا ہلکا ہلکا سا ارتعاش تھا' چہرے پر اطمینان کی خنک چاندنی بکھری تھی' زندگی میں پہلی بار انہوں نے مجھے دو نصیحتیں

کہیں اور وہ بھی انگریزی زبان میں ایک یہ کہ اپنے کیریکٹر کی حفاظت کرنا۔ دوسری یہ کہ کسی شخص کے پیٹھ پیچھے وہی بات کرنا جو اس کے منہ پر بھی دہرا سکو۔ اس وقت مجھے یہ باتیں بے حد سطحی، فروعی اور بچکانا سی نظر آئیں لیکن جب بھی ان پر عمل کرنے کا وقت آیا تو یہی سادہ ہدایات ہمالیہ کے سنگلاخ چٹانوں سے بھی زیادہ دشوار گزار بن جاتی رہی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ان سیدھی سادی باتوں کو پوری طرح کبھی نہیں نباہ سکا لیکن جب بھی ان پر جھوٹا سچا تھوڑا بہت عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، زندگی بڑی آسودہ اور سکون سے کٹی ہے۔

شہاب نامہ۔ قدرت اللہ شہاب
سیدہ نسبت زہرا۔۔۔ کھوڑ پکا

## دل

آنا گوند ھتے وقت سوچا ہوا شخص کبھی جھوٹ نہیں ہوتا۔ ایسا شخص رزق کی طرح خدا سے مانگنا پڑتا ہے، اس کے لیے آدھی رات کو اٹھ کر خدا سے دعائیں مانگنا پڑتی ہیں اور وہ جو بانو نے کہا ہے دل درزی کی دکان کی طرح ہو جاتا ہے، مجھے نہیں آتا کون سی لیر (کپڑے کے ٹکڑے) کس لیر کے ساتھ جوڑی جائے۔ محبت کی چولی سیتے وقت کئی بار دل سلائی میں آجاتا ہے تو سارا سلا ہوا ادھیڑ کرا سے پھر سے سینا پڑتا ہے۔ ایک ٹانکا ایک سال میں لگتا ہے۔ تب کہیں جا کر دل کی چولی پر کوئی پھول اپنی خوشبو بکھیرتا ہے۔"

مظہر اسلام۔۔۔ مردہ پھولوں کی سمفنی
فوزیہ تمریث۔۔۔ گجرات

## حق دار

ہاں یہ ٹھیک ہے، جان اس وقت نہیں نکلتی، جب اپنی جان نکلتی ہے۔۔۔ جان اس وقت نکلتی ہے، جب اپنے کسی جان سے پیارے کی جان نکلتی ہے۔ اور اس نے یہ جانا کہ ہم اپنے پیاروں کی جانوں کے حق دار ہیں اپنی نہیں۔

سمیرا حمید۔۔۔ یارم
اقرا ممتاز۔۔۔ سرگودھا

## غدار

سلطان ٹیپو کو جس نے دھوکا دیا وہ میر صادق تھا اس نے سلطان سے دغا کی اور انگریز سے وفا کی۔ انگریز نے انعام کے طور پر اس کی کئی پشتوں کو نوازا۔ انہیں ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا، مگر پتا ہے! جب میر صادق کی اگلی نسلوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر ماہ وظیفہ موصول کرنے عدالت آتا تو چپڑاسی صدا لگایا کرتا۔
"میر صادق غدار کے ورثا حاضر ہوں"

نمو احمد۔ جنت کے پتے
ثمینہ اکرم۔۔۔ لیاری کراچی

## گنجے فرشتے

صاحب! ہمیں یہ تو نہیں پتا کہ منٹو صاحب نے گنجے فرشتے کہاں دیکھے لیکن ہم نے لیڈی ولنگڈن ہسپتال کے لیبر روم میں اپنی ڈیوٹی کے دوران ہر فرشتہ گنجا ہی پیدا ہوتے دیکھا سب نے بعد میں یہ بال نکالے لانگ فیلو نے تو یہاں تک کہا ہے (جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے بال نہیں ہوتے بوڑھے بھی بے بال ہوتے ہیں) گویا گود سے گور تک کا فاصلہ ایک ہیئر کٹ اور ایک شیو ہے۔ ہو سکتا ہے منٹو صاحب نے فرشتوں کو گنجے نہ کہا ہو، بلکہ گنجوں کو فرشتہ کہا ہو۔ لیکن وہ آج کے دور میں گنجوں کو فرشتہ کہتے تو لوگ سمجھتے کہ اہل اقتدار کی چاپلوسی کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہماری سیاست میں بڑے گنجے گراں مایہ ہیں، لیکن ہم حکمرانوں کو اور کچھ کہیں نہ کہیں فرشتے ضرور کہتے ہیں کیونکہ یہ وہی کام کرتے ہیں جو فرشتے کرتے ہیں یعنی دوسروں کے گناہوں اور برائیوں کا حساب۔

ڈاکٹر یونس بٹ۔۔۔ عکس بر عکس
نمو۔۔۔ کراچی

دُرِ ثمینہ شریف

## مفت

ایک شخص بچے کا ہاتھ تھامے ہوئے باربر کی دکان میں داخل ہوا' اس نے پہلے بال کٹوائے' شیو بنوایا' ناخن ترشوائے' پھر بچے کو کرسی پر بٹھا کر حجام سے کہا۔
"منے کے بال کاٹو میں سودا سلف لے کر آتا ہوں۔"
حجام بچے کے بال کاٹنے کے بعد دیر تک اس شخص کا انتظار کرتا رہا وہ شخص نہیں آیا آخر باربر تنگ آکر بچے سے بولا "معلوم نہیں تمہارے ابا کہاں چلے گئے۔"
"وہ میرے ابا نہیں تھے۔" بچے نے بتایا "میں تو گلی میں کھیل رہا تھا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ آؤ منے تمہارے بال مفت کٹوادیں۔"

نوشابہ گل۔۔۔ گجرات

## طریقہ محبت

ایک شکاری افریقہ سے لوٹا تھا اس نے اپنے دوستوں کے سامنے افریقہ کے جانوروں کی عادات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔
"وہاں جانوروں کی ایک عجیب قسم پائی جاتی ہے۔ جب نر اپنی مادہ کو بلانا چاہتا ہے۔ تو ایک خاص آواز نکالتا ہے مادہ وہ خاص آواز سن کر فوراً" اس کے پاس آجاتی ہے۔"
یہ کہہ کر انہوں نے اس جانور کی نقل کرتے ہوئے ایک خوفناک چنگھاڑ ماری۔ اسی وقت برابر کے کمرے سے ان کی بیوی نے گردن نکال کر پوچھا۔
"کہیے کیا کام ہے؟"

نورین ظفر۔۔۔ قصور

## زاویہ نگاہ

خاندانی منصوبہ بندی والوں نے گاؤں میں دو پوسٹر لگائے۔
ایک پوسٹر میں گندا گھر دکھایا گیا تھا جس میں درجن بھر بچے چیتھڑے پہنے خستہ حال والدین کے گرد اچھل کود کررہے تھے جب کہ دوسرے پوسٹر میں ایک صاف ستھرا مکان دکھایا گیا تھا جس میں میاں بیوی اپنے دو بچوں کے ساتھ بڑے سکون سے کھانا کھا رہے تھے۔
اور پھر مشاہدے میں یہ بات آئی کہ گاؤں کی عورتیں جب بھی ان پوسٹوں کے پاس سے گزرتیں تو دوسرے پوسٹر کو دیکھ کر آہ بھرتیں اور کہتیں۔
"ہائے ہائے۔ بے چاروں کے صرف دو ہی بچے ہیں۔"

شاہین تبسم۔۔۔ بورے والا

## غائب دماغی

"آج صبح میں اپنی چھتری یہاں بھول گیا تھا۔" غائب دماغ پروفیسر نے ایک دکان دار سے کہا۔
"جی ہاں لیکن آپ کو کیسے یاد آیا کہ آپ چھتری میرے پاس بھول گئے ہیں؟"
"دراصل جب بارش بند ہوئی تو مجھے چھتری بند کرنے کا خیال آیا' جب میں نے ہاتھ نیچے کیا تو اس میں چھتری نہیں تھی۔"

یاسمین شاہ۔۔۔ جڑانوالہ

## دس منٹ

بجلی کی دکان پر ایک صاحب جھلائے داخل ہوئے

اور کاؤنٹر پر پہنچنے سے پہلے ہی چلانے لگے۔

"کیا میں کل صبح یہ کہہ کر نہیں گیا تھا کہ ہمارے گھر کی گھنٹی خراب ہے اور اسے فوراً" ٹھیک ہو جانا چاہیے۔ آپ نے وعدہ بھی کیا تھا کہ فوراً" آدمی بھیج دیں گے لیکن آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی۔"

"کیوں نہیں صاحب۔" دکان دار نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہم نے اسی وقت اپنا بندہ بھیج دیا تھا' کیوں محمد حسین تم کل گلف روڈ پر صاحب کے یہاں نہیں گیا تھا۔"

محمد حسین نے پرانے ہیٹر سے سر اٹھا کر کہا۔

"کل گلف روڈ پر میں صاحب کے گھر گیا تھا۔ صاحب بلکہ وہاں سے واپسی پر میری سائیکل بھی پنکچر ہو گئی تھی اور میں......"

"پھر کیا ہوا۔" دکان دار نے پوچھا۔

"جناب میں کوئی دس منٹ ان کے بنگلے کی گھنٹی بجاتا رہا لیکن جب اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو میں نے سوچا شاید صاحب لوگ کہیں باہر گئے ہیں چنانچہ میں واپس چلا آیا۔"

دانیہ عامر۔۔۔ کراچی

## سیلز مین

"تم جھوٹ بول رہے ہو' تمہیں شرم آنی چاہیے۔" باس نے آفس بوائے کو ڈانٹا۔

"جانتے ہو جو آفس بوائے جھوٹ بولتا ہے ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

جانتا ہوں جناب! فرم انہیں سیلز مین بنا کر فیلڈ میں بھیج دیتی ہے۔" آفس بوائے نے جواب دیا۔

حنا کرن۔۔۔ بھائی پھیرو

## موروثی بیماری

موروثی بیماریوں کی تعریف کرتے ہوئے میڈیکل کے ایک طالب علم نے اپنے امتحانی پرچے میں لکھا۔

"ورثے میں ملنے والی بیماریوں کو موروثی بیماریاں کہا جاتا ہے مثلاً" آپ کے دادا کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی زیادہ امکان یہی ہے کہ آپ کے والد کے ہاں بھی اولاد نہیں ہوگی اور عین ممکن ہے آپ کے ہاں بھی نہ ہو۔"

صبا کاشان۔۔۔ لاہور

## کار کردگی

پولیس انسپکٹر سپاہی سے "تم نے چور کو گرفتار کیا؟"

سپاہی "جناب! چور گرفتار نہیں ہو سکا لیکن اس کی انگلیوں کے نشانات مل گئے ہیں۔"

انسپکٹر "کہاں؟"

سپاہی "جی میرے گال پر۔"

غزل شاہ۔۔۔ کبیر والا

## وفا شعاری

چار روز کی مسلسل بے ہوشی کے بعد مریض کی آنکھ کھلی تو اپنی چہیتی بیوی کو سرہانے بیٹھے دیکھ کر کہا۔

"خدا کے لیے گھر جا کر آرام کرو بیگم۔ میرے ساتھ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟"

بیوی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مجھے پتا تھا کہ آپ یہی کہیں گے۔ اسی لیے چار روز کے لیے اپنے میکے چلی گئی تھی۔"

ارم یوسف۔۔۔ کراچی

## سویٹی

بیوی نے ناشتا کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سویٹی کون ہے۔ جس کا نام آپ رات سوتے میں لے رہے تھے۔"

شوہر نے چونک کر کہا۔

"سویٹی۔۔۔ ہاں یاد آگیا گھڑ دوڑ میں میں نے سویٹی نامی گھوڑی پر شرط لگائی ہے۔"

بیوی نے مسکرا کر کہا۔

"اسی گھوڑی کا کل دو مرتبہ فون بھی آیا تھا۔"

بشریٰ علی۔۔۔ سرگودھا

## کیسی محبت

چڑیا گھر کی سیر کے دوران ایک شخص نے دیکھا کہ چڑیا گھر کا ایک ملازم زاروقطار رو رہا تھا۔ اس نے وجہ پوچھی تو ملازم نے بتایا کہ
"چڑیا گھر کا ہاتھی مر گیا ہے۔"
اس شخص نے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا "یقیناً تمہیں ہاتھی سے بہت محبت ہوگی؟"
"محبت! کیسی محبت؟ ارے بھائی مجھے اس کی قبر کھودنے کا حکم ملا ہے۔" ملازم نے جواب دیا۔

علشبا۔۔۔ کراچی

## ننھا فرشتہ

ایک نوجوان جوڑا فلم دیکھنے سینما ہال گیا تو اپنے ننھے بچے کو بھی ساتھ لے گیا۔ فلم شروع ہوتے ہی بچے نے چیخنا شروع کر دیا۔ میاں بیوی نے اسے چپ کرانے کی بے حد کوشش کی لیکن بے سود اس دوران سینما کا منیجر آگیا اور اس نے نوجوان جوڑے سے کہا کہ وہ ٹکٹوں کے پیسے واپس لے لیں اور سینما ہال سے تشریف لے جائیں۔"
لیکن کچھ دیر بعد خوش قسمتی سے بچہ سو گیا۔ فلم چلتی رہی۔ وہ ایک فضول اور بور فلم تھی۔ میاں اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگا اور جب اس سے مزید صبر نہ ہو سکا تو اپنی بیوی سے کہنے لگا۔
"بچے کو جگا دو۔"

افشاں اکرام۔۔۔ راجن پور

## منفرد علاج

نازیہ ایک روز دفتر سے گھر پہنچی تو ایک کارٹن اٹھائے ہوئے تھی، جس میں گول گول سوراخ تھے۔ اس کی بہن نے پوچھا۔ "آج یہ کیا اٹھا لائی ہو؟"
نازیہ نے بتایا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے خواب میں چوہے نظر آتے ہیں میں انہیں مارنے کے لیے بلی لائی ہوں۔"
بہن نے حیرت سے کہا۔ "لیکن خواب میں نظر آنے والے چوہے تو خیالی ہوتے ہیں۔"
"کوئی بات نہیں۔۔۔ بلی بھی خیالی ہے۔" نازیہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

عائشہ بشیر۔۔۔ پھول نگر

## سہارا

شادی کو کافی عرصہ گزر گیا تھا مگر شوہر موصوف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ جب ان کے کسی طرح بھی کچھ کما کر لانے کے آثار دکھائی نہ دیے تو بیوی نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔
"دیکھیے۔۔۔! صرف محبت کے سہارے تو زندگی نہیں گزر سکتی نا۔۔۔!"
"کون کہتا ہے کہ نہیں گزر سکتی۔۔۔؟" شوہر نے انگڑائی لے کر جواب دیا۔ "تمہارے ڈیڈی کافی دولت مند ہیں۔۔۔ اور انہیں تم سے بہت محبت بھی ہے۔"

ناہید رؤف۔۔۔ سرگودھا

## سبقت

ساجد صاحب اپنے برابر کے فلیٹ میں رہنے والی بیوہ رشیدہ سے شادی کی غرض سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دن تنہائی میں کچھ دیر گفتگو کا موقع ملا تو انہوں نے جرات کر کے رسمی باتوں سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
"میں جب صبح بیدار ہوتا ہوں تو میرے ذہن میں سب سے پہلا خیال آپ کا آتا ہے۔"
"یہ تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔" رشیدہ ادائے بے نیازی سے بولیں۔ "اوپر کے فلیٹ میں رہنے والے افراز صاحب بھی یہی کہتے ہیں۔"
"لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ میں فراز صاحب سے بہت پہلے بیدار ہوتا ہوں۔" ساجد صاحب نے متانت سے یاد دلایا۔

یاسمین ملک۔۔۔ کراچی

# کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

## چاکلیٹ کی برفی

اشیاء :

| | |
|---|---|
| کھویا | دو پیالی |
| شکر | ایک پیالی |
| چاکلیٹ (کوکو) | ایک کھانے کا چمچہ |
| الائچی چھوٹی | بارہ عدد |
| (دانے نکال کر کچل لیں) | |
| دودھ | کھانے کا ایک چمچہ |
| گھی | چائے کا ایک چمچہ |

برفی بنانے کے لیے ترکیب :

کڑاہی میں کھویا اور شکر ملا کر ہلکی آنچ پر پکائیں جب آمیزہ کڑاہی کی دیواریں چھوڑنے لگے تو الائچی بھی ملا لیں۔ ایک تھال میں گھی لگا کر اسے اس میں ڈالیں اور ٹھنڈا ہونے دیں جمانے سے پہلے اندازاً" ایک بڑا چمچہ الگ کر لیجیے۔

چاکلیٹ کی تہہ جمانے کی ترکیب :

اب بچائی ہوئی برفی کڑاہی میں ڈال کر کوکو اور دودھ ملائیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں' جب ایک جان لیپ بن جائے تو پتلی کوکو کی تہہ برفی پر جما دیں۔ چھوٹے چھوٹے ہیروں کی شکل میں کاٹ لیں۔

## قلفی

اشیاء :

| | |
|---|---|
| دودھ | تین کلو |
| کھویا | ایک پاؤ |
| الائچی سبز | دس یا بارہ |
| بادام کی گری | ایک چھٹانک |
| کیوڑہ | چار بڑے چمچے |
| چینی | ایک پاؤ |

ترکیب :

دودھ کو پکائیں اور اتنا خشک کریں کہ آدھا رہ جائے' اب اس میں چینی ڈال کر ملائیں اور نیچے اتار لیں۔
ٹھنڈا ہونے پر اس میں کھویا ملا دیں اور الائچی پیس کر ڈال دیں۔ اب اگر قلفی میں جمانے کا خیال ہے تو اس میں بادام چھیل کر کاٹ کر ڈال دیں۔ پھر یہ مرکب قلفی کے سانچے میں ڈالیں اور اس کے بعد اس پر پستہ باریک کاٹ کر ڈال دیں۔ قلفی کے اوپر ڈھکن لگا کر سخت آٹے سے بند کر دیں یا چوڑا ربڑ لے کر چوڑی کی طرح اس کے منہ پر لگا دیں۔ اب ایک مٹکے میں برف کو کوٹ کر ڈالیں اور اس میں نمک اور قلمی شورہ ڈال دیں۔ بیچ میں قلفیاں رکھیں اور مٹکے کو ایک گھنٹے تک ہلاتے رہیں۔ تقریباً گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا اسی طرح ہلانے سے قلفیاں جم کر تیار ہو جائیں گی۔ اگر قلفی مشین میں جمانا ہو تو دودھ میں کھویا ملا کر اس میں پستہ بادام کاٹ کر ڈال دیں اور الائچی پیس کر ڈالیں اور ساتھ ہی کیوڑہ ڈال کر مشین میں ڈال دیں۔ ایک گھنٹا مشین چلانے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قلفی تیار ہے۔

## ناریل کا حلوہ

اشیاء :

| | |
|---|---|
| تازہ ناریل | آدھا کلو |
| کھویا | آدھا کلو |
| کنڈینسڈ ملک | ایک پیالی |
| چھوٹی الائچی | تین سے چار عدد |
| بادام پستہ | حسب پسند |
| زردے کا رنگ | ایک چٹکی |
| گھی | آدھی پیالی |

ترکیب :

ناریل کو کش کر لیں' الائچی کے دانے نکال کر کوٹ لیں اور بادام پستوں کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ کڑاہی میں گھی ڈال کر درمیانی آنچ پر گرم کریں اور اس میں کٹی ہوئی الائچی ڈال دیں۔ ایک سے دو منٹ کے بعد اس میں کش کیا ہوا ناریل ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنی دیر بھونیں کہ ناریل کا اپنا پانی خشک ہو جائے اور گھی علیحدہ ہو جائے پھر کھوئے کو چورا کر کے ڈال دیں اور بھونتے ہوئے کنڈینسڈ ملک میں شامل کر لیں۔ دوبارہ سے اتنا

بھونیں کہ گھی علیحدہ ہو جائے اور حلوے کی رنگت سنہری ہو جائے۔ اب ڈش میں نکال کر بادام پستوں سے سجائیں اور سرو کریں۔

## ایپل ڈیلائٹ

اشیاء :

| | |
|---|---|
| بسکٹس | چھ عدد (چورا کرلیں) |
| پانی | دو کھانے کے چمچے |
| سبز سیب | ایک کلو |
| (چھلکا اتار کر ٹکڑے کیے ہوئے) | |
| جائفل | ایک چائے کا چمچہ |
| براؤن شوگر | چوتھائی کپ |
| پلین اسفنج کیک | بارہ ٹکڑے |
| (ہر ٹکڑا تقریباً "ایک انچ کا ہو) | |
| لیموں کی چھال | ایک چائے کا چمچہ |
| کسٹرڈ (تیار شدہ) | ایک کپ |
| کریم (پھینٹی ہوئی) | آدھا کپ |
| چینی (پسی ہوئی) | ایک کھانے کا چمچہ |

ترکیب :

ایک دیگچی میں سیب اور پانی ڈالیں۔ دس سے پندرہ منٹ تک ہلکی آنچ پر اتنا پکائیں کہ سیب نرم ہو جائے۔ چولہے سے اتار کر سیب کو مسل کر اس میں چینی، براؤن شوگر، جائفل پاؤڈر اور لیموں کی چھال ڈال دیں۔ ایک شیشے کے باؤل میں اسفنج کیک کے ٹکڑوں، سیب کے مکسچر اور کسٹرڈ کی تہ لگائیں اور ڈھک کر فریج میں تین سے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ سرو کرتے ہوئے اوپر سے کریم پھینٹ کر پھیلا دیں بسکٹ کا چورا ڈال کر سرو کریں۔

## انڈوں کے گلگلے

اشیاء :

| | |
|---|---|
| انڈے | دس عدد |
| شکر | دو کپ |

| | |
|---|---|
| میدہ | ایک کپ |
| بیکنگ پاؤڈر | نصف چائے کا چمچہ |
| مکھن | ایک کپ |
| لیموں (رس نکال لیں) | دو عدد |

ترکیب :

انڈے پھینٹ لیں اور میدہ شامل کر کے دوبارہ پھینٹیں۔ اب بیکنگ پاؤڈر شامل کر کے یکجان کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ پانی میں شکر شامل کر کے ابال لیں۔ ذرا سا لیموں کا رس شامل کر دیں۔ اس شیرے کو چھان لیں۔ چھاننے کے بعد پھر شیرہ ابال لیں۔ گاڑھا ہونے تک پکائیں پھر چولہے سے اتار لیں۔ مکھن الگ برتن میں گرم کریں۔ اب تیار شدہ انڈوں کا مرکب چمچہ بھر کر اس مکھن میں ڈالیں۔ اس طرح کئی گلگلے تیار کر لیں۔ سنہرے ہو جائیں تو نکال کر شیرے میں ڈال دیں۔ تاکہ وہ اچھی طرح جذب کر لیں نکال کر سرونگ ڈش میں پیش کریں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

عکس دیا گیا

شیریں نذیر۔۔۔ راولپنڈی

س۔ بھیا! انگلی پکڑ کر ذرا راستہ بتا دو۔ میں انجان ہوں؟

ج۔ آنکھیں تو ہیں انگلی پکڑ کر راستہ بتانے کی کیا ضرورت۔

س۔ نین بھیا! یہ مرد حضرات شکی کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا تصدیق تو کردیں؟

ج۔ عورتوں سے کم۔

ثروت ناصر۔۔۔ کراچی

س۔ ذوقی! بال سفید ہو جائیں تو خضاب لگایا جاتا ہے۔ اگر خون سفید ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

ج۔ خون سفید ہی اچھا لگتا ہے۔ کم از کم زخم لگنے پر احساس تو نہ ہوگا کہ خون بہہ رہا ہے۔

خورشید جمال۔۔۔ کراچی

س۔ نادان مال کو، عقلمند کمال کو ڈھونڈتا ہے تو عام آدمی کیا ڈھونڈے گا؟

ج۔ ان دونوں کو۔

زبیدہ رانی۔۔۔ نامعلوم

س۔ ماں کے پیروں کے نیچے تو جنت ہوتی ہے ساس کے قدموں کے نیچے کیا ہوتا ہے؟

ج۔ وہاں مجازی خدا کی جنت۔

عارفہ ادریس۔۔۔ لاہور

س۔ نینو صاحب! پلیز مجھے بتایئے تو سہی! نکاح پر چھوہاروں کے بجائے بادام کیوں نہیں بانٹے جاتے؟

ج۔ کان قریب لاؤ۔ ہاں بھئی بڑی نادان ہو۔ بادام مہنگے جو ہوتے ہیں۔

شکیلہ جاوید۔۔۔ بہاول پور

س۔ ہری اپ۔ اگر کسی امیر کو دولت مل جائے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ اگر کسی اندھے کو دولت مل جائے تو کیا ہوگا؟

ج۔ بھئی وہ تو پہلے سے ہی اندھا ہوگا۔

حسینہ نقوی۔۔۔ فیصل آباد

س۔ نین جی! شیطان اور انسان میں کیا فرق ہے؟

ج۔ جو مجھ میں اور شیطان میں۔

☼ ☼

مدیرہ کرن

### عابدہ سعید۔۔۔ چکوال

تقریباً" 15 سال سے کرن ڈائجسٹ بلکہ شعاع اور خواتین ڈائجسٹ کی بھی خاموش قاریہ ہوں۔ ایک مرتبہ خواتین میں خط لکھنے کی جسارت کی (زمین کے آنسو) کی وجہ سے اور وہ خط شامل بھی کرلیا گیا تھا۔ پہلی دفعہ کسی ڈائجسٹ میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی اب کرن میں لکھنے کی جسارت کررہی ہوں۔ امید ہے مایوس نہیں کریں گی۔ خط لکھنے کی وجہ اب بھی نگہت سیما ہی ہیں یعنی میری موسٹ فیورٹ رائٹر کا ناول "دست مسیحا" جس نے پہلی قسط سے ہی اپنے سحر میں جکڑلیا ہے۔ ان کی ہر تحریر میں معاشرے کی کوئی نہ کوئی بے ضابطگی ضرور ہوتی ہے۔ اب تو ظاہر ہوگیا ہے کہ عفان اور بجو جیسے بچوں کی ماں ہی ثمرین ہے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ "کچھ موتی چنے ہیں" میں اپنی پسند بھیج رہی ہوں۔ امید ہے شامل اشاعت کریں گی۔ کسی بھی پرچے میں یہ میری پہلی کوشش ہے۔

ج۔ پیاری عابدہ! بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے کرن میں تبصرہ بھیجا ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ اگر اچھا ہوا تو آپ کا اقتباس ضرور شامل اشاعت ہوگا۔

### اسما سیف۔۔۔ رحمان پورہ لاہور

سرورق پر ماڈل کا سبز نگوں کا ہار مجھے بے حد بھلا لگا۔ جی چاہا اتارلوں اور خود پہن لوں۔ اچھے بچوں کی طرح حمد اور نعت پڑھ کر دعا مانگی۔ پھر صفحے پر صفحے پلٹے "راپنزل" نے پچھلی قسط نے اداسی بھردی ہے سلیم کی موت کسی صورت ہضم نہیں ہورہی ہے۔ اس سے بہتر تھا کاشف کم بخت کچھ کھا مرتا۔ "من مورکھ" آسیہ جی کا تھوڑا تھوڑا اچھا لگا ہے، لیکن سیما نگہت کا "دست مسیحا" واقعی مسیحائی کررہا ہے۔ نگہت جی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ مصباح علی کا "تو میری مانگ کا تارا" ساری کہانیوں میں تارے کی طرح چمک رہا تھا، لیکن اس تارے کا ظہور ہوتا بہت دیر دیر سے ہے۔ آپ برا نہ مانیں ویسے میں دل توڑنا تو نہیں چاہتی، لیکن کیا کروں مجھے اس بار افسانے بس ٹھیک سے ہی لگے کوئی پھڑکتا سا نہیں لگا۔ سچی بات یہ ہے کہ لسٹ کی پہلی پانچ کہانیاں یعنی ناولز اور پہلے ناولٹ نے ہی پیسے پورے کیے البتہ فرینڈ پلس کلاس فیلو اور کزن کو "انارکلی" نے بہت متاثر کیا۔ ردا آفتاب سے ملاقات کا بے حد شوق تھا آخر آپ نے پورا کرہی دیا اس کے لیے شکریہ۔

ج۔ اسما! اس میں بری لگنے والی کیا بات ہے آپ کو اس دفعہ افسانے کچھ خاص نہیں لگے، مگر خوشی ہوئی کہ مکمل ناول اور ناولٹ اچھے لگے۔

### مسز تقی نقوی۔۔۔ علی پور ضلع مظفر گڑھ

امت الصبور صاحبہ کی بہن اسما شعیب کی رحلت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ پاک ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)۔ کیا کریں بھئی پچھلے دو ماہ سے مجھے شمارے میں انٹری مارنے کا موقع نہیں ملا۔ وجہ جناب شمارے کا لیٹ ملنا، 24 اور 26 تاریخ کو ملتا رہا شمارہ اور یہ کنفرم نہیں تھا کہ خط پہنچنے کی لاسٹ ڈیٹ کیا ہے اور خط بھیجنے کی بھی۔ یہ تو بھلا ہو تحریم بخاری (مظفر گڑھ) کا جن کے خط نے میری الجھن سلجھائی۔ ان کا بھی یہی ڈیٹ ایشو تھا اور آپ نے خط بھیجنے کی ڈیٹ بتائی۔ تو کچھ دل کو ڈھارس ملی کہ اب ممکن ہے کہ میرا خط بھیجنا اور آپ تک پہنچنا باقی، شائع ہو یہ ہماری خوش قسمتی اور آپ کی ذرہ نوازی۔

آتے ہیں ستمبر کے شمارے کی طرف۔ عادت کے مطابق پہلے تو سرورق پہ براجمان پیاری سی ماڈل کا آنکھوں سے ایکسرے کیا۔ ماڈل لگ تو پیاری رہی تھی، لیکن کچھ

کچھ چڑی بھی لگی یا شاید بے چاری مسکراہٹ لانے کی ناکام کوشش کررہی تھی (اہم) اس کے بعد "تمام میرے نام" میں انٹری ماری۔ ثناء شہزاد، ثمینہ اکرم جی سب تشریف فرما تھیں، مگر ان کے درمیان میری فیورٹ طاہرہ ملک (جلال پور پیروالا) مسنگ تھیں۔ اس کے بعد اداریہ پڑھا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول سے فیض یابی حاصل کی۔ ردا آفتاب سے ملاقات اچھی رہی۔ "میری بھی سنیے" میں یاسر شورو کی سنی۔ "آواز کی دنیا" سے عائشہ خان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ "شادی مبارک ہو" میں منزہ احتشام گوندل کی شادی کا احوال بہت بہت انجوائے کیا۔ "مقابل ہے آئینہ" میں حمیدہ کے بارے میں جان کر کچھ کچھ اداسی ہوئی۔ پتا نہیں کیوں۔ اب آتے ہیں میرے فیورٹ "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی طرف۔ آسیہ مرزا۔ جناب اس دفعہ تو آپ نے کمال کردیا۔ وہ کمال یہ کہ حوریہ۔ حازم کی شادی خیریت سے کروادی، لیکن اب پریشانی یہ ہے کہ بابر کیا کرنے والا ہے کیونکہ جو تڑپ نفرت

کی بابر کی طرف سے دکھائی دے رہی ہے۔ کوئی بڑا طوفان آنے والا ہے اللہ خیر کرے۔ فریدہ فرید لکھاریوں میں نیا اضافہ آپ نے عید کے حوالے سے اچھا افسانہ لکھا۔ اللہ پاک آپ کو ترقی دے۔ حرم پہ ہنسی آئی کہ شروع میں کیا کیا نخرے کے لیے طلحہ کے ساتھ اور اینڈ میں جھوٹی کا رونا دھونا مچاتا۔ طلحہ پہ بہت ترس آیا۔ صدف آصف کا ناولٹ "خواب زدہ" ایک اچھا میسج کہ کبھی بھی کسی معاملے میں جھوٹ سے کام نہیں چلانا چاہیے۔ ہر کسی کو عارفین جیسے لوگ نہیں ملتے۔ جو اچھی سوچ رکھتے ہوں اس دفعہ مکمل ناول بہت پسند آیا۔ "تو میری مانگ کا تارا" بہت بہت شکریہ مصباح علی اتنا پیارا ناول لکھنے کے لیے۔ عداس چھایا رہا پوری اسٹوری پہ۔ شمامہ نے بے وقوفی تو کی گھر چھوڑنے کی مگر شکر ہے کہ جلد عقل آگئی۔ امامہ جیسی سوچ رکھنے والی بہن سے اللہ پاک بچائے۔ مہوش افتخار کے ناولٹ "سنگ پارس" طوبیٰ کو چاہیے ماضی کو بھلا کے اب حال کی سوچے۔ ماضی نے کب کے سکھ دیے ہیں۔ شاید بہت کم لوگ ہوں گے جن کو ماضی نے خوشیاں دی ہوں اب جب نوفل جاہ ٹھیک ہوگیا ہے تو طوبیٰ نے اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد بنالی۔ تگین پتا نہیں کیا گل کھلانے والی ہے۔ لگتا ہے آندھی کے تھپیڑے اس گھر کی بنیادیں

ہلانے والے ہیں۔ محبت کوئی زبردستی کا سودا نہیں، مگر یہ کون سمجھائے اس طرح کے احساس برتری کے مریض لوگوں کو۔ راشدہ علی کی "امید صبح" نے کچھ خاص تاثر نہیں چھوڑا۔ سب سے موسٹ فیورٹ "راپنزل" تنزیلہ ریاض جی اس دفعہ آپ نے بہت رلایا۔ سلیم کی ڈیتھ۔ شہرین کے آپریشن کے وقت ایمن کے لیے پیار۔ اف بہت سے گزرے پل یاد دلا گئی۔ نیناں پہ بہت ترس آتا ہے۔ "دست مسیحا" نگہت سیما جی بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھا رہی ہیں۔

ج۔ اب کی دفعہ آپ کا خط شائع ہوگیا، اب تو آپ خوش ہیں۔ آپ کا تبصرہ اچھا لگا۔

ملائکہ۔ لاہور

میں نے خواتین میں جیسے ہی کرن کا ایڈ دیکھا پھر تو ہماری بک اسٹال پر روز کی پھیریاں شروع ہوگئیں۔ کیونکہ ناولز میں میری پیاری سی مصنفہ مصباح علی کی آمد بھی تھی۔ ان کا "فصیل دل" آج بھی یاد ہے بالکل مختلف کہانی اور یہ "تو میری مانگ کا تارا" اللہ! مصباح جی آپ نے تو یو ای ٹی کا نقشہ ایسے کھینچا ہے جیسے واقعی آپ یہاں کی اسٹوڈنٹ ہوں رہی ہیں؟ یہاں کے ٹیسٹنگ لیب کا گراؤنڈ ہلکا اور گہرا سبز ہے۔ درختوں کے نام تک درست۔ جناب ماہ دولت خود بھی یو ای ٹی کی سافٹ ویئر انجینئرنگ کی طالبہ ہیں۔ اس وقت میں اسی لیب کے پچھلے سائیڈ بنچ پر بیٹھ کر خط لکھ رہی ہوں، جس پر عداس بیٹھا شمامہ کا انتظار کررہا تھا پہلی بار کسی نے ہماری U.E.T کو ڈسکس کیا اور خوب لیا بہت ہی اچھا لکھا۔ ارے میری پیاری راپنزل تنزیلہ جی میرا تو آپ کے ہاتھ چومنے کو دل کرتا ہے آخر آپ ملیں گی کب اور کیسے۔ اور جناب نینا کا چکر خاور سے مت چلانا بہت برا لگتا ہے وہ۔ ناولٹ میں "سنگ پارس" اور "عید محبت" بشریٰ ماہا کا نمبر ایک رہا۔ پہلے بھی انہوں نے ایک افسانہ لکھا تھا وہ بھی اچھا تھا۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ باقی مستقل سلسلوں میں تو ویسے ہی ہماری جان ہوتی ہے۔ "کچھ موتی چنے ہیں" میں "غم کا پیمانہ" عنیزہ سید کا واقعی دکھتے لفظ ہیں۔ اس بار مہندی کے ڈیزائن نہیں تھے چلو کوئی گل نہیں۔ ہم نے پچھلے ہی سنبھال لیے تھے۔ ایک بات بتائیں شعاع، خواتین اور کرن کے لیے خط ایک ہی لفافے میں ڈالے جاسکتے ہیں؟

ج۔ پیاری ملائکہ کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔ خواتین اور شعاع کے لیے ایک ہی لفافے میں خط ڈال سکتی ہیں، مگر کرن کے لیے علیحدہ لفافے میں ڈالنا ہوگا۔

## فضہ نور۔۔۔ روہڑی

اس بار تھوڑے مختصر سے خط کے ساتھ حاضر ہوں۔ پہلے "تارے میرے نام" کی طرف بڑھی اپنا خط پا کر اچھا لگا۔ اس بار ماڈل کچھ زیادہ ہی ہیوی جیولری کے ساتھ نظر آئی جو بالکل سوٹ نہیں کر رہی تھی۔ حمد و نعت پڑھ کر روح کو سکون ملا۔ ردا آفتاب اور یاسر شورو سے ملاقات اچھی رہی۔ میری شاہین رشید سے ریکویسٹ ہے کہ وہ جیو نیوز کے نیوز اینکر ذوہیب حسن کا انٹرویو لے۔ "مقابل ہے آئینہ" میں حمیرا کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ "راپنزل" میں زری اتنی خود غرض ہوگی اس کا اندازہ نہ تھا۔ نینا کا اپنے گھر والوں سے اتنا لاپروائی برتنا اچھا نہ تھا۔ شیرین کی سرجری خیر خیریت سے ہوگئی چلو شکر، مسیح کا اجڑا اجڑا روپ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ "دست مسیحا" موحد کو پتا چل ہی گیا شیرین اس کی ماں ہے۔ امل اور ہشام کی ناراضی ختم ہوگئی ان کے درمیان سے ڈائیلاگز اچھے لگے۔ "سنگ پارس" مہوش افتخار کا نام ہی کافی ہے۔ ان کے بہت سے ناول پڑھے ہیں مہوش ہمیشہ ایک الگ موضوع کے ساتھ آتی ہیں۔ گڈ لک مہوش آپ کے اس ناول کے لیے۔ مجھے نوفل جاہ کے معنی پوچھنے تھے۔ باقی شمارہ ابھی پڑھا نہیں کیونکہ اگر خط پوسٹ کرنے میں دیر ہوگئی تو خط شائع نہیں ہوگا۔

ج۔ پیاری فضہ لیجیے آپ کی شکایت دور ہوئی۔ معذرت چاہتے ہیں کہ آپ کے شہر کا نام غلط لکھ دیا گیا تھا اس دفعہ روہڑی ہی لکھا ہے۔ شاہین رشید تک آپ کی فرمائش پہنچادی گئی ہے۔ نوفل کے معنی فیاضی کے ہیں۔

## ثناء شہزاد۔۔۔ کراچی

ستمبر کا شمارہ خلاف توقع 10 تاریخ کو مل گیا اور اتنی جلدی ملنے پر خوشی کی انتہا نہیں رہی ہر بار کی طرح سب سے پہلے اداریہ اور حمد و نعت کو پڑھنے کا شرف بخشا۔ حمد و نعت پڑھنے سے دل کو سکون ملتا ہے۔ شیف ردا آفتاب سے مل کر بہت اچھا لگا۔ "میری بھی سنیے" میں یاسر شورو کی بھی سن لی۔ "مقابل ہے آئینہ" میں حمیرا جی سے ملے جوابات اچھے لگے۔ "شادی مبارک" میں بشریٰ کومل نے عنبر و احتشام کی شادی کا احوال بہت خوب صورت انداز میں بیان کیا۔ "راپنزل" میں دو ماہ سے کافی انکشافات ہو رہے ہیں صوفیہ کا شوہر ابھی بھی کاشف ہے، میں تو سمجھتی تھی کہ نینا کی اپنے باپ سے اس لیے نہیں بنتی کیونکہ وہ ان کا سوتیلا باپ ہے مطلب مجھے لگا تھا صوفیہ کی دوسری شادی ہوگئی ہوگی اب کہانی کی رفتار تھوڑی تیز کردیں شیرین کا آپریشن تو کامیاب ہو گیا بس اب وہ ٹھیک بھی ہو جائے۔ سیتم کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" میں بابر کا رویہ حسب توقع رہا جیسا سوچا تھا ویسا کر رہا ہے۔ وہ حوریہ کی زندگی میں زہر گھولے بغیر سکون سے نہیں بیٹھے گا کیونکہ بابر جیسے لوگ انتہائی حد تک جا سکتے ہیں۔ حازم، مومنہ کے حق میں ثابت قدم رہے اور پلیز حوریہ کے ساتھ وہ سب مت دہرایئے گا جو مومنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ نگہت سیما کے "دست مسیحا" کے بارے میں کیا کہوں پہلی قسط سے کہانی پر ان کی گرفت مضبوط ہے ڈاکٹر احسن نے موحد کو ڈاکٹر عثمان سے نہیں چھینا ان کا فیصلہ اچھا لگا۔ موحد، شیرین کو معاف کردے کیونکہ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور اس نے غلطی کی سزا کاٹ لی ہے۔ حشام کے لیے بھی کسی کو لے آیئے گا پلیز اور کہانی کا ہیپی اینڈ ہونا چاہیے۔ "مانگ کا تارا" مصباح علی کی تحریر من کو بھائی نہیں معذرت کے ساتھ بس گزارے لائق تھی "سنگ پارس" مہوش افتخار کی تحریر جاندار ہے انداز بیان با اثر انگیز ہے۔ نوفل کی محبت طوبیٰ کے دل میں پھر سے انگڑائی لے رہی ہے مگر یہ تکین کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے پتا نہیں یہ کیا کرنے والی ہے۔ نوفل اور طوبیٰ کے ساتھ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا اس کے علاوہ محب صاحب بھی ماہ نور کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور ماہ نور کو پرپوز بھی کر دیا ویری گڈ۔ "خواب زدہ" صدف آصف نے بہت اچھا لکھا فارینہ کو عارفین سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ پیار میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے وہ اسے حقیقت بتا دیتی۔ آئی ایم شیور عارفین اسے نہیں چھوڑتا کیونکہ وہ اس کی سرپلی تھی۔ ویسے بھلا ہو نادیہ کا جس نے دوستی کا حق ادا کر کے دونوں کو ملوا دیا۔ "عید محبت" بشریٰ ماہا کی تحریر اس ماہ کی سب سے شاندار تحریر تھی موضوع بہت زبردست چنا حجاب اور نقاب کے اوپر جو تقریر کی وہ پوری کہانی کی جان تھی۔ افسانے سب اچھے تھے "ہم تم اور بکرا" میں کہاں تو

حرم بکرے سے اتنی خار کھا رہی تھی کہ اپنا گھر چھوڑ کر چلے جا رہی تھی اور آخر میں بکرے پر اتنا پیار آیا دوستوں کے سامنے شیخی بھگاری بھئی واہ۔ "امید صبح" راشدہ علی کی کاوش بھی اچھی تھی۔ کیا یہ اچھا ہوتا ڈاکٹر صاحب کا نام بھی بتا دیتیں۔ "سب سے بڑھ کر میں" صبا آصف نے اچھا درس دیا "آبلہ پا" طلعت جی نے وہ سچائی بیان کی جو آج کے دور کا المیہ ہے بھائی صرف اپنا سگا بھائی ہی ہوتا ہے۔ "تشنہ آرزوئیں" ریحانہ آفتاب کافی ٹائم بعد نظر آئی ہیں کہانی اپنے نام کی طرح منفرد اور اچھی تھی۔

ج۔ اچھا لگتا ہے کہ ثنا آپ ہر ماہ تبصرہ کرتی ہیں اور اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔ شکریہ۔

**طاہر ملک۔ جلال پور پیروالا**

سوری کچھ مصروفیات کی بنا پر پچھلے ماہ کرن میں شرکت نہ کر سکی جس کا قلق پورا مہینہ رہا اس بار کرن عیدالاضحیٰ گزار کر کے ملا۔ سجی سنوری ٹائٹل گرل اچھی لگی اداریہ میں اپنی پیاری مدیرہ جی سے ملاقات کی۔ "حمد و نعت" سے دل و روح کو منور کرتے ہوئے آگے پہنچے جہاں شاہین رشید کے چمکتے ستاروں سے ملاقات ہمیشہ کی طرح خوش گوار رہی۔ بشریٰ کو نمل کے ہمراہ ادھوری شادی اٹینڈ کی ادھوری اس لیے بارات کا ہاف فنکشن تھا' مایوں' مہندی کچھ نہیں تھا۔ "مقابل ہے آئینہ" حمیرہ سے ملاقات کر کے اچھا لگا۔ "من مور کھ کی بات نہ مانو" شکر ہے حازم اور حوریہ کا ملاپ بغیر کسی ناخوش گوار واقعے کے ہو گیا حوریہ کے لیے جہاں ابر مشکلات لائے گا وہاں حازم اور عباد گیلانی کی سپورٹ اس کے لیے کچھ آسانیاں پیدا کرے گی فضہ بے چاری پہ ہر بار افسوس ہوتا ہے۔

"ہم تم اور بکرا" حرم صاحبہ تو بڑی چالاک نکلی دس دن طلحہ اور بکرے کا جینا اجیرن کیے رکھا اور اینڈ میں کریڈٹ لے لیا۔ "خواب زدہ" فرینہ نے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے جھوٹ بولا' لیکن وہ یہ تو سوچتی کہ وہ اپنے جھوٹ کی وجہ سے عارفین کی زندگی سے الگ ہو سکتی تھی یہ تو اس کی قسمت نے یاوری کی کہ عارفین اور اس کی فیملی مان گئی۔

"تو میری مانگ کا تارا" شامہ کا نائس رول کیونکہ باقی بہن بھائیوں کا جسٹ انڈر میٹرک ہونا اور شامہ کا انجینئر ہونا اور اچھی پوسٹ پر ہونا اچھا لگا۔ امامہ کے لیے حیرانی ہوئی کہ سگی بہن ہو کر بھی جیلس ہوتی تھی۔ یہ تو قسمت کے کھیل ہیں جس کو جتنا چاہے نواز دے' ویسے ان کی اماں جان نے شامہ کے فیوچر کے لیے امامہ سے کوئی کمپرومائز نہ کیا اچھا تھا۔ ویسے عورت کے لیے جاب' گھر اور بچوں کو مینٹین کرنا بہت مشکل ہوتا ہے شامہ نے اینڈ میں چلیں سمجھ داری سے کام لیا ویسے عد اس بھی اتنے نخرے نہ دکھاتا۔

"سنگ پارس" نوفل جاہ کتنا اچھا ہے جو اپنی فیملی اور سسرال دونوں کے لیے اتنا لونگ اور کیئرنگ ہے طوبیٰ اور نوفل کی غلط فہمیاں بھی جلدی سے ختم کر دیں ماہ نور بھی اب تو اسی نائس فیملی کا حصہ بنے گی نگین صاحبہ تو طوبیٰ کی زندگی خراب کرنے کے درپے ہے اب دیکھتے ہیں کیا گل کھلاتی ہے نگین۔ ویسے گھر کے نوکروں کو وفادار ہونا چاہیے۔ "امید صبح" زرلش کی طرح ہمیں بھی حیرانی ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب تو چھپے رستم نکلے۔ "راپنزل" سلیم کی موت ہمیں بھی بڑی بری طرح اداس کر گئی نینا کے لیے تو صرف ایک رشتہ تھا جس سے وہ ہر بات شیئر کرتی تھی شمرین کی سرجری کامیاب رہی۔

"عہد محبت" حجاب کے حوالے سے حوریہ کے خیالات اچھے لگے یہ محبت بھی انسان سے کیا کچھ کرا لیتی ہے محبوب کے رنگ میں رنگ دیتی ہے عبدالباری نے اچھا کیا اینڈ میں آ گیا' ورنہ حوریہ کی آنکھوں کی نمی مستقل اس کا مقدر بن جاتی اور عبدالباری کے لیے دربدری۔ "سب سے بڑھ کر میں" "اس" "میں" کے چکروں میں تو انسان قرض کی دلدل میں دھنس جاتا ہے اور گھر کا چین و سکون بھی ختم ہو جاتا ہے جہاں رئیسہ مطلبی نکلی وہاں صفیہ کو علینہ جیسی اچھی دیورانی ملی دنیا میں جہاں حاسد' مطلبی لوگ ہیں وہاں کچھ سینسئر لوگ بھی ہیں جن کی وجہ سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔

"دست مسیحا" موحد پہ تو غموں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ایک کے بعد دوسرا دکھ ایک حقیقت کو اس نے فیس نہیں کیا ہوتا دوسری اس پر آشکار ہو جاتی ہے بہت دکھ ہوتا ہے موحد کی کنڈیشن پر۔ ڈاکٹر عثمان سے جدائی ہی اسے احسن اور ثمرین کے قریب لائے گی اور ان کی بے تحاشا محبتیں موحد کو زندگی کی طرف لائیں گی ہشام کو تو کم عمری میں محبت کا روگ لگ گیا۔ "انار کلی" ٹھیک کہا سبز ہمیشہ کمزور کے حصے میں آتی ہے پھولوں جیسی ماہ نور جنگلی کے ہاتھوں

میں سلی گئی "تشنہ آرزوئیں" میں ورشہ بے چاری تشنہ ہی رہی۔ "آبلہ پا" بہت دکھ ہوا امجد اور خرم کی حرکت پہ وہ تو بے چاری بھائی سمجھتی تھیں اور یہ کیا نکلے۔ کرن ہر لحاظ سے لاجواب ہے اس کی تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ہوتی ہیں مجھے تو پورا کرن بہت پسند آیا اور دیگر سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح نمبرون ہے۔ کرن کتاب عید کے حوالے سے مزیدار ڈشنز ایک بک اب سوپ کے حوالے سے بھی ہونی چاہیے۔

ج پیاری طاہرہ! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ اور آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔

## دانیہ انجم۔۔۔ میانوالی پبلک ٹاؤن

میں دانیہ انجم' نادرا آفس میں کام کرتی ہوں۔ دو انتہائی شرارتی بچے جو ہر وقت لڑنے کی ہیچ رکھتے ہیں۔ ان کی لڑائیوں میں جج کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پیارے کرن سے روشن ہوجاتی ہوں۔ جب رسالہ لے کر بیٹھی تو ہر صفحہ پلٹتے ہی ان کو ایک گھرکی ضرور نکالی۔ افسانے پڑھتے ہوئے بچوں کو چپس بنا کر ٹالا تاکہ مزید ڈسٹرب نہ کریں۔ افسانوں میں "ہم انجم بکرا" فریدہ فرید کا اور "امید صبح" راشد علی دونوں ہی ہلکے پھلکے انداز میں دل کو بھائے اور خاص کر "آبلہ پا" کا ٹاپک اچھا تھا شاباش طلعت نفیس' ناولٹ "سنگ پارس" مہوش افتخار کا زبردست طریقے سے آگے سفر کررہا ہے۔ صدف صاحبہ کے "خواب زدہ" میں میں فرینہ کے بارے میں اتنا کہوں گی اکثر ایسے حالات میں پلنے والی لڑکیاں اسی طرح کی حرکتیں کرتی ہیں۔ ان کی نفسیات بری طرح بگڑ جاتی ہے۔ پھر خواب تو خواب ہوتے ہیں۔ مکمل ناول "تو میری مانگ کا تارہ" نے بہت متاثر کیا۔ مصباح علی کے مختلف ٹاپکس اور انداز میرا فیورٹ ہے۔ بہت برجستہ روانی میں لکھتی ہیں۔ صارم احمد اور پھوپھی اماں کے جملے' روبیہ اور چڑیا کے گھونسلے کی مثال شاباش۔ میں ایک بات تمام نوکری پیشہ سے کہوں گی۔ اگر آپ کو نوکری کی ضرورت نہیں تو خدارا اپنی نوکری کسی ضرورت مند کے لیے چھوڑدیں۔ یہ بھی ایک صدقہ جاریہ ہے۔ "من مورکھ" میرا موسٹ فیورٹ ہے۔ عباد گیلانی جیسے لوگ اگر بڑھاپے میں ٹھیک ہوجائیں پھر بھی معافی کے قابل ہرگز نہیں۔ پلیز حوریہ کے ساتھ مومنہ والا حال مت کرنا۔ آسیہ جی' آپ میری بہت پسندیدہ ہیں۔ "رابنزل" بہت اچھی طرح کھل چکی ہے اور سب سے اچھے کردار سلیم کے مرجانے کا دکھ اور شہرین کے ہوش میں آنے کی خوشی۔ باقی سلسلے بھی پسند آئے۔ خاص کر "کرن کتاب" کا دسترخوان لذیذ لگا۔

ج۔ پیاری دانیہ! ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ آپ بچوں کی مصروفیت کے باوجود کرن کے لیے وقت نکال ہی لیتی ہیں۔

## ناہید اعظم۔۔۔ میانوالی

میرا تعلق میانوالی سے ہے۔ کسی وقت یہ علاقہ بہت پسماندہ تھا' لیکن اب بہت ترقی کرگیا ہے خاص کر نمل یونیورسٹی کے قیام سے۔ سڑکیں بھی پہلے سے بہترین جن پر ہم سفر کرتے ہیں اور اپنے ڈائجسٹ خرید کرلاتے ہیں۔ میں پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کررہی ہوں۔ میری سہیلی اکثر اوقات خط لکھتی رہتی ہے چھپے نہ چھپے۔ اسے دیکھ کر مجھے بھی اظہار خیال کا جوش چڑھا۔ مجھے تو سارا رسالہ ہی بہت پسند ہے پہلے صفحے سے آخری صفحے تک۔

"من مورکھ کی بات" "رابنزل" "مانگ کا تارا" "سنگ پارس" سب ہی بہترین تھے۔ افسانے بھی سارے اچھے لگے خاص کہ "تشنہ آرزوئیں"۔

ج۔ پیاری بہن ناہید! آپ کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کے علاقے کی طرح پاکستان کا ہر علاقہ ترقی کریں۔ آمین۔ آپ آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیجیے گا۔

## سنبل خان بٹ۔۔۔ ملتان

اس بار ستمبر کا کرن عیدالاضحی نمبر تھا۔ ساتھ ہی دسترخوان والی کتاب بھی ملی' ایک ٹکٹ میں دو مزے ہوگئے۔

ٹائٹل میں ماڈل کا میک اپ اچھا لگا' ماتھے کا ٹیکا کچھ زیادہ ہی بھاری ہوگیا' مگر سوٹ کررہا تھا۔ "نامے میرے نام" میں اپنا خط تلاش کیا جو پچھلے ماہ بھیجا تھا' مگر شاید وہ آپ کی ردی کی ٹوکری کی نذر ہوگیا تھا' اس لیے نہیں لگا۔

ایک بات جو اس پرچے کی بہت اچھی ہے کہ آپ پرانی اور مشہور رائٹر کے ساتھ نئے لکھنے والوں کو بھی حوصلہ افزائی کرتی ہیں جو کہ قابل تحسین بات ہے۔ "رابنزل" ہمیشہ کی طرح بہترین تھا' شکر "من مورکھ" کی قسط دکھائی دی۔ مہوش افتخار کا "سنگ پارس" اچھا ہے' مگر زیادہ مزا "دست مسیحا" کو پڑھ کر آیا۔ اس کے بعد مصباح علی

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ناول پڑھا' انداز تحریر بے انتہا عمدہ لگا۔ اس کے بعد بشریٰ ماہا کا "عید محبت" پر نگاہ جمائی 'ٹھیک رہا۔ صدف آصف کی کہانیوں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی سبق ہوتا ہے 'مگر اس بار محبت کی اس کہانی نے دل کو چھو لیا۔ افسانوں میں طلعت نفیس کا "آبلہ پا" اور صبا آصف کا "سب سے بڑھ کر میں" پسندیدگی کی سند پا گیا۔ "مسکراتی کرنیں" ہمیں مسکرانے پر مجبور کر گئیں۔ شاعری کا انتخاب بھی اعلا لگا۔

ج۔ پیاری سنبل! ہمیں پچھلے ماہ آپ کا خط موصول نہیں ہوا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کا خط شائع نہ کیا جاتا۔ آپ کو عیدالاضحٰی نمبر پسند آیا۔ پسندیدگی کا شکریہ۔

### جویریہ افتخار۔۔۔ سرگودھا

تین چار دن پہلے میں کرن خرید لائی اور اپنے پسندیدہ "دست مسیحا" اور "راپنزل" پڑھنے کے بعد "تو میری مانگ کا تارہ" پڑھنے بیٹھ گئی۔ آپ یقین جانیں مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے باندھ لیا ہے اور میرے خط لکھنے کی اصل وجہ بھی مصباح علی کا ناول ہے۔ انہوں نے جو موضوع اٹھایا ہے۔ وہ قابل تحسین ہے ہمارے اردگرد کتنی لڑکیاں ایسی ہیں جو نوکری کے پیچھے اپنے گھر تباہ کر لیتی ہیں۔ لڑکی کے پاس ڈگری کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہر صورت جاب بھی کرے' خواہ میاں کو پسند ہو یا نہ ہو' اور ایک اور اہم بات کتنی لڑکیوں کے گھر میں نے خود دیکھے ہیں جو صرف ان کی ماں' بہنوں کے غلط مشوروں کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں۔ خدا کے لیے جب لڑکی شادی کے قابل ہو سکتی ہے تو اسے گھر بسانے کے قابل بھی رہنے دیں۔ لڑکا ہو یا لڑکی ہمیشہ گھر ٹوٹنے پر ان کا عمل دخل اتنا نہیں ہوتا' جتنا ان کی ماں' بہنوں کا۔ ویلڈن مصباح علی! آپ نے بہت اچھا موضوع چنا۔ ہمیں آپ کے اگلے ناول کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اب بات کروں گی "سنگ پارس" مہوش افتخار کی۔ نوفل جاہ اچھا بھلا انسان ہے۔ طوبیٰ شروع سے اسے جانتی ہے پھر خفگی کیوں۔۔۔؟ مجھے تو نگین بے حد بری لگ رہی ہے۔ یقیناً" وہ اپنی فتنہ پرور سازش میں پوری طرح کامیاب ہونے کی کوشش کرے گی۔ بہرحال' نوفل کو عقل سے کام لینا چاہیے 'مہوش افتخار بہت اچھا ناول لے کر آئیں۔ مبارک ہو۔

اور "من مورکھ کی بات" دھیرے دھیرے چل رہا ہے۔ ذرا تیزی لائیں۔ افسانے عید کی مناسبت سے سارے اچھے تھے۔ "سب سے بڑھ کر میں" صبا آصف نے اچھا پیغام دیا کہ کسی کا منہ لال دیکھ کر اپنا منہ تھپڑوں سے لال نہیں کرنا چاہیے۔

ج۔ پیاری جویریہ! آپ کو مصباح علی کا ناول "تو میری مانگ کا تارہ" کے پسند کرنے کا شکریہ۔ آپ آئندہ بھی خط لکھتی رہیے گا۔

### صبا خان۔۔۔ بہاول پور

اس بار بڑی تفصیل سے خط لکھنے کا ارادہ تھا' مگر وقت کی کمی اور بیچ میں بقر عید کی مصروفیت آڑے آ گئی' اس لیے مختصر طور پر تبصرہ کرنا چاہتی ہوں' ایک بات تو یہ ہے کہ خوب صورت ماڈل نے دل کو چرا لیا۔ اس کے بعد حمد و نعت پڑھ کر دل کو ٹھنڈک ملی۔ امتل آپی کی بڑی بہن کی انتقال کی خبر سے دل کو شدید صدمہ ہوا' اگر ہو سکے تو ان تک ہماری تعزیت پہنچا دیجیے گا۔

ردا آفتاب سے ملاقات اچھی لگی۔ ایک مشورہ تھا کہ آپ اس طرح کے معروف شیف سے جب بھی انٹرویو کریں' ان کی کوئی نہ کوئی ریسپی ضرور شیئر کروایا کریں۔ اب آتی ہوں تبصرے کی جانب' سب سے پہلے مصباح علی کا ناول پڑھا "تو میری مانگ کا تارہ" بہت زبردست انداز تحریر۔ شاباش۔ اس کے بعد ناولٹ کی جانب نگاہ گھمائی' شکر ہے کافی عرصے کے بعد صدف آصف کا پیارا نام دکھائی دیا' فوراً" ہی پڑھا۔ "خواب زدہ" پڑھ کر منہ سے بے ساختہ واہ نکلا' ہلکی پھلکی شاندار تحریر' بشریٰ ماہا کا ناولٹ "عید محبت" بھی اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول پڑھنا باقی ہیں' اس لیے تبصرہ محفوظ ہے۔ ماشاء اللہ اتنے سارے افسانے دیکھ کر دل جھوم اٹھا' راشدہ علی کا "امید صبح" اور شازیہ ستار کا "انارکلی" سب پر بازی لے گیا۔ "تشنہ آرزوئیں" بھی مختصر تحریر تھی' مگر پسند آئی۔ اوور آل پورا پرچہ دل پر چھا گیا۔

ج۔ پیاری صبا! آپ کی تعزیت امتل تک پہنچا دی ہے اور آپ کی فرمائش بھی نوٹ کر لی گئی ہے۔ کرن پسند کرنے کا شکریہ۔

☆ ☆